ماہنامہ حجاب کراچی

aanchalnovel.com

Hijab Digest April 2018

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براوٗزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ
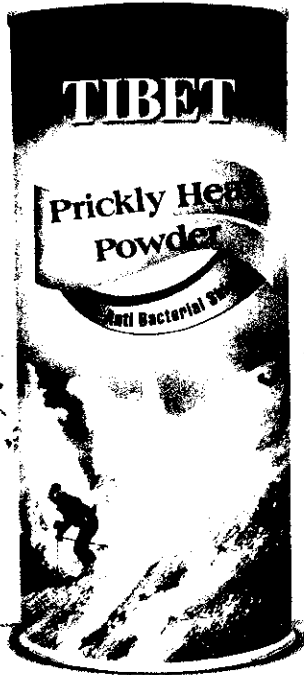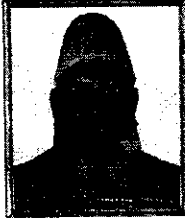
ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا
ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ "ماہنامہ آنچل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔
قدرتی بال، سر کی رونق بحال
Aphrodite
Hair Grower
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ
Hair Inhibitor
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 900/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 800/= روپے
الفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی
Breast Beauty
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 600/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
الفروڈائٹ پین کلر
Pain Killer
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت 700/= روپے
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت 500/= روپے
زیر نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا
ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دوکان نمبر C-5، کے ڈی فلینس فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، نارتھ کراچی 75850
فون نمبر: 021-36997059 صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں
منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم، 0320-1299119 پر SMS کردیں

اپریل 2018ء کے شمارے کی ایک جھلک

جل پری: ایسی جل پری کی کہانی جو سیکڑوں سال پہلے اپنی ماں سے بچھڑ گئی تھی اور نیلے سمندروں میں دونوں ایک دوسرے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھیں ساحلی شہروں میں ان کی کہانیاں زبان زدعام تھیں سیاح جوق در جوق ان کے مجسمے دیکھنے اور ان کی حقیقت جاننے آتے تھے پھر ایک جل پری اچانک اک دوشیزہ کی کشتی میں نمودار ہوئی۔ مغربی ادب سے انتخاب ایک ہارر ناول کی تلخیص

خبیث روحیں: ایک نوجوان کی سرگزشت لوگوں کی نظر میں اس کی منگیتر چار سال قبل ایک حادثہ کا شکار ہو کر دنیا سے چل بسی تھی پھر اچانک اسے پتا چلا کہ اس کی محبت زندہ ہے اور خبیث ارواح کی قید میں ہے۔

لال موم بتیاں: احساس محرومی اگر حد سے تجاوز کر جائے تو انسان درندہ بھی بن جاتا ہے اور پھر مظلومیت کی انتہا کو بھی چھو لیتا ہے۔ اپنوں کی محبت سے محروم ایک بچے کی روداد، جو چوتھی منزل سے کود کر خوف کی علامت بن گیا تھا۔

آسیب زدہ: ڈیفنس کراچی میں واقع ایک بنگلے کا احوال، جہاں ایک ماں بیٹی کا قتل ہو گیا تھا پھر جب ایک نوجوان جوڑے نے وہاں رہائش اختیار کی تو وہ ماں بیٹیاں اچانک سامنے آ گئیں۔ خوف و دہشت سے لبریز ایک ایسی تحریر جو آپ کے رونگٹے کھڑے کر دے گی۔

اپرادھی: وہ ایک پرانا گھر تھا، جہاں ایک متروک کنواں بھی موجود تھا ہر ماہ کی پورے چاند کی رات ایک حسینہ کنویں سے نکل کر رقص کرتی تھی وہ کون تھی کیا تھی کسی کو نہیں معلوم نہیں تھا البتہ اس مکان کا مالک اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ خوف ناک نمبر کے لیے ایک انوکھا ناول

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد	زیب النساء فرحت آراء
مدیراعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آراء
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
معاون مدیر	ندا رضوان، عثمان عبداللہ
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی

جلد	03
شمارہ	07
مئی	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن/ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

سرورق: سدرہ جبار..... آرائش: روز بیوٹی پارلر.....عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

اپریل 2018ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

زندگی کی بھاگ دوڑ میں انسان اب اپنے سگے رشتوں کو بھی پیچھے چھوڑنے یا کترا کر نظر بچانے پر مجبور ہوگیا ہے' خود غرض بن گیا ہے کہ مہنگائی کا رونا روتے ہر رشتے کو نبھانا فرض کی جگہ مجبوری نظر آرہی ہے پہلے کی بات لیتے ہیں یعنی کچھ وقت پیچھے چلتے ان حالات کا جائزہ لیں تو کم آمدنی میں بھی لوگ گزارہ کررہے تھے کیوں؟ کیا مہنگائی ان کے لیے نہیں تھی اخراجات ان کے بھی تو زیادہ تھے جہاں دس بچے ایک چھت کے نیچے رہتے تھے اس کے علاوہ والدین اور بہن بھائی بھی جوائنٹ فیملی کی شکل میں ایک ہی چھت تلے خوشی اور اطمینان بھری زندگی بسر کرتے تھے کمانے والا ایک اور کھانے والے دس یا اس سے زیادہ۔ مہنگائی تو اس وقت بھی تھی' مہنگائی تو اب بھی ہے وجہ یہ ہے کہ محبت اور بھائی چارہ نہیں رہا جس کی وجہ سے ہم بہت سے مسائل کا شکار ہوگئے ہیں اور یہ مسائل ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں ان سے نہ ہم نظر چرا سکتے ہیں اور نہ ہی کنٹرول کرسکتے ہیں وجہ دوسروں کی حرص میں ہم اپنی ہی چادر سے پاؤں باہر نکال رہے ہیں اس کے پاس مہنگا موبائل ہے میرے پاس نہیں اس کے گھر میں نیٹ' کمپیوٹر اور جانے کیا کچھ ہے لیکن میرے پاس نہیں اور یہ ہی باتیں ہمیں آگے نکلنے پر تو اکساتی ہیں لیکن ساتھ ہی ہماری سوچ اور دل کو دوسروں کی طرف سے تنگ کردیتی ہیں ایسا کیوں ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود ہمارے دل میں اپنوں کے لیے وسعت نہیں رہی کسی پہلو سکون نہیں رہا بات ساری یہی ہے کہ ہم نے اپنوں کا ساتھ چھوڑا ہے ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا یہاں تک کہ اب تو حال پوچھتے بھی ہم سوچتے ہیں کہ کہیں بدلے میں وہ اپنی کوئی مجبوری ظاہر نہ کردے اور ہم سے مدد طلب نہ کرلے کتنی ہی ایسی اور باتیں ہیں جن کا الزام ہم مہنگائی کو دیتے ہیں مہنگائی کا زور اسی صورت ٹوٹے گا جب ہم اتفاق سے رہیں گے ایک دوسرے کی ضرورت کو سمجھیں گے۔

آپ قارئین بہنیں بھی کہیں گی کہ میں کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی دل کی بات تھی جو آپ سے کہہ دی اب حجاب کے حوالے سے بات ہوجائے۔ آپ سب کے تعاون سے الحمدللہ حجاب ترقی کی شاہراہ پر محو سفر ہے اور آپ کی شرکت ہمارے لیے باعث مسرت بنتی ہے اسی طرح آپ ہر ماہ شرکت کرتی رہا کریں تاکہ آپ کی آمد سے حجاب کے حسن میں اضافہ ہو ان شاء اللہ مئی کا شمارہ رمضان نمبر اور جون کا شمارہ عید نمبر ہوگا اس لیے تمام بہنیں اس مناسبت سے اپنی نگارشات ارسال کریں اور مصنفین بھی عید اور رمضان کے حوالے سے اپنی تحریریں بیس اپریل سے پہلے ارسال کردیں' اب بڑھتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب۔

……اس ماہ کے ستارے……

سدرہ فریال' نسرین رانا' حمیرا قریشی' سنبل خان' سمیعہ عثمان' نورین مسکان' خدیجہ جلال

حمد

ذرہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں
کرنیں ملیں کرم کی تو حمد و ثنا لکھوں

تیری صفات و ذات میں تفریق ہے عبث
جلوہ لکھوں تجھے کہ میں جلوہ نما لکھوں

واحد کہوں، وحید کہوں، حامد و حمید
تجھ کو حکیم و حاکم روز جزا لکھوں

قیوم بھی، قدیم بھی ہے تو عظیم بھی
مطلق لکھوں، صمد لکھوں رب العلیٰ لکھوں

ذروں کو آفتاب کے جلوے عطا کیے
اس سے سوا میں اور کیا تیری عطا لکھوں

عالم نیا ہو روز مرے وجد و حال کا
مضمون تیری حمد کا ہر دم نیا لکھوں

جناب وجد چغتائی

نعت سرکار کی پڑھتا ہوں میں
بس اسی بات سے گھر میں میرے رحمت ہوگی
اک ترا نام وسیلہ ہے مرا
رنج وغم میں بھی اسی نام سے راحت ہوگی
کبھی یاسین، کبھی طٰہٰ کبھی واللیل آیا
جس کی قسمیں مرا رب کھاتا ہے
کتنی دلکش میرے محبوب کی صورت ہوگی
یہ سنا ہے کہ بہت قبر اندھیری ہوگی
قبر کا خوف نہ رکھنا اے دل
وہاں سرکار کے چہرے کی زیارت ہوگی
حشر کا دن بھی عجب دیکھنے والا ہوگا
زلف لہرائے وہ جب آئیں گے
پھر قیامت میں بھی اک اور قیامت ہوگی
میرا دامن تو گناہوں سے بھرا ہے الطاف
اک سہارا ہے کہ میں ان کا ہوں
اسی نسبت سے کہ حشر شفاعت ہو گی
اک تیرا نام وسیلہ ہے مرا
رنج وغم میں بھی اسی نام سے راحت ہوگی

جناب الطاف صاحب

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

رشک حنا

تمام حجاب اسٹاف، رائٹرز اور چلبلے قارئین کو السلام علیکم، 10 جون کی کڑکتی دھوپ اور گرمی میں ملک پاکستان کے شہر کھڈیاں خاص ضلع قصور کوٹ ڈوگراں والا کے علاقے میں اس دنیا کے اندھیروں کو دور کرنے کے لیے روشنی بن کے آئی (ہائے اللہ) اور جس دن اس دنیا میں تشریف لائی تو پورے ضلع کی بجلی کٹ گئی (ہے ناں کمال) تین بہنوں میں سب سے بڑی ہوں اور گھر کی رونق بھی (روتے ہوئے کو ہنسانا میرا مشغلہ ہے)۔

گھر میں اٹیچمنٹ زیادہ تر اپنی چھوٹی بہنوں اور ابو سے ہے مگر اپنی فرینڈز سے مثلاً عمیرہ، مدیحہ، اقراء، رافعہ، مہوش، عائشہ، طیبہ، رخسانہ، ثمرہ کے ساتھ بہت کلوز ہوں (یہ میرا سرمایہ حیات ہیں) بیسٹ ٹیچرز مس شمائلہ، مس نائلہ، مس صائمہ، مس منزہ، مس زوبیہ ہیں اب آتے ہیں پسند ناپسند کی طرف تو پنک، سرخ، بلیک، سفید اور پیلا میرے فیورٹ رنگ ہیں پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ، قائداعظم، علامہ اقبال اور ذوالفقار علی بھٹو ہیں۔ فیورٹ رائٹرز عمیرہ احمد، نمرہ احمد، ہاشم ندیم اور بانو قدسیہ ہیں۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال، احمد فراز اور غالب ہیں فیورٹ سنگرز راحت فتح علی اور نصرت فتح علی خان ہیں اب بات کرتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی تو سننے میں بہت کیئرنگ، حساس، صاف گو سب کے کام آنے والی، بہت مخلص اور ذہین (بقول میری کزن شگفتہ کے) اور خامیاں چراغ لے کر بھی تلاش کرنے پر نہیں ملتیں ہر کسی پر اعتبار کر لیتی ہوں چاہے وہ گدھا ہی کیوں نہ ہو رات کو دیر تک جاگنا (بقول میرے ابو کے مجھے پاکستان اور بھارت کے بارڈر پر ہونا چاہیے) لباس میں لونگ شرٹ، ٹراؤزر اور فراک پسند ہے ایک بار کوئی دل سے اتر جائے تو پھر اس کی طرف سے بہت محتاط رہتی ہوں۔

اک بار جس کو اپنی نظروں سے گرا دیں
اس شخص کو پھر دل میں بسایا نہیں کرتے

پڑھنے کا بے حد شوق ہے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا تھا کہ میں جب تک کچھ پڑھ نہ لیتی تھی مجھے نیند نہیں آتی تھی روز ہر قسم کے میگزین، ناول اور کتابیں وغیرہ پڑھتی ہوں بڑی رائٹر اور شاعرہ بننے کا شوق ہے دوست بنانا بہت اچھا لگتا ہے میرے نزدیک تو دوستی ایک انمول رشتہ ہے لیکن مجھے اس وقت بہت دکھ ہوتا ہے جب لڑکیاں دوستی کی آڑ میں اپنی ضرورت پوری کر کے مجھ سے دوستی توڑ دیتی ہیں اس وقت جس کو میں اپنی سب سے اچھی دوست سمجھتی ہوں وہ میری کلاس فیلو ہے اس کا نام عمیرہ ہے وہ مجھے سب سے الگ اور منفرد لگتی ہے اس کا بات کرنے کا انداز بہت اچھا ہے آج تک میری زندگی میں جتنی بھی دوستیں آئی ہیں ان میں سے وہ سب سے مختلف ہے اور مجھے بہت اچھی لگتی ہے میری چھوٹی سی دنیا ہے جس میں خوش رہتی ہوں اپنے پاپا سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میرے پاپا ہی میری کل کائنات ہیں اللہ ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر قائم رکھے آمین۔

میری ہمیشہ سے یہی خواہش رہی ہے کہ میں کسی اعلیٰ مقام پر پہنچ جاؤں بس یہی سوچ کر میں نے قلم اٹھایا اور یہ سب کچھ لکھ ڈالا مجھے امید ہے آپ میری اس خواہش کو پورا کرنے میں میری پوری مدد کریں گے اور مجھے مایوس نہیں کریں گے میں نے اپنے بارے میں سب کچھ اس لیے بتایا ہے تاکہ آپ میری خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے اس بڑھائے ہوئے قدم کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں کہ یہ میری پہلی کاوش ہے مجھے اتنا تجربہ تو نہیں تھا مگر کوشش کی ہے کہ اچھا لکھ سکوں یہ سب میں نے بہت محنت اور لگن سے لکھا ہے اگر اس میں کہیں بھی کوئی کمی کوتاہی ہوگئی ہو تو پلیز درگزر کر دیجیے گا۔

فائزہ شاہ

سب پڑھنے والوں کو محبت بھرا اسلام میرا نام سیدہ فائزہ شاہ ہے اور میں ہزارہ کے پی کے خانپور کی رہنے والی ہوں 11 اگست 1997ء کو اپنے گھر میں رحمت بن کر اس دنیا میں آئی میرا اسٹار LEO ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں تین بہنیں ہیں اور دو بھائی میرا نمبر دوسرا ہے میں ایف اے کی اسٹوڈنٹ ہوں میری خامی یہ ہے کہ میں دوسروں پر جلدی یقین کر لیتی ہوں اور جب دھوکا کھاتی ہوں تو دل کرتا ہے ان کی جان لے لوں (خیر کبھی ایسا ہوا نہیں...... ہاہاہا) کام کرتے وقت سونگ سنتی ہوں کیونکہ اس کے بنا کام کرنے میں مزہ نہیں آتا میرے خیال میں خوبی یہ ہے کہ زیادہ تر اپنا غصہ کنٹرول کر لیتی ہوں اور مجھے خوش رہنا اچھا لگتا ہے خواہش کی بات کریں تو میں پورا پاکستان دیکھنا چاہتی ہوں اور دنیا کے سارے کام کرنا چاہتی ہوں (معصوم سی خواہش میری)

اللہ سے دعا ہے میری یہ خواہش پوری ہوجائے آمین۔ پسند کی بات کریں تو وائٹ، بلیک اینڈ پنک کلر پسند ہے ڈریسز میں

فراک، لانگ شرٹ، چوڑی دار پاجامہ، دوپٹا اچھا لگتا ہے اور مجھے ہر فیشن اچھا لگتا ہے اور میں کرتی بھی ہوں جو مجھ پر اچھا لگے اور مجھے مستقبل میں ڈزائنر بننے کا شوق ہے جیولری میں بریسلیٹ، چین، رنگ اور کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں پینٹنگ اور شاعری کرنا بھی پسند ہے خوب صورت مناظر اٹریکٹ کرتے ہیں اور پھر ان کو تصویر میں قید کرنا پسند ہے بیٹھے میں میری جان ہے کھانے میں جو بھی پکا ہو کھا لیتی ہوں اور پکانے کا شوق بالکل بھی نہیں ہے بس کہتی ہوں کہ پکا ہوا مل جائے اور کھانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنا نہیں بھولتی کہ وہ میری خطاؤں کو بھول کر اپنی شان کے مطابق مجھے عطا کرتا ہے اور میری فیورٹ پرسنیلٹی حضرت محمد ﷺ ہیں، آواز میں جو آواز کانوں کو بہتر لگے وہ اچھی لگتی ہے گھر میں پودے لگانا مجھے اچھا لگتا ہے چاندنی راتیں اچھی لگتی ہیں اور چاند راتوں میں گھومنا پھرنا اچھا لگتا ہے مجھے سردیوں کی بارش اچھی لگتی ہے مہینوں میں رمضان کا مہینہ اچھا لگتا ہے اور عبادت کے لیے رمضان کی طاق راتیں بے حد پسند ہیں۔

میرا جملہ

"پہلے خود کو اور اپنے دل کو ٹھیک کر لو پھر کسی دوسرے کو نصیحت کرو۔" اب مجھے اجازت چاہیے کیونکہ میں جاؤں گی تو آپ بتائیں گے کہ مجھ سے مل کر آپ کو کیسا لگا آخر میں اپنی لکھی گئی نظم کے ساتھ اجازت۔

بارش کی بوندوں کو
پھولوں پر
گرتے دیکھا تو
خیال آیا
کہ......
تم بھی بارش میں
بھیگتے ہوئے
کتنے اچھے لگتے گے......!

اعتسام چوہان

پیارے قارئین اور رائٹرز بہنوں کیا حال ہے آپ سب کا غالباً آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہوگا اور پہچانتے بھی کیسے کیونکہ میں پہلی بار محفل خصوصی میں شرکت فرما رہی ہوں۔

میرا اسم گرامی ہے اعتسام چوہان ہم ماشاءاللہ گیارہ بہن بھائی ہیں یعنی چھ بھائی اور پانچ بہنیں ہیں' بہن بھائیوں میں بلحاظ ترتیب میرا پانچواں نمبر ہے بڑے بھائی اور بہن کی شادی ہو چکی ہے میرے دو بھتیجے اور ایک بھتیجی ہے یعنی آرزو، اریان اور نعمان، تینوں بہن بھائی بہت پیارے اور شرارتی ہیں اب آیئے ہم بات کرتے ہیں بابدولت کی پسند و ناپسند کی تو میری پسندیدہ شخصیت حضرت محمد ﷺ ہیں اور پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے پھولوں میں مجھے گلاب اور سرسوں کے پھول بہت اچھے لگتے ہیں خوش بو کی بات کریں تو مجھے گیلی مٹی اور مہندی کی خوشبو پسند ہے کھانے کے بارے میں جو بھی مل جائے اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیتی ہوں کپڑوں میں مجھے سادہ شلوار قمیص پسند ہے جیولری میں بالیاں اور چوڑیاں اچھی لگتی ہیں رنگوں میں بلیک اور پنک پسندیدہ ہیں فلو کاروں میں حنا نصر اللہ، عارف لوہار، معصومہ، فرح انور، حمیرا چنہ اور فریحہ پرویز کے گانے کا انداز دل کو بہت بھاتا ہے رائٹرز میں نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طور، راحت وفا، فاخرہ گل، نزہت جبین ضیاء، رفعت سراج اور اقرا صغیر احمد پسند ہیں شاعروں میں ڈاکٹر محمد علامہ اقبال، وصی شاہ، پروین شاکر، امجد اسلام امجد اور فیض احمد فیض بہت پسند ہیں بہت سی خوبیوں کے ساتھ مجھ میں کچھ خامیاں بھی ہیں گھر والوں کے بقول غصے کی بہت تیز ہوں غصہ آ جائے تو کسی کی بات نہیں سنتی اور اپنی بات منوا کر ہی دم لیتی ہوں خوبیوں میں، میں پانچ وقت کی نمازی ہوں وقت کی بہت پابند ہوں اور پھر بہت زیادہ حساس بھی ہوں میری بہترین دوستوں میں مہوش یعقوب اور ردا ظفر شامل ہیں مہوش میری بچپن کی سہیلی ہے اب ان الفاظ اور جذبات کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتی ہوں کہ اللہ قادر المطلق پاکستان کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے اگر کوئی بہن دوستی کرنا چاہتی ہو تو خوش آمدید۔

اقرا جٹ

شدتوں، الفتوں، چاہتوں اور تازگی بھرا سب کو سلام یخ سردی میں ٹھٹھرتی رات میں ہم آئے رات کے گیارہ بجے اس دنیا میں ہماری ادھر تشریف آوری ہوئی۔ اس پیاری سی شہزادی کو کہتے ہیں اقرا جٹ 24 نومبر میں پیدا ہوئی۔ پیارے سے شہر تخچن آباد میں رہتی ہوں۔ دادی، دادا، نانی، نانا اور ایک چاچو اور ایک خالہ ہمیں اس دنیا میں چھوڑ کر خود رخصت ہو چکے ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعا۔ آنچل، حجاب، خواتین، شعاع، کرن اور اب نئے افق بھی پڑھنے لگی ہوں سوچا کیوں نہ "پری وش" میں انٹری دی جائے ہم سات بہن بھائی ہیں پانچ بہنیں دو بھائی میں سب سے بڑی ہوں (ہاہاہا) نومبر کا مہینہ میرا فیورٹ ہے ایک اپنی برتھ ڈے دوسرا حجاب اور تیسرا ڈاکٹر محمد علامہ اقبال کی وجہ سے، سب ہی رنگ ہم پر کھل اٹھتے ہیں مہک جاتے ہیں مگر موسٹ فیورٹ پنک، بلیک اینڈ فیروزی کلر ہیں کوکنگ کا خاص شوق نہیں مگر کرنی پڑ جاتی ہے

اکثر میری مما کے ہاتھ کا پکا کھانا کوئی ایک دفعہ کھالے تو ساری عمر انگلیاں چاٹتا ہے میرے ہاتھ میں بھی ماشاءاللہ ذائقہ بہت ہے مگر وہ کیا ہے کہ ہم تھوڑے کام چور ہیں۔ کھانے میں سب ہی تقریباً کھالیتی ہوں سویٹ بہت زیادہ پسند ہے (اس لیے بہت سویٹ ہوں جلومت ہاہاہا) کسٹرڈ، گول گپے، سموسے، چاٹ، بہت پسند ہے چکن کڑاہی، گوبھی گوشت (صرف اپنے ہاتھ کا پکا ہوا) پالک گوشت اور ساگ پسند ہے آئی لو آرمی، اسپورٹس، گھڑ سواری، ہاکی، کرکٹ وغیرہ، فیورٹ ہستی حضرت محمد ﷺ، قائد اعظم محمد جناحؒ اس کے بعد پاپا اور ایک مائی بیسٹ فرینڈ ہے (سمجھ جائیں) میرے بابا جانی کو خواب میں تین مرتبہ نبی پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ میں خود کو لکی سمجھتی ہوں آزمائشیں بہت ہیں ابھی بھی مگر کوئی بات نہیں جب اللہ پاک ساتھ ہے تو کیسا ڈر پسندیدہ شاعر وصی شاہ، احمد فراز، فیض احمد فیض اور ڈاکٹر محمد علامہ اقبال ہیں ناول جتنے بھی پڑھے سب ہی ٹھیک ہیں سب میں کوئی نہ کوئی سبق ہوتا ہے ایک ناول "بے زباں خدا" بہت زیادہ اچھا لگا تھا لانگ فراک، جینز، شارٹ شرٹس، بیلٹ شلوار اور اوپر شارٹ شرٹ اینڈ لمبا دوپٹا بہت پسند ہے، فراک، چوڑی دار پاجامہ اینڈ لانگ چنری پسند ہے بچپن میں فراکس پہنی تھی یا جینز، ٹراؤزر شرٹس اب بھی جب بھی فراک پہنوں، بہت گھومتی ہوں (امی جان کو پاگل شہزادی لگتی ہوں) جیولری پسند ہے مگر بریسلیٹ، کانچ کی چوڑیاں بہت ہیں پسند میک اپ پسند ہے مگر میں زیادہ سمپل رہتی ہوں پرفیومز بہت زیادہ پسند ہیں۔

ڈائری لکھنا اچھا لگتا ہے مگر لکھتی نہیں شاعری پسند ہے خود بھی کرلیتی ہوں کھیلوں میں بیڈمنٹن اور لیڈو بہت پسند ہیں خامیاں، خامیاں سب کے مطابق یہ ہیں کہ صاف گو ہوں، ضدی بہت زیادہ ہوں (جٹ ہوں اور ضدی نہ ہو؟) غصہ کی بہت تیز ہوں سخت مزاج ہوں (کھڑوس، انا پرست، اکڑو یہ لقب ملتے رہتے ہیں) ہر ایک پر یقین کرکے دھوکا کھالیتی ہوں۔

خوبیاں...... سب کے مطابق لونگ ہوں کیئرنگ ہوں فار ایوری ون، کسی دشمن کو بھی روتا ہوا نہیں دیکھ سکتی، معاف کردیتی ہوں اگلے کے مزاج کو سمجھ لیتی ہوں فوراً ایڈجسٹ کرلیتی ہوں سب کو ہنستے دیکھنا چاہتی ہوں آئی ہیٹ فرینڈ، فرینڈز نے بہت بڑا دھوکا دیا جس کی سزا اب تک بھگت رہی ہوں تین سال سے ہر خواب ریزہ ریزہ ہوگیا۔ ہر سپنا بکھر گیا دل میں کرچیاں چبھ گئیں آنکھیں لہولہان ہوگئیں، بس ایک انسان ایسا ہے جس نے ہر موڑ پر میرا ساتھ دیا دوغلے، منافق، حاسدی لوگ بہت برے لگتے ہیں جو بھی مجھے ایک دفعہ ملے یا دیکھ لے مجھے ضرور فرینڈ بناتا ہے جو بھی ہو یہ قدرتی اٹریکشن ہے سردیوں کی لمبی راتوں میں باہر سردی میں ٹہلنا یخ ٹھنڈی ہوا میں آئسکریم کھانا، بائیک ڈرائیونگ، نکلتے چھپتے سورج کے نظارے کو دیکھنا، صاف نیلے آسمان پر وائٹ وائٹ موتی جیسے بادلوں کو دیکھنا، بارش میں بھیگنا فراک پہن کر بال کھلے چھوڑ کر گول گول گھومنا بارش کے بعد یخ ٹھنڈی ہوا میں چائے ساتھ کوئی ناول لے کر کسی کھڑکی یا چیئر پر بیٹھنا، پینگ جھولنا، دوسروں کی مدد کرنا، وادیوں، پہاڑوں، سمندروں، جزیروں اور نت نئے ملکوں کی سیر کرنا (موویز میں ہاہاہا) اور ڈھیر سارا پڑھنا بہت پسند ہے۔ میرے بابا جانی بہت سخت ہیں پانچ وقت کی نمازیں، تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین بھی ادا کرتی ہوں، رات کو سونے سے پہلے سورۃ ملک اور صبح سورۃ یاسین اور سورۃ الرحمان اور جمعۃ المبارک سورۃ کہف لازمی پڑھتی ہوں دوسروں کے حق میں میری دعا اور بددعا بہت جلد مقبول ہوتی ہے کسی کے ساتھ بے وفائی نہیں کرتی کسی کو دھوکہ نہیں دیتی مگر مجھ سے تقریباً 90 فیصد لوگ جلتے ہیں (حقیقتاً)

چلیں جی بہت ہوگیا اب سب نے کھل کر مجھے جان لیا ہے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف کردینا مائی بیسٹ فرینڈ، ٹیچر تھینک یو آلاٹ، الحمدللہ بہت ٹیلنٹڈ ہوں دنیا کا ہر کام کرسکتی ہوں (جو دیکھتا کہتا ہے) خدا نے اتنی ذہانت دی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے۔

کبھی تو ہماری بھی قسمت کھلے گی سب ماؤں کو تہہ دل سے سلام اور مما جانی آپ کو بھی اللہ پاک ہم سب کے والدین کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔ ایک چھوٹی سی بات کسی کی خامیوں کو اچھالنے سے بہتر ہے اس میں اس کی اچھائیاں ڈھونڈیں، کسی کا دل مت دکھائیں، مجھ سے پوچھیں جب دل دکھتا ہے ہر چیز دھندلا جاتی ہے ہر راستہ بند ہوجاتا ہے جب کوئی دل دکھا کر ہمیں رلاتا ہے کوئی دھوکا دیتا ہے تو کیا گزرتی ہے خدارا بچیں، ایسے گناہوں سے جو دن بدن پھیلتے جارہے ہیں تعارف کیسا لگا بتایئے گا خوش رہو مسد ےمسدے رہو جی اللہ حافظ۔

زندگی کی اندھیری راہوں سے اتی
خوشی کے جگنو پکڑ کر لاتی ہوں

نئی رتوں میں گئی رتوں کو تلاش کرنا
شب اماوس میں جگنوؤں کو تلاش کرنا
موسم کوئی بھی ہو رت کوئی بھی ہو جب ایشئن ساؤنڈ ریڈیو پر کہکشاں سمٹتی ہے فضا میں سونا اگلتی ہے گیت ہو یا غزل ہر ایک استعارہ ہے شعر پر ایک اداس چاند جیسا ہے لفظ ستارہ ہے کہکشاں سجاتی ہیں نزہت محبوب کبھی سحر کی اجلی اجلی ساعتوں میں کبھی سہہ پہر چنچل سی پر کیف فضاؤں میں اور کبھی رنگین سی شاموں میں۔

☆ السلام علیکم نزہت آپی کیسی ہیں؟

وعلیکم السلام الحمدللہ ٹھیک ہوں۔

☆ حجاب کے قارئین کو بتایئے اپنے بارے میں، کب اور کہاں پیدا ہوئیں تعارف تو آپ نے کرا دیا ہے۔

تاریخ پیدائش پانچ جولائی ہے۔ روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوئی، (کم از کم اس وقت تو روشنیوں کا شہر ہی تھا) بچپن گزرا میرا پنجاب میں جہلم کے پاس ایک خوب صورت گاؤں ہے جس کے چاروں طرف چنچل سی ندی بہتی ہے جہاں سرسبز و شاداب کھیت اور ٹھنڈے میٹھے پانی

روشنی کا دھارا ہے تتلیاں بھی اس کی لوریوں سے سوتی ہیں جو بھی جگنو سنتا ہے۔ منتظر ہی رہتا ہے جی ہاں اے ایس آر پر کہکشاں جب سمٹتی ہے اور یہ

کے کنوئیں، بہت ہی خوب صورت نظارہ ہوتا ہے جب چنچل مٹیاریں سر پر مٹی کے گھڑے پانی سے بھرے اٹھا کر لہرا لہرا کر چلتی ہیں تو مجال ہے کہ ایک قطرہ پانی بھی چھلکے
بچپن میرا ماں جی اپنی نانی امی یعنی بے جی، نانا جی اور خالہ جان کے ساتھ گزرا، سب کا تعلق تعلیم کے شعبے سے تھا نانا جان لڑکوں کے ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے بے جی لڑکیوں کے ہائی اسکول میں ہیڈ مسٹرس تھیں اور خالہ جان جنہوں نے بی اے اردو عالم، اردو فاضل میں ڈگری حاصل کی وہ بھی ہائی اسکول میں ٹیچنگ کے شعبے سے منسلک تھیں میرا بچپن ایسی عظیم ہستیوں کے ساتھ گزرا، گھر میں علم، ادب کا ماحول تھا اور آپ کو پتا ہے ماحول کا اثر آپ کی شخصیت پر پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ اردو ادب سے مجھے بھی دلچسپی رہی اپنی زبان، اپنے کلچر، اپنی ثقافت سے ہمیشہ محبت رہی جب ہوش سنبھالا تو انگلینڈ آ پہنچے بالکل الگ ماحول، مختلف کلچر، انگلش زبان، ابو ہمارے پہلے پاکستان آرمی میں تھے پھر یہاں آ گئے اس لیے

ہمیں بھی یہاں آنا پڑا یہاں آ کر بھی میں بڑے شوق سے مختلف میگزین ناول وغیرہ پڑھتی تھی شوق سے مگر ملتے بہت مشکل سے تھے۔
اے آر خان، رضیہ بٹ، سلمٰی کنول کے ناول بہت پسند تھے اور اسی طرح شاعری بھی بہت پسند تھی میری پسندیدہ شاعرہ پروین شاکر، احمد فراز، فیض احمد فیض، امجد اسلام امجد، نوشی گیلانی، ادا جعفری کو بہت پڑھا میری ہمیشہ سے عادت تھی کہ جب کوئی شعر اچھا لگتا کوئی غزل پسند آتی کسی کتاب کا کوئی اقتباس اچھا لگتا تو فوراً میری ڈائری کی زینت بن جاتا اسے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیتیں۔

☆ پاکستان کا کون شہر سب سے زیادہ پسند ہے؟

یوں تو سارا پاکستان ہی پسند ہے یہ ہی ہماری پہچان ہے موسم کے لحاظ سے کراچی، خوب صورتی کے لحاظ سے اسلام آباد اور سیر و تفریح کے کے لحاظ سے مری، ایبٹ آباد، کاغان، سوات، کالام وغیرہ جو کہ جنت کا نمونہ ہیں شہروں سے دور

صاف ستھری فضا، سرسبز و شاداب وادیاں، پہاڑوں کے دامن سے گرتے جھرنے کیا خوب صورت لگتے ہیں جھیل سیف الملوک دیکھنے کی آرزو ہے دیکھیں کب پوری ہوتی ہے۔

☆ پاکستان سے یو کے سیٹل ہوئے کتنا عرصہ ہوگیا؟

کافی عرصہ گزر گیا زندگی گزر گئی شادی کے بعد کچھ عرصہ کویت میں بھی گزرا پھر واپس یہاں یو کے آ کر سیٹل ہوگئے ویسے تو یہاں سب اچھا ہے مگر سردیاں بہت بری لگتی ہیں ہر وقت اندھیرا، تب دل گھبراتا ہے لاسٹ ایئر قطر گئے بیٹے کے پاس وہاں بھی بہت اچھا لگا۔

☆ یو کے میں رہ کر پاکستان کی یاد ستاتی ہے؟

کیوں نہیں سباس، اپنا ملک ہے اور اسی سے ہماری پہچان ہے آنا جانا لگا رہتا ہے۔

☆ ریڈیو سے آپ کا تعلق کب جڑا؟

تقریباً اٹھارہ انیس سال ہوگئے اس ریڈیو سے منسلک ہوں بالکل اپنائیت والا ماحول ہے جیسے اپنی ہی فیملی تمام اسٹاف، مینجمنٹ سبھی سے بہت پیار ملا عزت ملی یہاں سب کا شکریہ بھی ادا کرتی ہوں آج جو کچھ بھی ہوں میں اسی ریڈیو کی وجہ سے ہوں یہاں نارتھ ویسٹ کا سب سے بڑا ریڈیو اسٹیشن ہے www.asiansoundradio.com آن لائن، ڈیجیٹل ریڈیو اور اپنے اسمارٹ فونز پر آپ دنیا میں کہیں بھی سن سکتے ہیں۔ آغاز میں، میں نے شام غزل کے نام سے پروگرام پیش کیے جو بے حد پسند کیے گئے پھر سدابہار گیتوں کے پروگرام، آفٹرنون شوز، کوکنگ، ایک شعر ایک نغمہ، مکس اینڈ میچ، کڑی سے کڑی ملا کر گیت اور ہر سال ماہ رمضان کے خصوصی پروگرام، وقت سحر اور وقت افطار کے خاص پروگرام پیش کرتی ہوں اور مجھے سحری کے پروگرام کرنے میں جو لطیف جو روحانی تسکین ملتی ہے وہ بیان سے باہر ہے محرم الحرام کے خصوصی پروگرام جمعۃ المبارک کے روحانی پروگرام۔

☆ شعر و ادب سے آپ کی دلچسپی کا اندازہ آپ کے پروگرام سے ہوجاتا ہے کیا کبھی خود بھی کوئی شعر کہا یا کوئی کہانی لکھی؟

جی ہاں لکھنے کو جی تو بہت چاہتا ہے پر وقت اجازت نہیں دیتا فرصت کی گھڑیاں کم کم ہی نصیب ہوتی ہیں کبھی کبھی کچھ دل چاہتا ہے تو لکھتی ہوں یہ چند اشعار آپ کے اور سب کے نام۔

سامنے میرے ماہ رخ کیا
نگاہ چہرے پر جمی جمی سی ہے
سونے آنگن میں مہک ہے کلیوں کی
سیج سپنوں کی سجی سجی سی ہے
حریم دل پہ ہوا یوں دستک کا گماں
جبین شوق سجدے میں جھکی جھکی سی ہے

☆آپ کی تعلیم؟
تعلیم ڈگریوں سے نہیں حاصل ہوتی زندگی سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں اپنے تجربات سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں اور آخری سانس تک سیکھتے ہی رہتے ہیں میں نے ڈگریاں حاصل کرنے والوں کو جاہلوں سے بدتر دیکھا اور ان پڑھوں کے پاس بیٹھ کر بہت کچھ سیکھا بہت کچھ حاصل کیا۔

☆زندگی کیسی ہے یہاں آسان یا مشکل؟
جی ہاں بہت مشکل ہے۔ اگر سلیقے سے گزاریں تو آسان بھی ہے۔

☆زندگی ہمیں بہت کچھ سکھاتی ہے سمجھاتی ہے آپ نے زندگی سے کیا سکھا؟
وقت کے ساتھ ساتھ ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں اپنی غلطیوں سے تلخ تجربات سے اور دوسروں کے رویوں سے۔

اس زندگی کے حسن کی تابندگی نہ پوچھو
جو حادثوں کی دھوپ میں تپ کر نکھر گئی

☆اپنی فیملی کے بارے میں بتائیے؟
میرے ماشاء اللہ تین بچے ہیں ایک بیٹی اور دو بیٹے تینوں کی شادی ہوچکی ہے میاں کا اپنا بزنس تھا میری ایک بہن اور ماشاء اللہ پانچ بھائی ہیں سبھی یہاں ہیں خوب دل لگا رہتا ہے امی ابو کی ڈیتھ ہوچکی ہے اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆آپ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟
جو حالات ہیں دیکھ کر دکھ ہوتا ہے یہ ہمارا ملک جو ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا اس کا کیا حال ہوگیا ہے، بس یہی دعا ہے اللہ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے اور اتنی ترقی کرے ہمارا ملک کہ پوری دنیا میں ہمارے ملک کا نام ہو مقام ہو۔

☆زندگی سے کوئی گلہ؟
گلزار کی اس شاعری میں جواب دوں گی جو مجھے بہت پسند ہے۔

اک روز زندگی کے روبرو آ بیٹھے
زندگی نے پوچھا درد کیا ہے
کیوں ہوتا ہے کہاں ہوتا ہے
یہ بھی تو پتا نہیں چلتا تنہائی
کیا ہے آخر کتنے لوگ تو ہیں پھر تنہا کیوں ہوں
میرا چہرہ دیکھ کر زندگی نے کہا
میں تمہاری جڑواں ہوں
مجھ سے ناراض نہ ہوا کر
تجھ سے ناراض نہیں زندگی
حیران ہوں میں
تیرے معصوم سوالوں سے پریشان ہوں میں

☆کوئی دعا جو اکثر آپ کے لبوں پر رہتی ہے؟
دعائیں تو بہت ہوتی ہیں مگر ایک خواہش بھی ہے اور دعا بھی کہ جلد از جلد حج کا فریضہ ادا ہو اور

روضہ رسول ﷺ پر حاضری دوں اور سلام پیش کروں۔

☆ آپ یو کے میں رہ کر پاکستان کی کون سی چیز بہت مس کرتی ہیں؟

پورے چاند کی چاندنی راتیں موتیے اور رات کی رانی کی خوشبو اور سردیوں کی راتوں میں انگیٹھی کے گرد بیٹھ کر چلغوزے کھانا۔

☆ ریڈیو پر آواز کے ذریعے ہزاروں لاکھوں دلوں تک اپنا پیغام پہچانا رابطے میں رہنا کیسا لگتا ہے؟

بہت اچھا لگتا ہے کوشش یہی ہوتی ہے کہ صرف گیت ہی نہ ہوں کوئی نہ کوئی اچھی بات آپ تک پہنچاؤں پھر جب لوگ یاد دہانی کراتے ہیں کہ وہ بات آپ نے اب شامل کرنا چھوڑ دی کیوں؟ تو اچھا لگتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ آپ دعائیں بہت اچھی مانگتی ہیں خاص طور پر ماہ رمضان میں اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں اتنی عزت افزائی کے لیے یہ اسی کا کرم ہے جو بات اب تک بنی ہوئی ہے۔

☆ کس طرح کے لوگ پسند ہیں؟

جو منافق نہ ہوں جو مغرور نہ ہوں سادہ ہوں صاف دل ہوں مجھے پسند ہیں مطلبی لوگ ذرا بھی اچھے نہیں لگتے۔

☆ کوئی پیغام دینا چاہیں گی نوجوانوں کو پاکستانیوں کو؟

اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو کسی نہ کسی خوبی کے ساتھ پیدا کیا ہے ان خوبیوں کو پہچانیں محنت کریں نیک نیتی سے کام کریں نیت صاف رکھیں گے تو منزلیں آسان ہوں گی والدین کا احترام کریں۔

☆ کتابیں پڑھنے کا شوق؟

جی ہاں، واصف علی واصف، عمیرہ احمد، قیصر حیات کو پڑھنا اچھا لگتا ہے روحانیت سے بھی دلچسپی ہے اشفاق احمد، سرفراز اے شاہ صاحب کی بکس سے بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا اچھی بکس کا مطالعہ کرنا اچھا لگتا ہے۔

☆ کس قسم کا میوزک پسند ہے؟

کبھی درد بھرے گیت اچھے لگتے ہیں جب اداس ہوں تو غزلیں سننے کا موڈ ہوتا ہے سدا بہار گیت اچھے لگتے ہیں دل خوش ہو تو شوخ و چنچل بہت اچھے لگتے ہیں۔

میری پسند بھی کتنی عجیب ہے اے دوست
پرانے گیت، کھنڈر، چاندنی اور گلاب کے پھول

اب اجازت چاہوں گی اس دعا کے ساتھ
ہمارا سوہنا رب ہمیں ہر اس چیز سے نوازے جس میں خیر و برکت ہو، عزت، راحت اور سکون ہو آمین خوشیاں بانٹیے آسانیاں بانٹیے۔

قسط نمبر 29

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

لالہ رخ لاش کی شناخت کی خاطر پولیس اسٹیشن آتی ہے اور مہرو کو نہ دیکھ کر سکون کا سانس لیتی ہے مشکل کی ان گھڑیوں میں فرز ہر دم ان کے ساتھ رہتا ہے۔ کامیش کی گاڑی کے سامنے جو لڑکی آتی ہے وہ دراصل مہرینہ ہی ہوتی ہے جسے اسپتال پہنچا دیا جاتا ہے وہاں ڈاکٹرز اس کی ابتر حالت کے باعث فی الحال کوئی تسلی نہیں دے پاتے، فراز مہرینہ کی گمشدگی کے حوالے سے کامیش سے بات کرتا ہے اور اسے اپنے اثر ورسوخ استعمال کرنے اور مدد کرنے کا کہتا ہے ایسے میں کامیش کسی لڑکی کے ایکسیڈنٹ ہونے اور اسپتال میں جا کر دیکھنے کو کہتا ہے فراز اور لالہ رخ اسپتال پہنچتے ہیں تو مہرینہ ہی وہ لڑکی ہوتی ہے اور آئی سی یو میں ہوتی ہے۔

ماریہ اپنے اپارٹمنٹ میں تنہا ہوتی ہے دوسری طرف فراز اسے یہاں چھوڑ کر خود اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اس کی خیریت بھی دریافت نہیں کر پاتا۔ جیکولین کو پچھتاوے گھیر لیتے ہیں جب ہی شدید ٹینشن کا شکار ہو کر اس کی طبیعت بگڑ جاتی ہے ابرام اسے اسپتال لاتا ہے۔ جیسکا ابرام سے ملنے اسپتال آتی ہے اور نہایت عاجزانہ انداز میں ابرام کو اپنی محبت کا یقین دلاتی ہے لیکن ابرام ماریہ کی وجہ سے اس سے بدظن ہوتا ہے لہٰذا وہ اس کی محبت کا جواب نفرت سے دیتا ہے جیسکا کو اپنی محبت سے دستبردار ہونا نہایت مشکل لگتا ہے ابرام کے انکار پر وہ اپنے حواس کھو دیتی ہے اور واپسی پر روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر زندگی سے منہ موڑ لیتی ہے۔ جیسکا کی یہ موت ابرام کی مشکلات میں مزید اضافہ کر دیتی ہے دوسری طرف جیکولین ماضی کے حقائق ابرام کے سامنے رکھتی ہے کہ وہ کس طرح ایک ایشین مرد کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی اور مذاہب میں فرق کے باوجود وہ شادی کے بندھن میں بندھ گئے تھے۔

باسل فراز کے متعلق تمام سچائی سمیر کو بتاتا ہے جس پر سمیر خوش نظر آتا ہے لیکن اسے یقین ہوتا ہے کہ ساحرہ ان باتوں کو اہمیت نہیں دے گی۔ حورین کی حالت مزید بگڑ جاتی ہے اور اس کی غائب دماغی کی یہ کیفیت خاور اور باسل کو اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......۞......❁

باسل اور خاور حیات نے ایک دوسرے کو انتہائی کرب آمیز نگاہوں سے دیکھا حورین ہنوز گنگنا رہی تھی کمرے میں چہار سو وحشت رقصاں تھی عجیب سی ویرانی کا عالم تھا جیسے وہ اپنے گھر میں نہیں بلکہ کسی صحرا میں کھڑے ہیں نجانے کس کی نظر اس خوشحال فیملی کو لگ گئی تھی۔ باسل اور خاور بے جان سے کمرے کی چوکھٹ پر خالی الذہن کھڑے یک ٹک حورین کو دیکھے جا رہے تھے جواب بے حد اطمینان سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنا دامن جھاڑنے لگی اور بڑے سکون سے اپنے بیڈ کی جانب آ کر وہاں بکھری چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر بستر کے دوسرے جانب رکھتے ہوئے اپنی جگہ بنا کر لیٹ کر آنکھیں موند گئی باسل اور خاور جیسے گہری نیند سے اس لمحے جاگے خاور تیزی سے اندر کی طرف بڑھا اور بے تابی سے

حورین کے بیڈ کے پاس پہنچ کر اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھا حورین کا ماتھا غیر معمولی طور پر ٹھنڈا محسوس ہوا خاور نے اسے غور سے دیکھا تو وہ گہری نیند میں جا چکی تھی اس نے انتہائی بے بس نگاہوں سے سوئی ہوئی حورین کو دیکھا جبکہ باسل بھی وہاں آ گیا تھا اس نے بڑی آہستگی سے حورین کے وجود پر کمبل ڈالا پھر سہولت سے خاور کا ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے سے باہر لا کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔ خاور کو اس وقت خود پر ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ باسل نے خاور کے چہرے کی طرف دیکھا جو اس کی اندرونی توڑ پھوڑ کا بھرپور غماز تھا جب ہی وہ آہستگی سے بولا۔

"ڈیڈ پلیز خود کو سنبھالیے یہ ہماری لائف کا ایک ٹف پیریڈ ہے مگر ہمیں ہمت نہیں ہارنی بلکہ اس کا بہادری سے مقابلہ کرنا ہے مام کو واپس نارمل لائف کی جانب لانا ہے مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ ہے ڈیڈ وہ ہمیں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔" خاور نے ایک نگاہ باسل کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

"باسل مجھ سے حورین کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے دماغ کی نس پھٹ جائے گی نجانے کس بدبخت کی نگاہ نے میری حورین کو اس حال میں پہنچا دیا ہے۔" آخر میں خاور کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی باسل نے نرمی سے اپنا ہاتھ خاور کے کندھے پر رکھا۔

"جو بھی ہے ڈیڈ مگر وہ دوبارہ پہلے جیسی ہو جائیں گی لیکن ہمیں گھبرانا بالکل نہیں ہے نہ ہی مایوس ہونا ہے۔" باسل کی بات پر خاور نے اثبات میں سر ہلایا پھر ہولے سے گویا ہوا۔

"آؤ ذرا ڈاکٹر اقبال محبوب سے بات کر کے حورین کی کنڈیشن بتاتے ہیں۔" پھر وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔

❁......۞......❁

مہرو کچھ دیر کے لیے ہوش میں آئی ضرور تھی مگر دوبارہ بے ہوش ہو جاتی تھی شکر تھا کہ اس کے کومہ میں جانے کا خطرہ ختم ہو گیا تھا مگر ابھی بھی اس کی حالت زیادہ تسلی بخش نہیں تھی لالہ رخ اور فراز رات دن کا فرق بھلائے اسپتال میں ہی براجمان تھے۔ مسلسل جاگنے سے لالہ رخ کی طبیعت بھی بہت خراب ہو گئی تھی۔

فراز یہ سب بخوبی دیکھ رہا تھا اس نے کئی بار اسے آرام کرنے کا کہا مگر لالہ رخ مانی نہیں ہر بار وہ یہی کہتی۔

"جب مہرو جاگ جائے گی تب میں بھی آرام کر لوں گی۔" اس وقت وہ دونوں صبح کا ناشتہ کینٹین سے کر کے واپس اسپتال کی بلڈنگ کی جانب آ رہے تھے جب ہی لالہ رخ کچھ سوچ کر گویا ہوئی۔

"فراز میرے خیال میں آپ کو کراچی واپس جانا چاہیے مجھے ماریہ کی فکر ہو رہی ہے وہ وہاں بالکل اکیلی ہے آپ کے آسرے پر وہ اتنی دور سے یہاں آئی ہے فراز یقیناً وہ بہت ہراساں ہو رہی ہوگی مگر آپ سے ذکر نہیں کر رہی، ماریا آپ کی ذمہ داری ہے آپ پلیز کراچی چلے جائیں۔" لالہ رخ کی بات پر فراز بھی کسی گہری سوچ میں مستغرق ہو گیا پھر ہموار لہجے میں اس کے ہمراہ چلتے ہوئے بولا۔

"مگر لالہ رخ تم اکیلی یہاں کیسے سب سنبھالو گی اور خود تمہاری حالت بھی کتنی خراب ہو رہی ہے تمہیں آرام کی اشد ضرورت ہے۔" کاہی گرین اور ریڈ کنٹراسٹ کے کاٹن کے ملگجے سے سوٹ میں واقعی وہ حال سے بے حال لگ رہی تھی۔

"میرے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا ہے لالہ رخ۔" چلتے ہوئے فراز اپنی جگہ رکا تو لالہ رخ بھی اسے دیکھ کر ٹھہر گئی۔

"کیسا آئیڈیا۔" لالہ رخ کا لہجہ استفہامیہ تھا جب ہی فراز دوبارہ گویا ہوا۔

"ہم ایسا کرتے ہیں کہ امی اور زرتاشہ کو یہاں بلا لیتے ہیں امی تمہارے ساتھ یہیں رک جائیں گی جب کہ زرتاشہ مہرو سے مل کر میرے ساتھ کراچی چلی جائے گی۔"

"مگر میں امی کو یہاں کہاں، کیوں گی فراز؟" لالہ رخ قدرے حیرت سے بولی تو فراز کچھ سوچ کر بولا۔

"ویسے تو اس اسپتال کے کچھ فاصلے پر ہوٹلز بنے ہوئے ہیں مگر میں چاہ رہا ہوں کہ اگر یہیں تمہیں پرائیوٹ روم مل جائے تو بہت اچھا ہو جائے۔" لالہ رخ کو فراز شاہ کا آئیڈیا بہت اچھا لگا تھا وہاں مری میں امی پریشان تھیں یہاں آ کر ان کے دل کو بھی تسلی ہو جائے گی۔

"مگر ایسا ممکن ہے کیا؟" لالہ رخ سہولت سے بولی جب ہی فراز نے دوبارہ قدم بڑھائے تھے۔

"ممکن تو سب کچھ ہے لالہ رخ آؤ ذرا ایڈمن والوں سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔" لالہ رخ نے وہاں کھڑے ہو کر کچھ سوچا پھر سر جھٹک کر وہ فراز کے پیچھے چل دی۔

❁......۞......❁

سونیا نے تو جیسے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا کامیش کے صاف انکار نے اس کے اندر کے غرور اور زعم پر بڑی گہری ضرب لگائی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کامیش کا گریبان پکڑ کر تھپڑوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دے وہ زخمی سانپ کی مانند اندر ہی اندر بل کھا رہی تھی جبکہ ساحرہ اس کی دل جوئی کرتے ہوئے ہلکان ہوئے جا رہی تھی جس کا اشتعال کسی طور ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔

"میری جان تم پلیز کول ڈاؤن ہو جاؤ میرا بچہ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ کامیش تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا وہ صرف تمہارا ہے اور ہمیشہ تمہارا ہی رہے گا تم کیوں اتنا اسٹریس لے رہی ہو۔"

"آنٹی آپ کا بیٹا میرے منہ پر مجھے انکار کر کے گیا ہے اور آپ کہہ رہی ہیں کہ میں کول ڈاؤن ہو جاؤں ہنہہ۔" وہ ساحرہ کو کٹیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولی تو ساحرہ جز بز سی ہوئی پھر اسے چمکارتے ہوئے کہنے لگی۔

"تم اپنی آنٹی کی صرف اس بات پر بھروسہ کر لو میری جان کہ میں کامیش کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی مجھے لگتا ہے کہ وہ فراز کی باتوں میں آ گیا ہے مگر تم بالکل فکر مت کرو فراز کا سحر میں اس کے اوپر سے ضرور ختم کر کے رہوں گی۔" سونیا نے ناگواری سے ساحرہ کو دیکھا پھر نخوت سے ناک چڑھا کر بولی۔

"آنٹی آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ مجھے رشتوں کی کمی نہ پہلے تھی نہ اب ہو گی میں تو صرف آپ بڑوں کی خاطر اس رشتے کو بچانا چاہ رہی تھی۔" ساحرہ یہ سن کر گویا ہوئی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں بیٹا تمہیں ہماری عزت کا کتنا خیال کس قدر احساس ہے۔"

"اگر ڈیڈ کو یہ سب پتا چل گیا ناں کہ کامیش نے میری کتنی انسلٹ کی ہے تو وہ ایک لمحہ بھی مجھے اس گھر میں ٹھہرنے نہیں دیں گے اور آنٹی پھر وہ آپ کا بھی چہرہ ساری زندگی نہیں دیکھیں گے آپ کا میکہ بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔" سونیا نے اس پل ساحرہ کو جذباتی بلیک میل کیا تھا ساحرہ واقعی گھبرا گئی تھی۔

"اوہ میری گڑیا میں تم سے کہہ تو رہی ہوں ناں کہ کامیش ایسا کچھ نہیں کرے گا بس تم اب مجھ پر سب چھوڑ دو اور پلیز ریلیکس ہو جاؤ میں تمہارے لیے ابھی فریش اورنج جوس بھجواتی ہوں او کے۔" یہ کہہ کر ساحرہ سونیا کے پہلو سے اٹھی اور اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

❁......۞......❁

زرمینہ یونیورسٹی سے آ کر حسب معمول سونے کی بجائے ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی سردیاں اب مکمل طور پر تمام ہو چکی تھیں موسم بہاراں کی رنگینیاں و رعنائیاں چہار سو پھیلی بے حد دلفریب اور دلکش لگ رہی تھیں ہاسٹل کی کچھ لڑکیاں باغیچے میں موجود خوش گپیوں میں مصروف تھیں اور زندگی سے بھرپور قہقہے لگاتے ہوئے ایک دوسرے سے چھیڑ خانی میں مصروف تھیں زرمینہ نے ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کے شیشے کو وا کیا تو ایک خوش گوار ہوا کا جھونکا اس

کے چہرے سے ٹکرا کر جیسے زندگی کا احساس دلا گیا وہ بے اختیار ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی اسے بہار کا موسم ہمیشہ سے بہت پسند تھا وہ بھی انہی لڑکیوں کی طرح لان میں جا کر چہل قدمی کرتی' پھولوں اور پتوں کی کاٹ چھانٹ کرتی مگر آج کل اس پر عجیب سی یاسیت و پژمردگی طاری تھی احمر نے جس دن سے اپنے دل کی حکایت بیان کی تھی وہ تو جیسے اندر سے مردہ سی ہوگئی تھی وہ ہنوز گم صم سی کھڑی تھی جب ہی ایک لڑکی اونچی آواز سے اپنی دوست سے بولی۔

''ویسے کرن تمہیں کیا لگتا ہے یہ شہروز مجھے پروپوز کرے گا یا یوں ہی ٹائم پاس کر رہا ہے۔'' اس لڑکی کی آواز پر زرینہ بے اختیار اپنے دھیان سے چونکی تھی۔

''مجھے تو وہ بالکل سیریس لگتا ہے یار سچائی اس کی آنکھوں سے جھلکتی ہے وہ تم سے واقعی محبت کرتا ہے۔'' اس کی دوست نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا جب ہی ایک دوسری لڑکی بولی۔

''تو پھر اس علی کا کیا ہوگا جو تمہاری بہن کی نند کا دیور ہے جس کا پروپوزل تمہارے گھر آیا ہوا ہے۔''

''میں علی کے لیے انکار کردوں گی ڈیئر بھلا شہروز جیسا سچی محبت کرنے والا مجھے کہاں ملے گا۔'' وہ لڑکی بولی تھی۔

''زرمین تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو محبت کو ٹھکرانا کفران نعمت ہے یہ تو ہمیں قدرت کی طرف سے ملتی ہے وہ لوگ بہت بدنصیب ہوتے ہیں جو خالص محبت کی قدر نہیں کرتے اور اس سے منہ موڑ لیتے ہیں پھر وہ تمام زندگی اس گمشدہ محبت کو تلاش کرتے رہتے ہیں مگر وہ تو جیسے صحرا کی بارش کی طرح روٹھ جاتی ہے پھر کبھی ہاتھ نہیں آتی۔'' زرینہ اس لمحے جیسے سن سی ہوگئی بے اختیار اس کا ذہن احمر یزدانی کی طرف چلا گیا اسے یک دم بے تحاشا وحشتوں نے آن گھیرا دوسرے ہی پل وہ کھڑکی کا شیشہ بند کرکے وہاں سے ہٹ گئی۔

❁......۞......❁

ڈاکٹر اقبال محبوب حورین کو چیک کرکے تھوڑی دیر پہلے گئے تھے آج باسل اور خاور نے ان کے چہرے پر تشویش کے رنگوں کو بخوبی محسوس کیا تھا وہ دونوں بھی اندر ہی اندر خائف ہوگئے تھے اس تمام وقت میں حورین پرسکون نیند سو رہی تھیں اور ابھی بھی محوخواب تھی خاور نے ملازمہ سے کہہ کر کمرے کی صفائی کرائی تھی جس نے بے حد احتیاط سے بنا کوئی آواز پیدا کیے کمرہ اپنی دوبارہ اصل حالت میں کردیا تھا کیونکہ ڈاکٹر اقبال محبوب کے کہنے کے مطابق کہ حورین جب سو کر اٹھے گی تو عین ممکن ہے کہ وہ اپنے کچھ دیر پہلے والے جنون اور وحشت کو پہلے کی طرح بھول جائے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ کمرے کی ابتری دیکھ کر یقیناً بری طرح پریشان ہوجائے گی اور فی الحال حورین کو اس کی بیماری سے لاعلم رکھنا ہی بہتر تھا لہٰذا خاور نے فوراً سے پیشتر حورین کی خاص ملازمہ کو اس کی نیند ڈسٹرب کیے بنا روم کو صاف کرنے کا آرڈر دیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب حورین کی کنڈیشن تو دن بہ دن ڈاؤن ہوتی جارہی ہے میں تو بڑی پابندی سے جوس اور کھانے وغیرہ میں میڈیسنز بھی دے رہا ہوں مگر یہ ری کور کیوں نہیں کر رہی ہے۔'' خاور ڈاکٹر اقبال کے ہمراہ چلتے ہوئے انتہائی پریشانی کے عالم میں بولا تو ڈاکٹر اقبال محبوب اپنے مخصوص دھیمے انداز میں گویا ہوئے۔

''یہی میری بھی سمجھ میں نہیں آرہا میرے حساب سے تو ان میڈیسنز سے حورین کو کافی ری کور ہونا چاہیے تھا۔''

''اب ڈاکٹر صاحب۔'' خاور ڈاکٹر صاحب کی بات پر اچھا خاصا متوحش ہوگیا تھا۔ جب ہی ڈاکٹر نے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

''خاور صاحب آپ پریشان مت ہوں جس بیماری کا شکار آپ کی مسز ہیں اس میں عموماً مریض ایسی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہوجائیں گی بس آپ اس بات کا خاص خیال رکھیے کہ کوئی ذہنی بوجھ اور تناؤ ان کے دماغ میں نہ ہو اور کسی بھی قسم کی ٹینشن سے انہیں دور رکھنا ہے اوکے۔'' جواباً خاور نے اثبات میں سر ہلا

دیا۔

❀......❀......❀

فراز نے اسپتال کے ایڈمن ڈیپارٹمنٹ میں بات کی تو پہلے تو انہوں نے کوئی روم دینے سے صاف انکار کردیا مگر جب فراز نے پرکشش اماؤنٹ کی آفر دی تو وہ شخص ڈھیلا پڑتے ہوئے بولا۔

"ویسے تو سر یہاں ایسا کوئی رُول نہیں ہے کہ اس طرح ہم کسی کو روم رینٹ پر دیں مگر ایک طریقہ نکالا جاسکتا ہے۔"

فراز یہ سن کر تیزی سے بولا۔

"کون سا طریقہ۔" اگر لالہ رخ کو یہاں ٹھہرنے کے لیے کوئی روم مل جاتا تو بہت آسانی ہوسکتی تھی۔

"یہاں کچھ رومز ہیں مگر وہ ہمارے دوسرے شہروں سے آئے ڈاکٹرز کے لیے ہیں ہاں اگر ہم یہ کہہ دیں کہ آپ لوگ کسی ڈاکٹر کی فیملی سے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ آپ کا کام بن جائے۔" جب ہی فراز فوراً سے پیشتر بولا۔

"آپ پلیز کوشش کیجیے اور کسی بھی بات کی بالکل فکر مت کیجیے گا۔" پھر تقریباً دو گھنٹے کے اندر اندر انہیں بہت ہی اچھا روم مل گیا تھا لالہ رخ بھی بہت مطمئن ہوگئی تھی اب کم سے کم وہ امی کو یہاں بلاسکتی تھی فراز نے فوراً زرتاشہ کو فون کر کے یہاں آنے کو کہہ دیا تھا اور ساتھ میں اسے یہ بھی باآور کردیا تھا کہ وہ یہاں سے اس کے ساتھ کراچی جائے گی تاکہ وہ وہاں جا کر اپنی یونیورسٹی جوائن کرسکے زرتاشہ نے تغافل برتنا چاہا تھا مگر فراز نے ڈپٹ کر اسے خاموش کرادیا تھا پھر اس نے ٹریول ایجنٹ سے بات کر کے کل دوسرے دن کی دو ٹکٹ بک کرالی تھیں شام تک زرتاشہ امی کو لے کر بس کے ذریعے اسلام آباد پہنچ گئی تھی اور اب دونوں مہرو کی حالت دیکھ کر زاروقطار رو رہی تھیں۔

"امی پلیز خود کو سنبھالیے مہرو اب خطرے سے باہر ہے بس آپ دعائیں کیجیے کہ اسے جلد سے جلد مکمل ہوش آجائے۔" لالہ رخ امی کو تسلی دیتے ہوئے نم لہجے میں بولی جب ہی زرتاشہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے سوالیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"لالہ مہرو ٹھیک تو ہوجائے گی ناں؟"

"کیوں نہیں ٹھیک ہوگی مہرو؟ تم سب کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں اور پھر یہاں اس کا بہت اچھا ٹریٹمنٹ بھی ہورہا ہے اللہ سے اچھی امید رکھو زرتاشہ۔" لالہ رخ کے بجائے فراز نے جواب دیا تو زرتاشہ اثبات میں سر ہلا گئی کہ اچانک فراز کا سیل فون بج اٹھا فراز نے موبائل اسکرین کی طرف دیکھا تو کامیش کالنگ بلنک ہوتا دیکھ کر وہ ایک سائیڈ پر ہو کر فون پک کرگیا۔

"ہیلو برو سب کچھ ٹھیک ہے ناں تمہاری پیشنٹ کو ہوش آیا کیا؟" فراز نے موبائل کان سے لگا کر ہیلو کہا تو دوسری جانب سے کامیش کی فریش سی آواز ابھری تھی فراز نے ایک گہری سانس بھری پھر سہولت سے گویا ہوا۔

"ابھی مکمل طور پر تو ہوش نہیں آیا کامیش۔" جواباً کامیش نے ایک ہنکارہ بھرا پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا۔

"تمہاری فرینڈ کی کسی سے کوئی دشمنی وغیرہ تو نہیں تھی۔" کامیش نے روایتی پولیس کے انداز میں پوچھا تو فراز سہولت سے بولا۔

"نہیں یار ان لوگوں کی بھلا کس سے دشمنی ہونی تھیں یہ لوگ تو وہاں مری میں بہت سادہ سی لائف گزار رہے تھے اپنے آپ میں مگن اور مہرو تو بہت فرینڈلی اور ہمدرد لڑکی ہے وہ تو دشمن کو بھی اپنا دوست بنالے۔ اینی ویز میں کل صبح کی فلائٹ سے کراچی آرہا ہوں۔" آخر میں فراز نے اپنے آنے کی اطلاع بھی دے ڈالی تھی پھر تھوڑی اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کامیش نے فون بند کردیا تو فراز لالہ رخ اور زرتاشہ کی جانب بڑھ گیا۔

٭......٭......٭

''تمہارے باپ کا نام صالح علوی تھا اس نے کبھی تمہاری ذات میں دلچسپی نہیں لی تھی یہاں تک کہ تمہیں کبھی نظر بھر کر دیکھا تک نہیں تھا مجھ پر جلد ہی اس کی عجیب وغریب شخصیت واضح ہوگئی تھی اس کی زندگی میں کہیں بھی توازن نہیں تھا اس کی سوچیں اور خیالات بھی بالکل اسی کی طرح غیر متوازن تھے وہ جلد ہی کسی رشتے سے اکتا جاتا تھا ہمارے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا ابرام...... پھر وہ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا گیا۔'' اس لمحے جیکولین کی آواز نمی میں ڈوبی ہوئی تھی جبکہ حزن وملال کے رنگ اس کے زرد چہرے پر پوری طرح بکھرے ہوئے تھے ابرام بے پناہ عجیب سی کیفیت میں گھرا یک ٹک اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا جو آج سے پہلے کسی بند کتاب کی طرح تھی مگر آج وہ خود اپنی ذات کا ہر ورق اس کے سامنے رکھ رہی تھی کتنی ٹوٹی ہوئی شکستہ حال پور پور زخم خوردہ اپنے اندر ڈھیروں غموں کو سموئے باہر سے انتہائی سخت و بارعب دکھائی دینے والی اس کی ماں ابرام کی آنکھوں کے کونے اس لمحے تیزی سے گیلے ہوتے چلے گئے تھے۔

''ابرام میرے بیٹے تمہاری ماں نے دوسری سنگین غلطی پھر ایڈم سے شادی کر کے کی۔'' بہت دیر خاموش رہنے کے بعد جیکولین اپنے گھٹنوں سے لگے بیٹھے ابرام کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بولی تو ابرام محض انہیں دیکھتا رہ گیا تھا اسی لمحے اس کے سیل فون کی بیپ بجی تو ابرام اپنے دھیان سے بری طرح چونکا وہ لاؤنج میں بیٹھا نجانے کتنی دیر سے جیکولین کی باتوں کو یاد کر رہا تھا ان انکشافات کو اپنے اندر اتار کر اسے قبول کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کا دل ودماغ اس جان لیوا سچائی کو ماننے سے بالکل انکاری تھے اس کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا ابرام نے ناچار سر جھٹک کر اپنا فون ریسیو کیا۔

٭......٭......٭

سونیا کے ہنگامہ کھڑا کرنے سے ساحرہ سمیر شاہ پر چڑھ دوڑی تھی کامیش کسی مشن کے سلسلے میں دو دن کے لیے گیا ہوا تھا سونیا کو کسی بھی صورت اپنی ہار برداشت نہیں تھی اسے کامیش پر بے حد غصہ آ رہا تھا مگر اب صرف اپنی انا کی تسکین کی خاطر وہ کامیش کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتی تھی ورنہ جس طرح اس نے سونیا کو ریجیکٹ کیا تھا اس پر سونیا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کامیش جان لے لے اس نے اپنی دوست رامیہ سے بے پناہ اشتعال کے عالم میں کہا تھا۔

''میں دوبارہ اپنے دل کی پوری آمادگی کے ساتھ کامیش کی جانب بڑھی تھی رامیہ میں خود بھی اندر ہی اندر پچھتا رہی تھی کہ کامیش جیسے بھرپور مرد کو چھوڑ کر میں نے غلطی کی ہے مگر نہیں رامیہ یہ انسان تو عورت ذات کے قابل ہی نہیں ہے اس کے جذبات واحساسات پتھر ہیں اسے صرف اپنے پروفیشن سے سروکار ہے۔'' پھر سارا بیگم کو بھی تمام بات بتا کر کامیش اور اس کے گھر والوں کو خوب برا بھلا کہا تھا جس پر سارا بیگم نے مجبور ہو کر سونیا سے استفسار کیا تھا۔

''اب تمہارا کیا ارادہ ہے بیٹا کیا گھر واپس آجاؤ گی؟'' سونیا نے اپنی ماں کی بات پر انتہائی نفرت آمیز لہجے میں اپنے ہونٹوں کو سکیڑ کر کہا۔

''ہونہہ کامیش کیا مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کرے گا میں خود اس مشینی انسان کے اوپر لعنت بھیجتی ہوں مگر ہاں مام اتنا ضرور ہے کہ کامیش اور اس کے گھر والوں کو میں ایک لمحہ کے لیے بھی سکون سے رہنے نہیں دوں گی۔'' سونیا نے ابھی فی الحال ساحرہ کے کھونٹے کو مضبوطی سے پکڑ کر رکھا ہوا تھا اور اسے حسب منشا استعمال کر رہی تھی اور ساحرہ کے ذریعے ہی وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو سکتی تھی لہٰذا اس کے سامنے وہ ہنوز بے چارگی لاچارگی اور مظلومیت کا ڈرامہ کر رہی تھی۔

''سمیر تم کامیش سے کہو کہ وہ اپنی روش سے باز آجائے اور سونیا کو دوبارہ اپنا لے ورنہ اس بات کا انجام بہت برا ہوگا اوکے۔'' ساحرہ کی ٹون نے سمیر شاہ کو بھی آگ بگولہ کر دیا انہوں نے انتہائی خشمگین نگاہوں سے اپنی نصف بہتر ناقص

العقل کو دیکھا پھر غصے سے بولے۔
"تم دھمکی دے رہی ہو مجھے آج مجھے تمہاری سوکالڈ حقیقی اور تمہارے اندر کوئی فرق نظر نہیں آرہا ساحرہ اپنے مفاد اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انسانیت کی سطح سے گر جانے والی۔" سمیر شاہ کے نوکیلے لفظوں کی کاٹ نے ساحرہ کو بلبلانے پر مجبور کر دیا۔
"اچھا میں انسانیت سے گری ہوئی ہوں اور تم...... تم اور تمہارا بیٹا کیا بہت عظیم کام کررہے ہیں سمیر یقیناً کا میش صرف تمہاری اور فراز کی شہہ پر ہی یہ سب کررہا ہے مگر یاد رکھنا سمیر میں سونیا کے اوپر اتنا بڑا ظلم ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔" اس وقت وہ واقعی کسی این جی او کی سرگرم ورکر لگ رہی تھی سمیر شاہ نے اسے بے پناہ تاسف سے دیکھا جو پیر پٹخ کر وہاں سے اب جا چکی تھی۔

❀......۞......❀

زرتاشہ فراز کے ہمراہ بائی ایئر کراچی آ گئی تھی فراز نے سب سے پہلے اسے ہاسٹل چھوڑا تھا پھر اپنے فلیٹ کی راہ لی تھی زرتاشہ کا چہرہ پورے رستے پھولا ہوا تھا وہ کراچی نہیں آنا چاہتی تھی مگر فراز اسے زبردستی یہاں لے آیا تھا۔ اس لمحے فراز کا تھکن سے برا حال تھا وہ گھر جا کر بس سونا چاہتا تھا اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ڈور بیل بجائی تو ماریہ جو کسی مذہبی کتاب کی ورق گردانی کررہی تھی اپنے دھیان سے چونکی پھر بے ساختہ خود سے بولی تھی۔
"اس وقت کون آ گیا۔" پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے آئی ہول سے دیکھا تو دروازے کے اس پار فراز شاہ کو دیکھ کر اسے اپنے بصارتوں پر یقین ہی نہیں آیا جسم و جاں میں عجیب سی لہر دوڑ گئی جبکہ دل کی دھڑکنیں اسے اپنے کانوں میں سنائی دینے لگیں اس نے اپنی اس نا سمجھ میں آنے والی کیفیت پر قابو پانے کے لیے ایک گہری سانس لی پھر دوسرے ہی لمحے دروازہ وا کر دیا فراز نے جونہی ماریہ کو دیکھا اسے سلام کر کے اندر کی جانب قدم بڑھائے ماریہ نے بھی سرعت سے سامنے سے ہٹ کر فراز کو اندر آنے کا راستہ دیا وہ اچانک اس کے یہاں آنے پر حیران سی تھی فراز نے اسے کوئی اطلاع بھی نہیں دی تھی فراز لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر اس سے اب حال احوال دریافت کررہا تھا پھر تھوڑی دیر بعد وہ شرمندگی سے بولا۔
"ایم سوری ماریہ مجھے آپ کو یوں اکیلے تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا مگر کیا کرتا ایک ایمرجنسی ہوگئی تھی۔" ڈارک بلو جینز پر وائٹ شرٹ پہنے چہرے پر بے تحاشا تھکن کے اثرات لیے اپنے بکھرے بالوں میں وہ بہت ڈیشنگ لگ رہا تھا ماریہ نے لحظہ بھر کر اس کی جانب دیکھا پھر نرمی سے بولی۔
"کوئی بات نہیں فراز صاحب مجھے یہاں کوئی پریشانی نہیں ہوئی آپ سارا انتظام تو کر کے ہی گئے تھے ناں۔" آف وائٹ سادہ سے شلوار سوٹ میں ملٹی کلر کے دوپٹے میں ماریہ اسے بہت معصوم سی لگی فراز اسے دیکھ کر ہولے سے مسکرایا پھر کسلمندی سے بولا۔
"میں بہت تھک گیا ہوں اب بس سونا چاہتا ہوں۔" ماریہ نے اسے دیکھا جو صوفے کی بیک سے سر لگا کر آنکھیں موند گیا تھا۔
"ٹھیک ہے آپ کمرے میں جا کر سو جائیے آپ کے لیے چائے لے آؤں کیا؟" ماریہ سہولت سے بولی مگر فراز نے کوئی جواب نہیں دیا وہ ہنوز آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا ماریہ نے اسے مزید ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا لہٰذا وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

❀......۞......❀

حورین حسب توقع جب نیند سے جاگی تو اسے کچھ یاد نہیں تھا باسل اسے زبردستی موسمی فریش پھل کھلا رہا تھا جسے

حورین صرف باسل کے کہنے پر طوعاً وکرہاً کھا رہی تھی ورنہ اس کا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔
"بس باسل پلیز اب مزید کچھ نہیں کھاؤں گی۔" کینو کی جانب بڑھتے ہاتھ کو دیکھ کر حورین بے چارگی سے بولی تو باسل اپنی ماں کو دیکھ کر ہولے سے مسکرایا پھر سہولت سے بولا۔
"کیوں مام کینو تو آپ کو بہت پسند ہیں ناں پھر منع کیوں کر رہی ہیں۔" اس وقت وہ حورین کے ہمراہ سیٹنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا حورین نے صبح اٹھ کر اپنے معمول کے کام نمٹائے تھے باسل اور خاور خاموشی سے حورین کو مصروف دیکھ رہے تھے پھر خاور تو آفس چلا گیا تھا مگر باسل نے آج یونیورسٹی سے آف کرلیا تھا اب وہ سہ پہر کے وقت بیٹھے فروٹس سے لطف اندوز ہو رہے تھے معاً حورین کو کچھ یاد آیا تو وہ باسل سے استفسار کرتے ہوئے بولی۔
"باسل کیا آپ نے سمیر بھائی صاحب سے بات کی فراز کے متعلق۔" حورین کی بات پر باسل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"مام میں اور ڈیڈ سمیر انکل کے آفس گئے تھے میں نے تمام بات ان کو بتائی مگر......!" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا تو حورین نے بڑی بے چینی سے اپنی پہلو بدلا۔
"مگر کیا بیٹا؟" باسل فروٹ باسکٹ ایک جانب سرکاتے ہوئے گہری سانس بھر کر گویا ہوا۔
"مام سمیر انکل کا کہنا ہے کہ اگر میں نے یہ ساری بات ساحرہ آنٹی کو بتا بھی دی ناں تب وہ بھی فراز بھائی کی بے گناہی پر یقین نہیں کریں گی اور سونیا کا ہی ساتھ دیں گی۔" یہ سن کر حورین بے حد حیران ہوئی تھی۔
"مگر کیوں باسل ساحرہ بھابی ایسا کیوں کریں گی انہیں کیا اپنے بیٹے پر اتنا بھی بھروسہ نہیں ہے مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ کوئی ماں اپنی اولاد کو لے کر اتنی بے اعتبار و بدگمان بھی ہوسکتی ہے۔" اس لمحے باسل نہیں چاہ رہا تھا کہ حورین کے دماغ پر کوئی ناگوار بوجھ پڑے جب ہی موضوع کو بدلنے کی غرض سے بولا۔
"اچھا مام یہ بتایئے کہ میری انگیج منٹ کی شاپنگ کمپلیٹ ہوگئی یا اب بھی مزید کچھ باقی ہے۔" جبکہ یہ سن کر حورین نے اچانک اپنے ماتھے پر دھیرے سے ہاتھ مارا۔
"او مائی گاڈ باسل دیکھو میں تو بالکل ہی بھولی بیٹھی ہوں مجھے تو عنایہ کے لیے کچھ چیزیں لینی تھیں اور اس کا ڈریس بھی فائنل کرنا تھا تم ابھی اور اسی وقت عنایہ کو فون ملاؤ۔" حورین آخر میں بے پناہ عجلت بھرے لہجے میں بولی تو باسل نے اپنا سیل فون کارنر ٹیبل سے اٹھایا اور عنایہ کو کال ملانے لگا۔

❁......❁......❁

زرتاشہ کے اچانک وارد ہوجانے پر زرمینہ کو خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا۔
"زرتاشہ تم آگئیں۔" پھر اگلے ہی پل وہ زرتاشہ سے لپٹ گئی دونوں سہیلیاں ایک دوسرے سے لپٹیں بہت دیر تک روتی رہیں پھر زرمینہ نے خود کو پہلے سنبھالا وہ آہستگی سے الگ ہو کر نرمی سے بولی۔
"بس تاشو اب رونا نہیں سب ٹھیک ہوجائے گا ہمارا رب سب سے بڑا کارساز ہے ان شاء اللہ مہرو جلد ٹھیک ہوجائے گی اللہ کا بہت بہت شکر ہے کہ وہ زندہ ہے تم دیکھنا وہ جلد ہی اپنے پیروں پر دوبارہ کھڑی ہوجائے گی۔" زرمینہ اسے سہولت سے شانوں سے تھام کر بیڈ پر بٹھا چکی تھی جو ہنوز آنکھوں سے آنسو بہا رہی تھی۔
"زری مہرو کو ابھی تک پوری طرح سے ہوش نہیں آیا اور فراز بھائی کو دیکھو وہ مجھے وہاں سے زبردستی لے آئے مجھے وہیں رکنا تھا امی اور لالہ کے ساتھ میں مہرو کو اس حال میں چھوڑ کر یہاں نہیں آنا چاہتی تھی زری۔" زرتاشہ انتہائی شکوہ کناں لہجے میں بولی تو زرمینہ ہولے سے مسکرائی پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"فراز بھائی نے بالکل ٹھیک کیا تاشو وہاں اسپتال میں لالہ آپی اور تمہاری امی پہلے ہی مشکل سے رہ رہی ہیں تم وہاں ہوتیں تو ان دونوں کو اور مشکل ہوتی اور پھر مہرو کے لیے تم یہاں بیٹھ کر بھی تو دعائیں کرسکتی ہوناں۔" زرمینہ کی بات پر اس نے جھنجلا کر اپنے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"کچھ بھی ہے زری بس میرا دل نہیں چاہ رہا تھا یہاں آنے کو اتنی پریشانی اور کٹھن گھڑی میں امی اور لالہ کو یوں اکیلے چھوڑ کر آنا مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔" وہ منہ بنا کر بولی تو زرمینہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام کر گویا ہوئی۔

"تاشو مشکل گھڑی تو تب تھی جب مہرو ہمیں نہیں مل رہی تھی اب تو صرف خداوند عالم سے دعا کا وقت ہے کہ مہرو کو جلد سے جلد ہوش آجائے اور وہ مکمل صحت یاب ہوجائے۔" زرمینہ کی بات پر زرتاشہ نے اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلادیا۔

❀......۞......❀

ماریہ بہت دیر بعد اپنے کمرے سے نکلی تو فراز شاہ کو ہنوز اسی پوزیشن میں گہری نیند مستغرق پایا وہ یونہی بیٹھے بیٹھے انتہائی بےآرام حالت میں سوگیا تھا ماریہ چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے چلتی ہوئی فراز شاہ کے قریب آئی اور ہولے سے اسے پکارا مگر غالباً فراز بہت تھکا ہوا تھا وہ ہنوز یونہی سوتا رہا تو مجبوراً ماریہ نے ہلکے سے اس کے کندھے کو ہلایا۔

"فراز پلیز کمرے میں سوجایئے۔" بجائے فراز کی آنکھ کھلنے کے وہ مزید صوفے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور اپنے پاؤں بھی صوفے پر سمیٹ لیے ماریہ نے انتہائی الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اف یہ تو اٹھ ہی نہیں رہے لگتا ہے ان کی نیند بہت گہری ہے۔" وہ خود سے بولی پھر فراز کے پیروں کے قریب جاکر سہولت سے پہلے اس کے جوتوں کو اتارا پھر موزوں سے اس کے پیروں کو آزاد کیا پھر اس کے بیڈروم سے جاکر اس کا تکیہ اور چادر اٹھا کر لائی فراز کا سر اٹھا کر اس کے نیچے تکیہ رکھتے ہوئے وہ ہچکچائی تھی مگر یہ کام بھی تو ضروری تھا اس کے وجود پر چادر ڈال کر وہ سیدھی ہوئی تو ایک سکون آمیز سانس اس نے فضا کے حوالے کی فراز کو بےآرام حالت میں سوتا دیکھ کر ماریہ کو بھی بےسکونی محسوس ہورہی تھی اب وہ قدرے بہتر حالت میں محوِ خواب تھا ماریہ اسے دیکھ کر بےساختہ مسکرائی پھر دبے پاؤں کچن کی طرف بڑھ گئی۔

❀......۞......❀

ابرام جیکولین کو دلیہ دینے کے بعد میڈیسن کھلا کر اس سے ہلکی پھلکی گفتگو کررہا تھا کہ اسی دم دوڑ بیل کی آواز پر وہ چونک اٹھا تھا اس نے ابھی تک جیکولین کو جیسکا کی حادثاتی موت کی بابت نہیں بتایا تھا اور جب سے جیکولین اسپتال سے ڈسچارج ہوکر گھر آئی تھی میک اور پال بھی گھر نہیں آئے تھے نہ انہوں نے اسپتال آکر اس کی مزاج پرسی کی تھی۔

"اس وقت کون آسکتا ہے۔" ابرام خود سے باآواز بلند بولا تو جیکولین نے کمزور لہجے میں کہا۔

"ابرام جو کوئی بھی ہو اس سے کہہ دینا میں سورہی ہوں۔" جیکولین بستر پر لیٹ چکی تھی ابرام نے اثبات میں سر ہلا کر "اوکے مام" کہا پھر کمرے کی لائٹ آف کرکے دروازہ ہولے سے بند کرکے مین گیٹ کی جانب بڑھ گیا اور اپنی جون میں اس نے جونہی دروازہ کھولا سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر اس کے اعصاب کو خفیف سا جھٹکا لگا تھا جبکہ نو وارد نے ابرام کو دیکھ کر ایک پرتپاک مسکراہٹ اس کی جانب کی تھی جبکہ لہجہ بھی ویسے ہی پرجوش تھا۔

"ہیلو مسٹر ابرام ہاؤ آر یو۔" وہ بڑی ترنگ میں بولے تھے پھر دوسرے ہی پل وہ اندر آگئے تھے ابرام راستے سے خاموشی سے ہٹ گیا تھا۔ وہ چلتے ہوئے کاؤچ پر آکر تقریباً ڈھے سے گئے پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے۔

"میں بہت تھک گیا ہوں سفر بہت لمبا تھا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔" وہ ابرام کی خاموشی سے بے خبر بولے جارہے تھے جبکہ ابرام سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت کو بھی ابھی ہی نازل ہونا تھا اسے یکلخت جیکولین کا خیال آیا تو وہ اندر ہی اندر ہراساں ہوگیا یقیناً ان کی آمد جیکولین کی طبیعت پر بہت گراں گزرے گی اس خیال نے ابرام کو اچھا خاصا ڈسٹرب کردیا جواب اِدھر اُدھر گردن گھما کر دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ماریہ اور جیکولین کہاں ہیں، کیا دونوں گھر پر نہیں ہیں کیا؟" اس پل ابرام اپنی جگہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب وہ اس شخص کو کیسے فیس کرے گا۔

❁......۞......❁

لالہ رخ اورامی ہنوز مہرو کے پاس اسپتال میں ہی تھیں مہرو کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا لالہ رخ تو مسلسل آئی سی یو کے باہر ہی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ امی بھی اس کے ہمراہ موجود تھیں حالانکہ لالہ رخ نے امی سے بارہا کہا تھا کہ وہ کمرے میں جاکر کچھ دیر آرام کرلیں مگر وہ نہیں مانی تھیں اس وقت عشاء کی آذان ہوچکی تھی لالہ رخ اورامی نے نماز سے فارغ ہوکر کینٹین میں جاکر کھانا کھالیا تھا اب وہ دوبارہ اپنی جگہ پرآ کر بیٹھ گئی تھیں جبکہ زرتاشہ ہر گھنٹہ بعد فون کرکے مہرو کی خیریت دریافت کررہی تھی اس وقت بھی اس کا فون آ گیا تھا وہ ازحد فکرمند تھی جب ہی لالہ رخ اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"تاشو میری جان تم اتنا پریشان کیوں ہو ڈاکٹرز نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ مہرو کو جلد ہی ہوش آجائے گا۔" اس لمحے تسبیح پڑھتے ہوئے امی بھی لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے اس کی باتوں کو سن رہی تھیں۔

"کیا کروں لالہ میرا دل یہاں بالکل بھی نہیں لگ رہا تم لوگوں کا بار بار خیال آرہا ہے اورامی؟ وہ تو ٹھیک ہیں ناں وہاں اسپتال میں کتنا بےآرام ہورہی ہوں گی۔" زرتاشہ ہنوز متفکرانہ لہجے میں بولی تو لالہ رخ ایک گہری سانس بھر کررہ گئی پھر دوبارہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"تم کیوں اتنی پریشان ہورہی ہو تاشو یہاں سب ٹھیک ہے امی بھی بےآرام نہیں ہیں بس ابھی تھوڑی دیر بعد میں انہیں کمرے میں بھیج رہی ہوں تاکہ وہ کچھ دیر سوجائیں اور ہاں اب تم بھی سوجاؤ سویرے جلدی اٹھنا ہوگا ناں۔" بات کرتے ہوئے لالہ رخ کی نگاہ ایک نرس کی جانب پڑی جو آئی سی یو سے باہر بڑی عجلت میں نکلی تھی۔

"اچھا چلو صحیح ہے مگر خدا کے واسطے لالہ تم بھی آرام کرلینا ورنہ بیمار پڑجاؤ گی۔" زرتاشہ بادل نخواستہ بولتی آخر میں اسے کہہ گئی تو اس نے اثبات میں سرہلا کر ہنس کر کہا۔

"اچھا دادی اماں میں بھی آرام کرلوں گی اب خوش۔" پھر تھوڑی دیر بعد اس نے فون بند کیا تو ڈاکٹر کو اسی وقت نرس کے ہمراہ جلدی سے آئی سی یو میں جاتے دیکھا لالہ رخ کا دل کسی انجانے خوف سے دھڑک اٹھا۔

"یاالٰہی خیر کرنا۔" وہ بےساختہ دل ہی دل میں بولی پھر وہی نرس تیزی سے باہرآ کر ان سے بولی۔

"آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔"

❁......۞......❁

مسٹر ایڈم تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی ہانک کر دوبارہ ابرام سے استفسار کرتے ہوئے بولے۔

"ماریہ اور جیکولین کہاں ہیں مسٹر ابرام میں ان دونوں سے ملنا چاہتا ہوں تم پلیز انہیں انفارم کرو کہ میں آیا ہوں۔"

مسٹر ایڈم کی بات پر ابرام نے ان کو بغور دیکھا پھر اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کرتے ہوئے انتہائی سپاٹ لہجے بولا۔

"کیوں۔" اپنے ایش گرے سفری کوٹ سے کوئی چیز ڈھونڈ لیتے ہوئے یکلخت ابرام کے لفظ پر مسٹر ایڈم نے بےحد اچنبھے سا اسے دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولے۔

”کیوں کا کیا مطلب میں اتنے عرصے بعد گھر آیا ہوں تو ماریہ اور جیکولین سے ملنا چاہتا ہوں میں کوئی انہونی بات کر رہا ہوں کیا؟“ اس لمحے ان کے لہجے میں ناگواری شامل ہوگئی تھی ابرام نے اپنے بچپن سے لے کر جوانی تک مسٹر ایڈم کو اسی رنگ ڈھنگ میں دیکھا تھا وہ بغیر کسی کو بتائے یونہی سالوں کے لیے غائب ہوجاتے تھے اور پھر اچانک وارد ہوکر کچھ عرصہ گھر پر گزار کر پھر گھر سے نکل پڑتے تھے مگر اس بار وہ گھر پر آئے تھے تو حالات پہلے جیسے ہرگز نہیں تھے ابرام کو اس بے حس اور خودغرض شخص پر بے حد غصہ آیا۔

”اوہ تو آپ ماریہ اور جیکولین سے ملنا چاہتے ہیں جو غالباً آپ کی بیٹی اور بیوی ہے کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت وہ لوگ کس حال میں ہیں۔“ ابرام کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس شخص کو جھنجوڑ ڈالے آخر کب تک وہ اپنی ذمہ داریوں سے منہ چھپائے یونہی آوارہ گردی کرتا رہے گا۔

”میں وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ ان کے کیا حال ہیں؟“ مسٹر ایڈم بے زاری سے بولے تو ابرام نے انہیں استہزائیہ انداز میں دیکھتے گویا ہوا۔

”اچھا آپ کو دو سال بعد ان، حال پوچھنے کا خیال آ ہی گیا۔“ ابرام کی بات پر مسٹر ایڈم جز بز سے ہوگئے۔

”وہ......وہ میں کچھ مصروف تھا ورنہ جیکولین کو فون ضرور کر لیتا۔“

”میں آپ سے آپ کی اس مصروفیت کے بارے میں بالکل نہیں پوچھوں گا جس نے اتنے دن آپ کو اپنی بیوی اور بیٹی کے حال سے غافل رکھا اپنی ویز مام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے وہ اس وقت ریسٹ کررہی ہیں بہتر ہوگا کہ آپ انہیں ڈسٹرب نہ کیجیے۔“ یہ کہہ کر ابرام تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

❁......۞......❁

اس وقت رات کے نو بج رہے تھے زرتاشہ اور زرمینہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی باتیں کرکے اپنے اپنے بستروں پر سونے کے لیے لیٹی تھیں کہ یک لخت زرمینہ کے موبائل فون کی بیل تیزی سے بج اٹھی زرمینہ نے جلدی سے اٹھ کر سائیڈ میز پر رکھے فون کو اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر بھائی کا نام جگمگاتا دیکھ کر وہ اندر ہی اندر خائف ہوگئی۔

”اللہ خیر کرے یہ بھائی مجھے اس وقت فون کیوں کررہے ہیں۔“ وہ تیز آواز میں خود سے بولی زرتاشہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی سائیڈ لیمپ کی مدھم سی روشنی میں اس نے زرتاشہ کے پریشان چہرے کو دیکھا تھا اور جلدی سے فون پک کرکے فوراً پوچھا تھا۔

”بھائی سب خیر تو ہے ناں۔“ دوسری جانب سے زرمینہ کے بھائی کی پریشان کن آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

”زرمینہ خیریت نہیں ہے آج شام حمیرا چھت سے گر گئی تھی اس وقت وہ اسپتال میں ہے۔“

”یا اللہ خیر۔“ زرمینہ نے بے اختیار اپنے دل پر ہاتھ رکھا پھر بے حد ہراساں اور گھبرا کر بولی۔

”بھائی حمیرا کیسے چھت سے گر گئیں اور اب ان کی حالت کیسی ہے؟“ زرتاشہ یہ سن کر انتہائی پریشان ہوکر زرمینہ کے بستر پر آ کر بیٹھ گئی۔

”حمیرا کی حالت ٹھیک نہیں ہے زرمینہ بس تم دعا کرو۔“ اتنا کہہ کر اس نے فون رکھ دیا تو زرمینہ کان سے فون کو ہٹا کر محض اسے دیکھتی رہ گئی جب زرتاشہ سے مزید برداشت نہیں ہوا تو زرمینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”کیا بات ہے زری سب خیر تو ہے ناں کون ہیں یہ حمیرا بھابی۔“ معاً زرتاشہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو زرمینہ بری طرح چونکی پھر زرتاشہ کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی پھر ہچکیاں لیتے ہوئے بمشکل بولی۔

"وہ......وہ میرے بھائی کی بیوی ہیں تاشوان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" زرمینہ کے منہ سے یہ انکشاف سن کر زرتاشہ گم صم سی بیٹھی رہ گئی آخراتنی بڑی بات زرمینہ نے اسے کیوں نہیں بتائی تھی کہ اس کی بھابی بھی ہے مگر یہ وقت شکوے شکایتوں کا نہیں تھا زرتاشہ اسے تسلیاں دینے لگی جو ہنوز رو رہی تھی۔

❀......✿......❀

مسٹر ایڈم بالکل چپ چاپ ساکت سے بیٹھے نجانے کن سوچوں میں گم تھے جیکولین نے انتہائی بےزاری سے انہیں دیکھا پھر بڑے سپاٹ انداز میں بولی۔

"میرے خیال میں ماریہ کا یہ سب کرنے کے بعد تمہارے لیے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ تمہاری بیٹی اب یہاں نہیں رہتی وہ زندہ ہے یا مرگئی ہے اس بارے میں ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔" جیکولین جب سو کراٹھی تو اسے بھی مسٹر ایڈم کی آمد کا علم ہوگیا تھا اب وہ ماریہ کے بارے میں مختصراً بتا کرائے یقیناً ازحد حیرت میں مبتلا کرگئی تھی لاؤنج میں بہت دیر تک خاموشی چھائی رہی ابرام بھی اس پل وہیں جیکولین کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا پھر کافی دیر گزر جانے کے بعد مسٹر ایڈم کی گمبھیر آواز فضا میں گونجی۔

"ماریہ نے تمہاری اتنی کڑی نگرانی کے باوجود اتنا بڑا اقدم کیسے اٹھالیا جیکولین۔" اس پل ان کے لہجے میں عجب سا تاثر تھا ابرام انہیں بےساختہ دیکھتا رہ گیا جبکہ جیکولین نے ان کو بڑے استہزائیہ انداز میں دیکھا پھر طنزیہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اوہ تو تم مجھے موردالزام ٹھہرانے کی کوشش کررہے ہو ایڈم کیا تم یہ بات فراموش کرگئے کہ اس کی رگوں میں تمہارا خون تھا۔ ہونہ احسان فراموش اور خودغرضی تو اسے اپنے باپ سے ورثہ میں ملی ہے ناں۔" مسٹر ایڈم نے نگاہ اٹھا کر جیکولین کو دیکھا پھر گڑبڑا کر گویا ہوئے۔

"میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا جیکولین ماریہ کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا اس نے اپنے ساتھ ساتھ تم لوگوں کو بھی مشکل میں ڈال دیا ہے اس نے اچھا نہیں کیا۔" جیکولین نے ہنوز نگاہوں سے مسٹر ایڈم کو دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر تلخی سے بولی۔

"غلطی شاید میری ہی ہے میں یہ بات بھول گئی تھی کہ ماریہ تمہاری بیٹی ہے۔" جواباً مسٹر ایڈم جیکولین کو دیکھتے رہ گئے۔

❀......✿......❀

لالہ رخ کے جسم کا روم روم اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھا طویل جان لیوا انتظار کے بعد مہرو کو ہوش آ گیا تھا مگر ابھی ان کا ذہن غنودگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹرز نے جب اس سے اس کا نام پوچھا تو وہ بتا نہیں سکی تھی جبکہ اپنے پاس کھڑی لالہ رخ اور امی کو بھی اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی بس وہ اتنا بولی تھی۔

"مجھے سونے دو بہت نیند آ رہی ہے۔" اس کے بعد مہرو ایک بار پھر غنودگی میں چلی گئی تھی۔

"ڈاکٹر صاحب یہ ہمیں پہچان کیوں نہیں رہی تھی۔" لالہ رخ نے بے تحاشا ہراساں ہوکر ڈاکٹر فہیم سے پوچھا تھا جو ایک مایہ ناز سرجن تھے۔

"ڈونٹ وری مس لالہ رخ دماغ پر چوٹ لگنے اور ہیوی ڈوز میڈیسنز کی وجہ سے ابھی مہرینہ بی بی کا ذہن ٹھیک سے کام نہیں کررہا ہے مگر ان شاء اللہ دو سے تین دن میں ان کا دماغ کام کرنا شروع کردے گا تو انہیں سب یاد آ جائے گا اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے اوکے۔" ڈاکٹر کی زبانی یہ سب سن کر لالہ رخ اور امی کو گہری طمانیت اور مسرت کا احساس ہوا تھا لہٰذا دونوں مہرو کی طرف سے پرسکون ہوکر اپنے کمرے میں آ گئی تھیں اور آتے ہی بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجالائی تھیں۔ "لالہ اللہ نے ہماری مہرو پر اپنا بہت کرم کیا ہے اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے بیٹا۔" امی نماز سے فارغ ہوکر اس کے قریب

محبت کے مختلف رنگوں سے مزین، دوستی، وفا، غلط فہمی اور بے وفائی کا حسین امتزاج
خاندانی عظمت و وقار کی آڑ میں جذبات کو مجروح کرتی داستان
کھو دینے کے غم اور پا لینے کی خوشی سے آراستہ ایک ناقابل فراموش کہانی
خاص موضوع، اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش داستان
ماہنامہ آنچل کراچی
عشق دی راہ میں جھلی
صائمہ قریشی قلم سے لکھی دلکش و دل موہ لینے والی تحریر
آنچل کا ایک انوکھا ناول لمحہ بہ لمحہ چونکا دینے والی کہانی
بہت جلد آنچل کے صفحات پر جلوہ افروز ہونے والا ناول
مزید معلومات کیلئے 0300-8264242

بیٹھتے ہوئے بولیں تو لالہ رخ اپنے دھیان سے چونک کر امی کو دیکھنے لگی۔

''آپ نے کچھ کہا امی؟'' لالہ رخ نے استفسار کیا تو امی چند ثانیے کے لیے اسے دیکھتی رہ گئیں تھکن کے ساتھ ساتھ چہرے پر تفکرات کے بکھرے رنگوں کو دیکھ کر امی نے نرمی سے کہا۔

''کیا بات ہے لالہ تم مجھے پریشان لگ رہی ہو مجھے بتاؤ کس بات کو لے کر تم اتنی ڈسٹرب ہو؟'' لالہ رخ نے ایک نگاہ امی کو دیکھا پھر بیڈ پر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے وہ گویا ہوئی۔

''امی میں آگے کے حالات کے بارے میں سوچ رہی ہوں مہرو ہوش میں آنے کے بعد اپنے ساتھ ہونے والے اس حادثے کو لے کر کیسے ری ایکٹ کرے گی وہ پہلے ہی اس بات کو لے کر اتنا اپ سیٹ تھی کہ وہ پھوپو کی سگی بیٹی نہیں ہے ہوش میں آنے کے بعد نجانے اس کی ذہنی کیفیت کیسی ہوگی؟'' لالہ رخ کی بات انہیں سو فیصد درست لگی تھی۔

''یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو لالہ مہرو کے ذہن پر بنٹو کی موت کا بہت برا اثر پڑے گا اپنے سگے بھائی کی طرح چاہتی تھی وہ اسے۔'' بنٹو کے نام پر لالہ رخ کے تصور کے پردے پر اس کا بھولا بھالا چہرہ لہرا گیا یکلخت اس کا دل گہرے رنج و ملال سے بھر گیا۔''بنٹو کی موت ہمارے لیے بہت بڑا سانحہ ہے امی وہ واقعی ہم دونوں کو اپنے چھوٹے بھائی کی طرح عزیز تھا نجانے اس غریب کے ساتھ ہوا کیا کس ظالم نے اس معصوم کی جان اتنی بے دردی سے لے لی تھی۔'' بے اختیار لالہ رخ کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو موتی کی صورت میں گرنے لگے تھے۔

''وہ معصوم بچہ نجانے کس کی بربریت کی بھینٹ چڑھ گیا مہرو ان شاءاللہ پوری طرح ہوش میں آئے گی تب ہی وہ اس حقیقت سے پردہ اٹھائے گی کہ اس صبح آخر ہوا کیا تھا۔'' پھر کچھ دیر بعد انہیں کوئی خیال آیا تو لالہ رخ سے مخاطب ہو کر بولیں۔

''تم نے فراز کو بتایا کہ مہرو کو ہوش آ گیا ہے اور اب وہ خطرے سے باہر ہے؟''

''نہیں امی میں نے فراز کو فون نہیں کیا وہ بہت تھکا ہوا تھا ہوسکتا ہے سو رہا ہو اسی خیال کے تحت میں نے فون نہیں کیا تھکن اتر جانے کے بعد خود ہی فون کر لے گا۔''

''ہوں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو چلو خیر صبح فون کر کے تم تاشو اور فراز کو خوش خبری سنا دینا اور اب تم بھی سو جاؤ۔'' امی کی بات پر لالہ رخ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پیر پھیلا کر لیٹ گئی۔

❀......۞......❀

تقریباً رات کے پچھلے پہر اچانک فراز کی آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر صوفے سے اٹھا چند ثانیے کے لیے اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے پھر ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہوا تو سب یاد آنے پر وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا تھوڑی دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اس نے بے ساختہ اپنے پیروں کی طرف دیکھا جو ہر چیز سے آزاد تھے پھر زمین پر پڑے اپنے جوتے اور موزوں کو دیکھ کر وہ خفیف سا ہو گیا یہ کام یقیناً ماریہ نے کیا تھا فراز ابھی مزید کچھ اور بھی سوچتا کہ اسی پل ماریہ نے دھیرے سے اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو اسے جاگتا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشگواریت پھیلتی چلی گئی وہ تیزی سے باہر آ کر بولی۔

''اوہ تھینک گاڈ کہ آپ جاگ گئے آپ صوفے پر بہت بے آرام ہو کر سو رہے تھے میں نے آپ کو جگانے کی کوشش کی تاکہ آپ اپنے بیڈ روم میں جا کر سو جائیں مگر شاید آپ بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے۔'' فراز نے ایک نگاہ ماریہ کی جانب دیکھا پھر شرمندگی سے گویا ہوا۔

''آئی ایم سوری ماریہ آپ کو میرے جوتے اتارنے پڑے لیکن آر رائٹ میں واقعی بہت تھک گیا تھا۔'' اسے جھینپتا دیکھ کر

ماریہ دھیرے سے مسکرادی پھر نرمی سے بولی۔

"اٹس اوکے فراز آپ کے جوتے اتارنا کوئی اتنا بڑا کام تو نہیں تھا جس کے لیے آپ مجھ سے یوں نادم ہورہے ہیں۔" یہ سن کر فراز دھیرے سے ہنس دیا پھر سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کی جانب دیکھا جو رات ڈھائی بجے کا اعلان کر رہی تھی اس نے بے ساختہ جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا سیل فون نکالا جو اس نے دوران فلائٹ سوئچ آف کردیا تھا اور اب تک آف ہی تھا اس نے سرعت سے اپنا سیل فون آن کیا۔

"پتا نہیں کہیں لالہ رخ نے مجھے کال نہ کی ہو۔" وہ دل ہی دل میں خود سے بولا جب ہی ماریہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میں آپ کے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤں؟" لالہ رخ کا فی الحال کوئی میسج موبائل فون میں موجود نہیں تھا فراز نے سر اٹھا کر ماریہ کو دیکھا پھر سہولت سے بولا۔

"یس شیور بہت بھوک لگ رہی ہے۔" ماریہ اس کا جواب سن کر ہولے سے مسکرائی پھر کچن کی جانب بڑھ گئی جبکہ فراز شاہ صوفے سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

❁......❁......❁

تقریباً فجر کے قریب زرمینہ کے موبائل فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی تھی دونوں کی ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے آنکھ لگی تھی زرتاشہ اور زرمینہ ہڑبڑا کر اٹھی تھیں زرمینہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون پک کیا اور دوسرے ہی لمحے وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیا ہوا زری سب ٹھیک تو ہیں ناں بھابی کیسی ہیں اب؟" زرمینہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش میں بے حال ہوئے جارہی تھی۔

"تاشو بھابی...... بھابی چلی گئیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلی گئیں۔ اب وہ ہمیشہ کے لیے پرسکون ہوگئیں تاشو انہیں اس زندگی سے نجات مل گئی جو ایک کرب مسلسل تھی انہیں آزادی مل گئی تاشو وہ آزاد ہوگئیں مجھے رونا تو نہیں چاہیے ناں وہ تو آج زندہ ہوئی ہیں آج ہی تو انہیں زندگی ملی ہے مجھے بالکل نہیں رونا۔" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اپنی ہتھیلیوں سے اپنے گالوں پر ڈھلکے آنسوؤں کو پونچھنے لگی زرتاشہ اسے انتہائی ناسمجھی کے عالم میں دیکھے گئی پھر دوسرے ہی لمحے اس نے زرمینہ کو اپنے سینے سے لگالیا۔

"ہوش میں آؤ زری اللہ کی یہی مرضی تھی صبر کرو میری اچھی سہیلی خود کو سنبھالو کاتب تقدیر کے آگے ہم سب بے بس ہیں پلیز زری سنبھالو خود کو۔" وہ ہولے ہولے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بول رہی تھی پھر صبح آٹھ بجے کے قریب زرمینہ کا ڈرائیور اسے لینے آ گیا۔

"میں تمہیں ہی فون کرنے والی تھی۔" زرمینہ کو سی آف کرکے اس نے بوجھل دل سے لالہ رخ کو فون ملایا پھر مہرو کی بابت اسے بتایا تو اس کا دل خوشی سے لبریز ہوگیا جبکہ آنکھیں بے ساختہ چھلک پڑیں۔

"اللہ کا بہت شکر ہے لالہ اب مہرو بالکل ٹھیک ہوجائے گی ناں۔" وہ روتی ہوئی آواز میں بولی تو لالہ رخ مسکرا کر گویا ہوئی۔

"کیوں نہیں تاشو مہرو ان شاء اللہ مکمل صحت یاب ہوکر پہلے کی طرح مجھ سے بے تکی باتوں پر جھگڑا بھی کرے گی اور اپنے اس ہیرو کی شان میں قصیدے بھی پڑھا کرے گی۔"

"اللہ کرے لالہ ایسا ہی ہو۔" وہ بے ساختہ بولی پھر تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد فون بند کرکے نا چاہتے ہوئے بھی

کیمپس کی تیاری کرنے لگی آج زرینہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا دل یونیورسٹی جانے کا بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔

❁......۞......❁

باسل نے سمیر شاہ کے گھر جا کر جب ساحرہ کے سامنے فراز شاہ کی بے گناہی رکھی تو توقع کے عین مطابق ساحرہ نے باسل کو پوری طرح جھٹلایا تھا اس کے بقول فراز باسل کو بھائیوں کی طرح سمجھتا تھا لہٰذا باسل فراز کی پوزیشن کلیئر کرنے کے لیے یہ سارا جھوٹ بول کر سونیا کو کامیش کی زندگی سے نکال باہر کرنے کی کوشش کررہا ہے شکر تھا کہ جس وقت باسل اور خاور کے ہمراہ سمیر شاہ کے گھر آیا تھا سونیا اپنی کسی فرینڈ کے گھر گئی ہوئی تھی وگرنہ یہ سب سن کر وہ یقیناً خوب واویلا مچانے کے ساتھ ساتھ باسل کی طبیعت بھی اچھی طرح صاف کردیتی گھر آ کر جب باسل نے حورین کے پوچھنے پر یہ سب بتایا تو اسے ساحرہ کی کم عقلی اور فراز کی جانب سے اس قدر بدگمانی پر بہت رنج ہوا تھا عنایہ اور باسل کی منگنی کی ساری تیاریاں مکمل تھیں مگر خاور کو باسل کی منگنی کی خوشی سے زیادہ حورین کی صحت کی بے حد فکر تھی اب وہ ڈاکٹر اقبال محبوب سے زیادہ قابل اور نامور سائیکالوجسٹ سے حورین کا چیک اپ کرانا چاہتا تھا وہ اقبال محبوب کی ٹریٹ منٹ سے مطمئن نہیں تھا حورین کا مرض بجائے کم ہونے کے بڑھتا جا رہا تھا باسل بھی اندر ہی اندر اپنی ماں کو لے کر بہت پریشان تھا عنایہ آج صبح ہی گھر پر آ دھمکی تھی حورین اور خاور کے ساتھ ناشتہ کر کے وہ اپنی انگیج منٹ کے کارڈ لے کر زبردستی باسل کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے فرینڈز کو ان کی اکیڈمی میں کارڈ دینے نکل کھڑی ہوئی تھی باسل کو اس کے ہمراہ گھومتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی جب ہی وہ اکتاہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

”تمہارے کارڈ اب بٹ چکے یا مزید باقی ہیں۔“ ایک تو آج گرمی بھی کافی زیادہ تھی اوپر سے صبح سے ہی باسل کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا جو اب مزید بڑھ گیا تھا۔

”بس باسل صرف ایک کارڈ اور دینا ہے میرے بہت فیورٹ سر ہیں انہوں نے ہماری یونیورسٹی چھوڑ کر کراچی یونیورسٹی جوائن کی تھی پلیز میرے ساتھ وہاں چلو ناں۔“ عنایہ اس کا موڈ دیکھ کر لجاجت آمیز لہجے میں بولی تو باسل نے اسے تادیبی نگاہوں سے دیکھا جبکہ عنایہ نے یکلخت مسکین سی صورت بنالی تو باسل ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

”کون سی یونیورسٹی جانا ہے۔“ اس کا جواب سن کر وہ پوری طرح سے کھل اٹھی۔

”او باسل میں نے تمہیں ابھی تو بتایا ہے کہ کراچی یونیورسٹی جانا ہے۔“ یک دم باسل اپنی جگہ تھم سا گیا اپنے دھیان میں مگن اس نے عنایہ کے منہ سے کراچی یونیورسٹی کا نام پہلے نہیں سنا تھا پھر بڑی خاموشی سے باسل نے گاڑی ان راستوں پر ڈال دی تھی جہاں وہ ہرگز نہیں جانا چاہتا تھا۔

❁......۞......❁

جیکولین کی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے سرپال اور میک نے ماریہ کو ڈھونڈنے کے لیے اس کے گھر کا رخ نہیں تھا مگر ابرام کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ ان کے گھر کا اور جیکولین اور اس کا موبائل فون بھی یقیناً انڈر آبزرویشن تھا جیکولین نے تو اپنے سیل فون کی بیٹری آف ہوجانے کے بعد اسے دوبارہ ری چارج کرنے کی ضرورت بھی گوارا نہیں کی تھی البتہ ابرام ابھی بھی محتاط تھا مگر اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ فراز شاہ کو فون کر کے یہ بات کنفرم کرے کہ ماریہ اس کے ساتھ ہی ہے ناں جو کچھ بھی ہوا تھا ابرام کو ماریہ کے ساتھ ساتھ فراز شاہ پر بھی بہت غصہ تھا وہ تو اس کا مخلص دوست تھا کم سے کم وہی اسے اپنے اعتماد میں لے کر یہ بات بتا دیتا کہ وہ ماریہ کو اپنے ملک لے جانے والا ہے کبھی کبھی فراز شاہ انتہائی درجے کا دھوکہ باز اور فریبی معلوم ہوتا جس نے دوست بن کر اس کی پیٹھ پر چھرا گھونپا تھا وہ ابھی اس بابت مزید کچھ اور بھی سوچتا کہ اسی پل مسٹر ایڈم وہاں چلے آئے ابرام نے ان کو خاموشی سے دیکھا تو وہ پرسوچ آواز میں بولے۔

"کیا آپ واقعی نہیں جانتے کہ ماریہ کہاں چلی گئی ہے وہ آپ سے تو بہت کلوز رہی ہے اس نے آپ کو بھی کچھ نہیں بتایا؟" ابرام نے جواباً نفی میں سر ہلایا تو مسٹر ایڈم محض خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئے پھر کچھ دیر توقف کے بعد گویا ہوئے۔

"مجھے ماریہ سے ایسی جرأت اور دیدہ دلیری کی امید نہیں تھی وہ اپنی ماں سے تو بہت پیار کرتی تھی اسے جیکولین کا احساس کرنا چاہیے تھا۔" اس بار بھی ابرام کچھ نہیں بولا خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا مسٹر ایڈم نے کچھ دیر ابرام کے بولنے کا انتظار کیا تھا پھر وہ بھی وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو ابرام ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا اس لمحے اسے اپنا وجود بالکل خالی اور بے جان سا محسوس ہوا۔

☆☆☆..........☆☆☆

صبح تقریباً گیارہ بجے اس کی آنکھ کھلی تھی اور فراز شاہ نے سب سے پہلے لالہ رخ کو فون کر کے مہرو کی خیریت دریافت کی تو مہرو کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر اسے بے پایاں مسرت کا احساس ہوا وہ بے پناہ خوشی سے بولا تھا۔

"ان شاء اللہ لالہ رخ دو تین دن میں مہرو مکمل ہوش میں آ جائے گی اور پھر وہ بٹو کے قاتل کی بھی نشاندہی کر دے گی۔" لالہ رخ نے اس سے اپنے خدشات کا بھی اظہار کیا تھا تو ہمیشہ کی طرح فراز نے اسے تسلی دیتے ہوئے اس کی ہمت و حوصلہ بڑھاتے ہوئے یہ کہہ کر اس کا دل مضبوط کیا تھا۔

"لالہ رخ تم فکر کیوں کرتی ہو مہرو اکیلی تھوڑی ہے ہم سب ہیں ناں اس کے اپنے اسے کبھی بکھرنے نہیں دیں گے ہم سنبھال لیں گے اسے۔" اور یہ سب سن کر واقعی اس کے دل کو بہت ڈھارس ملی تھی وہ بے ساختہ فراز شاہ کا شکریہ ادا کر گئی تھی جس پر اس نے خلوص برا بھی مانا تھا۔

"اب تم مجھے یہ تھینکس کہہ کر غیر تو مت کرو پلیز۔" جواباً لالہ رخ دھیرے سے ہنس دی تھی فراز اس پل خوشگوار موڈ میں تیار ہو کر باہر آیا تو ماریہ ناشتے کی ٹیبل پر محوِ انتظار تھی۔

"مجھے آنے میں دیر تو نہیں ہوگئی۔" فراز خوش دلی سے بولا تو ماریہ مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔

"آپ بالکل صحیح وقت پر آئے ہیں فراز صاحب۔" فراز کرسی کھسکا کر اس پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے ماریہ سے بولا۔

"ماریہ پلیز تم میرے نام کے ساتھ صاحب تو مت لگایا کرو ان فیکٹ ہم دونوں دوست ہیں ناں پھر آپ جناب اور صاحب کا تکلف کیسا؟" اسی دوران وہ بریڈ پر مکھن بھی لگانے میں مصروف رہا ماریہ نے اسے چند ثانیے کے لیے دیکھا پھر دھیرے سے ہنس کر بولی۔

"اوکے فراز اب میں آپ کو فراز صاحب نہیں کہوں گی فائن۔" بلیک جینز پر ڈارک گرے ٹی شرٹ میں ملبوس بالوں کو سلیقے سے بنائے وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"دیٹس گڈ ماریہ اچھا یہ بتاؤ تم اپنی پڑھائی جاری رکھنا چاہتی ہو۔" فراز چائے اپنے کپ میں انڈیلتے ہوئے بولا تو ماریہ نے اس پل اسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا فراز نے لحظہ بھر کر اسے دیکھا۔

"تم مجھے اتنی حیرانی سے کیوں دیکھ رہی ہو۔ کیا میں نے کوئی انہونی بات پوچھ لی ہے تم سے۔" فراز کا شرارت سے لبریز لہجہ محسوس کر کے ماریہ نے خود کو سنبھالا پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

"بالکل فراز آپ نے انہونی بات ہی تو کہی ہے میں بھلا یہاں اپنی اسٹڈی کیسے جاری رکھ سکتی ہوں میرے سارے ڈاکومینٹس تو وہیں لندن میں رہ گئے ہیں۔" اس پل اس کے لہجے سے عجیب سی اداسی و یاسیت کے رنگ جھلکے تھے فراز نے

لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر ہنوز لہجے میں بولا۔
"تم اس بات کی فکر مت کرو بس یہ بتاؤ آگے پڑھائی جاری رکھنا چاہتی ہو ناں۔" فراز کی بات پر ماریہ پر جوش ہوئی تھی۔
"آف کورس یس مگر یہ سب ممکن ہے کیا؟" وہ ابھی بھی بے یقین سی تھی۔ "اس دنیا میں ناممکن کچھ بھی نہیں ہے تم بس مجھے یہ بتاؤ کون سی فیلڈ میں دلچسپی رکھتی ہو۔" پھر ماریہ اسے تفصیل سے بتانے لگی تھی۔

❁......۞......❁

عنایہ سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ کی جانب باسل کے ہمراہ چلی جارہی تھی اور اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے اس کی زبان بھی چل رہی تھی مگر باسل اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہاں موجود نہیں تھا چلتے چلتے عنایہ یکدم ٹھہری تو باسل کے قدم بھی تھم گئے تھے اس نے استفہامیہ نگاہوں سے عنایہ کو دیکھا جو ٹشو کی مدد سے اپنے چہرے پر آئے پسینے کو صاف کررہی تھی جبکہ دھوپ کی تمازت سے اس کے گال سرخ ہورہے تھے۔
"افوہ باسل یہ رہا سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ اب آگے چلو ناں۔" اس نے سامنے ہی قدآور بلڈنگ کی طرف اشارہ کیا تو باسل فوراً بولا۔
"عنایہ تم اپنے سر کے پاس جاؤ میں اپنے دوست سے مل کر آتا ہوں۔" باسل یہ کہہ کر یہ جا وہ جا جبکہ عنایہ محض اسے آوازیں دیتی رہ گئی پھر سر جھٹک کر بلڈنگ کی جانب بڑھ گئی باسل کسی کشش کے زیر اثر چلا جارہا تھا اس لمحے اس کے قدموں پر اس کا جیسے کوئی اختیار ہی نہیں تھا اور جب اس کے قدم ٹھہرے تو وہ اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں الجھا سا کھڑا تھا اکنامکس ڈپارٹمنٹ میں مخصوص چہل پہل تھی لڑکے اور لڑکیوں کی ٹولیاں بلند و بانگ قہقہے لگانے میں مگن تھے تمام اسٹوڈنٹس کے چہروں پر زندگی سے بھرپور رنگ اور بے فکری کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں باسل کی بے قرار نگاہیں اس لمحے اسے بڑی شدومد کے ساتھ ڈھونڈنے میں مصروف عمل تھیں اور پھر جیسے اس کی نگاہوں کو اپنا گوہر نایاب مل گیا زرتاشہ سب سے الگ تھلگ گراؤنڈ کے کنارے منڈیر پر اکیلی اور خاموش، سے بیٹھی نجانے کن سوچوں میں گم تھی باسل اسے چند ثانیے دیکھتا رہا تھا اور لائٹ گرین اور لیمن کلر کے کنٹراسٹ کے سوٹ میں حسب معمول آف وائٹ رنگ کی کشمیری چادر جس پر مختلف دھاگوں کی کڑھائی کی گئی تھی اسے اچھی طرح اپنے وجود پر لپیٹے دنیا و مافیہا سے بے خبر دکھائی دے رہی تھی باسل نے ایک گہری سانس بھری پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا زرتاشہ جو زمین پر نگاہیں ٹکائے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی یک دم مردانہ جوتوں پر اس کی نظر پڑی تو اس نے سرعت سے اپنا سر اٹھایا انتہائی غیر متوقع طور پر باسل خاور حیات کو دیکھ کر وہ فطری طور پر چونک اٹھی۔
"ارے باسل صاحب آپ؟" زرتاشہ نے اسے جب مخاطب کیا تب جیسے باسل کو ہوش آیا۔
"وہ......وہ میں یہاں اپنے فرینڈ سے ملنے آیا تھا آپ کو دیکھا تو سوچا خیریت معلوم کرلوں۔" وہ یہ جملہ بول تو گیا مگر دل ہی دل میں خود کو کوسنے بھی لگا بھلا زرتاشہ سے اس کی کون سی جان پہچان یا رشتے داری تھی جو وہ یوں خیریت معلوم کرنے چلا آیا۔
"باسل حیات تم بہت بڑے ایڈیٹ ہو۔" وہ خود سے انتہائی تپ کر بولا جبکہ وہ بڑے اداس لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"میں تو ٹھیک ہوں باسل صاحب مگر میری بہن ٹھیک نہیں ہے آپ پلیز ان کے لیے دعا کیجیے گا۔" کوئی اور وقت ہوتا تو زرتاشہ باسل سے کبھی یہ بات نہ کرتی مگر اس وقت وہ خود کو بے حد تنہا محسوس کررہی تھی اس پر مستزاد مہرو کی فکر اور زرمینہ کی بھابی کی ناگہانی موت نے اس کے اوپر کافی برا اثر ڈالا تھا باسل چونکا۔

''آپ کی بہن وہی جومری کے ریسٹ ہاؤس میں جاب کرتی ہیں کیوں انہیں کیا ہوا؟'' وہ لالہ رخ کو سمجھا تھا زرتاشہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے یاد دلانے والے انداز میں بولی۔

''لالہ نہیں وہ اس دن جب آپ نے اس لڑکے کی پٹائی کی تھی نا تو میرے ساتھ ایک اور بھی لڑکی تھی وہ ہماری پھوپو کی بیٹی ہے اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے آپ پلیز دعا کیجیے گا کہ وہ جلدی سے ٹھیک ہوجائے۔'' آخری جملہ آنسوؤں کی بھرپور نمی لیے ہوئے تھا جبکہ آنکھیں بھی بے ساختہ چھلک پڑی تھیں باسل تحیر کے عالم میں اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھتا چلا گیا۔

''کیا کسی کی آنکھیں اتنی حسین بھی ہوسکتی ہیں۔'' کوئی اس کے اندر سے بولا زرتاشہ اپنی پلکوں کو انگلی کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے نروٹھے انداز میں بولی۔

''میں بھی وہاں مہرو کے ساتھ اسپتال میں رہنا چاہتی تھی مگر فراز بھائی اور لالہ نے مجھے زبردستی یہاں بھیج دیا۔'' باسل بے جان سا کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا اس پل اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا نجانے کیسے صرف ایک ہی لمحے میں یہ لڑکی اس کا سب کچھ چھین گئی تھی وہ لٹا پٹا سا واپس جانے کے لیے پلٹا تو زرتاشہ اسے اتنی خاموشی سے اچانک وہاں سے جاتا دیکھ کر حیران سی ہوئی وہ لحہ بہ لحہ اس کی نگاہوں سے دور ہونے لگا تو زرتاشہ نے نا سمجھی والے انداز میں کندھے اچکائے اور پھر دوبارہ اپنی سابقہ جگہ پر بیٹھ گئی۔

❀......۞......❀

اور بالآخر دو دن بعد مہرو کو مکمل ہوش آیا تو سب سے پہلے اس نے بٹو کو آوازیں دینا شروع کردیں لالہ رخ اسے سنبھال کر بولی۔

''مہرو پلیز ریلیکس ہوجاؤ خود کو سنبھالو دیکھو میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔'' مہرو کی کیفیت اس لمحے انتہائی دگرگوں تھی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بے پناہ گھبرا کر بول رہی تھی۔

''لالہ...... لالہ میرا بٹو کہاں ہے بتاؤ ناں بٹو کہاں ہے وہ...... وہ میرے پاس ہی تھا لالہ اس نے مجھ سے کہا کہ باجی تم جاؤ یہاں سے مگر وہ خود کہاں ہے بٹو...... بٹو۔'' مہرو تو جیسے جل بن مچھلی کی مانند اس کے ہاتھوں سے نکلی چلی جارہی تھی لالہ رخ اور امی کی آنکھیں بھی اس پل سمندر بہا رہی تھیں۔

''اللہ کے واسطے مہرو خود کو سنبھالو بٹو چلا گیا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔'' لالہ رخ اس کے دونوں بازوؤں کو جھنجوڑ کر بولی تو مہرو کا تڑپتا وجود یکلخت یوں ساکت ہوا جیسے چابی کا کھلونا چابی ختم ہوجانے کی صورت میں بالکل خاموش ہوجاتا ہے پھر دوسرے ہی پل وہ لالہ رخ کے سینے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

''لالہ بٹو کیوں چلا گیا وہ...... وہ میری وجہ سے اس دنیا سے چلا گیا لالہ وہ میری ناموس میری آبرو کو بچانے کی خاطر اپنی جان کی بازی ہار گیا ہائے میرے اللہ بٹو نے اپنا خون بہا کر میری عزت کی چادر کو داغدار ہونے سے بچالیا۔'' مہرو کے منہ سے نکلے یہ الفاظ لالہ رخ اور امی کے لیے بہت جان لیوا اور کرب ناک انکشاف تھا جس کی زد میں آکر وہ دونوں ششدر کھڑی تھیں بہت دیر بعد لالہ رخ کچھ بولنے کے قابل ہوئی تو ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولی۔

''مہرو کو یقین تھا وہ ذلیل انسان جس نے تمہارے ساتھ......!'' وہ فقط اتنا ہی بول سکی تب ہی مہرو ہولے سے بولی۔

''ملک دلاور وڈیرے کا بیٹا اور حبیب......!''

❀......۞......❀

سی ویو کے سحر انگیز ماحول میں باسل احمر کے ہمراہ نسبتاً پرسکون گوشے میں بیٹھا سمندر سے آتی جاتی لہروں کے کھیل کو غائب دماغی سے دیکھ رہا تھا احمر یہ بات بخوبی محسوس کرگیا تھا باسل آج ضرورت سے زیادہ ڈسٹرب ہے وہ چاہ رہا تھا کہ

باسل اسے خود اپنے دل کی بات بتائے مگر وہ ہنوز کھویا کھویا سا بالکل خاموش تھا جب ہی احمر نے ہولے سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر ہلکا سا دبایا۔

"میں جانتا ہوں کہ کوئی بات تمہیں بہت زیادہ پریشان کررہی ہے باسل میرے یار مجھ سے اپنے دل کی بات بالکل بے فکر ہو کر شیئر کرو میں وعدہ کرتا ہوں تم سے کہ اپنی جان دے دوں گا مگر تمہارے راز کی حفاظت کروں گا۔" احمر کی گمبھیر آواز پر باسل نے چونک کر اپنے پہلو میں بیٹھے احمر یزدانی کو دیکھا اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا کہ احمر یزدانی اس کا بہت مخلص اور سچا دوست تھا جس نے ہر موقع پر اس کا بھرپور ساتھ دیا اور اسے کبھی مایوس نہیں کیا تھا سورج غروب ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا جس نے اپنی نارنجی روشنی بیکراں آسمان پر میں بکھیر دی تھی باسل نے رخ موڑ کر سورج کے زرد گولے کو دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

"احمر ہم اپنی زندگی میں ہر کام پلاننگ کے تحت کرتے ہیں ہمیں کیا پڑھنا ہے کون سا کیریئر چوس کرنا ہے کس طرح کی جاب کرنی ہے یہ سب کچھ ہم خود ڈی سائیڈ کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنی زندگی کا پارٹنر بھی ہم پلان کرکے سلیکٹ کرتے ہیں اور شاید یہ سب کچھ کرتے ہوئے ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ قدرت بھی اپنا زور رکھتی ہے تقدیر بھی کوئی چیز ہے جسے ہم اپنی عقل و دانش کے زعم میں بالکل فراموش کردیتے ہیں۔" احمر خاموشی سے بغور اس کی بات سنتا چلا گیا جو اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہا تھا۔

"ہم اپنے نصیب اپنی تقدیر کو بھی اپنی پلاننگ کی لکڑی سے ہانکنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جب ہماری تقدیر ہمارے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے تو تب ہم بوکھلا جاتے ہیں سٹپٹا جاتے ہیں اور الٹے پاؤں اس سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر کیا ہوتا ہے تھک ہار کر ہمیں اپنی تقدیر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑتے ہیں۔" باسل خاموش ہوگیا اطراف میں اندھیرہ تیزی سے پھیلنے لگا تھا جب ہی احمر سنجیدگی سے بولا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میرے دوست تقدیر سے فرار ممکن نہیں ہے بلکہ اس کے سامنے سرنگوں ہوجانا ہی بہتر ہے۔"

"جانتے ہو احمر جب کبھی بھی میرے دماغ میں شادی کا خیال آیا تو عنایہ جیسی ہی لڑکی میری پلاننگ میں تھی جو پڑھی لکھی اور خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ میری سوسائٹی میں بہت اعتماد کے ساتھ موو کرسکتی تھی مگر اب۔" اتنا کہہ کر وہ رکا تو احمر اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

"مگر اب میں عنایہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے گمبھیر لہجے میں اپنا جملہ مکمل کیا تو احمر چپ بیٹھا رہ گیا پھر دونوں کے درمیان بڑی طویل خاموشی چھا گئی صرف لہروں کا شور یا دور سے منچلوں کی آوازیں سنائی دیں جب ہی کافی دیر بعد احمر آہستگی سے بولا۔

"عنایہ سے شادی نہ کرنے کے لیے محبت کرنا تو ضروری نہیں تھا۔" جواباً باسل زور سے ہنسا پھر دھیرے سے بولا۔

"اگر محبت پلاننگ کرکے ہوتی تو کیا تم زرینہ سے محبت کرتے؟" احمر نے چونک کر اسے کرب آمیز نگاہوں سے دیکھا پھر آہستگی سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"کون ہے وہ۔" باسل اپنے پاس پڑی کنکریاں اٹھا کر سمندر میں پھینکتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہے ایک چھوٹے سے شہر کی چھوٹے سے گھر میں رہنے والی، معمولی سی مڈل کلاس لڑکی جسے نہ کانفیڈنس سے بولنا آتا ہے نہ ڈریسنگ کا ڈھنگ آتا ہے ہوئی ایک غریب سی لڑکی جس کے آگے پیچھے تو کوئی مرد بھی نہیں ہے۔"

"ہوں اتنی ساری خامیوں والی لڑکی سے محبت کرلی تم نے۔" احمر اداسی سے مسکرا کر بولا تو باسل سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

''ہاں اسی ٹائپ کی لڑکی جس ٹائپ کی لڑکیوں سے مجھے نفرت تھی۔''
''زرتاشہ'' احمر کے لبوں سے سرگوشیانہ انداز میں یہ نام نکلا تو باسل محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

❁......۞......❁

زرینہ اپنے گاؤں سے واپس آ گئی تھی زرتاشہ نے دیکھا کہ اس کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد تھا جبکہ آنکھیں بھی شدت گریہ سے سوجی ہوئی تھیں زرتاشہ نے اسے تسلی و تشفی دینے کی کوشش کی مگر زرینہ صرف چپ رہی اس نے مہرو کے ہوش میں آنے کی بابت بتایا تو زرینہ نے خوشی کا اظہار کیا مگر پھر اس کے بعد اس کے لبوں پر خاموشی کا قفل پڑ گیا۔ زرتاشہ اس کے طرز عمل سے کافی اپ سیٹ ہو رہی تھی جب ہی دوپہر کے کھانے کے بعد وہ اس کے بستر پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

''زری موت برحق ہے ہم سب کو ہی دنیا میں اپنا مقررہ وقت گزار کر یہاں سے جانا ہوتا ہے یہی ہمارا عقیدہ ہمارا ایمان ہے اور ہم سب راضی برضا ہیں۔'' زرتاشہ کی بات پر زرینہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں یہ جانتی ہوں تاشو اور سب مانتی بھی ہوں حمیرا بھابی کا اس دنیا سے چلے جانا ہی بہتر تھا اب یقیناً انہیں سکون مل گیا ہوگا'' پھر زرینہ زرتاشہ کی آنکھوں میں جھانک کر عجیب سے انداز میں بولی۔

''تاشو میں ان کی موت پر دکھی تو نہیں ہوں بلکہ خوش ہوں بہت خوش ہوں۔'' زرتاشہ زرینہ کی کیفیت دیکھ کر سہم سی گئی شاید اس نے اپنی بھابی کی موت کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا تھا۔

''زری یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو مجھے خوف آ رہا ہے۔'' ہمیشہ کی ڈرپوک زرتاشہ اس لمحے زرینہ کی ذہنی کیفیت دیکھ کر سہم گئی تھی جب ہی وہ خود کو سنبھال کر سنجیدگی سے بولی۔

''ایم سوری تاشو میں نے تمہیں پریشان کر دیا۔''

زرتاشہ ابھی مزید کچھ اور کہتی کہ دروازے پر دستک ہوئی ملازمہ نے زرینہ کے کسی مہمان کے آنے کی بابت بتایا تو زرینہ کے ہمراہ زرتاشہ بھی وزیٹنگ روم میں چلی آئی احمر یزدانی کو وہاں دیکھ کر زرتاشہ کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے جبکہ زرینہ اپنے دونوں بازو سینے پر فولڈ کیے شعلے اگلتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی احمر تھوڑا سا خائف سا ہوا پھر جلدی سے بولا۔

''مس زرینہ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا بس اتنا کہوں گا کہ اگر صرف ایک بار آپ میرے بارے میں ٹھنڈے دماغ سے سوچ لیں تو یہ میرے اوپر آپ کا بڑا احسان ہوگا۔''

''مسٹر احمر یزدانی کسی کی منکوحہ سے اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے آپ کو شرم آنی چاہیے۔'' الفاظ تھے یا ڈائنامک احمر کے ساتھ ساتھ زرتاشہ کو بھی ششدر سی اسے دیکھے گئی۔ ''کسی کی منکوحہ'' احمر کے ساکت لب پھڑپھڑائے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

صراط مستقیم

فصیحہ آصف خان

"واؤ......" ثانیہ کے لب فرط مسرت سے سکڑ گئے نئے مال کے باہر ماڈلز کی تصاویر اور برانڈڈ لباس دیکھ کر اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ نیناں اور ہادیہ نے بھی اس کی تائید میں سر ہلایا۔

"جلدی چلو......" ثانیہ گاڑی کی چابی بیگ میں ڈال کر زپ بند کرتے ہوئے انہیں کہتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ نیناں اور ہادیہ نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔ انہیں ثانیہ کے جنون کا پتہ تھا۔

مال کے اندر ایک اور ہی دنیا آباد تھی۔ باہر کی تپتی اور غربت زدہ زندگی سے یکسر مختلف شہر کے انتہائی پوش علاقے میں اس طرح کے کئی مالز تھے مگر یہ سب سے منفرد اور قیمتی لگ رہا تھا۔ اور ثانیہ ٹھہری دیوانی اس کا پڑاؤ ہمیشہ کپڑوں کی سیکشن پر ہوتا تھا اور جو پسند آ جاتا وہ قیمت پر کوئی سمجھوتہ کیے بغیر خرید لیتی۔

نیناں اور ہادیہ کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑتا۔ تینوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھیں آخر کار ثانیہ کو ایک بیش قیمت لباس پسند آ گیا۔ گلابی سلیولیس شرٹ پر قیمتی اور نفیس نگینوں کا کام بہار دکھا رہا تھا۔ ثانیہ ٹرائے روم میں خود کو مختلف زاویوں سے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ دلکشی کو چھوتے حسین تر کئی لباس رد کرنے کے بعد اسے یہ پسند آیا تھا۔ سو پندرہ ہزار میں یہ ڈریس لے کر وہ خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔ نیناں اور ہادیہ نے اپنے لیے بیگز پسند کیے۔ جن کی قیمت بھی ثانیہ نے ادا کی۔ میچنگ جیولری لے کر وہ مال کے اندر بنے پیزا ٹریک سے پیزا کھا کر کولڈ ڈرنک سے پیاس بجھا کر گھر کی جانب رواں دواں ہوئیں۔

نیناں اور ہادیہ کزن تھیں سو انہیں ان کے گھر ڈراپ کر کے ثانیہ اپنے گھر کی جانب ہولی۔ گھر کیا تھا ایک محل تھا۔ "قصر الحبیب" احمد اور ثانیہ حبیب اور صوفیہ کی دو ہی اولادیں تھیں۔ حبیب احمد گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ زمین دار نصیر احمد کی اکلوتی اولاد ہاجرہ خاتون کی دلی تمنا تھی کہ حبیب احمد پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنے۔ سو انہوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد حبیب احمد کو نصیر احمد کی مخالفت کے باوجود شہر بھیج دیا۔ جس کا نصیر احمد کو خاصا قلق تھا۔ اس کی پڑھائی کے دوران کئی بار زمین کو بیچنا پڑا۔ نصیر احمد کو ہر بار یہ صدمہ اٹھانا پڑا مگر ہاجرہ انہیں تسلی دیتی آخر کار حبیب احمد نے ایم بی اے اعلیٰ نمبروں سے پاس کر لیا اور نوکری کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔

جہاں جاتا وہاں کچھ لو اور دو کے اصول پر بات ہوتی۔ جب کہ نصیر احمد اسے رشوت کے لیے ایک روپیہ بھی دینے کے روادار نہ تھے۔ ہاں مشورہ دے ڈالا کہ ان روپوں سے کوئی کاروبار شروع کر لے۔ سال بھر دھکے کھانے کے بعد چند دوستوں سے مشورہ کے بعد آخر کار حبیب احمد نے کاروبار میں ہاتھ ڈال دیا۔ نصیر احمد نے ایک مکان کے سوا ساری زمین بیچ کر اس کی خواہش پوری کر دی۔ قسمت کا ستارہ روشن تھا۔ کاروبار چمک اٹھا۔ شراکت دار بھی ایمان دار تھا۔ اختر ملک جن کی ایک ہی بیٹی صوفیہ تھی۔ حبیب احمد اچھا قابل نوجوان تھا محنتی الگ۔ سو انہوں نے صوفیہ کے رشتے کی بات کر ڈالی۔ حبیب احمد کی ابھی اس طرف توجہ نہ تھی۔ سو والدین سے مشورے کے لیے گاؤں آ گئے۔ والدین کو وہ کئی بار کہہ چکے تھے کہ شہر آ جائیں۔ مگر انہیں اپنی جگہ سے بہت انس تھا اب صوفیہ کا معاملہ ان کے سامنے رکھا تو نصیر احمد کو سخت طیش آیا۔ وہ اپنی یتیم بھانجی سمیرا سے اس کا رشتہ جوڑے بیٹھے تھے۔

یہاں حبیب احمد نے اپنی پسند سامنے رکھی تو وہ دل پر ہاتھ رکھ بیٹھے۔

"ابا......میں پڑھا لکھا ہوں اور مجھے زندگی کا ساتھی بھی اپنے جیسا چاہیے۔ چھ جماعتیں پاس سمیرا میرا ساتھ نہیں دے سکتی۔"

حبیب احمد کے دوٹوک انداز پر نصیر احمد دل پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھتے چلے گئے بروقت امداد سے ان کی جان تو بچ گئی مگر خطرہ ٹلا نہیں۔ ہاجرہ کے سمجھانے پر آخر کار نصیر احمد یہ بازی بھی ہار گئے اور مجبور ہو کر اختر ملک سے صوفیہ کی رشتے کی بات کی۔ پھر چند ماہ بعد ہی صوفیہ شان دار محل نما گھر قصر الحبیب میں آ بسیں۔

ہاجرہ اور نصیر احمد گاؤں واپس چلے گئے۔ چھ ماہ بعد ہی نصیر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر زندگی کی بازی بھی ہار گئے۔ ہاجرہ خاتون کی عدت پوری ہوتے ہی حبیب احمد انہیں شہر لے آئے۔ مگر ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ نصیر احمد کی یادیں لہو میں گردش کر رہی تھیں۔ حبیب اور صوفیہ ان کا بے حد خیال رکھتے۔ مگر ان کا دل جیسے مرسا گیا تھا۔ احمد کی آمد سے ان کے اندر زندگی پھر سے مسکرانے لگی۔ احمد میں ان کی جان تھی۔ وہ زیادہ تر دادی کے پاس رہتا تھا۔

اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے صوفیہ نے باہر قدم بڑھائے بہت سی پارٹیز اور این جی او میں شامل ہو گئیں۔ ہاجرہ خاتون نے شروع شروع میں انہیں سمجھایا۔ احمد کی پرورش کا کہا۔ چادر اور چار دیواری کے تقدس کی اہمیت کا بتایا مگر وہ مسکرا دیں اور کہا کہ آپ پرانے زمانے کی خاتون ہیں آج کے دور میں یہ سب کرنا لازمی ہے۔ ہاجرہ خاتون حیران رہ گئیں۔ عورت کے لیے تو ہر زمانہ ایک سا ہے۔ سب قوانین ہر دور میں اسی پر لاگو ہیں۔ ہاجرہ اس سے زیادہ مداخلت نہ کر سکیں نہ وہ زبردستی و جبر کی قائل تھیں اپنی دنیا میں مگن ہو گئیں۔

سفید ململ کے بڑے سے دوپٹے کی بکل مارے تسبیحات پڑھتیں۔ نماز و قرآن میں مشغول رہتیں۔ نوافل ادا کرتیں۔ حبیب احمد کے پاس بھی وقت بہت کم ہوتا۔ احمد چار سال کا ہوا تو ثانیہ آ گئی۔ بے حد پیاری۔ گول مٹول ہلکی سبز آنکھوں والی سرخ و سفید ثانیہ ہاجرہ خاتون تو جیسے پھر بچوں میں مصروف ہو گئیں۔ ثانیہ ان کی گود میں ہی دکھائی دیتی۔ مگر صوفیہ اسے نئے زمانے کے رنگ ڈھنگ اطوار سے روشناس کرانا نہ بھولیں۔ لاڈ پیار نے اسے خاصا ضدی اور مغرور بنا دیا تھا ہر شے کے لیے ضد کرتی اور ضد پوری ہونے پر ہی خاموش ہوتی۔ ضدیں پوری کرنے والے جو موجود تھے۔ انہی دنوں ہاجرہ خاتون حبیب احمد کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد بے حد مطمئن ہو گئیں تھیں۔ زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی پوری ہو چکی تھی

❁......❁......❁......❁

دیکھتے دیکھتے کئی برس بیت گئے۔ ہاجرہ خاتون کی کمر خمیدہ ہونے لگی۔ نظر دھندلا گئی۔ کئی بیماریوں نے جسم کو جکڑ لیا تھا۔ احمد کے تعلیم مکمل ہونے اور حبیب کے ساتھ کاروبار میں شامل ہوتے ہی صوفیہ نے اپنی سہیلی فرح کی بیٹی بشریٰ سے اس کی شادی کر دی۔ ثانیہ اس وقت سیکنڈ

ایئر میں تھی جس کے شوق بھی اس کی طرح تھے آئے دن شاپنگ پارٹیاں اٹینڈ کرنا۔ ہلا گلا وہ تھرل کی شوقین تھی۔ چھٹی کے دن دن چڑھے اٹھنا صبح صادق کے وقت سونا۔ گھر میں سب کے انداز نرالے تھے۔ ہاجرہ خاتون کس کس کو سمجھاتیں سوچپ سادھ لی۔ گھر میں نماز وقرآن کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ روزے موسم دیکھ کر رکھے جاتے تھے بے حیائی عروج پر تھی۔ دوپٹے ندارد ہاجرہ خاتون دیکھ دیکھ کر کڑھتیں اور ان کی ہدایت کی دعا کرتیں۔ پھر ہدایت تو اسی کو ملتی ہے جو اس کی جانب رجوع کرے۔ قدم بڑھائے خالی خولی دعا سے کیا ہوتا ہے۔ جب نیت ہی درست نہ ہو۔ دل سے صحیح اور غلط کو نہ مانا جائے۔

⚙......⚙......⚙......⚙
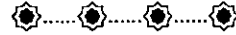
"ہائے دادی ماں۔" شاپنگ بیگز لیے ثانیہ دھپ سے آ کر ان کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔ ہاجرہ خاتون اس وقت ٹی وی پر ایک مذہبی پروگرام دیکھ رہی تھیں کہ ثانیہ نے ریموٹ اٹھا کر میوزک چینل لگا دیا اور بیگ کھولتے ہوئے بولی۔

"یہ دیکھیں میری شاپنگ۔" گلابی نگینوں سے سجی شرٹ ثانیہ نے ان کے سامنے پھیلائی۔ ایک نظر ہاجرہ خاتون نے ٹی وی پر آئی ماڈل کو دیکھا جس کا مختصر لباس اس کے لیے تکلیف دہ تھا اور اب ثانیہ کا یہ لباس۔

"بیٹا! یہ لباس تمہارے لیے مناسب نہیں۔" ہاجرہ خاتون بول اٹھیں۔

"ارے چھوڑیں آج کل یہی فیشن ہے۔ جب میں یہ پہنوں گی تو آپ دیکھیے گا سب کی نگاہیں مجھ پر ٹکیں گی۔" ثانیہ گانے کے ساتھ جھوم کر بولی۔

"بیٹا میری طرف دیکھو میں بھی عورت ہوں۔" ان کی آواز میں نمی سی تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں ان کا پرنور چہرہ دھلا دھلایا بال تک چھپے ہوئے تھے۔

"ارے آپ تو بزرگ ہیں۔ ہم ابھی آپ کی عمر کے تو نہیں ہوئے۔" ثانیہ نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا اور بیگ اٹھا کر جانے لگی تو انہوں نے اسے بٹھایا اور نرمی سے بولیں۔

"بیٹا عورت پر پردہ لازم ہے نامحرم کی نگاہیں عورت کو غلیظ کر دیتی ہیں اور ہاں میری بیٹی بلاضرورت کپڑے مت بنواؤ۔ ایک ایک چیز کا حساب دینا ہے۔ کچھ آخرت کی تیاری کا بھی سوچو۔" ہاجرہ خاتون آج پھر دل سے مجبور ہو کر اسے سمجھانے لگیں۔

جس پر ثانیہ بے زار ہوتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ انہوں نے ثانیہ کو سورۃ النساء اور سورۃ نور کا ترجمہ پڑھ کر سمجھایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔

صوفیہ بشریٰ اور ثانیہ تینوں ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ مردوں کو پیسہ کمانے اور عورتوں کو پیسہ لٹانے سے فرصت ہی نہ تھی۔ جب گھر کا ماحول ہی ایسا ہوگا تو خدا کی رحمتیں اور برکتیں خود ہی منہ موڑ لیتی ہیں پھر انسان شکوے کیونکر کرتا ہے؟

⚙......⚙......⚙......⚙

ہاجرہ خاتون کی طبیعت کافی دنوں سے خراب تھی۔ ثانیہ ان کا پورا خیال رکھ رہی تھی۔ ڈاکٹر سے بھی رابطہ تھا۔ دوائیاں باقاعدگی سے کھا رہی تھیں مگر طبیعت تھی کہ بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی۔

آج بھی صوفیہ اور بشریٰ اس وقت کہیں لنچ پر گئی ہوئی تھیں۔ انہیں دوائی دے کر ثانیہ اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنا وارڈ روب کھول کر یونہی دیکھنے لگی۔ کم و بیش سو کے قریب قیمتی و نفیس سوٹ بیش قیمت جوتے جیولری میک اپ کا سامان گویا برانڈڈ چیزوں کی کوئی دکان ہو۔ یک دم اس کا دل جیسے اچاٹ سا ہو گیا۔ لباس بھی ایسے کہ بے پردگی اور نمائش کا کھلا سامان۔ اس وقت بھی وہ بنا دوپٹے کے تھی۔ جانے دل میں کیا ہوا بہت تلاش کرنے کے بعد ایک اسکارف نظر آ ہی گیا جو دادی ماں اس کے لیے حج کرنے کے بعد لائی تھیں مگر ثانیہ نے اسے گول مول کر کے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ اسکارف وہ گلے میں ڈال رہی تھی کہ صغریٰ نے وحشت ناک انداز میں دروازہ بجایا۔ ثانیہ کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔

"بڑی بی بی جی کی طبیعت خراب ہورہی ہے ثانیہ بی بی۔" وہ کہتی ہوئی ہاجرہ خاتون کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ ثانیہ بھی اس کی دیکھا دیکھی دادی کے کمرے میں دوڑی۔ ہاجرہ خاتون گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ سر ہنوز دوپٹے سے ڈھکا تھا۔ انہوں نے آنکھیں کھولیں اور بدقت تمام بولیں۔

"وہ دیکھو تمہارے دادا آئے کھڑے ہیں' مجھے بلا رہے ہیں۔" ثانیہ یکدم گھبرائی۔ ہاجرہ خاتون کے لب یکایک مسکرا دیئے اور لبوں سے کلمہ جاری ہونے لگا۔ اگلے لمحے ان کی روح پرواز کرگئی۔

ثانیہ ہک دک رہ گئی۔ جلدی سے ماں باپ کو فون کیا۔ آنسو تھے کہ بہتے گئے۔ صغریٰ کی مدد سے ان کو سیدھا کیا۔ آنکھیں بند کیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی انسان کو دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ شدت غم سے رو پڑی۔ صغریٰ بھی نم آنکھوں سے اسے خاموش کرانے لگی۔ تھوڑی دیر میں سب ہی آگئے اور ان کے سفر آخرت کی تیاری ہونے لگی کہ صغریٰ نے ایک گٹھڑی صوفیہ کے سامنے رکھی اور بولی۔

"یہ بڑی بی بی نے مجھ سے الماری میں رکھوائی تھی۔ کفن ہے ان کا۔ آب زم زم سے دھلا ہوا۔ انہوں نے کہا تھا میرا سب سے قیمتی اور اہم لباس یہی ہے۔ جو میرا آخری پہناوا ہوگا۔" صغریٰ کے کہنے پر ثانیہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ صغریٰ نے آنکھیں صاف کیں اور گرہیں کھولنے لگی۔ گٹھڑی کھلتے ہی خوشبو کا ایک جھونکا آیا۔ جس نے ساری فضا کو معطر کردیا تھا۔ تہہ شدہ سفید مہکتا کفن سب کی آنکھیں بھرآئیں۔ ثانیہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔ بشریٰ بھی اسے گلے سے لگا کر سسک اٹھی۔

جب ہاجرہ خاتون کو غسل دے کر کفن پہنایا گیا کافور و گلاب کی مہک سے مہکتا وجود جو اب خاکی تھا مگر ان کے چہرے سے نورانی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ پرسکون مسکراہٹ ان کے لبوں پر ٹھہری ہوئی تھی۔ ثانیہ ایک ٹک

یادیں

+ یہی بس مشکل ہے بھول جانا انسان کے بس میں نہیں جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے۔ بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے' انسان ظالم کو معاف کرسکتا ہے لیکن اس کے ظلم کو نہیں بھول سکتا' بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔

+ پرانی یاد نئی زندگی کے ساتھ چلتی ہے تہہ در تہہ یاد انسان کے اندر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے' یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں جاتی ہے۔

(واصف علی واصف کی کتاب "دل دریا سمندر" سے اقتباس)

صدف مختار...... بوسال مصور

انہیں دیکھے گئی۔ مدھم مسکرا کر بولنے والی دعائیں دینے والی دادی آج خاموش ابدی نیند سو رہی تھیں۔ ثانیہ کے اندر جیسے کسی غم کا بسیرا ہوگیا تھا۔ روتے ہوئے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

زندہ اور مردہ انسان کا اس نے آج پہلی بار تجزیہ کیا تھا۔ خوف کی لہریں جسم کے آر پار ہورہی تھیں۔ قبر کا اندھیرا اس کے اندر خوف و دہشت پیدا کررہا تھا۔ اس نے ایک دم جھرجھری لی۔ پسینہ ہر مسام سے پھوٹ رہا تھا۔

اگر میں بھی ابھی مرجاؤں تو کیا ہوگا؟ اس کی آنکھیں خوف کے مارے پھٹنے کے قریب ہوگئیں۔ اپنا کمرہ آرام دہ نرم و گداز بستر اور پھر...... قبر' مٹی کا گھر اس نے تو اس سفر کے لیے کوئی زاد راہ بھی جمع نہیں کیا تھا۔ نماز کب پڑھی یاد نہیں۔ روزہ کب رکھا۔ یہ بھی فراموش کرچکی تھی۔ بے پردہ' بے نیاز گھومتی رہی۔ گھر میں روک ٹوک کی تو بس دادی نے۔ ماں اور باپ جدیدیت کے ایسے حامی تھے کہ پلٹ کر مڑ کر بھی دیکھا ہی نہیں کہ بچوں کی تربیت کن خطوط پر ہورہی ہے۔ انہیں آرام و آسائش مہیا کرنا ہی ان کے

نزدیک سب سے بڑا فریضہ تھا۔ حالانکہ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ ”بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت والدین کی طرف سے بہترین عطیہ ہے۔“ اور دنیا کے لیے جو کچھ کررہے ہیں آخرت میں ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔ گم صم ثانیہ خوف کے عالم میں تھی۔

یہاں تک کہ مردوں کے اندر آنے کی اطلاع ملی کہ دادی کو سفر آخرت پر لے جایا جائے کہ ان کی تدفین کی جائے۔

تو کیا دادی قبر میں رکھنے کے لیے لے جائی جارہی ہیں؟ اندھیری، مٹی کی کوٹھری، نہ روشنی نہ ہوا۔ نہ کوئی آواز نہ صدا، ثانیہ کا جسم ہولے ہولے کپکپانے لگا تھا۔ یہاں تک کہ دادی کو لے گئے۔ ثانیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ لحہ بھر کو چند سسکیاں ابھریں۔ وہ بھی معدوم ہوگئیں۔ پھر وہاں ہر کسی کے ہاتھ میں گٹھلیاں اور زبان پر جہاں بھر کے قصے جاری تھے۔

ثانیہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ کچھ دیر بعد صغریٰ اس کے لیے کھانا لائی۔ وہ بھی جوں کا توں رکھا رہا۔ گھنٹے بعد صوفیہ اس کے کمرے میں آئیں۔ رو رو کر ثانیہ کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں جب کہ صوفیہ نارمل انداز میں اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیرتے ہوئے بولیں۔

”سب کو جانا ہے ثانی، ہمت کرو بیٹا۔ اٹھو۔ ہاتھ منہ دھوکر کھانا کھالو۔ شاباش۔“ صوفیہ نے اسے پچکارا۔ ”مجھے بہت کام ہیں باہر، تم سو جانا۔“ صوفیہ پیار سے کہتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

ثانیہ نے ہاتھ منہ دھوکر دو چار لقمے حلق سے اتارے۔ اور بھاری سر کو سنبھالتی بستر پر آگئی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ کافی دیر بعد اسے نیند آئی۔ جانے کتنی دیر سوئی تھی۔ یک دم اس کی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں ہلکا اندھیرا تھا۔ اس نے خواب میں دادی کو دیکھا تھا۔ وہ ایک پھولوں سے بھرے سرسبز باغ میں جائے نماز پر بیٹھی قرآن پاک پڑھ رہی ہیں اور جھوم رہی ہیں۔ ان کا نورانی چہرہ دمک رہا تھا۔ ثانیہ کی سمجھ میں بس یہی آیا کہ دادی بہت مطمئن اور خوش ہیں۔ پھر جانے کب اس کی آنکھ لگی۔

صبح بہت اداس تھی۔ گھر میں عجب سوگوار سی خاموشی چھائی تھی۔ آج صوفیہ نے قرآن خوانی اور ایک درس دینے والی عالمہ کو بلایا تھا۔ عصر کے بعد انہوں نے آنا تھا۔ دوپہر کے بعد چاندنیاں بچھنے لگیں۔ لوبان و اگربتی کی خوشبو نے ماحول کو افسردہ بنا دیا تھا۔ رفتہ رفتہ خواتین آنے لگیں۔ یہاں پر بھی انہوں نے فیشن کو حتی المقدور اپنانے کی پوری کوشش کی تھی۔ جدید لباس، جیولری جوتے ثانیہ کے حلق میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔

وقت مقررہ پر عالمہ فاطمہ ہاشمی بھی آگئیں۔ نیناں اور ہادیہ ثانیہ کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ فاطمہ ہاشمی کے چہرے پر عجیب سی روشنی تھی۔ کالے حجاب میں لپٹا سرخ و سفید چہرہ۔ ہر طرح کی آرائش سے پاک۔

سب خواتین سر جھکے ان کی باتیں سننے کے انتظار و اشتیاق میں تھیں کہ ان کی دل نشین نرم آواز ابھری۔

”السلام علیکم! سب بہنیں خاموش ہوجائیں اور دل سے ایک بار درود پاک پڑھیں۔“ ان کی مسحور کن آواز ثانیہ کے دل میں اتر گئی۔ ”درود پاک“ وہ جیسے کسی خواب سے جاگی تھی۔ نیناں اور ہادیہ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ تب ثانیہ نے سر جھکا کر نیناں سے کہا کہ وہ اسے آہستگی سے درود پاک پڑھائے۔ نیناں نے مختصر سا درود پاک پڑھا۔ ثانیہ ساتھ ساتھ دہرانے لگی۔ مارے شرمندگی کے اس کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔ نئی فلموں اور اداکاروں کے نام اور سب گانے اسے ازبر تھے۔ نہ یاد تھا تو درود پاک۔ اس کے اندر شرمندگی سر اٹھارہی تھی۔

”میری بہنو! کل اس گھر سے ایک بزرگ خاتون کو رب کریم نے اپنے پاس بلالیا۔ آپ سب جانتی ہیں کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ جلد یا بدیر اسے موت ضرور آنی ہے۔ زندگی کے بعد موت ایک اٹل حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے موت کے بعد اس کی زندگی میں

ہونے والے اعمال کا حساب کتاب شروع ہوجاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے آپ سب کسی پرچے یا امتحان کی تیاری کرتے ہیں اور پھر نتیجے کا انتظار ہوتا ہے۔ جو بالآخر آجاتا ہے۔ اسی طرح دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور نتیجہ مرنے کے بعد حساب کتاب کے بعد ملتا ہے۔ بہنو! دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔"

"تو میری پیاری بہنو! ہم سب کو آج ہی سے اپنا احتساب کرنا ہے۔ ہم سارا دن کیا کرتے ہیں۔ کتنی نیکیاں اور کتنے گناہ اور کیا ہم گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کرتے ہیں؟ توبہ کیا ہے؟ توبہ یہی کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا رب کریم کے حضور سچے دل سے وعدہ کرنا۔ ابھی بھی وقت ہے کہ ہم سب اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے توبہ کریں۔ توبہ کا دروازہ ابھی بھی کھلا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے کہ اس کا بندہ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہوکر اس کی بارگاہ میں توبہ و بخشش کا طلب گار ہوتا رہے۔ میری بہنو! دین کو اپنا شعار بناؤ۔ یہود و ہنود کی اندھی تقلید کے پیچھے مت بھاگو۔ اپنی نمازوں کی ادائیگی وحفاظت کرو، پردے کا اہتمام کرو، قرآن حکیم کی تلاوت کو اپنا معمول بناؤ۔ ترجمہ سے استفادہ کرو۔ اپنے گھروں کو ایمان کی سچی روشنی سے سجاؤ۔" "تو آج ہی میری عزیز بہنو! اپنے آپ کو ایمان وسنت کے لباس میں ڈھالو تاکہ آنے والی نسلوں تک اس کا اثر پہنچے آیئے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیجیے اور حاجرہ خاتون کے درجات کی بلندی کے ساتھ ساتھ اپنی بخشش کی دعا بھی کریں۔"

ثانیہ پر کپکپی طاری تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ کیسی پراثر باتیں تھیں۔ آج سے پہلے تو گویا جہالت کی زندگی گزر رہی تھی۔ اندھیرا تھا' گہری تاریکی' روشنی تو اسے اب نظر آئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

یہ ہدایت کا ہی لمحہ تھا اور اس کی سچی نیت پھر آنے والے دنوں میں ثانیہ کی کایا پلٹی۔ عبایا اور حجاب میں ملبوس ثانیہ دیکھنے والوں کے لیے حیرانی کا باعث بنی۔ گھر میں بڑے بڑے دوپٹوں میں ملفوف نماز وقرآن کی باقاعدگی۔ ایک نئی ثانیہ کا جنم ہوا تھا۔ صوفیہ اور بشریٰ اسے سمجھانے کی کوشش کرتیں مگر الٹا وہ انہیں درس دینے لگتی۔

دادی کے کمرے میں جاتی تو ایک انمول مہک اس کی سانسوں میں اتر جاتی۔ وہ رو پڑتی کاش دادی کی زندگی میں اس کے اندر یہ تبدیلی آجاتی۔ تو وہ کتنی خوش ہوتیں۔ وہ ان کو کلام پاک پڑھ بخشتی رہتی۔

زندگی یکسر تبدیل ہوکر رہ گئی تھی۔ گھر والوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ صوفیہ اور بشریٰ کی وہی روٹین تھی۔ کوئی اسے بڈھی روح کہتا' کوئی پرانے زمانے کی بڑھیا۔ ثانیہ کو کسی کی پروا نہ تھی۔ سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے۔ قرآن حکیم کے ترجمہ وتفسیر نے اس کے اندر صبر برداشت اور حوصلہ پیدا کردیا تھا۔ اسے یہ پتہ چل چکا تھا کہ ایک دین دار عورت پورے معاشرے کو بدل کر رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ وہ آنے والی نسلوں کی اسلامی خطوط پر پرورش کرسکتی ہے۔

اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد اس نے عالمہ کا کورس کیا۔ وہیں پر موجود مسز مجید نے اسے دیکھا اور اپنے بیٹے ڈاکٹر احمد صالح کے لئے پسند کرلیا۔ اونچا لمبا باریش ڈاکٹر احمد صالح سب کو پسند آیا۔ مسز مجید گھر میں درس کا اہتمام کرتیں۔ سو انہیں ثانیہ جیسی بہو کی تلاش تھی۔ یوں چھ ماہ بعد ثانیہ ڈاکٹر صالح کی دلہن بن کر آ گئی۔ ہدایت کا کوئی لمحہ نہیں۔ بس انسان کی نیت صاف ہو تو راستے کے کانٹے اور رکاوٹیں خود بخود دور ہوجاتی ہیں۔ ثانیہ کی خوش نصیبی کہ شادی کے چار ماہ بعد ہی اسے احمد صالح کے ساتھ حج کی سعادت نصیب ہوگئی۔

'جاتے ہیں وہی جن کو سرکار بلاتے ہیں۔' اللہ نے اسے اپنے پسندیدہ لوگوں میں شامل کرلیا تھا۔ اس سے بڑھ کر زندگی میں اور کیا چاہیے تھا۔

محبت جھلمیگت جنگل

عابدہ سبین

"پاپا...... ماما......" سفیان کی تیز آواز پر وہ ہراساں سی باہر آئی تھی' اس کی پھولی سانس اور آواز میں جوش تھا......!

"کیا ہوا کیوں چلا رہے ہو؟"

"ماما' مانو آپی واپس آ گئیں۔"

اس نے اتفاقاً آج اسکول سے چھٹی کی تھی۔ وہ دروازے میں ہی کھڑا تھا جب اس نے سمیرا اور مانو کو ٹیکسی سے اترتے دیکھا تھا۔

"ہائیں...... کیا...... واقعی؟"

سدرہ کے لیے بھی یہ خبر شاکنگ نیوز سے کم نہ تھی' لمحہ بھر میں اس نے یہ خبر دونوں جٹھانیوں کو دی تھی...... اور اگلے پانچ منٹ بعد تابندہ ان کے گھر موجود تھیں۔

سمیرا انہیں دیکھتے ہی لپٹ گئی اور خود پر قابو نہ رکھ سکی...... کتنی دیر ان سے لگے وہ آنسو بہاتی رہی' مانو کی بھی یہی حالت تھی۔

"بہت بڑا صدمہ تھا ہمارے لیے بھی مگر افسوس کہ تم لوگوں نے تو بالکل ہی غیر جانا فون تک نہ کیا...... کل بچوں کو پتہ چلا تب سے ہمارے گھر میں گہرا سناٹا ہے۔"

انہوں نے شکوہ کیا...... کتنی دیر وہ سمیرا اور مانو کو خود سے لگائے بیٹھی رہیں' عفان کو نجانے کتنی بار چوم ڈالا' ریان اور بیہ کو ان کی زیادہ پہچان نہ تھی' البتہ عفان انہیں اچھے سے پہچانتا تھا۔

"میرا تو کل سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے کہ جانے اکیلی کیسے رہ رہی ہوں گی۔ وہ بھی دوسرے شہر میں۔"

ان کی آنکھوں کی نچلی سطح اب بھی گیلی تھی...... وہ کافی دیر بیٹھی رہیں' اور جاتے وقت انہیں زبردستی ساتھ لے آئیں سعدیہ بھابی اور سدرہ بھابی اسی محبت سے ملی تھیں' پانچ سال میں سفیان کتنا بڑا ہو گیا تھا۔

"ہمارے عفان کا ہی ہم عمر ہے ناں۔"

"ہاں ناں...... بھول گئیں ایک ماہ کا تو فرق ہے بس۔"

"یاد ہے بھابی...... ماشاءاللہ سفیان تو بالکل عاقب بھائی کی طرح ہے قد کاٹھ میں۔ باقی سب کہاں ہیں؟"

"لڑکے سارے جاب پر گئے ہیں...... مناہل' ذانیہ' عاشی پھوپو کی طرف ہیں' علونیہ کالج گئی ہے' بہرام کا آج انٹرویو ہے وہاں گیا ہے۔"

"ماشاءاللہ۔"

سمیرا اتنا ہی کہہ سکی مانو کی خاموشی قابل دید تھی جس گھر میں اس نے عمر کا ایک حصہ گزارا تھا' آج اسی گھر میں وہ اجنبیوں کی طرح بیٹھی تھی۔ سفیان تو آتے ہی اس کے پاس آ بیٹھا تھا...... ان لوگوں میں آج تک وہی محبتیں تھیں' بس وقت نے ستم ظریفی کی' ماہ نور اشرف کو ہی بدل ڈالا تھا۔

ان سب نے زبردستی انہیں لنچ تک روکے رکھا تھا' بہرام اور علونیہ بھی آ گئے تھے' اور بہت ایکسائیٹڈ تھے انہیں دیکھ کر۔

"بھابی میں گھر جا رہی ہوں۔"

تین بجے وہ اٹھ کھڑی ہوئی' بھابی شاید اس کی ذہنی اور دلی کیفیت سمجھ رہی تھیں تبھی سر ہلا دیا...... "بیٹھو ناں۔"

"بڑی بھابی میرے سر میں شدید درد ہے کچھ دیر سوؤں گی۔" اس نے عذر تراشا' وہ تینوں بچوں کو بھی ساتھ لے آئی تھی۔

کبھی کبھی انسانی کیفیت بھی عجیب سی ہو جاتی ہے' جس کے ملنے کی چاہ میں گھڑیاں نہیں گزرتیں' وہ جب قریب ہو تو' من نہیں کرتا اس کا سامنا کرنے کو' اس میں بھی شاید ہمت نہیں تھی تبھی تو اٹھ آئی۔

وہ خود کو ریلیکس کرنے کے لیے بچوں کے ساتھ کھیلنے لگی' بھابی بھی کچھ دیر بعد آ گئی تھیں۔

"اکرام بھائی تمام سامان رکھ گئے ہیں بھابی۔" اس نے اطلاع دی تھی۔

"اچھا میں ابھی جا کر کچن سیٹ کر دیتی ہوں۔"

"میں نے کردیا ہے چائے پییں گی آپ۔"

"نہیں سدرہ بھابی نے مجھے اٹھتے ہی نہیں دیا بنا چائے کے۔"

اوکے۔" مانو اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

☆☆☆......☆☆☆

کبھی اس سے بہت گہرے مراسم تھے
مگر پھر سلسلہ ٹوٹا...... تو یوں ٹوٹا
کہ برسوں دل کے آنگن میں
کوئی موسم نہیں اترا
مگر اب پھر یہ دل پاگل
بضد ہے...... اور کہتا ہے
کسی فرصت کے لمحے میں
اسے مل لیں تو اچھا ہے...... !!

خزاں رسیدہ پتوں میں جیسے بہار لوٹ آتی ہے ویسے ہی صہیب احمد کی زیست میں بہار لوٹ آئی تھی...... کوئی اس کے دل میں جھانک کر دیکھتا کہ آج وہ کتنا خوش تھا...... اتنا کہ شاید وہ خود بھی انجان تھا۔

"حیدر لوگوں سے کہا آج بلال اور حمزہ کی مہندی ہے...... ہم نے وہاں جانا ہے۔" احمر نے صہیب کے اس کے لبوں کا تبسم دیکھ لیا تھا...... تبھی حیدر کو مخاطب کیا...... مگر حیدر تو خود جانے کن سوچوں میں تھا...... تن من میں عجیب سی تپش تھی۔

"میں نے نہیں جانا۔" حیدر کے منہ سے نکلی بات نے احمر کو حیران کردیا۔

"کیوں تمہیں کیا مصیبت آ گئی؟"

"بس میرا من نہیں ہے۔"

اس کی آنکھیں حد درجہ سرخ ہورہی تھیں دماغ جیسے سلگ رہا تھا اور ان لمحوں میں وہ کسی سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا تبھی اٹھ کر کمرے میں جانے لگا مگر اسی تیزی سے احمر نے اس کا مضبوط بازو تھام لیا۔

"آر یو آل رائٹ مجھے تمہاری حالت عجیب سی لگ رہی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" حیدر نے جبڑے بھینچے......

صہیب خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اسے پتہ تھا کہ حیدر پر آج پھر جنون سوار تھا مدحت اس کی زندگی سے جاچکی تھی تو پھر اب کس لیے وہ حیدر کو دوبارہ میسج کرتی تھی ابھی یہ بات احمر کو پتہ نہیں تھی ورنہ تو اب تک ان دونوں کی جھڑپ ہوجاتی تھی۔

"احمر ہم دونوں چلتے ہیں یار۔" صہیب نے بات سنبھالی۔

"اور حیدر تو کوئی ٹیبلیٹ لے لے ایسے تھوڑی سر کا درد جائے گا۔" حالانکہ یہ سچ نہیں تھا مگر اسے حیدر کی خاطر جھوٹ بولنا پڑا...... احمر ہر شخص کو پرفیکٹ دیکھنا چاہتا تھا...... مگر انسان پرفیکٹ نہیں ہوتے بس احمر کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو وہ ہائپر ہوجاتا۔

"کم آن یار حیدر تم مجھے بتادیتے کہ سر میں درد ہے ٹھہرو میں تمہیں ٹیبلیٹ لاکر دیتا ہوں میرے کمرے میں ہے۔" احمر نے فوراً کہا اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"دیکھو حیدر مسئلے اس طرح حل نہیں ہوتے...... تمہیں کیا لگتا ہے کہ اس طرح تم اسے اذیت دے رہے ہو نہیں بلکہ اس طرح تو اپنی ذات کو اذیت دے رہا ہے حالت دیکھ اپنی۔"

"اسی لیے تو کہا تھا میں تو خود کو نہیں سنبھال سکتا اپنی ذات سے وابستہ کسی اور رشتے کو کیسے سنبھالوں گا...... مگر میری کسی نے نہیں سنی۔"

اسے رہ رہ کر بس دانیہ سے طے پانے والا رشتہ ہی موضوع بحث لگ رہا تھا۔

"اس سے اس معصوم کا کیا تعلق...... بلکہ میں تو کہوں گا کہ تم خود کو سنبھالو زیادہ سے زیادہ توجہ دانیہ کو دو...... تم اچھے کزنز ہو...... اور اب اس رشتے سے مزید محبت بڑھے گی۔"

"محبت باقی رہے گی تو بڑھے گی محبت میرے اندر دفن ہوگئی ہے صہیب وہ اب کسی سے نہیں ہوگی۔"

"یہ لو گولی...... دس منٹ میں درد غائب ہوگا تمہارا۔"

”درد جب اپنی جگہ پہلو میں بنا لے ناں احمر تو وہ عمر بھر نہیں جاتا...... کسی بھی گولی سے غائب نہیں ہوتا‘ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں‘ چلو چلتے ہیں۔“ حیدر کی بات کی گہرائی سمجھنا مشکل نہ تھا کیونکہ وہ دونوں ہی اس کے رازداں تھے...... مگر اس وقت بات کو طول دینا مناسب نہیں تھا سو وہ دونوں حیدر کے پیچھے ہی نکل گئے...... پھوپو کے گھر میں جگمگاہٹیں‘ ہلہ گلہ...... میوزک کا شور...... اور نئی نسل کا ہنگامہ عروج پر تھا...... رسم کے لیے بلال اور ماہین کو اسٹیج پر بٹھا دیا گیا تھا وہ کافی لیٹ پہنچے تھے...... ماما سے آتے ہی سننی پڑ گئیں۔

”حیدر کے سر میں درد تھا اسی لیے ہم لیٹ ہو گئے اس کی صورت دیکھیں آپ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔“

”میں مناہل سے کہتی ہوں اسے ٹیبلیٹ دے دے گی۔“

”ضرورت نہیں ہے میں نے دے دی ہے‘ بس اس کے لیے چائے بنوا دیں شاید اسے سکون مل جائے۔“

حیدر باہر رکا ہی نہیں تھا‘ درحقیقت وہ مناہل کو ہی ڈھونڈ رہا تھا مگر بدقسمتی سے دانیہ مل گئی اس کے دماغ کی رگیں مزید تن گئیں‘ اس کا سجا سنورا روپ بھی حیدر کے اندر کی تلخی کو کم نہ کر سکا۔

”مناہل کہاں ہے؟“

”باہر ہو گی‘ کیا ہوا...... کام تھا؟“ دانیہ نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی جو قطعی فریش نہ تھا۔

”دانیہ بچے حیدر کے لیے چائے پکا دو اس کے سر میں درد ہے۔“ تبھی ماما آ گئیں...... وہ اثبات میں سر ہلاتی مڑ گئی۔

”حیدر وہیں چلے جاؤ بیٹا اتنے شور سے مزید درد بڑھ جائے گا۔“

”جی بڑی ماما۔“ وہ کچن میں رکھی کرسی پر آ بیٹھا دانیہ نے مگ چند منٹ بعد ہی اس کے سامنے رکھا تھا۔

”ٹیبلیٹ دوں تمہیں۔“

”تمہارے ہاتھ سے تو زہر بھی نہ لوں میں دانیہ احمد۔“ کڑوا کسیلا لہجہ دانیہ کے موڈ کو خراب کر گیا۔

”حیدر...... اگر تمہیں تسکین ملتی ہے مجھے زبان سے ٹارچر کر کے تو مجھے تمہاری بات بری نہیں لگے گی‘ کیونکہ تمہارے دل کا سکون ہی مجھے درکار ہے۔ لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے اذیت دے کر مدحت سے انتقام لے رہے ہو تو تم غلطی پر ہو۔“

”میرے نزدیک ہر لڑکی مدحت ہے‘ سب ایک سی ہوتی ہیں چہرے پر معصومیت سجا کر مردوں کو دھوکا دینے والی۔“

”بہت افسوس ہوا تمہاری سوچ پر۔“

”ابھی تو شروعات ہے دانیہ احمد‘ ابھی تو تمہیں اپنے فیصلے پر بھی افسوس ہوگا‘ میں نے کہا تھا ناں پچھتاؤ گی تم۔“ اس نے چائے کا گھونٹ تک نہیں لیا اور مگر کھسکا کر اٹھ کر چلا گیا۔

بھلا کیا ضرورت تھی بحث کی...... وہ ذہنی کشمکش کا شکار ہے‘ اس کے ساتھ بہت برا ہوا...... کم از کم مجھے تو صبر سے کام لینا چاہیے...... سر میں شدید درد تھا‘ اس کے اور وہ بنا گولی کھائے اور چائے پیے اٹھ کر چلا گیا۔ وہ دل میں افسوس کرتی باہر آئی تو احمر اور بلال کے ساتھ بیٹھا فوٹو بنوا رہا تھا‘ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو...... رف سا حلیہ...... اور سرخی مائل آنکھیں اس کی اضطرابی کی گواہ تھیں‘ کتنی بدقسمت تھی وہ لڑکی حیدر منیب احمد جسے اتنی شدید اور خالص محبت بھی موم نہ کر سکی...... جس کے عشق میں تم نے اپنا آپ بدل ڈالا...... تمہاری شخصیت کی نفاست‘ تمہاری زندہ دلی‘ ہمہ وقت چہرے پر رہنے والی اسمائل سب ختم ہو گئی‘ شاید حیدر کو احساس ہوا تھا کہ اسے کوئی بغور دیکھ رہا تھا مگر جب اس نے نظریں دوڑائیں تو حلق کڑوا ہو گیا...... اور دانیہ اپنے آنسو بمشکل ضبط کر پائی۔

☆☆☆......☆☆☆

چار دن گزر گئے تھے اسے آئے مگر اب تک صہیب احمد کی نگاہیں سیراب نہیں ہوئی تھیں...... اب تک اس نے ماہ نور اشرف کو نہیں دیکھا تھا...... وہ تو ملنے گیا تھا‘ لیکن وہ

نہیں ملی بھابی اور بچے تھے بس۔

ایسا کیوں کررہی تھی وہ؟

اگر جان بوجھ کر نظر انداز کررہی تھی تو شاید وہ خفا تھی اس سے اور شاید صحیح خفا تھی...... حق بنتا تھا اس کا...... لیکن ایک بار موقع تو دے وہ اپنی تمام تر خطاؤں کی تلافی کرنے کو تیار تھا۔

وہ مانو سے مل کر جلد از جلد اپنے دل کی تمام کیفیات بیان کرنا چاہتا تھا مگر آج کل گھر میں مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں گھر کے تمام لوگ کل سے پھوپو ہاں تھے رات حیدر احمر اور وہ آئے تھے کیونکہ انہیں وہاں نیند نہیں آتی تھی۔

صرف اسے دیکھنے کے لیے وہ آج بھی جھٹ پڑ آیا تھا...... مگر جانے وہ کہاں چھپ کر بیٹھی تھی کہ نظر ہی نہیں آتی تھی۔

''بھائی جان وہاں بارات تیار ہے چھوٹے ماموں کے انتظار میں ہیں سب اور یہاں ماموں جی دن میں سپنے دیکھنے میں مشغول ہیں...... اس نے اب یہیں رہنا ہے...... صہیب احمد بعد میں سوچ لینا اس سے ملنے کے طریقے۔''

''کتنا ذلیل انسان ہے خود لیٹ اٹھا اور طعنے مجھے دے رہا ہے میں کب سے تیار ہوں۔'' اس کے دل میں آیا احمر کی گردن دبا دے جواب بتیسی نکال رہا تھا۔

''اور وہ اداس مجنوں کہاں ہے؟''

''آ رہا ہے قسمت سے آج اسے شیو کرنا یاد آ گئی تھی۔''

وہ تینوں ہی ایک دوسرے کی اچھی خاصی بے عزتی کردیتے تھے۔ کل کی نسبت آج حیدر کا موڈ بہتر تھا انہوں نے اس پر ہی شکر ادا کیا تھا...... بارات واقعی تیار تھی بڑے بابا نے وجہ پوچھی تھی لیٹ آنے کی ان دونوں نے صہیب پر ڈال دیا کہ وہ لیٹ اٹھا تھا۔

مناہل نے جی بھر کے من مانی کی تھی بلال اور حمزہ کی شادی میں سبھی احمر کا بلڈ پریشر ہائی تھا لیکن اسے ذرا بھی پرواہ نہ تھی بلال بھائی کی بارات پر اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر پکچرز بھی بنوائی تھیں غالباً ان کا کزن بنا رہا تھا وہ لگ بھی تو غضب کی رہی تھی۔ مہرون اور اسکن کا کمبینیشن کی ڈریسنگ میں میچنگ جیولری اور میک اپ نے اسے بالکل ہی بدل ڈالا تھا احمر اس کے حسین روپ کو دیکھ کر من ہی من میں اس کی نظریں اتار رہا تھا لیکن جب اس نے فوٹو سیشن میں مناہل کو دیکھا تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

گھر سے وہ جتنے اچھے موڈ میں آیا تھا وہ غارت ہوگیا...... کیسے نظر انداز کررہی تھی اسے کبھی کبھی اسے لگتا کہ صہیب کی بات مان لے اور اسے اپنی فیلنگ بتادے مگر وہ شادی کے بعد کی محبت پر یقین رکھتا تھا یہ سچ تھا کہ مناہل اس کی پسند تھی مگر وہ مناہل سے تمام اقرار اپنے جذبات کا اظہار صرف اس دن کرنا چاہتا تھا جس دن وہ مکمل اس کی ہو کر اس کے کمرے میں آئے گی وہ اس کی منکوحہ تھی لیکن پھر بھی ابھی رخصتی باقی تھی۔

فی زمانہ جس طرح لڑکے لڑکیاں محبت کے اقرار اور محبت کے نام پر جو کچھ کررہے تھے احمر اس کا سخت مخالف تھا اور حیدر نے جو چوٹ کھائی تھی یہ ثبوت تھا اس بات کا کہ بنا شرعی رشتے کے کسی بھی غیر محرم سے جذبات واحساسات کا اظہار اور التفات ہمیشہ نقصان ہی کرتا ہے۔

برات نے میرج ہال تک جانا تھا اور لڑکی رخصت کروا کے پھر یہیں آ جانا تھا۔ ظاہر ہے کمبائن گھر تھا...... البتہ اگلے دن حمزہ کی بارات میں بہت مزہ آیا تھا۔ یہاں احمر مناہل کو اپنے ساتھ والی سیٹ پر بٹھانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

''بہت خوش ہو۔'' اس نے مناہل کا چہرہ نگاہوں میں اتارا۔

''خوشی کا موقع ہے تو خوش تو ہوں گی ناں۔''

''ممّا بتا رہی تھیں کل تم گرگئی تھیں سیڑھیوں سے۔''

''جی پاؤں پھسل گیا تھا۔'' بس میں میوزک کی آواز اتنی زیادہ تھی کہ ساتھ بیٹھے انسان کی آواز بھی بمشکل سنائی دے رہی تھی۔

''چوٹ تو نہیں آئی۔''

”نہیں زیادہ نہیں آئی۔“ مناہل نے مختصر سوالوں کے مختصر جواب دیے..... مگر احمر کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے اور باتیں کرے لیکن......

”حیدر تم یہاں آجاؤ۔“ اس نے گم صم بیٹھے بھائی کو کندھے سے پکڑ کر ہلایا۔

”دو بیٹھی رہو۔“ حیدر نے تو نہیں سنا مگر احمر نے سن لیا..... اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھالیا تھا..... اگر مناہل کے من میں غلط فہمیاں نہ ہوتیں تو آج وہ احمر کے اتنے نرم رویے پر خوشی سے پاگل ہوجاتی..... مگر اس کے دل میں بہت سی بدگمانیاں تھیں..... سب سے بڑی تو یہی کہ وہ احمر کی زندگی میں زبردستی مسلط کی گئی۔ دوسری یہ کہ شاید احمر کو کوئی اور لڑکی پسند تھی..... جس کی تمام خوبیاں وہ مناہل میں دیکھنا چاہتا ہے..... تبھی اسے مناہل کی خوبیاں بھی خامیاں لگا کرتی ہیں..... تیسری یہ کہ وہ جان بوجھ کر اسے سب کے سامنے ذلیل کرتا ہے اور حقیر ثابت کرتا ہے..... اور بھی بہت سی تھیں جو اس کے دل میں احمر کے لیے ناراضگی شدید کرتی جارہی تھیں۔

ٹھیک ہے کہ ان کا رشتہ بڑوں کی رضامندی سے ہوا تھا مگر جب اس نے مناہل کو قبول کرلیا تھا زندگی بھر کے لیے تو کم از کم نرم لہجے میں بات تو کرسکتا تھا..... جب اس نے خود کو نکاح کے بعد اتنا بدل لیا تھا تو کیا وہ نہیں بدل سکتا تھا۔

بڑا زعم تھا اسے اپنے مرد ہونے پر..... شاید..... تبھی تو اسے اپنے سامنے ہر انسان بے وقعت نظر آتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

”مانو کھانا کھالے بیٹا۔“

بھابی کی آواز پر وہ جی اچھا کہتی کمرے سے باہر آئی تھی۔

”ہوگیا ایڈمیشن بچوں کا۔“ وہ کھانے کے دوران پوچھ رہی تھی۔

”ہاں ہوگیا‘ عفان کو تو سفیان کے ساتھ ہی ایڈمیشن مل گیا ہے‘ چھوٹے دونوں کا اسکول علیحدہ ہے وین آجایا کرے گی لینے..... تم بتاؤ یہاں دل لگا آفس میں۔“

”آفس میں بھی کوئی دل لگاتا ہے بھابی۔“

”میرا مطلب تھا کام میں۔“

”ہوں..... عادی ہوجاؤں گی دھیرے دھیرے۔“ اس نے پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے کہا۔

”صہیب دوبارا آچکا ہے۔“

بھابی کی بات پر لحہ بھر کو ہاتھ رکا..... مگر وہی لاپروائی۔

”تمہارا بہت پوچھ رہا تھا..... میں نے بتادیا کہ تم جاب کرتی ہو۔“

”تو.....؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کے تاثرات جاننے کی خواہش مند تھی۔

”بہت حیران ہوا وہ..... مگر کہا کچھ نہیں۔“

”اس کی نگاہوں میں تو..... میں غیر ذمہ دار‘ فضول لاابالی سی لڑکی ہوں‘ یقین کیسے کرتا وہ۔“

”ایسا نہیں ہے مانو وہ خود بھی بہت بدل گیا ہے..... قسم سے اتنا ڈیسنٹ لگتا ہے‘ پرانا والا صہیب تو لگتا ہی نہیں..... کافی میچور ہوگیا ہے۔ اماں بی کے بعد بڑی بھابی بتارہی تھیں کہ بہت بدل گیا ہے۔“

”وقت اور حالات انسان کو بدل دیتے ہیں‘ ہم کب ایسے تھے بھابی۔“ تلخ سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو گئی۔

”آج تو گھر لاک تھا۔“

”نگہت آپی کے بچوں کا ولیمہ ہے آج۔“

”اچھا..... بلال اور حمزہ کا..... پانچ سال قبل سب کتنے چھوٹے لگتے تھے اور اب یکدم کتنے بڑے ہوگئے ناں‘ بڑی بھابی بتارہی تھیں کہ احمر اور مناہل کا بھی نکاح ہوچکا ہے۔“

”ہوں اور اگلے ماہ حیدر اور دانیہ کا نکاح ہے۔“

”واقعی..... کیسے لڑتے تھے یہ سب بچپن میں کسی نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ بڑے ہوکر ایسا اٹوٹ رشتہ بھی ہوسکتا ہے۔“

گزرے دنوں کی باتیں اس کے لبوں پر مسکراہٹ

لے آئی۔

"اب تو آپ خوش ہیں ناں بھابی...... عفان کی گیدرنگ بھی اچھی ہے اور ماحول بھی...... بڑی بھابی جیسی مثالی خاتون کے ہوتے ہوئے بچوں کا بگڑنا ممکن ہی نہیں ہے۔"

"ہوں...... مگر مانو جس طرح تم بی ہیو کررہی ہے یہ میرے لیے قابل افسوس ہے وہ سب تمہارا اتنا پوچھتے ہیں مگر تم......"

"بھابی آپ کو پتہ ہے کہ اب مجھ میں پرانی والی ایک بھی عادت نہیں ہے...... میں وہاں عجیب سا محسوس کرتی ہوں...... شاید مجھے تنہا رہنے کی عادت ہوگئی ہے۔"

"مگر انہیں تو اب بھی وہی مانو چاہیے۔"

"ایسا ممکن کب ہے...... وہ تو اپنے شہید بھائی کے ساتھ ہی مٹی میں دفن ہوگئی تھی...... وہ اب کہاں ملے گی۔"

بھابی نے تاسف سے اس کا خوب صورت چہرہ دیکھا...... بھائی کے بعد اس نے خود کو جیسے دنیا سے الگ ہی کرلیا تھا بس گھر اور بچوں کی فکر ایسی لگی کہ اپنی ذات اور اس سے وابستہ ہر چیز فراموش کرگئی۔ یہاں آ کر بھی اس کی وہی روٹین تھی۔

بھابی نے ایک نگاہ اسے خاموشی سے کھانا کھاتے دیکھا اور پھر گہری سانس لیتی خود بھی کھانے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

☆☆☆......☆☆☆

نہ زمین ساکت ہوئی نہ آسمان سب کچھ ویسا ہی رہا...... وہ جو سوچا کرتا تھا کہ جب ماہ نور اشرف سے سامنا ہوگا تو وقت ٹھہر جائے گا زمین و آسمان کی گردش ساکت ہوجائے گی شاید یہ اس لیے تھا کہ اس کے احساسات بدل گئے مگر وہ شاید بھول گیا تھا کہ وقت کی دھول حسین سے حسین جذبات پر بھی گہری تہہ جما دیتی ہے کچھ ایسا ہی ہوا تھا صہیب احمد کے ساتھ جب اس کے من مندر میں محبت کی گھنٹیاں زور و شور سے بجی تو...... مانو کے احساسات منجمد ہوگئے وقت نے جیسے برف کی سل اس کے جذبات پر رکھ دی تھی۔

ان کی پہلی ملاقات اتنی رسمی تھی...... اچانک سے اس سے سامنا ہوا تھا...... اس نے بہت مہذب انداز میں السلام علیکم کہا۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو......؟" شوق ملاقات تو اس کی نگاہوں میں تھا جبکہ دوسری طرف محض سنجیدگی تھی۔

"الحمدللہ ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟" بسا اوقات لفظ آپ کتنے فاصلے بڑھا دیتا ہے ناں جو محبت اور اپنائیت مانو کے "تم" کہنے میں تھی وہ ندارد تھی۔

"ٹھیک ہوں میں بھی۔" وہ جو دل میں جانے کیا کیا سوچ رہا تھا یکدم من میں سناٹا سا آن ٹھہرا۔

"بہت بدل گئی ہو مانو۔" اس نے دل میں آنے والے خیال کو زبان دی۔

"کیا پانچ سال کم ہوتے ہیں صہیب احمد...... ان سالوں نے وقت کے وہ وہ روپ دکھائے کیسے کیسے رویے دیکھے کیسی کیسی نگاہیں برداشت کیں تم کیا جانو...... بدلنا پڑا خود کو پہلے سی رہتی تو شاید اس معاشرے میں جینا دشوار ہوجاتا۔" وہ لب سے نہ کہہ پائی تھی مگر اس کے دل نے صہیب احمد کو مخاطب کیا تھا "اچھا......" زبان سے صرف اتنا ہی ادا ہوا۔

"ہائے مانو" منال اندر سے نکلی اور اسے دیکھتے ہی لپٹ گئی۔

"قسم سے اگر مصروفیت نہ ہوتی میں اسی دن تم سے ملنے آجاتی۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اندر تو چل ناں...... چاچو نے بھی دروازے میں ہی انٹرویو شروع کردیا ہوگا۔" اس نے صہیب کو بھی ساتھ ہی ٹوکا اور مانو کو لیے اندر آ گئی جہاں دانیہ بھی اسی محبت سے اس سے ملی تھی۔

"ہم نے تمہیں بہت مس کیا مانو۔"

"پتہ نہیں تم نے بھی ہمیں یاد کیا ہوگا کہ نہیں۔"

''ممابتارہی تھیں کہ تم بہت بدل گئی ہو پہلے والی مانو تو بالکل بھی نہیں لگتیں...... بہت بڑی رہنے لگی ہو۔'' مناہل کی بات پر بے اختیار اس کی نگاہ صہیب احمد کی طرف اٹھی تھی جوان کے ساتھ ہی اندر آیا تھا۔

''تم لوگوں کو محسوس ہو رہا ہوگا ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے ہاں پہلے کی طرح وہ بے فکری اور لاپروا ہی والی لائف نہیں ہے اب بہت سی ذمہ داریاں ہیں...... اور ظاہر ہے......''

''اچھا بابا مان لیا تم وضاحتیں مت دو۔''

''چینج تو یہاں بھی سب میں آیا ہے...... تم دونوں کو دیکھ لو...... بہت چھوٹی لگتی تھیں اب ماشاءاللہ میچور ہو...... اور خوب صورت بھی۔''

''ریئلی......'' مناہل نے شوخی سے کہا۔

''تم بیٹھو میں تمہارے لیے تمہاری فیورٹ کافی بنا کرلاتی ہوں۔'' مناہل اٹھنے لگی تو اس نے روک دیا۔

''مناہل رہنے دو...... میں کافی نہیں پیتی اب۔''

''ہائیں...... کیوں؟''

''بس کچھ عادتوں کو ترک کردینا ہی بہتر ہوتا ہے۔'' معمولی لہجہ تھا مگر بات وہ گہری کرگئی۔

''چلو چائے تو پیتی ہوناں میں ابھی لاتی ہوں۔''

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' وہ شاید جان بوجھ کر صہیب احمد سے کترا رہی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے حیدر منیب احمد...... تم کیوں ہر بار مجھ پر پریشر بڑھاتے ہو خود میں ہمت پیدا کرو...... کہ حالات فیس کرسکو ...... اگر تمہیں نکاح پر اعتراض ہے تو خود جاکر سب کے سامنے بات کرو۔'' دانیہ جانے کیوں آج پھر اس کی بے وجہ بحث پر چڑ گئی اور انتہائی سخت انداز میں جواب دیا۔

''جسٹ شٹ اپ...... کم ہمت نہیں ہوں میں...... مگر نافرمان اور بدزبان بھی نہیں ہوں کہ بڑوں کے سامنے......''

''تو...... کیا تم مجھے بدتمیز اور نافرمان ثابت کرنا چاہتے ہو۔''

''سمجھتی کیا ہو تم خود کو......'' حیدر نے غرا کر اسے دیکھا۔

''مٹی کا انسان......'' دو بدو جواب دے کر پلٹ گئی۔

''بہت غرور ہے ناں تمہیں خود پر......'' حیدر نے اس کے بازو پکڑ کر اسے جھٹکے سے اپنی طرف موڑا تھا...... تکلیف سے اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''تم اچھی طرح جانتے ہو حیدر کہ میں ایسی نہیں ہوں...... مگر تم نے تو کسی اور کے دیئے دکھوں کا بدلہ جب مجھ سے لینے کی ٹھان لی ہے تو مجھ میں ہزاروں خامیاں نظر آئیں گی...... تم نے کہا تھا ناں مجھ سے...... تم مجھے صرف مایوسی دکھ اور اذیت ہی دے سکتے ہو سو میں نے خود کو تیار کرلیا ہے ذہنی طور پر...... تمہارے ہر ستم کے لیے ...... اب تم جو بھی کہہ لو...... جو اذیت دے سکتے ہو دے دو میں تم سے کبھی گلہ نہیں کروں گی...... یہ یقین تم نے خود مجھے دیا ہے۔'' پل بھر کو اس کے اندر کا اچھا انسان پشیمان ہوا تھا اس نے دانیہ کے بازو پر گرفت کمزور کردی تھی۔

''یہ سب مسئلے تم نے خود اپنے نصیب میں لکھوائے ہیں میں نے تو تمہیں کہا تھا کہ سوچ لو...... مگر تم نہیں مانی اب بھی تو پچھتا رہی ہو۔''

''میں ہرگز نہیں پچھتا رہی ہوں حیدر منیب...... یہ تمہاری غلط فہمی ہے اگر میں خاموشی سے تمہاری ہر اذیت سہہ رہی ہوں تو صرف اس لیے کہ ایک دن تمہیں خود احساس ہوگا کہ تم غلط ہو...... جس کی بے وفائی کے زخم تم میرے دل پر لگانا چاہتے ہو...... وہ تمہارے اور تمہاری محبت کے قابل تھی ہی نہیں۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''ہونہہ...... اوکے...... مجھے بھی تم سے توقعات نہیں باندھنی...... میرے رب کی رضا ہے جو میرے بڑوں نے مجھے تم سے منسوب کیا اور مجھے اطمینان ہے کیونکہ ہم خود اپنے لیے اتنا اچھا نہیں سوچتے جتنا اللہ سوچتا ہے۔''

''کاش میں تمہارا گلا دبا سکتا۔''

"شوق سے..... اگر تمہارے من کو اس طرح سکون ملتا ہے تو ضرور دبادو..... مگر یاد رکھنا حیدر..... اس طرح کرکے بھی تم مطمئن نہیں ہوسکتے..... کیونکہ تم غلط ہو..... ہر عورت بے وفا نہیں ہوتی۔" جانے وہ کیسی لڑکی تھی جس نے اپنی نسوانیت اپنا وقار سب کچھ کھودیا اور ایک مخلص انسان کو نہ پہچان سکی۔

"سب ڈھونگ ہیں دانیہ احمد..... مرد کو گھائل کرنے کے جو تم بیٹھے بول بول رہی ہوناں..... وہ بھی ڈرامہ ہے..... تم چاہتی ہو مجھے اپنی طرف مائل کرسکوں..... اس لیے تم مجھ سے جھوٹی ہمدردی جتا رہی ہو۔"

"اف خدا..... اس کے ذہن کو کتنا نیگیٹو کردیا تھا اس لڑکی نے....." دانیہ تاسف سے اس کا وجیہ چہرہ دیکھنے لگی۔

"بہت افسوس ہوتا ہے حیدر جب تم اپنے گھر کی لڑکی جس کی زندگی کا ایک ایک پل تمہاری نظروں کے سامنے گزرا ہو..... اسے مدحت جیسی کم ظرف لڑکی سے کمپیئر کرتے ہو۔"

"دانیہ اسٹاپ اٹ..... میں نے تمہیں جس بات کے لیے بلایا....."

"وہ میں نہیں کرسکتی..... ایم سوری۔"

اس کا بس چلتا تو وہ دانیہ احمد کے چہرے پر تھپڑ کے نشان ثبت کردیتا..... نفرت اسے مدحت سے تھی جسے اس نے دل کی تمام شدتوں سے چاہا تھا..... مگر یہ دانیہ احمد اس کا بی ہیویئر اسے مجبور کررہا تھا کہ وہ اس سے بھی نفرت کرے..... "جہنم میں جاؤ پھر....."

ہمیشہ کی طرح مسئلے کا کوئی حل نہیں ملا تو اس نے سگریٹ کا زہر اندر اتارنا شروع کردیا..... دانیہ کو بہت تکلیف ہوتی تھی جب وہ اسے اسموکنگ کرتے دیکھتی گھر کے کسی فرد خاص کر بابا یا بڑے بابا تک یہ اطلاع پہنچ گئی تو قیامت آجانی تھی۔

ان کے پیرنٹس نے اپنی تربیت میں کسر نہ چھوڑی تھی مگر جانے حیدر کیسے باہر کے ماحول میں اتنا ان ٹچ ہوا کہ اپنے گھر کے ماحول کو بھول گیا۔ یہ واحد شخص تھا..... جس نے بڑوں کی ہر بات میں ضد کرلی ہوتی تھی ہاں آخر میں ماننا بھی ان کی تھا..... مگر بس..... احمر بھیا تو بس بدنام تھے کہ ضدی ہیں۔ دانیہ کا چہرہ ان کے اندر چلنے والی جنگ کی غمازی کررہا تھا..... تابندہ بیگم چپ تھیں..... مگر بے خبر نہ تھیں..... کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلینے سے حالات سنور نہیں جاتے..... وہ خاموش اس لیے تھیں کہ حیدر خود سنبھل جائے گا..... مگر وہ دیکھ رہی تھیں کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ساتھ حیدر کے اندر تلخی بڑھ رہی تھی..... ان کے مجازی خدا نے جب دانیہ کا رشتہ طے کیا تو وہ خوش تھیں احمر کی طرح حیدر بھی تو ان کے ہاتھوں میں کھیل کر بڑا ہوا تھا..... انہیں اطمینان تھا ان کی اکلوتی لاڈلی بیٹی مضبوط ہاتھوں میں جارہی ہے مگر جس دن سے رشتہ طے ہوا تھا دانیہ کی آنکھوں کی نمی، اس کے چہرے کی پھیکی مسکراہٹ انہیں بے کل کردیتی..... وہ دیکھ رہی تھیں کہ حیدر کا رویہ کتنا ہتک آمیز ہوتا تھا۔

"تم میرے لیے احمر کی طرح ہو حیدر..... میں تم سے خود بات کرنا نہیں چاہتی تھی، مگر تمہاری یہ خود اذیتی مجھے تکلیف دیتی ہے بیٹا..... دیکھو ابھی بھی وقت ہے مجھے بتادو..... تم اس رشتے سے ناخوش ہوناں؟" بڑی ماما یوں اس کے سامنے آکر سوال کریں گی اس کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار نہ تھا اور اگر تیار ہوتا تب بھی کم ہمت تھا انکار نہیں کرسکتا تھا..... وہ صرف اپنی ذات کے لیے اپنے تمام گھر والوں کو دکھ نہیں دے سکتا تھا۔

"بڑی ماما ایسا کچھ نہیں ہے بس ذہنی طور پر کچھ اپ سیٹ ہوں کچھ ٹائم لگے گا پھر....."

"ہم سب جانتے ہیں کہ تم اپ سیٹ ہو..... مگر دیکھو ابھی بھی وقت ہے کوئی بات من میں ہے تو کہہ دو۔"

انہوں نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اس نے نفی میں سر ہلا کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"صہیب کیا میں نے واقعی خود کو اتنا آشکار کردیا ہے سب پر۔" صہیب کے سامنے وہ ذہنی خلفشار کا شکار تھا۔

''بچہ بچہ تمہارے تھو بڑے پر تمہارے عشق کی داستان پڑھ سکتا ہے۔'' حیدر نے اضطراب سے ٹہلنا شروع کردیا۔ سچ تو یہ تھا کہ ماما نے جب سے اس سے بات کی تھی وہ بہت شرمندگی کا شکار تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

کہو اب کیا کہوں تم سے
بتاؤ! کیا لکھوں تم کو
مجھے تمہید دو کوئی، مجھے امید دو کوئی
نیا اک لفظ ہو کوئی
جہاں سے بات چل نکلے!
میری مشکل کا حل نکلے
بتاؤ لہجہ کیسا ہو! کہ تم سے بات کرنی ہے
مجھے تھوڑا اجالا دو بسر اک رات کرنی ہے
تم اپنی روشن آنکھوں کو اگر کھولو تو میں لکھوں
کہو اب کیا ارادہ ہے؟
مجھے اظہار کرنا ہے، تم سے ہی پیار کرنا ہے
تمہارے سنگ ہی جینا ہے......!

''مجھے اپنی ہر خطا قبول ہے، میں جانتا ہوں میں نے اپنے رویے سے تمہیں بہت دکھ دیا، میری لاپروائی نے تمہیں بہت تنگ کیا، مجھے ہر جرم کا اقرار ہے، ماہ نور اشرف...... تمام خطاؤں پر تم سے معافی کا طلب گار ہوں اور خدا کو حاضر جان کر اقرار کرتا ہوں کہ تمہارے جانے کے بعد میں نے ہر پل تمہیں تمام شدتوں سے یاد کیا ہے تمہارے وجود کا احساس تمہاری محبت کی حدت مجھے تمہارے جانے کے بعد محسوس ہوئی مانو، میرا رب گواہ ہے کہ میں نے یہ سال کیسے گزارے، ایک ایک پل تمہیں مانگا تمہارے لوٹ آنے کی دعائیں کیں، مجھے بہت دیر سے ادراک ہوا کہ میں تو انجان تھا میرا وجود، میری ہستی تو تم سے مکمل ہوتی ہے۔ پلیز مانو اگر تم ناراض ہو تو معاف کردو مگر میری محبت کا مزید امتحان نہ لو، میں تمہارے بن نہیں رہ سکتا...... میں نے بہت اذیتیں سہی ہیں ان سالوں میں مگر اب اور نہیں...... میں اب تم سے دور نہیں رہ سکتا۔''

جس اقرار کو سننے کے لیے کبھی کان ترسا کرتے تھے...... جو محبت جو شدتیں وہ صہیب احمد کے لہجے میں دیکھنے کو پاگل ہوا کرتی تھی، آج وہی تڑپ وہی طلب اس کی منتظر تھی۔

''کوئی اور وقت ہوتا ناں صہیب تو شاید میں پاگل ہوجاتی خوشی سے، مگر اب میرے دل کو شاید ان لفظوں کی چاہ نہیں رہی...... کبھی میری زندگی کی طلب میرے جینے کا مقصد صرف تم تھے مگر اب میری زندگی کا مقصد بدل گیا ہے۔ میں اب اپنے لیے نہیں اپنے بھائی کے بچوں کے لیے جیتی ہوں، میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی، وہ میری ذمہ داری ہیں میں نے اپنے مرحوم بھیا سے وعدہ کیا تھا کہ میں کبھی ان کے بچوں کو ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔''

''ہم دونوں مل کر ان کی ذمہ داری اٹھائیں گے مانو۔''

''یہ سب وعدے صرف کہنے کے ہوتے ہیں صہیب بعد میں کچھ یاد نہیں رہتا۔''

''یہ تو طے ہے مانو کہ تمہارے علاوہ میری زندگی میں کسی کی گنجائش نہیں، اگر تم مجھے مزید انتظار کی سولی پر لٹکانا چاہتی ہو تو مجھے یہ بھی منظور ہے اور اگر تم مجھے سزا دینے کی خواہش مند ہو تو مجھے تمہاری ہر سزا بھی قبول ہوگی۔''

''صہیب تم مجھے سمجھ نہیں رہے ہو میں اپنی بھابی اور بچوں کو اکیلے نہیں چھوڑ سکتی۔''

''ہم سب ان کے ساتھ ہوں گے میرا وعدہ ہے تم سے انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے، میں تمہاری ہر ذمہ داری تمہارے ساتھ مل کر اٹھاؤں گا۔''

''کیا تمہاری فیملی یہ سب قبول کرلے گی۔''

''میری فیملی کیسی ہے مجھ سے زیادہ تم جانتی ہو۔'' پرشکوہ نگاہوں سے اس نے دیکھا۔

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کیونکہ میں جاب نہیں چھوڑ سکتی اور تمہارے گھر میں مجھے ایسا کوئی کرنے نہیں دے گا...... صہیب میں اپنی فیملی کو سپورٹ کروں گی مگر فیملی عزت اور مان کے ساتھ۔''

"تمہارا اور تمہاری فیملی کا وقار کم نہیں ہوگا۔"

"یہ لفاظی ہے محض..... پانچ سال پہلے مجھے بھی زندگی اتنی ہی آسان لگا کرتی تھی صہیب احمد مگر بھائی کے بعد ہم نے زندگی کا اصل روپ دیکھا۔ یہ جو بہت تلخ ہے۔" وہ اپنے فیصلے پر اڑی ہوئی تھی۔

"اتنی بھی تلخ نہیں ہے زندگی..... زندگی کی تلخی کو محبت کی مٹھاس سے کم کیا جاسکتا ہے مانو۔"

"محبت..... یہ لفظ تو اب صرف کتابی لگنے لگا ہے صہیب احمد۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔ صہیب احمد نے مانو کے اندر کی یہ تلخ حقیقت اور بدلاؤ بہت محسوس کیا تھا' وہ واقعی پہلی سی مانو نہیں رہی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ مانو کو اب پانا بہت آسان ہے اپنی منزل اسے سامنے نظر آئی تھی لیکن شاید ابھی امتحان اور باقی تھے۔ تم لاکھ انکار کرلو ماہ نور اشرف تمہیں پانا تو میری حیات کا مقصد ہے' میری زندگی میں ہمسفر کی جگہ تو تم نے ہی پر کرنی ہے..... کچھ انتظار اور سہی' بھیا کی ڈانٹ کچھ اور سہی..... مگر ہار نہیں مانی۔"

"احمق ہے وہ' بھلا تنہا لڑکی کیسے اتنی بڑی ذمہ داری اٹھا سکتی ہے' تم نے یقین دلانا تھا ناں تم بھی اس کے ساتھ ہو۔"

"کیا لگتا ہے تمہیں کہ میں نے نہیں کہا ہوگا؟"

"خدانخواستہ ایسے برے بھی حالات نہیں ہیں..... بھابی سمیرا کی خود کی گورنمنٹ جاب ہے' پھر کاشف بھائی کی پینشن آتی ہے۔"

"جو بھی ہے یار..... آج کل تمہیں پتہ ہے ناں اخراجات کتنے ہیں' مجھے اس کے جاب کرنے پر قطعی اعتراض نہیں ہے۔"

"تمہارے علاوہ سب کو تو ہوگا ناں۔" احمر نے حقیقت کا آئینہ دکھایا۔

"وہ بھی یہی کہتی ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں بولا..... اس مسئلے کا حل کیا ہوسکتا تھا..... کچھ تو کرنا تھا ناں۔

☆☆☆......☆☆☆

"سن رہا ہے ناں تو....."

رو رہا ہوں میں۔"

"بھائی کس لیے رو رہا ہے یہ بھی تو بتادے..... سن تو ہم سب رہے ہیں کہ تو رو رہا ہے۔"

"بدبختو..... ٹیلنٹ کی قدر کیا کرو..... میں گانا گا رہا ہوں۔"

"ہائے میرے ربا..... واقعی۔" ہادی نے پہلو تھاما۔

"طلال کہہ دے یہ جھوٹ ہے' جھوٹ ہے' جھوٹ ہے۔" بہرام نے دونوں کانوں پر ہاتھ دھرتے ہوئے دہائی دی۔

"ہم تو سمجھے تو واقعی رو رہا ہے۔" طلال شدید صدمے سے دوچار ہوا تھا۔

"بس ہم پاکستانیوں کا یہی مسئلہ ہے' اپنے سے زیادہ ٹیلینٹڈ انسان ہم سے برداشت ہی نہیں ہوتا۔"

"ہائیں' کس کا ذکر کررہے ہو بھائی۔"

بہرام یوں انجان بنا..... طلال جیسے تپتے توے پر جا بیٹھا تھا۔

"ناہنجاروں' جیلسی تمہاری صورتوں سے ٹپک رہی ہے پسینے کی طرح' تم لوگوں کو میری سریلی خوب صورت آواز برداشت نہیں ہوئی ناں۔"

"ہاں..... آدھا تو سچ ہے کہ ہم سے تمہاری آواز برداشت نہیں ہوئی لیکن قسم لے لو یار ہمیں واقعی سر اور خوب صورت کہیں نہیں دکھائی دیئے۔"

"اف بہرام تمہاری معصومیت' دل کرتا ہے فدا ہو جاؤں۔" طلال نے لفظ یوں چبائے گویا بہرام کو ہی چبا ڈالا ہو۔

"حد ہوتی ہے ویسے فضول گوئی کی' کوئی سر پیر ہے بھی اس بحث کا..... بس خوامخواہ میں بکے جارہے ہو تینوں۔" حیدر دل ہی دل میں کب سے کڑھ رہا تھا' ان کی بکواس پر۔

"کیا ہوا بھیا جی' ہم پر کس کا غصہ....."

"مطلب؟ اگر تم لوگوں کو کسی فضول حرکت سے منع کیا جائے تو غصہ ہی ہوگا۔"

''آئیم سوری یار اگر تمہیں بری لگی ہماری گفتگو...... مگر کبھی...... تم ایسی گفتگو انجوائے کیا کرتے تھے۔''

''یار طلال ضروری نہیں انسان سدا ایک سا رہے۔''

''قطعی ضروری نہیں ڈیئر برادر...... لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ انسان ہر کسی پر اپنی کیفیت آشکار کرے کہ وہ اب پہلے سا نہیں رہا...... یو نو...... جب ہم سب کے سامنے خود کو ظاہر کردیتے ہیں تو ہمیں بہت وضاحت بھی دینے پڑتے ہیں اور ضروری تو نہیں ناں کہ ہم اپنی ذات سے وابستہ ہر بات ہی دوسروں سے شیئر کریں...... سو یہ بہتر نہیں ہم خود کو ایکسپوز ہی نہ کریں۔'' طلال کبھی کبھی بات سمجھ داری کی کردیتا تھا' کم از کم اس پل حیدر لاجواب ہوگیا تھا۔

''اچھا یار جو مرضی کرو۔'' اس نے خواہ مخواہ ہی ٹی وی ریموٹ اٹھا کر چینل سرچ کرنا شروع کردیے تھے۔ اپنی طرف سے وہ بات ختم کرکے بیٹھ گیا تھا۔

''کچھ جذبے بہت قیمتی اور نایاب ہوتے ہیں بگ برادر...... انہیں کم ظرف لوگوں پروار کران جذبات کی بے قدری نہیں کرنی چاہیے...... بلکہ صحیح حق دار کو وہ احساسات سونپنے چاہیں تاکہ جواباً آپ کو بھی ایسے ہی انمول جذبات اور خالص محبت وصول ہو۔''

''اس فلاسفی کا مقصد......؟'' حیدر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

''فلاسفی' کیمسٹری' فزکس نابائیو کا تو مجھے کچھ نہیں پتہ بھیاجی' اپنی تو سیدھی سی منطق ہے اکنامکس...... احساسات بھی بہت قیمتی ہوتے ہیں پھر ان میں گھاٹے کا سودا کیوں؟ پرافٹ والی محبت کرنی چاہیے ناں۔''

''محبت ہے یا تجارت کہ اس میں گھاٹے اور منافع کے سودے ہونے لگے؟''

''حیدر منیب احمد...... گھاٹے اور منافع کا ذکر تو لازم ہے جب آپ کسی ایک محبت کے لیے ڈھیروں محبتیں ٹھکراتے ہیں...... اور محبت بھی وہ جس کے صلے میں صرف دکھ...... اور نارسائی ملے' جس کی اذیت آپ کو تنہائی پسند بنادے' آپ اپنی ذات سے اس ایک محبت کے لیے اتنی ساری محبتیں تفریق کردیں تو بھیا میرے نزدیک تو یہ گھاٹے کا سودا ہوا اب تم مانو...... نہ مانو۔''

''میں نے کبھی ان محبتوں سے انکار نہیں کیا۔''

''مگر تم غور کرو حیدر تم نے ثابت یہی کیا ہے وہ ایک لڑکی کیا تمہاری ساری فیملی سے زیادہ اہم ہے...... جبکہ اس نے نہ تمہاری محبت کی قدر کی نہ خلوص کو اہم جانا...... 'صرف ایک لڑکی کے لیے تم نے گھر کے بیس افراد اور ان کے خلوص کو بھلا دیا...... جنہیں تم سے بہت محبت ہے جو تمہاری فکر کرتے ہیں...... تمہاری حالت پر کڑھتے ہیں۔''

''اف...... یہ گا تار ہتا تو زیادہ اچھا تھا......'' اتنا ہیوی لیکچر اس کی برداشت سے باہر تھا یوں بھی آج کل حیدر منیب احمد سچائیوں سے دور ہی بھاگتا تھا۔

''معاف کردو...... والد محترم' مجھ گنہگار اور ناہنجار سے یہ خطا سرزد ہوئی...... بندہ ناچیز معافی کا طلب گار ہے...... براہ کرم عنایت فرمایئے۔'' حیدر نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔

''برخوردار' معاف تو ہم تمہیں کردیں گے مگر ہماری کچھ شرائط ہوں گی۔'' وہ بھی طلال تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

''جناب اعلیٰ! براہ مہربانی کیجیے' کیا شرائط ہیں۔''

''شرط نمبر ایک...... آپ ہمہ وقت اپنے تھوبڑے پر بارہ نہیں بجا کر رکھیں گے' برائے مہربانی اپنے سیل تبدیل کیجیے تاکہ صورت مبارک کوئی اور ٹائم بھی نظر آئے...... شرط نمبر دو آپ ہمارے خاندان کے سپوتر ہیں پس ہمارے ہی رہیے...... مجنوں اور رانجھا اور ماہیوال کے پوتے نواسے بننے کی سعی مت کیجیے...... شرط نمبر تین ہمارے گھر کی خواتین محنت کش ہیں وہ الحمدللہ کپڑے دھونے کے فن میں ماہر ہیں تو اللہ واسطے روزانہ لباس تبدیل کیجیے تاکہ کسی معصوم کی جان جانے کا اندیشہ نہ ہو' جسے بدقسمتی سے آپ کے پہلو میں بیٹھنا پڑجائے...... اور شرط نمبر چار ہے کہ......!''

''بس......'' حیدر نے اپنی پشت سے کشن اٹھایا اور

طلال کو دھن کر رکھ دیا۔

ہاں یہ ضرور تھا کہ طلال اپنے مقصد میں فتح یاب ہوا تھا' حیدر کی صورت جس پر بارہ بجے تھے اب مسکراہٹ سے چہرہ کچھ بہتر محسوس ہوا تھا۔

''پتہ نہیں یار تم نے تو پی ایچ ڈی کی ہے بکواس میں۔''

''تھینک یو سر۔'' اس نے سیلوٹ کیا۔

''کیا خیال ہے ہونے والی بھابی (منال) سے اچھی سی چائے نہ پی جائے۔''

''رہنے دو جو موڈ میرے بھائی کا بہتر ہوا ہے پھر سے شوگر ڈاؤن ہو جائے گا مجال ہے جو یہ لڑکیاں چائے میں مٹھاس گھولتی ہوں' اپنے رویوں کی سی تلخ اور کڑوی کسیلی چائے پکا کر لے آتی ہیں۔''

بہرام نے اپنے سنہری خیالات کا اظہار کیا جو اسے بہت مہنگا پڑ گیا' کیونکہ یہ زریں اقوال عاشی نے سن لیے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

کئی دن سے اس کی خاموشی وہ نوٹس کر رہی تھیں' آفس آ کر بے وجہ ہی لیپ ٹاپ آن کر کے بیٹھ جاتی مگر توجہ ادھر بھی مرکوز نہ ہوتی' بہت زیادہ ذہنی خلفشار کا شکار نظر آتی تھی۔

انہوں نے آج بھی سب خاموشی سے دیکھا پھر جب بچے سو گئے اور وہ فارغ تھیں تو سکون سے اپنے اور مانو کے لیے اسٹرونگ سی کافی لے کر آ گئیں۔

''آپ اب تک سوئیں نہیں۔'' اس کے لیے ان کا اس وقت آنا باعث تشویش تھا۔

''نہیں' جب تم جاگ رہی ہو تو میں کیسے سو سکتی ہوں۔'' سمیرا نے کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا...... مانو نے خاموشی سے مگ اٹھا لیا۔ ''تم اپ سیٹ ہو کیا بات ہے؟'' ان کے لہجے میں پختہ یقین تھا۔

''کچھ خاص نہیں ہے بھابی...... بس یوں ہی۔''

''خاص تو ہے مانو...... آئی نو تمہاری صہیب سے بات ہوئی تھی اس دن کے بعد سے تم بہت پریشان ہو۔''

وہ ان کے یقین پر فقط انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''میں وہ راستہ کب سے پیچھے چھوڑ کر نئے راستے کا آغاز کر چکی ہوں...... میرے لیے پلٹنا بہت کٹھن ہے...... اور وہ مجھے پھر سے انہی راستوں پر پکار رہا ہے۔''

''زندگی سے جو تم طلب کرتی تھیں' جسے دعاؤں میں شام وسحر مانگا کرتی تھیں...... جس کی کج ادائی تمہیں کھلتی تھی آج جب تمہارا طلب گار بن کر ہاتھ پھیلائے تمہارا منتظر ہے کہ تم محبتوں کے اس سفر پر اس کی ہم سفر بنو تو تم انکاری ہو...... یہ سراسر ناشکری ہے مانو...... بھول گئیں کیسے گڑگڑا کر تم اس ذات سے صہیب احمد کی محبت' اس کا ساتھ طلب کیا کرتی تھیں اور جب اللہ تم پر مہربان ہے تمہاری جھولی میں وہ تمام چاہتیں ڈال رہا ہے تم کیوں دامن جھاڑ کر خود کو ان محبتوں سے الگ کر رہی ہو۔''

''مجھے تمام باتوں کا اعتراف ہے بھابی' کبھی وہ شخص میری ہر دعا میں ہوتا تھا...... مگر اب میری زندگی کی اولین ترجیحات میں میری فیملی ہے...... مجھے کیا پتہ تھا بھابی کہ آنے والے وقت میں ہمیں بھیا کے بغیر بھی جینا پڑے گا...... بھیا نے اور آپ نے مجھے اپنے بچوں کی طرح پالا ہے...... تو کیا اب میرا فرض نہیں بنتا کہ میں بھی اب آپ کو تنہا نہ چھوڑوں۔'' اس کے لہجے میں عزم تھا۔

''مانو ہم نے صرف تمہیں بچوں کی طرح پالا نہیں ہے تم ہماری بچی ہی ہو اور ہر ماں باپ پر بیٹی کا فرض واجب ہوتا ہے...... تمہارے بھیا ہوتے تو وہ اب تک شاید تمہارے فرض کو ادا کر چکے ہوتے...... میں تو خود بہت پریشان رہتی ہوں تمہاری ذمہ داری مجھ پر ہے مگر تم میری بات مانتی نہیں ہو...... مجھے بھی اپنے مجازی خدا کے سامنے جوابدہ ہونا ہے مانو...... خدارا تم یہ مت سمجھو کہ میں تم سے تنگ آ گئی ہوں اور اب جبکہ صہیب نے خود یہ خواہش ظاہر کی ہے تو بلیو می میں بہت مطمئن ہوں کیونکہ نہ تم مجھ سے دور ہو گی' نہ میں تمہارے لیے بے کل رہوں گی...... مجیب بھائی کے گھر سے بہتر کوئی گھر نہیں ہے تمہارے لیے...... مانو پلیز اللہ پاک نے خود تمہارے لیے یہ راہ مقرر کی ہے

نافرمانی اور ناشکری نہ کرو۔" انہوں نے مانو کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر پیار سے سمجھایا۔

"میں آپ کو اور بچوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی آپ اکیلے کیسے تین بچوں کی ذمہ داری اٹھائیں گی؟"

"تم پاگل ہو مانو...... شکر ہے اس رب کی ذات کا ہم لاکھوں لوگوں سے بہت بہتر زندگی گزار رہے ہیں ہمیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے ہاں وہاں اجنبی شہر میں مجھے بھی فکر لاحق تھی مگر اب میں بالکل پرسکون ہوں...... اور پھر تم کون سا دور ہو جاؤ گی...... یہیں میرے قریب تو ہو گی مجھے یقین ہے کہ تم مطمئن رہو گی ہم سب کی طرف سے۔"

"آپ کو پتہ ہے ناں بھابی محیب کے گھر والے لڑکیوں کی جاب کے کتنے مخالف ہیں وہ مجھے جاب نہیں کرنے دیں گے۔"

"تمہیں ضرورت بھی کیا ہو گی؟"

"نہیں بھابی میں اگر شادی کروں گی تو صرف اسی شرط پر کہ میں نے جاب نہیں چھوڑنی۔"

"پھر سے بے وقوفی والی باتیں۔"

"میں نے صہیب کو کہہ دیا ہے۔"

"اف میرے خدا...... تم ناں......" بھابی نے قدرے غصے سے اسے دیکھا۔

"آپ بھی سن لیں...... یہ میری شرط ہے...... ورنہ پھر مجھے میرے فیصلے سے ہٹانا قطعی ممکن نہیں۔" بحث کرنا فضول تھا اس لڑکی سے وہ پہلے ہی صہیب سے کہہ چکی تھی۔

"تم اسی لیے اپ سیٹ تھیں۔"

"نہیں تو......"

وہ نگاہیں چرا گئی...... جس دیوانگی سے وہ صہیب احمد پر مرتی تھی...... وہ محبت دل سے نکلنا ممکن کب تھا...... بس جو ضد تھی وہ بھی حالات کے پیش نظر تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"اماں کی شروع سے یہی خواہش تھی کہ مانو ہی صہیب کی دلہن بنے...... جب کاشف کا ٹرانسفر ہوا تو دل مسوس کر رہ گئی تھیں...... لیکن اللہ پاک نے ہمیں یہ موقع دیا ہے اماں بی مرحومہ کی یہ خواہش شرمندہ تعبیر ہو تو ہمیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔" تابندہ نے مجازی خدا کے سامنے عرضی پیش کی تھی۔

"دیر تو تمہارے لاڈلے کی طرف سے ہے بیگم صاحبہ ہماری طرف سے نہیں ہم سمیرا سے بات کرلیں اور وہ آ کر اعلان بغاوت کر دیں تو برسوں کی بنی بنائی میں گرہ لگ جائے گی۔"

"نہیں نہیں ...... اتنا ناسمجھ بھی نہیں ہے اب صہیب...... مجھے یقین ہے اب کی بار وہ کچھ نہیں کہے گا۔"

"بھائی صاحب سچ تو کہہ رہے ہیں بھابی آپ صہیب کی مرضی پوچھ لیں تاکہ بعد میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔"

منیب اور عاقب کا بھی یہی خیال تھا...... اب وہ کیسے سمجھاتیں انہیں کہ صرف مانو کے لیے آج تک وہ ہر رشتے سے انکاری رہا ہے...... خیر خاموشی میں عافیت...... سو انہوں نے چپ ہی سادھی...... اور سر ہلا دیا دنیا دکھاوے کو صہیب سے بات کی...... مگر وہ تو کچھ الگ ہی ہانک رہا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو جانتے بھی ہو تمہارے بھیا کبھی نہیں مانیں گے۔ کس چیز کی کمی ہے ہمارے یہاں جو بہو بیٹیاں نوکری کریں گی۔"

"بھابی وہ جاب اپنے لیے نہیں سمیرا بھابی اور بچوں کو سپورٹ کرنے کے لیے جاری رکھنا چاہتی ہے...... آپ بھیا کو یہ سمجھا سکتی ہیں کہ جس طرح اب وہ جاب سے اپنی فیملی کو فنانشلی سپورٹ کر رہی ہے آگے بھی کرنا چاہتی ہے اور مجھے اس کی جاب پر کوئی اعتراض نہیں۔"

"تمہارے اعتراض نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے میاں انہوں نے فساد برپا کر دینا ہے پہلے ہی وہ تم سے نالاں رہتے ہیں...... پہلے ہی انہیں قلق ہے کہ تم نہیں مانو گے...... اور اب جب یہ سنیں گے تو قیامت ہی کھڑی ہو جائے گی۔"

انہوں نے سر پیٹ لیا تھا...... پھر جب صہیب کا اترا

چہرہ دیکھا تو پسیج گئیں۔

''تم ایک اور بار اسے سمجھاؤ صہیب...... ہم سب ہیں ناں ہم سمیرا کا ہر طرح ہر مشکل میں ساتھ دیں گے۔''

''میں نے پوری کوشش کی ہے...... مگر دوسری صورت میں وہ انکاری ہے یہی شرط ہے محترمہ کی۔'' وہ خود کون سا چاہتا تھا کہ بھیا سے نئی بحث کا آغاز کرے۔

''چلو اچھا تم فکر نہ کرو اللہ مالک ہے ہم سمیرا سے بات کریں گے...... جو بات ہوگی خود تمہارے بھیا کے سامنے آ جائے گی تم بس خاموش رہنا۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''بھابی...... میں اسے کھو نہیں سکتا...... آپ جانتیں ہیں ناں۔''

''کرم کرنے والی ذات اللہ کی ہے، تم فکر نہ کرو...... ہمیں تو یہ امید بھی نہیں تھی اب کہ وہ لوٹ آئیں گی...... اللہ پاک نے ہی ہمارے لیے یہ آسانیاں پیدا کی ہیں ناں، آگے بھی وہی کرے گا۔'' انہوں نے صہیب کا سر تھپک کر حوصلہ دیا تھا۔

مگر اس کی پریشانی کم نہ ہوئی مانو اپنی جگہ درست تھی، جو صورت حال تھی وہ کبھی بھی خود غرض ہو کر نہیں فیصلہ لے سکتی تھی، اس کی جگہ صہیب ہوتا تو شاید وہ بھی یہی فیصلہ کرتا۔

مگر دوسری طرف اس کے بڑے جن کے نزدیک عورت کا جاب کرنا قطعی نامناسب تھا...... ان کے خیال میں یہ ذمہ داری مرد کی ہونی چاہیے...... اور ان کے گھر میں یہ ذمہ داری حقیقتاً تمام مرد نبھاہ بھی رہے تھے...... تعلیم کا زیور سب کے لیے ضروری ہے اس امر سے انکار نہیں تھا اسی لیے پڑھائی کے معاملے میں سب نے سختی کی اور ان کے گھر کی تمام لڑکیوں نے اپنی مرضی سے تعلیم حاصل کی...... بس وہ جاب کے خلاف تھے بقول ان کے ضرورت بھی کیا تھی؟

احمر یا حیدر سے شیئر کرنا بے کار تھا وہ بھی بھیا کے حامی تھے...... اب بھلا وہ کیا کرتا؟

''کوئی اور حل نہیں ہے مانو...... جس سے سب متفق ہوں۔'' آخر وہ اسی کے پاس آیا تھا دل کی حکایتیں کہنے۔

''میرے پاس تو ہے نہیں صہیب احمد۔''

''مجھے لگتا ہے مانو...... تم مجھ سے ناراض ہو اور جان بوجھ کر تم ایسا چاہتی ہوتا کہ مجھے اذیت دے سکو۔''

''مرد ذات کبھی عورت کو نہیں سمجھ سکتا صہیب احمد...... جب ایک لڑکا شدید محبت کے باوجود بسا اوقات صرف اپنے گھر کے حالات سے مجبور ہو کر اپنی محبت کی قربانی دیتا ہے تب کیا وہ یہ سب لڑکی کو اذیت دینے کے لیے کرتا ہے، میرے حالات تمہارے سامنے ہیں صہیب احمد' ہمارے گھر کا کفیل اب اس دنیا میں نہیں ہے، میں اور بھابی مل کر ہی گھر چلا رہے ہیں...... تم حالات سے واقف ہو کہ بچوں کے اخراجات کس قدر ہوتے ہیں، میں تمہاری بات مان لوں...... مگر کیا تم نے یہ سوچا کہ بھابی کیسے حالات کا مقابلہ کریں گی...... تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہوگا مگر میرے لیے ناممکن ہے......''

''مجھے نہیں پتہ کہ کیا فیصلہ ہونا ہے...... میرے مقدر میں آگے کیا ہے مگر مجھے اتنا پتہ ہے ماہ نور اشرف کہ مجھے بس تمہارے بنا نہیں جینا...... میں نے اپنی لاپروائی میں جو سنہری پل گنوا دیئے وہ تو لوٹ کر نہیں آ سکتے...... شاید مجھے اسی لاپروائی کی سزا مل رہی ہے، مگر میرا خدا گواہ ہے کہ آگہی کے بعد میرے دل نے شدتوں سے تمہیں مانگا ہے...... یہ ماہ و سال میں نے بہت کرب میں گزارے ہیں۔ اماں میری زندگی سے چلی گئیں...... مگر مزید کسی نقصان کی ہمت نہیں ہے مجھ میں، میں جی نہیں پاؤں گا۔''

''ہم ایسا سوچ سکتے ہیں صہیب احمد مگر زیست میں ہوتا اس کے مخالف ہے، ہم زندہ بھی رہتے ہیں اور نقصان سہنے کی ہمت بھی آ جاتی ہے ہم میں، مجھے بھی لگتا تھا بھیا کے بغیر میں نہیں جی سکوں گی۔'' ''لیکن دیکھ لو تمہارے سامنے ہوں۔''

کبھی کبھی ہم اپنی طرف سے منزل کا تعین کر لیتے ہیں اور پھر بس آنکھیں موندے اسی راہ پر چل پڑتے ہیں...... مگر آگے جا کر جب آنکھیں کھلتی ہیں تو احساس ہوتا ہے

کہ یہ منزل تو ہماری ہے ہی نہیں..... تب صہیب احمد ہمیں پلٹنے کا رستہ تک نہیں ملتا..... ہم بھٹک جاتے ہیں۔" مانو نے اسے اپنی باتوں سے مایوسی ہی دی تھی..... سوچ سوچ کر دماغ شل ہوگیا..... آخر اسے کیسے سمجھائے اور اگر خدانخواستہ اتنی قریب آ کر وہ پھر دور ہوگئی تو..... بس یہاں آ کر اس کی بے قراری حد سے سوا ہو جاتی..... دماغ کی رگیں جیسے پھٹنے کو تیار تھیں..... مگر رستہ نہیں مل رہا تھا۔

"ایک لڑکی تم سے منائی نہیں جارہی ہے صہیب احمد....."

"احمر یار بات منانے کی نہیں ہے۔"

"کچھ زیادہ ہی سمجھدار ہوگئی ہے شاید یانو..... جس انسان کے پیچھے پاگلوں کی طرح گھوما کرتی تھی آج جب وہ خود اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے عمر بھر کا ساتھ مانگ رہا ہے تو اسے شرطیں سوجھ رہی ہیں..... وقت کبھی کبھی مہربان ہوتا ہے۔"

"پتہ نہیں یار..... مجھے تو بس اتنا پتہ ہے کہ میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی..... نہ وہ مانے گی اور نہ بھیا..... نہ میں اس کے بنا جی سکوں گا نہ بھیا کی نافرمانی کر کے۔" صہیب کا اضطراب نمایاں ہو رہا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

نادان نہیں تھیں سمیرا کہ گھر میں ان سب کی آمد کا مقصد نہ جان پاتیں..... وہ بے حد خوش تھیں بس مانو کی ضد نے انہیں کچھ اپ سیٹ کیا تھا..... بڑے بھائی نے جب باقاعدہ گفتگو کا آغاز کیا..... اور مانو کا رشتہ طلب کیا تو وہ چپ سی ہوگئیں۔

"ہم کیا ہیں' کیسے ہیں تمہارے سامنے ہیں بچے برسوں کا ساتھ رہا ہے دکھ تو بہت ہے کاشف نہیں رہا اب ہمارے بیچ' ورنہ تو سالوں پہلے اماں کی خواہش تھی کاشف سے بات کرتیں' پھر تم لوگ چلے گئے اماں کی خواہش ان کے ساتھ منوں مٹی تلے دب گئی..... اللہ رب العزت نے ہمیں پھر سے یہ موقع عطا کیا تو ہم اسے گنوانا نہیں چاہتے..... مانو شروع سے ہی ہمارے گھر کے فرد کی طرح ہے اب ہم باقاعدہ شرعی حیثیت سے اسے اپنے گھر میں شامل کرنے کے خواہش مند ہیں۔" سمیرا چپ تھیں.....!

"تم ٹائم لینا چاہتی ہو..... جتنا چاہو لو..... اپنے خاندان کے بڑوں سے مشورہ کرو..... اکرام کو بلالو..... بہت اچھا انسان ہے اس سے مشورہ کرو..... سمیرا بچے تمہارا اطمینان بہت ضروری ہے۔"

"بھائی' ہمارا اور آپ کا برسوں سے بہت اچھا رشتہ رہا ہے' ایسا نہیں ہے کہ مجھے خدانخواستہ آپ لوگوں پر کوئی ڈاؤٹ ہے' دراصل مانو نے اپنے بھائی کی شہادت کو شدت سے دل و دماغ پر لیا ہے..... بہت زیادہ گہرا اثر پڑا ہے اس کی شخصیت پر۔"

"اندازہ ہے ہمیں..... اور ہمیں بھی مانو کی اس حالت پر دکھ ہوتا ہے بچی کے چہرے سے مسکراہٹ تک غائب ہوگئی ہے..... بہت سی تلخیاں اس کے لہجے میں نظر آتی ہیں مگر وہ ہماری بچی ہے' اور امید ہے ہمیں کہ ان شاءاللہ وہ پھر سے زندگی کو اسی بھرپور انداز میں جیے گی۔" سمیرا کچھ پرسکون ہوئیں..... بڑے بھائی بہت پرامید گئے تھے اور یہ تو بیچ تھا' انکار تو انہوں نے بھی نہیں کرنا تھا بس فکر لاحق تھی تو اس نادان لڑکی کی نادانی کی..... جو جانے کیا سوچے بیٹھی تھی..... انہوں نے واقعی اکرام بھائی اور بھابی سے اس موضوع پر تفصیلی بات کی تھی' کیونکہ خاندان میں وہ واحد تھے جوان کے دکھ سکھ میں ساتھ کھڑے تھے۔

"اللہ کا نام لو اور انہیں ہاں کردو..... اتنا اچھا گھرانہ ہے اس میں اتنا سوچنے اور فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"فکر مند میں مانوں کی طرف سے ہوں۔" انہوں نے مختصراً مانو کی ضد بتائی۔

"اگر وہ نا سمجھ ہے تو یہ صہیب کو بھی سوچنا چاہیے نوکری کرنے میں کیا مضائقہ ہے..... کچھ عرصے تک وہ خود ہی جب اپنے گھر بچوں اور گھر داری میں لگے گی تو..... اس کی سوچ میں تبدیلی آجائے گی۔" اکرام بھائی کی وائف نے بہت سہولت سے کہا۔

"صہیب کو اعتراض نہیں ہوگا..... مگر بھائی خود بڑے

بھائی مخالف ہیں نوکری کے۔"

"ان سے بات کی جاسکتی ہے سمیرا...... وہ سمجھ سکتے ہیں...... مانو اتنا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی ہے۔"

"احمق ہے مانو...... ورنہ رب کا شکر ہے بھابی مجھے کوئی بھی پریشانی نہیں ہے۔" انہوں نے شکر ادا کیا۔

"وہ بچوں سے بہت اٹیچ ہے سمیرا...... تم سے زیادہ بچے اس سے ہر بات شیئر کرتے ہیں...... ان کی چھوٹی چھوٹی فرمائشوں کو جب وہ پورا کرتی ہے تو اسے خوشی کا احساس ملتا ہے...... جیسے کبھی کاشف اس کی خواہشوں کو پورا کیا کرتا تھا...... بس اسی احساس کے تحت اس نے یہ سوچا ہوگا......" انہیں مانو کے احساسات کا خیال تھا لیکن یہ بات وہ کیسے سب کو سمجھا سکتی تھیں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ مانو کی اس ضد کے باعث اس کی زندگی کا نقصان ہو...... صہیب احمد بھی اس کی زندگی میں آکسیجن کی صورت تھا لاکھ اس نے اب خود پر بدل جانے کا لیبل لگالیا تھا مگر وہ اپنے دل سے صہیب کی محبت ذرا بھی کم نہیں کرپائی تھی تبھی تو انجانے میں سہی اسے یہ ڈر بھی ہے کہ کہیں اگر صہیب کی فیملی نے اس کی شرط رد کردی تو...... اسے کھونا تو مانو کے بس سے بھی باہر تھا...... بس یہ خول تھا جو اس نے خود پر چڑھا رکھا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

گھر میں خوشی کا ماحول نظر آرہا ہے ورنہ پچھلے دنوں تو جیسے بچے مرجھا سے گئے تھے اب تو ماشاء اللہ حیدر بھی بہت حد تک سنبھل چکا ہے اور صہیب کے چہرے پر تو خوشی جھلک رہی ہوتی ہے۔" نگہت نے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد گھر کا چکر لگایا تھا اور انہیں مثبت تبدیلی نظر آئی تھی۔

"شکر ہے نگہت اس ذات کریمی کا۔" تابندہ تشکر بھرے لہجے میں بولی تھیں۔ "بس اب تو سمیرا کی طرف سے خوشخبری کا انتظار ہے۔"

"اور پھر ہمارے گھر میں بینڈ باجے بج اٹھیں گے...... تین تین گدھے گھوڑے پر سوار ہوں گے اور......"

"طلال تمہیں ذرا لحاظ نہیں ہے چھوٹے بڑے کا ہر وقت بکواس کرتے ہو بس شرم کرو...... تینوں بڑے ہیں تم سے۔"

طلال کو پتہ نہیں تھا اسے مذاق پر اتنی سننی پڑے گی۔

"ذرا بھی حیا نہیں رہی آج کل کی نسل میں نہ ماں باپ کی شرم نہ بڑے بھائی بہن کا لحاظ...... ہر کسی کو بس زبان کی نوک پر رکھنا اور بغیر لاج کے بکنا۔" سعدیہ چاچی نے بھی خبر لی۔

"ارے بس کردو...... جب بچے برابر کے ہوں پھر اس طرح ہوتا ہے وہ کون سا اس کے ساتھ چھوٹوں کی طرح بی ہیو کرتے ہیں برابری والا رشتہ ہے سب میں...... دوستی ہے۔" پھوپو نے سائیڈ لے کر اس پر ہونے والی گولہ باری بند کروائی۔

دھیرے دھیرے پھوپو کے سارے چہیتے ان کے گرد جمع ہوگئے تھے۔

"بہت دن بعد چکر لگایا آپی؟"

"اور آپی کے لاڈلے نے روز چکر لگائے ہوں گے ناں۔" ان کے مسکراتے لبوں پر پیار بھرا شکوہ تھا صہیب چپ رہ گیا۔

"ذینی نہیں آئی؟"

"ایسا ممکن ہے...... باہر لان میں بیٹھیں ہیں سب مانو کے ساتھ۔"

"اوہو تو محترمہ ماہ نور اشرف بھی تشریف فرما ہیں۔" احمر نے بھنویں اچکائیں۔

"بھابی میں نے بھی سمیرا سے ملنے جانا ہے مصروفیت کے باعث میرا چکر ہی نہ لگا...... آپ چلیں ناں میرے ساتھ۔"

تابندہ بھی فوراً تیار ہوگئیں...... ان کے جانے کی دیر تھی وہ سب کے سب لان میں آن موجود تھے...... جہاں اچھی خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔

"کیا خیال ہے یار عفان میں بھی تمہاری ٹیم میں کھیل سکتا ہوں۔" عفان سفیان کرکٹ کھیل رہے تھے۔

"وائے ناٹ صہیب بھائی اور حیدر بھیا آپ بھی

آئیں ناں۔" حیدر پینٹنگ بہت اچھی کرتا تھا۔

"موڈ نہیں یار۔" وہ موبائل پر نظریں جمائے بولا تھا......اس کے ہاتھ میں اسمارٹ فون تھا جو کہ عفان کو بہت پسند تھا......وہ بیٹ چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا۔

"حیدر بھائی' کیا میں آپ کے سیل سے ایک میسج کر سکتا ہوں آپ کی ایف بی پر آئی ڈی ہے ناں۔"

عادتیں جاتے جاتے ہی جاتی ہیں حالانکہ عفان نے اپنی یہ عادت چھوڑ بھی دی تھی مگر پھر بھی کبھی کبھی...... مانو ان کے ساتھ مصروف تھی مگر عفان کی آواز پر اس کی ساری حسیں بیدار ہوگئی تھیں۔

"عفان۔" وہ فوراً ہی پکار اٹھی تھی۔ حیدر بھی متوجہ ہوگیا' جواپنا سیل عفان کے ہاتھ میں دے چکا تھا۔

"پھوپو...... مدحت آپی۔"

مانو نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے فون جھپٹا اور حیدر کو دیا۔

"تم باز نہیں آتے ناں عفان تمہیں منع کیا تھا کہ تم......"

"میں نے تو ابھی سیل لیا ہی تھا...... حیدر بھائی کے فون میں تو مدحت آپی کی بہت ساری پکچرز ہیں۔" عفان کی بات پر حیدر قدرے پشیمان ہو کر نظریں چرا گیا...... جبکہ مانو بہت حیران تھی...... دانیہ نے بے ارادہ ہی حیدر کو دیکھا تھا...... احمر اور صہیب کے تاثرات بھی ناراضگی والے تھے۔

"بہت افسوس کی بات ہے حیدر...... ایک طرف تم اس سے نفرت کے دعوٰی کرتے ہو اور دوسری طرف ہم سب کی آنکھوں میں دھول بھی جھونک رہے ہو۔" عفان نے تو اس کا بھانڈا ہی پھوڑ دیا تھا...... دانیہ نے آنکھوں میں اترنے والی نمی چھپانے کو سر جھکا لیا۔

"تم لوگ مدحت کو جانتے ہو؟" سب کے تاثرات دیکھنے کے بعد مانو خاموش نہ رہ پائی۔

"ایسے لوگوں کو جاننا کون سا مشکل ہے مانو جو دوسروں کے گھروں کا سکون برباد کر دیتے ہیں۔" منال کے کڑوے لہجے کی تلخی حیدر نے شدت سے اپنے اندر محسوس کی اس کی بہنیں اس کی وجہ سے کس قدر پریشان تھیں۔

"ایسی لڑکیاں جو خود اپنی تشہیر کرتی پھریں انہیں کون نہیں جانتا۔" عاشی نے بھی لب کھولے تھے۔"میری تو بددعائیں ہمیشہ اس کے ساتھ رہیں گی جس نے ہمارے بھائی کو برباد کر دیا۔"

حیدر کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا تب ہی اٹھ کر چلا گیا...... احمر اور صہیب اس سے سخت نالاں تھے...... مانو نے مزید کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لیکن اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ بہت سے لڑکوں کی طرح حیدر بھی اس کا شکار بنا ہے......اور اگر حیدر اس کے بارے میں نہیں جانتا تو وہ حیدر سے اس کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی......حیدر کے لیے دانیہ ہی بہترین لڑکی تھی......کم از کم مدحت جیسی لڑکی ان کے گھرانے کے قطعی قابل نہ تھی۔

حیدر سے بات کرنے کا موقع اسے اگلے دن ہی مل گیا وہ کسی کام سے آئی تو وہ صحن میں اکیلا ہی بیٹھا تھا...... مانو نے ان کے ساتھ بچپن گزارا تھا' اس کی سب سے ہی اچھی بنتی تھی پھر حیدر تو شروع سے بہت ڈیسنٹ رہا تھا...... حیدر احمر کی طرح سخت مزاج نہیں تھا لیکن سمجھدار اور ذمہ دار تھا...... بھلا اتنا اچھا لڑکا مدحت جیسی لڑکی کے چنگل میں کیسے پھنس گیا۔

"حیدر تم سے ایک بات کرنی تھی؟"

"آئی نو مدحت کے متعلق ناں؟" وہ وثوق سے بولا۔"پہلے مجھے یہ بتاؤ تم لوگ اسے کیسے جانتے ہو......؟"

"وہ بھابی کی کولیگ کی بہن ہے اور ہم ان کے گھر اوپر والے پورشن میں رہتے تھے اور اسی کی وجہ سے ہم شاید یہاں واپس آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ اچھی نہیں ہے...... یہ تو مجھے پہلے سے پتہ تھا کہ اس کا سارا دن سوشل میڈیا پر گزرتا ہے ہزاروں لوگوں سے اس کی دوستی ہے' بہت سوشل لائف ہے اس کی' مگر جب

مجھے یہ علم ہوا کہ اس کی صرف دوستی ہی نہیں ہے، بہت سے لڑکوں سے دوستی سے بڑھ کر بھی...... تو میں اس سے دور ہٹ گئی، مجھ میں عقل تھی سو سنبھل گئی مگر ہمارے عفان کے کچے ذہن کو اس نے اپنا شکار بنایا...... ایف بی، وائی فائی کے چکروں میں ڈال دیا، عفان اس کے ساتھ سارا سارا دن بیٹھا لوگوں سے چیٹنگ کرتا رہتا...... اس طرح ایک تو اس کی پڑھائی متاثر ہوئی دوسرا اس کی شخصیت پر بہت برا اثر پڑنے لگا...... اسے ہماری ہر بات بری لگنے لگی وہ زبان چلانے لگا...... کچھ دن بعد ہی اس نے اپنا پرسنل لیپ ٹاپ لینے کی ضد پکڑ لی...... بمشکل سمجھایا...... مدحت کی بھی منتیں کیں کہ خدارا عفان کے کچے ذہن کو غلط روش پر نہ ڈالو...... مگر اس نے الٹا عفان کو ہمارے ہی خلاف کرنا شروع کردیا کہ تمہاری عمر کے بچے تو دنیا کے ہر کونے میں دوست بناتے ہیں چیٹنگ کرتے ہیں، ہم نے لیپ ٹاپ سے منع کیا تو اس نے عفان کو نئی ضد لگادی کہ تم ٹچ موبائل لے لو...... وہ تو تمہاری مما دلواسکتی ہیں...... ہمارا عفان بہت بدل گیا تھا حیدر...... بھابی نے یہ تمام چیزیں اتنی شدت سے محسوس کیں کہ محض پندرہ دن میں ہم یہاں شفٹ ہوگئے، انہیں اتنی شدید نفرت ہے مدحت سے کہ بس...... مجھے بہت دکھ ہوا کل جب علم ہوا کہ اس نے تمہیں بھی بے وقوف بنایا ہے۔"

حیدر کے دل کو تو اب تک امیدیں وابستہ تھیں کہیں کوئی رمق تھی شاید مدحت ایسی نہ ہو اس کی کوئی مجبوری ہو مگر مانو کی باتیں سن کر ساری حقیقت اس کے سامنے آ گئی۔

"میں تو امید کیے ہوئے تھا کہ شاید مجھ سے ہی اسے سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہو، میرا دل اسے برا ماننے کو تیار نہ تھا...... لیکن مانو تم نے جو سچائی مجھے بتائی ہے...... اس کے بعد تو یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ میری فیملی بالکل صحیح کہتی ہے میں ہی غلط ہوں۔"

"ہاں حیدر...... میں نے بہت قریب سے جانا ہے اسے...... وہ تمہارے قابل نہیں ہے...... جانے کتنے اور تم جیسے فرینڈز ہوں گے اس کے...... وہ نہ اپنی لائف کو سیریس لیتی ہے اور نہ دوسروں کی۔ ہم نے عفان کے معاملے میں اسے پرکھا اور خدا کا شکر ہے ہمارا بچہ اس کے چنگل سے آزاد ہوگیا...... ہم نے مانا کہ سوشل میڈیا نے فاصلے کم کردیے ہیں...... مگر کسی بھی چیز کا غلط استعمال ہمیں تباہ کردیتا ہے اور مدحت جیسے لوگ ہمارے بچوں کو تباہ کررہے ہیں۔" حیدر گم صم ہوگیا تھا۔

"یونو مانو ہم نے اس چغد کو بہت سمجھایا مگر اس کی کھوپڑی میں ہماری بات نہیں بیٹھی...... مجبوراً اس نے بڑوں کی رضامندی کے لیے دانیہ کے رشتے پر کچھ کہا نہیں مگر اس کا بی ہیویئر اس بچی کے ساتھ اتنا اذیت ناک ہے کہ بس...... جو کچھ اس کے ساتھ اس مدحت نے کیا، یہ اس کے تمام بدلے ہماری دانیہ سے لیتا ہے، تم سوچ سکتی ہو مانو کہ اس جیسا سمجھ دار شخص اس طرح بی ہیو کرسکتا ہے۔" صہیب جانے کب آن موجود ہوا تھا، حیدر کو زمین میں گاڑنے کے لیے۔

"حیدر دانیہ تمہارے لیے آئیڈیل لڑکی ہے...... کیونکہ شادی محض دو دلوں کا بندھن نہیں عمر بھر کا رشتہ ہے...... تم سوچو تمہارے ہر طرح کے غلط رویے کی شکایت اس نے کسی سے نہیں کی...... حالانکہ ابھی تو صرف بڑوں نے بات طے کی ہے ناں...... اس نے تمہارا بھرم رکھا...... اگر وہ چاہتی تو تمہاری شکایت کرسکتی تھی ناں۔"

"پھر تمہیں کیسے پتہ چلا۔"

"میں نے غیر ارادی طور پر کئی بار دیکھا ہے اس نے مجھے نہیں کہا۔"

"دانیہ سے شادی میں میری رضامندی نہیں تھی...... اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میری زندگی میں مدحت آچکی تھی بلکہ میں شروع سے ہی کزن میرج کے خلاف ہوں...... یہ بات سب جانتے ہیں۔"

"ریزن؟"

"یار ہر چیز کا ریزن دینا ضروری ہے کیا؟ میں تو جب بھی بولا تھا جب ماما بابا نے احمر اور منال کا نکاح کیا تھا......

رشتے مضبوط ہونے کے لیے محبت ہی کافی ہے میرے نزدیک ...... یہ رشتوں کی گرہیں لگانا ضروری نہیں ہوتیں......ہم سب ہمیشہ مل کر رہے ہیں اتنی محبت ہے ہمارے بیچ......تو کیا اگر یہ رشتے نہ ہوتے تو یہ محبتیں ختم ہوجاتیں۔"

"لیکن حیدر ہم کبھی بھی اپنے بڑوں کو اپنی سوچ سے قائل نہیں کرسکتے ...... پھر قباحت کیا ہے اگر کزن میرج ہوجائے تو؟"

"میڈیکل سائنس نے پروف کردیا ہے کہ کزن میرج کے کتنے سائیڈ افیکٹ ہیں......میرا اپنا کلاس فیلو ہے......اس کی شادی خالہ زاد سے ہوئی مگر اب جب اولاد دی اللہ پاک نے تو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے انہیں......ڈاکٹرز کہتے ہیں یہ کزن میرج کے نتائج ہیں۔"

"یہ بات تم بڑے بھیا کے سامنے تو غلطی سے بھی نہ کہہ دینا......ورنہ تمہاری وہ عزت افزائی ہوگی ناں۔"

"بس یار یہی تو پرابلم ہے ہم آنکھیں بند کرکے فیصلے تو کردیتے ہیں مگر حقائق سننے کو تیار نہیں ہوتے۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو حیدر...... مگر میں نے ایسی فیملیز بھی دیکھیں ہیں جو خاندان سے باہر شادیاں کرتے ہی نہیں ہیں......اور الحمدللہ ان کی اولاد بھی نارمل ہیں کوئی بھی پرابلم نہیں ہے۔"

"اور پھر ہمارے ہاں تو فرسٹ ٹائم ہی کزن میرج طے ہوئی ہے تمہارے پیرنٹس کون سا کزنس تھے آپس میں۔"

"یہ پرابلمز تو زیادہ تر وہاں ہوتے ہیں، جہاں نسل در نسل خاندان میں ہی رشتے طے ہوتے ہیں۔"

"دیکھو حیدر تم اگر اس باعث دانیہ سے اس طرح بی ہیو کرتے ہو تب بھی غلط ہے......اس بے چاری کا کیا قصور ہے......یہ رشتہ بڑوں نے طے کیا ہے ناں......" مانو نے اسے سمجھایا......وہ کچھ نہ بولا۔

مگر ذہن میں تیزی سے الفاظ گردش کررہے تھے۔(میں نے تو اسے موقع دیا تھا انکار کا......وہ ہی نہ مانی......

اب جیسا ہوں اسی بنیاد پر عمر گزارے گی) صہیب اور مانو اس کی خاموشی کو اس کا اقرار سمجھ کر مطمئن ہوگئے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

"یہ تو عجیب سی شرط ہوئی پھر......سمیرا واقف ہے ہمارے یہاں لڑکیاں نوکریاں نہیں کرتیں ہم کیسے یہ بات مانیں۔"

"یہ شرط نہیں ہے......بس مانو ایسا چاہتی ہے......وہ کہتی ہے جب تک بھابی کے بچے چھوٹے ہیں انہیں تنہا نہیں چھوڑسکتی۔"

"تابندہ بیگم ہم سب سمیرا کے ساتھ ہمیشہ کھڑے ہیں۔"

"نادان ہے نہیں سمجھ رہی کہتی ہے کہ مجھے اپنی فیملی کا وقار بھی عزیز ہے۔ میں تو کہتی ہوں بعد میں سمجھالیں گے ......ابھی......"

"حد کرتی ہو تابندہ بیگم...... سارے خاندان میں باتیں بن جائیں گی۔ تمہیں اندازہ ہے اپنی برادری کا۔"

"خاندان برادری برے وقت میں ساتھ نبھانے نہیں آتے ......یہ بھی نہیں دیکھنے آتے کہ کس پر کیا قیامت ٹوٹی ہے......باتیں بنانے کے ٹھیکیدار بن بیٹھے ہیں...... وہ ہر حال میں بنائیں گے۔" وہ قدرے تلخ ہوگئیں۔

"کتنے سالوں سے بچہ انتظار کررہا تھا رب کے حضور دعا گو تھا اب اللہ پاک نے سنی تو خاندان والوں کی باتوں کے ڈر سے اپنے بچوں کی خوشیاں کافور کردیں۔" صہیب بہت خوش ہے ہمارے کسی بھی غلط فیصلے سے بچہ مرجھا جائے گا آگے آپ خود سمجھ سکتے ہیں......اگر خاندان والوں کی طرف دیکھیں گے تو بچوں کو کبھی خوش نہیں دیکھ پائیں گے...... ہمارے لیے ہمارے بچے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔"

"تم بچوں کے لیے بچی بن کر سوچ رہی ہو...... برادری میں بیٹھے ہیں تو خاندان برادری کی طرف دیکھنا پڑتا ہے......ہمیں ایسا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

"خاندان پر نظر تو ڈالئے ذرا...... ہر تیسرے گھر کی

لڑکی نوکری کررہی ہے...... اور شوقیاً ہی کررہی ہے...... اور وہ آپ کے کزن خالد بھائی بیٹے کے لیے ڈھونڈ کر نوکری والی بہو لائے ہیں' زمانہ بدل رہا ہے سوچ بدل رہی ہے بس ہم ہی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔"

"بات یہ ہے تابندہ بیگم کہ آپ اور آپ کا لاڈلہ بالا ہی بالا سب طے کیے بیٹھے ہوں گے' بس ہماری رضامندی کی مہر درکار ہوگی۔"

"ایسا نہیں ہے جی...... اس بیچارے نے تو کچھ بھی نہیں کہا...... فیصلہ تو آپ نے ہی کرنا ہے۔" وہ منمنائیں اب مزید بحث کرکے وہ صہیب کے لیے مشکلات نہیں کھڑی کرنا چاہتی تھیں کہ ان کے شوہر کو ضد اور بحث پر زیادہ غصہ آتا تھا' پھر انہوں نے بات ماننی ہی نہیں تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"وہ لوگ گھر باقاعدہ رشتہ لے کر آگئے' آپ نے انہیں جواب تک دے دیا' اور جس کے متعلق یہ ساری کارروائی ہورہی ہے وہ قطعی انجان ہے۔"

"میں تم سے بات کرنے والی تھی۔"

"بچا ہی کیا ہے؟ بات کرنے کو آپ نے انہیں جواب تک بھجوادیا' میری مرضی جاننے کی کوشش نہیں کی۔"

"ضرورت ہے مانو تمہاری مرضی جاننے کی جبکہ تمہاری زندگی کی اولین خواہش تھی یہ۔"

"سچ کہا کہ اولین خواہش تھی جب تک بھیا تھے مگر بھیا کے ساتھ میری خواہشات بھی مٹی تلے دفن ہوگئی تھیں' اب میری اولین ترجیح میری فیملی ہے...... خودغرض نہیں ہوں میں۔" وہ اپنی بات سے ایک انچ بھی ہلنے کو تیار نہ تھی۔

"تم شادی کے بعد جاب جاری رکھنا چاہتی ہو ناں میں نے تابندہ بھابی کو کہہ دیا تھا۔"

"وہ شرط صرف میں نے صرف صہیب احمد کے سامنے رکھی تھی تاکہ وہ پیچھے ہٹ جائے بی کوز اس کی فیملی میں کوئی بھی ماننے کو تیار نہیں ہوگا یہ شرط...... مگر کم از کم آپ کو تو مجھ سے پوچھ کر اتنا بڑا قدم اٹھانا چاہیے تھا ناں۔" وہ سخت نالاں تھی۔

"مطلب کہ میرا کوئی حق نہیں ہے...... میں بڑی ہوں تم سے تمہارے بارے میں کوئی بھی فیصلہ لینے کا حق نہیں ہے مجھے۔"

"ایسا نہیں ہے بھابی بٹ......" وہ جو غصے میں بس بولے جارہی تھی یکدم اس کی زبان کو بریک لگ گئی۔

"آپ اموشنل ہوکر سوچ رہی ہیں...... خود بتائیں ہم دونوں مل کر گھر کو سپورٹ کررہے ہیں...... کیا ہماری کوئی اضافی انکم ہے...... گزربسر ہی ہے ناں...... اور اگر میں آپ کی بات مان لوں تو کیا آپ کو پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا...... یہ اور ریان چھوٹے ہیں مگر عفان بڑا ہورہا ہے اس کے اخراجات بڑھ رہے ہیں...... کیا بچوں کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کرنا ہمارا فرض نہیں ہے۔"

"دیکھو مانو...... یہ ہمارا اپنا گھر ہے' وہاں ہمیں جو منتقلی دس ہزار رینٹ کے دینے ہوتے تھے وہ اب نہیں ہیں۔"

"آپ کو لگتا ہے دس ہزار کی سیونگ ہے منتقلی......"

"کچھ تو ہے ناں اگر اتنی نہیں ہے تو...... ہمیں بہت فرق پڑا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا کہ مجھے خاندان رشتہ داروں سے ڈر لگتا ہے' چلو پہلے ہم دور تھے مگر مت بھولو اس شہر میں ہمارے رشتہ دار موجود ہیں...... جن کی زبانیں ہم نہیں پکڑ سکتے۔"

"مجھے ان لوگوں سے نہ ڈرائیں جو صرف اپنی زبان سے دوسروں کو زخمی کرتے ہیں جب ہمیں ضرورت تھی تو کون سا رشتہ دار آیا تھا' ہماری مدد کرنے چھوڑ دیں ان لوگوں سے ڈرنا...... جب تک ہم ڈریں گے تب تک ہی یہ ڈرائیں گے۔"

"آئندہ کچھ نہیں کہوں گی تمہیں...... تمہاری زندگی ہے جو چاہے فیصلہ کرو۔" سمیرا کو پہلی بار مانو پر غصہ آیا تھا۔ مانو انہیں دیکھتی رہ گئی وہ اٹھ کر چلی گئیں کئی دن اس نے کوشش کی مگر بھابی نے صاف کہہ دیا کہ وہ ناراض نہیں ہیں۔

انسان ناراض ہوتو منانا آسان ہوجاتا ہے مگر جب

اپنے اور دوسرے کے بیچ اجنبیت کی دیوار حائل کر لے تو مشکل ہو جاتا ہے اور سمیرا نے بھی تو اک دیوار کھینچ لی تھی اپنے اور مانو کے بیچ ان دیکھی سی۔

☆☆☆......☆☆☆

بہت مصروف لمحوں میں
کبھی اک پل کو سوچو تو
کوئی کتنا اکیلا ہے
کسی کی زندگی تم ہو
کسی کی بندگی تم ہو
کسی کو تیری خواہش ہے
کسی کی چاہتیں تم ہو
کبھی اک پل کو سوچو تو......
تمہاری لاپروائی نے
تمہاری بے نیازی نے
کسی کو مار ڈالا ہے
کوئی زندہ تو ہے لیکن
فقط سانس لیتا ہے
ذرا اک پل کو سوچو تو......!
کوئی کتنا اکیلا ہے......!!

جس رستے پر منزل نہیں تھی تو...... اس رستے جانا کیا؟ محبت دل کے کسی کونے میں ماتم کدہ تھی مگر ہزاروں ضبط کے پہرے تھے ہزاروں وضاحتیں تھیں اس کے پاس...... سینکڑوں تاویلیں تھیں دل کو سمجھانے کی...... کہ اس کی منزل صہیب نہیں ہے...... تبھی تو اس نے قطعی کنارہ کرنے کا سوچا تھا...... اسے نظرانداز کرنا...... بات نہ کرنا...... تو معمول تھا...... آج جب اس نے میسج سینڈ کیا تو ڈیلیٹ کرتے ہوئے لمحہ بھر کو ہاتھ کپکپائے تھے مگر پھر کڑے دل کے ساتھ ایک بار پڑھ کر اس نے ان باکس کلیئر کر دیا...... ایک میسج ڈیلیٹ کرنا آسان تھا شاید...... مگر اس شخص کو کیسے زندگی سے ڈیلیٹ کرے گی...... جو بار بار اس کے سامنے آن کھڑا ہوتا اس کے ارادوں کو کمزور کرنے۔

"کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا مانو تم...... سزا دے رہی ہو مجھے کہ میں نے تم سے محبت کیوں کی؟ یہی جرم ہے میرا...... اور کیسے کہوں کہ نہیں جی سکتا تم بن...... کہو تو مر جاؤں...... تم مانو کی میری چاہت کی سچائیوں کو...... کس کسوٹی پر آزمانا چاہتی ہو تم مجھے...... مجھے ہر آزمائش قبول ہے...... بشرطیکہ تم میری ہو جاؤ۔"

"یہ ممکن نہیں ہے صہیب احمد...... تم میری مجبوریوں سے واقف ہو۔" وہ پتھر کی مانند سخت لہجہ جانے کیسے اپنا لیتی تھی۔

"خدا کے لیے مانو...... بس کر دو...... مت کرو ایسا نہ تم مجھے میرے احساسات کو سمجھنے کو راضی ہو اور نہ بھیا سمجھ رہے ہیں...... میں کہاں جاؤں...... کوئی مجھے بھی تو انسان سمجھے...... میں نے زندگی کے پانچ سال اذیت میں گزارے...... اس ڈر میں زندہ رہا کہ اپنی غفلت اور لاپروائی سے تمہیں کھو تو نہیں دیا یہ خسارہ میرے لیے ناقابل تلافی تھا...... اور جب تم واپس لوٹیں تو میرے دل کے خدشوں کو قرار آ گیا کہ تم میری ہو صرف میری...... اور یہ احساسات یک طرفہ نہیں تھے مانو...... اپنے دل کو گواہ بنا کر جواب دو کہ کیا تمہارے اندر سے وہ محبت فنا ہوگئی ہے...... جو تمہیں مجھ سے تھی...... تمہاری دیوانگی تمہاری سچی چاہت نے مجھ لاپروا انسان جس نے شاید کبھی خود سے بھی محبت نہیں کی ہوگی...... اسے اس نرم احساس سے آشنا کیا...... پھر اب تم کیسے منکر ہو سکتی ہو...... ان احساسات سے۔" وہ تو جیسے آج مانو کو جھنجوڑنے آیا تھا۔

"وہ عمر ہی ایسی تھی شاید جب زندگی میں صرف محبت ہی سب کچھ لگتی ہے مگر جب زیست جھٹکے دیتی ہے غموں کے جدائیوں کے...... کٹھن کر دیتی ہے جینا...... تب محبت کا وجود نہیں رہتا...... بس زیست بسر کرنے کی تدابیر رہ جاتی ہیں۔"

"زندگی نے یہ جھٹکے ہر انسان کو دیئے ہیں...... میری اماں بھی مجھے چھوڑ کر گئی ہیں...... میں نے مانا کہ تمہارے لیے حالات کو فیس کرنا کٹھن تھا کاشف بھائی کے بعد......

مگر ماہ نور اشرف زندگی میں کڑواہٹ گھولتی رہو گی تو کبھی بھی مٹھاس محسوس نہیں کر پاؤ گی...... ان نرم گرم احساسات سے مل کر ہی زندگی بنتی ہے...... جہاں تلخیاں بھی بے شمار ہوں گی اور خوشی بھی دستک دیں گی لیکن اگر تلخیوں کو اندر اتار کر خوشی کے لیے دروازہ نہیں کھولو گی تو اس میں قصور تمہارا ہوگا...... یہ ناشکرا پن ہے ہر دکھ کے بعد مسرت ہے...... جتنے دکھ تم نے تنہا جھیلنے تھے جھیل لیے......اب خوشیوں کو ویلکم کرو...... مجھ پر اتنا اعتماد تو کرو کہ میں کبھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا...... تمہاری ہر ذمہ داری میری ہوگی...... آئی پرامس۔'' اس کے لفظ بے اثر ہو جاتے تھے جب مانو کا سپاٹ چہرہ اسی طرح ہر احساس سے خالی رہتا۔

''مجھے ان تلخیوں میں جینے کی عادت ہوگئی ہے صہیب احمد...... مجھے خوشیاں اب راس نہیں آتیں۔''

''مگر میں منتظر رہوں گا جب تم ان تلخیوں سے گھبرا کر پلٹ کر آؤ گی...... اور یقین رکھنا ماہ نور اشرف...... کوئی باہیں پھیلائے تمہارا منتظر ہوگا...... تمہیں خوشیوں کا احساس دلانے تمہاری زندگی میں محبت کی مٹھاس گھولنے کے لیے۔''

''تم تھک جاؤ گے...... بہت طویل انتظار ہے۔''

''وعدہ رہا اس محبت کا جو تمہارے دل میں بھی ہے اور میرے دل میں، تم جب بھی پلٹ کر دیکھو گی منتظر پاؤ گی۔'' اس کے لہجے میں پختہ یقین تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

جب کہیں سے بھی کوئی امید نہیں ملی تو اس نے خاموشی اختیار کرلی نہ وہ بھیا سے بحث کرنا چاہتا تھا اور نہ مانو کو زبردستی منا سکتا تھا...... اس نے انتظار مانگا تھا تو صہیب احمد نے اب ثابت قدم رہنا تھا۔

''احمر اور حیدر کی شادی کی تیاریاں کریں بھابی اور پلیز میرے متعلق اب آپ نے بھیا سے بات نہیں کرنی...... میں انتظار کروں گا اس کا...... مقدر کو آزمانا ہے۔''

''احمر نہیں مانے گا۔''

''یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' اس نے یقین دلایا...... کیونکہ اسے پتہ تھا کہ وہ احمر کو منا لے گا۔

''میں مانو سے بات کروں صرف ایک بار۔''

''نہیں...... مجھے اپنی محبت اور قسمت دونوں کو آزمانے دو۔''

''او بھائی یہ اکیسویں صدی ہے۔''

''پتہ ہے......اور یہ بھی کہ کچھ لوگ اکیسویں صدی میں انیسویں صدی والی محبت کیے ہوئے ہیں۔''

''اچھا جی مجھ پر طنز۔'' احمر فوراً سمجھ گیا۔

''لیجیے چاچو آپ کی کافی حاضر ہے۔'' وہ بڑے اچھے موڈ میں آئی تھی مگر وہاں موجود احمر کو دیکھ کر جیسے کلس گئی...... صہیب نے آج ان کے درمیان کی یہی بدگمانیاں ختم کرنی تھیں اور اس نے ارادتاً بہانے سے دونوں کو بلوایا تھا۔ اس کی منزل ابھی دور تھی مگر اس کی وجہ سے کوئی بخوشی منزل کو پالے...... عمر بھر کے بندھن میں اتنی غلط فہمیاں نہیں ہونی چاہیں ورنہ تو یہ فاصلے بڑھا دیتی ہیں جو وقت کے ساتھ طویل ہو جاتے ہیں۔

''بیٹھو مناہل۔'' اس نے بہت پیار سے بھتیجی کو مخاطب کیا تھا حالانکہ اس کے تاثرات واضح نظر آرہے تھے۔

''مجھے کچن میں کام ہے۔'' بہانہ تراشا...... اس کے یہ بہانے صہیب ہی نہیں احمر بھی محسوس کررہا تھا' مناہل میں بہت چینج آ گیا تھا وہ پہلے کی طرح بی ہیو نہیں کرتی تھی۔

''آئی نو تم بہت سگھڑ ہو بٹ دو منٹ تو بیٹھو...... کچھ بات کرنی ہے۔''

لاچار اسے چاچو کی بات ماننی پڑی اور منہ بناتی وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی...... صہیب نے ایک نگاہ ان دونوں پر ڈالی...... مناہل سر جھکائے نجانے کیا تلاش رہی تھی جبکہ احمر بظاہر انجان بنا رہا تھا۔

''مجھے تم دونوں سے بہت اہم بات کرنی ہے۔'' وہ دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''احمر مناہل رشتہ کوئی بھی ہو رشتے کی اساس اعتبار ہوتا ہے...... محبت کتنی بھی گہرائی لیے ہوئے ہو مگر اگر دو افراد

کے درمیان اعتماد نہیں ہے تو وہاں محبت بھی تا دیر قائم نہیں رہتی...... تم دونوں نے ابھی نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے...... اور عمر بھر ساتھ رہنا ہے لیکن ابھی سے تم دونوں کے بیچ اتنی بے اعتباری غلط فہمیاں جنم لے چکی ہیں تو بھلا آگے نئے سفر کا آغاز کیسے کرو گے...... رشتہ ایسا ہے کہ فاصلے کم کرنے ہوں گے...... مگر تم دونوں تو لگتا ہے فاصلے بڑھا رہے ہو۔"

"میری طرف سے ایسا کچھ نہیں ہے...... میں جیسا تھا آج بھی ویسا ہی ہوں۔" احمر نے ذرا اپنا دفاع کیا۔

"میں غلط تھی...... انہیں سمجھنے میں غلطی کر بیٹھی مگر اب جیسے یہ ہیں ویسی ہی میں ہوں۔"

"محبتوں کے بندھن کو کیوں اتنا تلخ بنا رہے ہو یار تم لوگ۔" صہیب نے دونوں کے جواب سن کر کہا۔

"محبت تھی ہی کب چاچو...... سراسر زبردستی کا بندھن ہے...... اور جہاں دلی رضامندی نہ ہو صرف بڑوں کی فرماں برداری کے لیے رشتے جوڑے جائیں وہاں رشتے ایسے ہی نبھائے جاتے ہیں۔ مجھے کوئی شوق نہیں زبردستی کسی پر مسلط ہونے کا...... ابھی بھی ٹائم ہے یہ اگر چاہیں تو فیصلہ بدل سکتے ہیں۔"

"تم زبان استعمال کرتی ہو صرف عقل نہیں بس یہی میرا اختلاف ہے۔ یار صہیب تم نے دیکھا ناں سنی ناں اس کی بکواس...... اب یہ بات کرنے والی ہے جو یہ کہہ رہی ہے۔"

حسب توقع احمر کی برداشت جواب دینے لگی مگر مناہل نے اب اس سے خوفزدہ ہونا ترک کر دیا تھا۔

"ولسن مناہل منیب احمد...... رشتے اپنی مرضی سے ہوں یا بڑوں کی رضا سے میرے لیے قابل احترام ہیں...... مجھے فخر ہے میرے ماما بابا نے میرے لیے اچھا فیصلہ لیا۔"

"آپ کے رویے سے تو کچھ اور ظاہر ہوتا ہے۔" تلخی تو جیسے اس کے رگ و پے میں گھل گئی تھی۔

"کیا چاہتی ہو تم...... کہ میں مجنوں بنا دن رات تمہارے پیچھے گھوموں چھچھوروں کی طرح تمہیں دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھروں...... چھوٹے بڑوں کا لحاظ کیے بغیر بس تمہیں دیکھتا رہوں...... ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے ہیں محترمہ اس طرح کے رویے کی امید مجھ سے ہرگز مت رکھنا۔" وہ جب بولا تو مناہل چاچو کے سامنے شرمندہ ہوگئی۔

"میں پاگل نہیں جو آپ سے ایسی امید رکھوں۔" مناہل نے آہستہ سے کہا...... صہیب کا سیل بج اٹھا تو وہ ایکسکیوز کرتا نیچے اتر گیا۔

"تم لڑکیوں کے نزدیک محبت کیا ہے؟ کہ لڑکا ہمہ وقت تم سے اظہار محبت کرتا رہے...... آنکھیں بند کر کے تم لوگوں کی ہر غلط بات مانتا رہے...... سو کالڈ ویلنٹائن ڈے پر گلاب اور گفٹ پیش کرے کھانے کی طرح تین ٹائم آئی لو یو کے میسج سینڈ کرے...... اور جو بے چارہ ایسا نہیں کرتا اس پر فتویٰ لگا دو کہ وہ ظالم ہے جابر ہے...... رشتے سے خوش نہیں کسی اور میں انوالو ہے مناہل بی بی محبت کا احساس دل میں پنہاں ہوتا ہے یہ لفظوں سے نہیں رویوں سے ظاہر ہوتا ہے محبت کی لفاظی میں تمہارے بھائی نے جو چوٹ کھائی ہے وہ بھول گئی ہو...... صرف لفظوں پر قائم محبت ہمیشہ ناپائیدار ہوتی ہے میں نے مانا کہ جس طرح پودوں کو پنپنے کے لیے پانی ہوا اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح جینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے محبت کی آبیاری بھی اقرار کی طالب ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک جذبوں کا اظہار صحیح وقت پر کیا جائے تو وہ زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ تم میری منکوحہ ہو اور میری مرضی کی بنا تم کسی صورت میری زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں تم خود جانتی ہو میرے مزاج کو عمر بھر کے بندھن میں ہمارے ماں باپ بھی زبردستی نہیں کر سکتے...... ہماری رضا جان کر ہماری خوشی کو مدنظر رکھ کر ہی اتنا بڑا فیصلہ لیا تھا انہوں نے...... نکاح کے بول اتنے کچے نہیں ہوتے کہ جب چاہیں آپ انہیں توڑ دیں فیصلہ بدل لیں...... میں تمہاری طرح جذباتی نہیں ہوں...... ورنہ اتنے دن سے تم جو بکواس گھر کے ہر فرد کے سامنے کر رہی ہو......

خاموشی سے نہ سنتا بلکہ حقیقتاً فیصلہ لے چکا ہوتا...... میرا مزاج مختلف ہے...... میری خواہش ہے میری ہمسفر بھی میرے مزاج میں ڈھل جائے...... بس یہیں میں غلط تھا' مجھے تم پر زبردستی اپنی مرضی نہیں تھوپنی چاہیے تھی لیکن میرے اس اقدام میں وہ اعتماد پنہاں تھا جو مجھے تم پر تھا کہ تم کبھی میری بات نہیں ٹالوگی...... ہزاروں خامیاں ہیں مجھ میں...... پرفیکٹ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا میں...... لیکن میں نے کبھی کسی کو بھی خود سے کم تر نہیں جانا...... تمہیں ٹوکنے روکنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ تم میرے مزاج کو سمجھ جاؤ تاکہ ہمیں آئندہ آنے والی زندگی میں ان مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے جو اسی فیصد لوگ فیس کرتے ہیں اور بس اس کے علاوہ کچھ نہیں تم پر اپنا رعب قائم کرنا...... یہ ہرگز نہیں تھا کہ مجھے کوئی اور پسند ہے...... ایسا ہوتا ناں مناہل بی بی تم کبھی بھی میرے نکاح میں نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ میں لڑ کر...... اپنی بات منوانے کا ہنر جانتا ہوں...... اور ایسا کرتا بھی رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے خود سے عہد کیا تھا میں کبھی بھی تمہیں اپنی صفائی نہیں دوں گا کیونکہ میری نظر میں غلط نہیں ہوں...... اور نہ ایسا بننا چاہوں گا جیسا کہ تم نے امیج بنایا ہوا ہے...... میں جیسا ہوں' تمہیں اسی صورت مجھے برداشت کرنا ہوگا...... اتنی بڑی تقریر کا مقصد صرف اتنا سا ہے کہ آئندہ تم اس طرح کے لفظ استعمال نہیں کروگی...... فیصلہ جو ہونا تھا ہو چکا ہے۔ اس میں ردوبدل تو ممکن ہی نہیں ہے...... اب تم چاہے اس فیصلے سے خوش ہو یا دکھی مگر یہ تو طے ہے مناہل احمد کہ زندگی تمہیں میرے ساتھ ہی گزارنی ہے۔"

وہ اپنی طویل بات کو ختم کرتا اٹھ کھڑا ہوا تھا...... مگر پھر جانے لگا تو جانے کیا سوچ کر پلٹا۔

"اور ہاں...... میں ایسا ہی رہوں گا...... مجھ سے توقع بھی مت رکھنا کہ میں تمہارے پیار میں پاگل ہو کر سب بھول جاؤں گا۔" جاتے ہوئے وہ اسے اچھی طرح شرمندہ کر گیا تھا۔ مناہل کے ذہن میں اب تک اس کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"کہاں...... یار' میرا فون آ گیا تھا' بیٹھ ناں۔" اسے سیڑھیوں پر چاچو کی آواز سنائی دی تھی۔

"بس یار...... جو کہنا تھا میں نے کہہ دیا ہے۔" سنجیدہ لہجہ اس کے کانوں میں گونجا چاچو اوپر آ گئے۔

"مناہل مجھے نہیں پتہ کہ اس نے کیا کہا ہوگا...... مگر میں تم سے صرف اتنی سی بات کہوں گا کہ تمہاری بات سے صرف احمر ہی نہیں میں بھی ہرٹ ہوا ہوں...... وہ جیسا بھی مزاج رکھتا ہے مگر دل کا بہت اچھا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر وہ نہ چاہتا تو کبھی بھی یہ رشتہ نہیں ہوسکتا تھا...... میں نے مانا کہ وہ روڈ ہے...... اکثر مس بی ہیو کرتا ہے لیکن بعد میں وہ خود پشیمان بھی ہوتا ہے تم سے اس نے ایکسکیوز بھی کیا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کا انداز ذرا مختلف ہوتا ہے۔"

"ایم سوری چاچو بس مجھے بھی غصہ آ گیا تھا جو میں نے کہہ دیا۔"

اس نے اعتراف کیا اب پتہ نہیں دل کی بدگمانیاں دور ہوئی تھیں یا نہیں بس وہ چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

صہیب احمد کے بڑے بھائی کو مانو کی شرط نہ منظور تھی حالانکہ سچ یہ تھا کہ مانو نے یہ شرط رکھی ہی اس لیے تھی کہ وہ جانتی تھی۔

بہرحال دونوں کی طرف خاموشی سے کسی پر ہر گزرنے والی سانس بھاری ہوئی جارہی تھی...... گھر میں پہلے حیدر کے نکاح کا ذکر ہوا تھا اب احمر اور حیدر دونوں کی شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہونے لگیں۔

گھر میں یہ بہت بڑی خوشی تھی تمام بچے بہت خوش تھے...... اور بہت چاؤ سے تیاری میں مگن بھی۔

عاشی مانو کو روز ہی گھسیٹ لاتی تھی کہ اسے تو خود ہی آ جانا چاہیے تھا اتنے کام پڑے ہیں ہیلپ کے لیے کہ زبردستی لانا پڑتا تب بھی وہ عذر تراشتی تھی۔ اس دن کے بعد نہ مناہل کا موڈ آف ملا اور نہ کوئی بات سنی...... بلکہ وہ اسے بہت کم ہی دکھائی دیتی تھی...... شاید مما کا آرڈر تھا...... کچن میں اکثر دانیہ ہی نظر آتی تھی یا پھر عاشی۔

"پندرہ دن رہ گئے ہیں میری بھتیجی کچن سنبھال رہی ہے..... یہ ظلم ہے بھئی..... اب یہ ذمہ داری عاشی کو دیں۔"
"لو بھلا انہوں نے کون سا باہر جانا ہے گھر میں ہی تو رہنا ہے۔"
"کیا ہوا پھر؟"
"مجھ سے اکیلے کچن کے کام نہیں ہوتے۔"
"ارے یار تو ذینی کو بلا لو ناں تمہاری ہیلپ ہوجائے گی۔"
"اور کسی کی نگاہوں کی پیاس بجھ جائے گی۔" موبائل پر بزی حیدر نے لمحہ بھر کو نگاہ ہٹا کر طلال پر حملہ کیا۔
"ہاں تو کوئی شک..... محبت کی ہے جناب ساری دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر کہہ سکتا ہوں۔"
"بہت اچھا کام ہے ناں..... جن سے محبت کی جائے ان کی عزت بھی کی جاتی ہے اور کروائی بھی جاتی ہے..... تم ساری دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر اس کا نام لو گے۔"
"تو..... محبت کی ہے یار..... گناہ نہیں کیا۔"
دونوں بھائیوں میں مزاج کا گہرا فرق تھا..... وہ احمر کی بات سے متفق نہیں تھا۔
"اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔"
"تم طلال کو قائل نہیں کرسکتے' وہ ہم ہی تھے جو....."
"رہنے دو تم نے کتنی مانی تھی۔" اس نے حیدر کو درمیان میں ٹوک دیا۔
"کیوں فضول بحث کررہے ہو لنچ میں باتوں سے پیٹ نہیں بھرنے والا..... گھر کی تمام خواتین بازار سدھار گئی ہیں تو پیٹ بھرنے کا کوئی بندوبست تو کرنا ہے یا نہیں۔"
"عاشی ہے ناں۔" حیدر نے لاپروائی سے کہا۔
"میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا بھئی..... عاشی کے ہاتھ کا لنچ ناں بابا..... چلو صہیب باہر چلتے ہیں۔"
"ویری گڈ آئیڈیا۔"
بہرام اور طلال بھی ایگری تھے وہ بہت سستی محسوس کررہا تھا تب ہی انکار کردیا لیکن گھنٹے بعد جب بھوک نے ستایا تو عاشی کو آواز دی..... مگر وہ سو رہی تھی..... خود ہی کچن میں آکر کچھ کرنے کا سوچا تھا..... وہ کچن میں داخل ہوا تھا مگر اس بری طرح کسی چیز سے ٹکرایا کہ لمحہ بھر کو گھوم گیا مگر چیخ کی آواز پر اس نے توجہ دی' دانیہ شاید چائے کا مگ لے کر پلٹ رہی تھی اور اس سے ٹکرا گئی تمام چائے اس کے پاؤں پر گر گئی تھی شدید گرم چائے تھی تب ہی تو سپید نازک سے پاؤں یکدم سرخ ہوگئے اور تکلیف کی شدت سے وہ نیچے بیٹھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی رونے لگی۔
"او گاڈ..... دیکھ نہیں سکتی تھیں تم۔"
وہ تیزی سے ٹوتھ پیسٹ اٹھالایا..... اور اس کے پیروں پر لگانے لگا۔
"ہائے۔" وہ تکلیف سے چیخی..... آنسو اب بے آواز اس کے گالوں پر تیزی سے بہہ رہے تھے۔
"بس ابھی جلن کم ہوجائے گی ڈونٹ وری۔" وہ کتنے نرم لہجے میں اسے تسلی دے رہا تھا..... دانیہ جلن کے احساس کو پل بھر کے لیے بھول کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جو لفظوں کے پتھر ہی برساتا تھا ہمیشہ..... آج کیسے مرہم رکھ رہا تھا شاید حیدر نے اس کے چہرے پر پھیلی حیرت محسوس کی تھی..... تب ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
"جاؤ ریسٹ کرو جاکر۔"
"تم کیوں آئے تھے' کچھ چاہیے تھا۔"
"میں لے لوں گا جو چاہیے تم آرام کرو جاکر۔"
"میں اب بہتر محسوس کررہی ہوں..... تم بتاؤ تو۔" حالانکہ جلن ابھی بھی بہت تھی مگر اسے احساس تھا کہ ضرور حیدر کو بھوک لگی ہوگی' حیدر نے فریج میں سے شامی کباب نکالے۔ "لاؤ میں فرائی کردوں۔" اس نے زبردستی فرائی پین لیا اور برنر آن کرکے شامی کباب فرائی کرنے لگی۔
"فریج میں رات کی بریانی بھی رکھی ہے کہو تو گرم کردوں۔"
مرتا کیا نہ کرتا اب اگر اپنی کاہلی کے باعث گھر پر رکا

تھا تو کچھ تو کھانا تھا۔

"کردو۔"

وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا' دانیہ نے چاول گرم کر کے اس کے سامنے رکھے۔ شامی کباب' تازہ سلاد اور رائتہ بنا دیا۔

"بس اب تم ریسٹ کرو...... تمہارے پاؤں پر چھالے بن گئے ہیں۔"

اس کی نظر کام کرتی دانیہ کے پیروں پر تھی جہاں آبلے بن گئے تھے۔

"میں چائے پکا رہی ہوں اپنے لیے تم لو گے۔" اس نے جیسے حیدر کی بات نہیں سنی تھی۔

"ہوں۔"

وہ کھانے میں مشغول ہو گیا...... دانیہ نے کچھ دیر بعد مگ اس کے سامنے رکھا اور اپنا مگ لے کر جانے لگی تو اس نے پکارا۔ دانیہ رک کر پلٹی۔

"سنو۔"

"ہوں۔"

"ایم سوری میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف ہوئی' میں بے دھیانی میں آ رہا تھا۔"

دانیہ کچھ نہیں بولی...... یہ تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے حیدر منیب...... تم تو بے دھیانی میں مجھے اذیتیں دے رہے ہو...... اس کا کیا......؟ یہ چھالے تو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو جائیں گے' میری روح پر جو آبلے تمہارے رویے نے ڈالے ہیں ان کا کیا کروں؟

"یہ تکلیف میری قسمت میں تھی ٹل گئی۔" پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر...... اس نے جواب دیا تھا۔ حیدر کئی لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

برسوں بعد تابندہ کو آج اسی صورتحال کا سامنا تھا جس سے اماں بی دوچار ہوئی تھیں۔ انہیں صہیب کے پیدا ہونے پر لوگوں کی سننی پڑی تھیں اور آج تابندہ کو جو سہنا پڑ رہا تھا وہ شاید زیادہ تکلیف دہ تھا۔

انہوں نے ہمیشہ صہیب کو اپنے بچوں کی طرح چاہا تھا' بچوں سے بڑھ کر پالا تھا...... اور اگر صہیب خود ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو وہ کیسے فورس کر سکتی تھیں جبکہ وہ اپنے دیور کی تمام کیفیات سے آگاہ تھیں ان کی تو اپنی دلی خواہش تھی کہ صہیب کی مراد بر آئے اور وہ اس کی خوشی بھی دیکھیں۔

لیکن شاید ان کے مجازی خدا سچ کہتے تھے کہ لوگوں کی باتیں سنو گی تب تمہیں احساس ہوگا کہ میں کیوں صہیب سے نالاں ہوں...... وہ صہیب سے نالاں نہیں تھیں بلکہ دعا گو تھیں' ہاں اپنے خاندان والوں اور رشتہ داروں سے نالاں تھیں' جن کی زبان کے نشتر ان کے دل میں پیوست ہو رہے تھے...... جیسے جیسے دن قریب آ رہے تھے لوگوں کی نظریں اور باتیں بھی جیسے بڑھتی جا رہی تھیں۔

ان کی دیورانیاں انہیں حوصلہ دیتیں جو کہ بیمار ہو گئی تھیں۔

"میرا خدا جانتا ہے سدرہ میں نے کبھی فرق نہیں رکھا مجھے تو اتنی محبت ہے صہیب سے کہ اپنی اولاد سے بھی نہیں ہے اتنی...... مگر میں کیسے یہ بات سب کو سمجھاؤں۔"

"ضرورت ہی کیا ہے بھابی...... ہم کبھی بھی ان لوگوں کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتے ہمارے دلوں کا حال ہمارا رب جانتا ہے' آپ کیوں تکلیف محسوس کر رہی ہیں...... جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے وہ اتنی ہی بات کرتا ہے۔"

"کیا ہو جاتا اگر مانو مان جاتی...... آج میرا بچہ بھی مرتوں میں گھرا ہوتا...... میرا تو اپنا دل دکھتا ہے صہیب کو دیکھ کر...... اس نے اتنے سال کتنی شدتوں سے مانو کا انتظار کیا لیکن مانو نے تو اس کی محبت' اس کی ریاضت کسی کی بھی قدر نہ کی...... جانے وہ کس امید پر پھر سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔"

تابندہ بھابی غالباً مانو سے بھی ناراض تھیں اور وہ جو کسی کام سے آ رہی تھی ان کی باتیں سن کر وہیں رک گئی۔

"بس اندر ہی اندر گھلتا جا رہا ہے...... کسی کو فکر نہیں ہے میرے بچے کی...... کیا ہو جاتا اگر ولید مان جاتے......

لیکن ہر کسی کو صرف اپنی انا کی فکر ہے..... صرف اپنی مجبوریاں دکھائی دے رہی ہیں کسی کو بھی یہ نظر نہیں آ رہا ہے کہ ان ضدوں کی بھینٹ ایک جان ہو رہی ہے۔"

"بس کریں بھابی' کیا فائدہ ہے یوں رونے کا نہ بھائی صاحب نے ماننا ہے نہ مانو نے..... سمیرا بھابی کتنی شرمندہ ہیں کیسے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہی تھیں کہ مانو نے تو ان کی زبان تک کا پاس نہیں رکھا..... بھلا جس لڑکی نے ماں جیسی بھابی کی بات کو اہم نہ مانا..... اسے یہ تک تو احساس نہیں ہے کہ ان کے اپنے خاندان کے لوگ سمیرا بھابی کو کتنا سناتے ہیں کہ نند کی کمائی کھا رہی ہے' بھی تو بیاہنے کا نہیں سوچتی۔"

سدرہ بھابی نے تو جیسے اس کی ذات کی دھجیاں ہی بکھیر دی تھیں جو اس کے گمان میں بھی نہ تھا..... وہ مزید نہ ٹھہر سکی یہ بات ہی اسے اندر ہی اندر مارے دے رہی تھی کہ اس کی وجہ سے بھابی کو کسی کے سامنے ہاتھ جوڑنے پڑے معافی مانگنی پڑی..... وہ اتنی خودسر اور ضدی تو نہ تھی ..... پھر بھی۔

"بھابی کو مجھ سے بات کیے بنا انہیں بلانا ہی نہیں چاہیے تھا' بھابی تو سب جانتی ہیں۔" وہ کمرے میں سارا دن بند رہی' شام میں باہر آئی تو اسے بھابی کی آواز سنائی دی۔

"خاور کو کون نہیں جانتا' ایک نمبر کا نکما ہے شراب پیتا ہے' بھلا میں کیسے اپنی مانو کو جہنم میں دھکیل دیتی..... منع کر دیا تو انہوں نے مجھے سارے خاندان میں ذلیل کر کے رکھ دیا کہ میں پیسے کی وجہ سے مانو کا کہیں بھی رشتہ نہیں کرتی ...... بھائی ہمارے سروں پر اگر مرد کا سایہ نہیں رہا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں آنکھیں بند کر کے مانو کو کہیں بھی بیاہ دوں..... کل الیاس بھائی کی وائف نے اتنے طنزیہ انداز میں جتایا کہ میں اپنے بیٹے کے لیے مانو کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھی مگر سنا ہے کہ تم تو اس کی شادی کرنے کے حق میں نہیں ہو..... مجھے بتائیں اکرام بھائی میں کیا کروں کہاں جاؤں؟ مانو کو میری بات سمجھ ہی نہیں آتی' اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا دیا' جہاں دل بھی مطمئن تھا اور مانو نظروں کے سامنے بھی رہتی۔"

"تم دل چھوٹا نہ کرو اللہ کی ذات کرم کرے گی۔" اکرام بھائی نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"بس اسی لیے میں یہاں نہیں آنا چاہتی تھی..... بہت شوق تھا آپ کو کہ اپنا گھر ہے..... سکون ہوگا..... دیکھ لیا آپ نے' یہاں آ کر ہمارا سکون ختم ہو گیا ہے' یہ خاندان برادری کے لوگ ہمیں سکھ سے جینے نہیں دیں گے۔" وہ یکدم سامنے آ کر بولنے لگی۔

"تو غلط کیا کہتے ہیں' تم بھی تو یہی ثابت کرنا چاہتی ہو ناں مجھے کہ میں تمہاری تنخواہ پر جی رہی ہوں..... تمہارے بعد میں اور میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔" اسے قطعی امید نہ تھی جواباً بھابی اتنا تلخ جواب دیں گی' وہ جیسے ڈھے گئی کھڑے رہنے کے لیے اسے دیوار کا سہارا لینا پڑا' جبکہ روتی ہوئی بھابی کو اکرام بھائی خاموش کرانے لگے تھے..... اتنا غلط سمجھا تھا بھابی نے اسے۔

وہ کیا کیا سوچ رہی تھی اور بھابی نے لمحے بھر میں اس کی ہستی ہی مٹی میں ملا دی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا..... یقیناً اس کے لیے یہ شاک ہوگا' بھی وہ سہہ نہ پائی اور بیمار پڑ گئی۔"

"میں نے جو کیا اس کی بہتری کے لیے کیا' میں جانتی ہوں اگر میں اس طرح بی ہیو نہ کرتی تو شاید اسے کبھی نہ سمجھا سکتی۔"

"آپ کو یقین ہے بھابی کہ وہ سمجھ گئی ہوگی جبکہ مجھے لگتا ہے وہ مزید نیکٹو ہو کر سوچنے لگے گی۔"

صہیب اندازہ کر سکتا تھا بھابی کے الفاظ کتنی گہرائی اور شدت سے اس نے دل پر لیے ہوں گے وہ برداشت نہ کر پائی اپنی سوچوں سے لڑتے لڑتے تھک گئی اور نتیجتاً بیمار پڑ گئی بارہ گھنٹے اس کا بخار نہ ٹوٹا..... بخار سے نڈھال وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی رہی..... صبح دس بجے کے بعد اسے فرق محسوس ہوا تھا..... سمیرا اس ذات اقدس کا

شکر بجالائیں اور اسے ہلکا پھلکا ناشتہ کرا کے میڈیسن دیں..... رات بھر انہوں نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی تھیں بخار کی شدت کو کم کرنے کے لیے اب کم ہوا تو فوراً دوائیں دے دیں۔

صہیب صبح آفس جانے سے پہلے اس کی طبیعت معلوم کرنے آیا تھا مگر تب تک ویسی ہی تھی اب پھر اس نے کال کی تھی۔

”پہلے سے بہتر ہے پرسکون ہے اب۔“

بھابی کی جان میں جان آئی تھی انہیں لگا اگر وہ کچھ سختی کریں تو شاید مانو ان کی بات سمجھ جائے مگر یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی شدت سے محسوس کرے گی کہ بستر سے ہی لگ جائے گی۔

”پلیز مانو مجھے معاف کردو مجھے اتنے سخت الفاظ نہیں کہنے چاہیے تھے۔ خدا کی قسم ان الفاظ کا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تمہاری بھلائی کے لیے میں نے ایسا کیا۔“ اس کے سرہانے بیٹھی وہ دھیرے دھیرے اس کا سر تھپک رہی تھیں، مانو نے جواباً کچھ نہ کہا مگر اس کے بے آواز آنسو گالوں سے بہہ کر تکیے میں جذب ہورہے تھے۔

”دیکھ مانو یہ خاموشی کی مار نہ مار مجھے پلیز جو بھی کہنا ہے کہہ لے یہ تمہاری چپ میرے لیے زیادہ اذیت ناک ہے۔“ بھابی کے لہجے میں نمی گھل گئی۔

”مجھے پتہ ہے کہ آپ نے جبراً یہ کہا ہے ورنہ آپ کبھی یہ نہیں کہہ سکتی تھیں، آپ کے دل پر رشتہ داروں کے لفظوں کی جو چوٹ لگی ہے بھابی..... وہ ان الفاظ سے کہیں زیادہ درد دینے والی ہے..... مجھے آپ کی بات وقتی طور پر بہت برا لگا تھا مگر میرا رب جانتا ہے بعد میں مجھے احساس ہوا کہ آپ پر کیا بیتی ہوگی جب لوگوں نے آپ کو اتنی تکلیف دینے والی باتیں کہیں..... آپ حق بجانب تھیں کہ مجھ پر غصہ کرتیں..... مگر میں کیا کروں بھابی..... اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں جو کسی صورت بھی آپ کو اور بچوں کو چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔“ اس نے اپنی پیشانی پر دھرا ان کا ہاتھ تھام کر روتے ہوئے کہا تھا..... بھابی نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

”میرا کب دل کرتا ہے تمہیں خود سے جدا کرنے کو..... مگر کیا کیا جائے بیٹا یہ دستور زمانہ ہے..... بیٹی کتنی بھی پیاری ہو مگر اسے عمر بھر پاس نہیں رکھ سکتے ہم..... یہ میرے رب کا حکم ہے اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت..... انہیں بھی تو اپنی بیٹی بے پناہ پیاری تھی، لیکن انہوں نے رب کے حکم سے نکاح کا اہم فرض بخوشی ادا کیا ہے..... اور ہم سب پر بھی فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں، رضا خداوندی ہے میری جان..... ماں باپ کا سب سے اہم فریضہ ہے اچھی تربیت کے بعد اولاد کا نکاح کرنا..... اور تم میری ذمہ داری ہو۔“ وہ پیار سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

”مگر اللہ پاک نے مجبوری میں عورت کو گھر کی کفالت کا حکم دیا ہے..... ہم خوشی سے نہیں کررہے ہیں ناں۔“

”تم میری ذمہ داری ہو جیسے عفان، ایان، ہبہ..... مجھ پر فرض ہے کہ میں تمہاری ہر ضرورت پوری کروں..... اور تمہارے نکاح کا فریضہ ادا کروں..... دیکھو مانو خدانخواستہ ہم اتنے بے بس ولاچار نہیں ہیں کہ اگر تم جاب چھوڑ دو گی تو ہم گزر بسر نہیں کرسکتے..... الحمدللہ ہم بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔“

”آپ تنہا نہیں ہوجائیں گی، بچے بڑے ہوں گے اخراجات بڑھیں گے آپ کیسے کرپائیں گی؟“

”میرا رب ہے ناں..... اخراجات بڑھیں گے تو وہ یقیناً رزق بھی بڑھا دے گا، اس کی ذات سے مایوسی کفر ہے ہمارے لیے وہ ہم سے کہیں بڑھ کر سوچتا ہے، وسیلے بناتا ہے تم دیکھنا وہ یقیناً پہلے ہی ہماری راہیں بنادے گا۔“ مانو انہیں اپنی بات سمجھا نہیں سکتی تھی ان کی سمجھ نہیں رہی تھی۔

”تم اب ریسٹ کرو اچھا۔“ انہوں نے خود ہی بحث ختم کردی اور اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے بولیں مانو نے جھٹ فرماں برداری سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆......☆☆☆

شادی کی تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں بچے بے تاب تھے دھوم دھڑکے کے لیے ہر شام سب مل کر کچھ دیر ڈھولکی کی تھاپ پر گانے بھی گا لیتے تھے مگر چونکہ بابا کو یہ سب زیادہ پسند نہیں تھا سو احتیاط بھی کرتے تھے۔ خود احمر بھی تو اس معاملے میں بابا جیسی ہی سوچ رکھتا تھا اُسے بھی یہ ناچ گانا کچھ زیادہ پسند نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اگر میں نے روک ٹوک کی تو مناہل پھر سے اس کے خلاف محاذ کھول دے گی کیونکہ اسے یہ سب پسند تھا۔ وقت لگے گا مناہل احمد مگر مجھے یقین ہے میں تمہیں اپنی سوچ کے پیرائے میں ڈھال لوں گا...... وہ اپنی ہی سوچ پر مسکرا دیا تھا...... اسے امید تھی کہ اس کی چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں جو کہ احمر کے مزاج کو لے کر ہیں وہ بہت جلد ہی دور کردے گا رہی بات مناہل کو اپنے مزاج کے مطابق بدلنے کی تو دھیرے دھیرے وہ بھی خود سمجھ لے گی اسے کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی...... عورت کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر اس نعمت سے مالا مال کیا ہے کہ وہ وقت اور حالات کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے اس سے وابستہ رشتوں کو کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

"اف...... خیالوں ہی خیالوں میں مسکرایا جارہا ہے بہت اچھا شگون ہے بگ برادر کیا سمجھوں میں؟" طلال کہاں ایسے سنہری مواقع ہاتھ سے نکلنے دیتا تھا۔

"خدارا...... کم از کم تو اپنی قیمتی رائے کو محفوظ رکھنا...... مجھے کچھ نہیں سمجھنا...... اور سننا۔" وہ فوراً حواسوں میں لوٹا تھا۔

"ہم تو خوش فہمیوں میں سفر کرنے لگے تھے۔" اس نے منہ بسورا۔

"میاں تم بائیک پر سفر کرو...... خوش فہمیاں رہنے دو...... یلو جتنا اونچا اڑو گے چوٹ بھی اتنی ہی زیادہ لگے گی۔"

"بے چاری مناہل۔" اس نے انتہائی تاسف سے سر دھنا تھا...... احمر نے زہریلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"بہت مار کھاؤ گے۔" طلال نے فوراً وہاں سے راہ لی باہر آ کر صحن میں سب موج مستی میں مصروف تھے وہ بھی ان میں آ بیٹھا...... عزے کی بات حیدر اور صہیب بھی ان میں شامل تھے...... "کیا ماحول ہے یار میں ایویں اندر بیٹھا اپنا بی پی لو کر رہا تھا۔" اس نے افسوس ظاہر کیا۔

"بابا کے پاس بیٹھے تھے۔"

"نہیں...... جوانی میں ہی ایک بڈھی روح بھی ہے ہمارے گھر۔" اس نے اظہار خیال کیا پھر اس کی نظر مناہل پر پڑی تو اس نے انتہائی مسکین سی صورت بنا کر مناہل کو مخاطب کیا۔

"ہے تو وہ میرا بھائی مگر مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہے ہونے والی بھابی...... تم نے ہمسفر کے حوالے سے کیا کیا سپنے نہ سجائے ہوں گے مگر...... افسوس تمہارے خوابوں کا شہزادہ حقیقت میں ہٹلر ثابت ہوگا۔" بہت ہمدردی سے اس نے مناہل کے سر پر ہاتھ دھرا تھا...... جسے اس نے فوراً جھٹکا تھا...... یقیناً وہ طلال کی بات سے سو فیصد ایگری کرتی اگر خود احمر نے اس سے بات نہ کی ہوتی۔

کبھی کبھی خاموشی فاصلے بڑھا دیتی ہے ان کے درمیان بھی ایسا ہی ہوا تھا مگر اس دن احمر کی سوچ اس کی شخصیت کی خوبیاں مناہل پر اجاگر ہوگئیں تھیں جس نے اس کی غلط فہمیوں کو ختم کردیا تھا...... وہ بہت پرسکون تھی۔ تب ہی طلال کی بکواس پر ہاتھ جھٹک گئی۔

"شٹ اپ...... وہ جیسے بھی ہیں بہت اچھے ہیں اور مجھے اپنی قسمت پر ناز ہے کہ مجھے بہت اچھا ہمسفر ملا اوکے۔"

"ہائیں۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے تو بے چاری زینی سے ہمدردی ہے جسے ہمسفر کے نام پر پورا جوکر ملے گا۔"

"کیا......" ناقابل یقین کنڈیشن تھی طلال کی وہ پاگلوں کی طرح چیخا تھا۔

"زینی خدارا تم کہہ دو اس سے کہ یہ جھوٹ ہے تمہیں دنیا کا ہینڈسم ترین انسان ملا ہے۔"

"ایویں...... مبالغہ آرائی کیوں کروں میں۔" شاید

زینی بھی اسے ستانے کے موڈ میں تھی۔

"چاچو میرے پیارے چاچو...... یہ زمانہ بے وفا ہے مگر مجھے پتہ ہے خون کا رشتہ کبھی کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑتا...... کہہ دو ان خواتین سے کہ یہ جھوٹ ہے...... تمہارے بھتیجے پر ایک دنیا فخر کرتی ہے۔"

"بھیا! میں خواتین سے بحث نہیں کرتا...... پہلے میری تسلی کردو...... یہ دنیا کہاں ہے جسے تم پر فخر ہے۔" طلال صدمے سے اپنے بال نوچنے لگا۔

"یہ دنیا یہ محفل میرے کام کی نہیں......"

"غلط موقعہ کی مناسبت سے یہ سونگ سوٹ نہیں کرتا یار...... یہ والا گاؤ......"

"دشمن نہ کرے دوست نے وہ کام کیا ہے"

"گھامڑ...... گدھے بدتمیز انسان اگر اتنی ہمدردی ہے مجھ سے تو انہیں گواہی دو کہ میں کتنا اچھا انسان ہوں...... الٹا تم میرے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لیے سونگ سلیکٹ کر رہے ہو۔" اس نے بہرام کی گردن پر گھونسوں سے وار کیا۔

"نا بابا نا...... اتنا بڑا جھوٹ بول کر مجھے جہنم میں نہیں جانا...... بندہ اپنی آخرت کے لیے بھی ابھی سے تیاری کرے۔"

"چلو پھر تیاری تو تمہاری مکمل ہوگئی ناں...... تمہیں میں سیدھا جہنم واصل کرتا ہوں۔" اس نے بہرام کی منڈی دبوچ لی تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

"کیسی ہو......؟"

کئی لمحے ان کے مابین صرف خاموشی رہی...... وہ اس کے زرد چہرے کو تکتا رہا اور مانو جانے کن سوچوں کے تانے بانے بن رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"صرف تین دن میں تم نے اپنی حالت دیکھی ہے مانو...... کس قدر کمزور اور زرد ہو رہی ہو۔"

جواباً اس نے صہیب احمد کا چہرہ دیکھا تھا۔

"اس خود اذیتی سے کیا حاصل ہو رہا ہے تمہیں...... الٹا اپنی ذات سے وابستہ لوگوں کو بھی تکلیف میں مبتلا کر رہی ہو تم...... سمیرا بھابی کی طرف دیکھا ہے تم نے...... تمہاری حالت دیکھ کر وہ خود بیمار پڑ گئی ہیں...... پلیز مانو رحم کرو...... خود پر بھی اور ہم پر بھی۔"

"یو نو صہیب احمد مجھے اس خود اذیتی کی عادت بہت پرانی ہے جب میں کسی کی لاپرواہی اور اجنبیت پر کڑھتی تھی کہ جانے کیسے لوگ محبت سے بھرے احساسات سے انجان بنے رہتے ہیں' میرا من کرتا تھا کہ میں بھی اس شخص کو جھنجوڑ کر پوچھوں کیا واقعی تم انجان ہو یا محض مجھے تکلیف دے کر مزہ آتا ہے مگر میں ایسا نہیں کر پاتی تھی اور خود کو اذیت دینے کی عادت ڈال لی۔ بھلا جب عادتیں پختہ ہو جائیں تو ان کا بدلنا ممکن ہے صہیب احمد۔"

وہ جانتا تھا کہ مانو کے دل میں شکوے ابھی بھی پنہاں ہیں اور کبھی کبھی جب وہ بہت زیادہ حساس ہوتی ہے تو ان شکووں کو زبان دے جاتی ہے...... اسے برا نہیں لگتا تھا...... ان گلے شکووں سے اس کی چاہت نمایاں ہوتی تھی جسے اب وہ چھپانے میں مصروف تھی۔

"کہو...... کیسے ازالہ کروں ان کوتاہیوں کا...... وہ دن تو لوٹ نہیں سکتے ماہ نور اشرف...... میں تمہیں وہ وقت نہیں لوٹا سکتا...... مگر اپنی لاپرواہیوں کا ازالہ کر سکتا ہوں...... مجھے ایک موقع تو دو...... میری بے کلی میری بے تابیاں' میری چاہتیں میری شدتیں سب تمہارے اقرار کی منتظر ہیں...... تمہارے من کی شکایتیں' تمہارے تمام دکھ میں خود میں سمیٹنے کو تیار ہوں...... میرا عہد ہے تم سے کہ تم تک آنے والا ہر درد میں اپنی ذات میں سمو لوں گا...... تمہاری ہر خوشی مجھ پر واجب ہے...... تمہاری آنکھوں کے یہ موتی میں چن کر ان آنکھوں میں مسرتوں کے جگنو بھرنا چاہتا ہوں' مانو میں تمہیں پھر سے ویسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں جیسی تم تھیں لیکن میں کیا کروں تم تو ان فاصلوں کو ختم کرنے کو تیار ہی نہیں ہو۔" وہ اس کی نگاہوں میں دیکھتا اپنے دل کی تمام حکائتیں سنا رہا تھا۔

"سچ کہونا ماہ نور..... کیا واقعی تم اس محبت کو بھول سکتی ہو کیا اب تمہیں صہیب احمد کی ذات میں وہ آئیڈیل نہیں ملتا..... جبکہ اب تو میں نے خود کو تمہاری پسند میں بدل لیا ہے..... اب تمہیں مجھ سے گلہ نہیں ہوگا لاپرواہیوں اور بے اعتنائیوں کا..... میں اپنی چاہتوں سے اپنی تمام کج ادائیوں کا ازالہ کردوں گا..... ایک بار یہ ہاتھ تھام کر تو دیکھو مانو۔"

"زندگی اتنی مشکل کیوں ہو جاتی ہے سانس لینا بھی دشوار ہونے لگے..... ہم لوگوں کے خوف سے اپنے فیصلے بدل لیتے ہیں..... کاش ہم خدا کے خوف کو مدنظر رکھیں اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں..... میری خواہش اتنی غلط ہے صہیب احمد کہ میرے باعث میری بھابی کو لوگوں کی باتیں فیس کرنی پڑ رہی ہیں..... کیا میرا فرض نہیں کہ جس طرح انہوں نے مجھے پرورش دی اب ان حالات میں میں بھی ان کا ساتھ دوں اور تم صہیب احمد اگر واقعی تمہیں مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے تو تمہیں تو سب سے زیادہ میرا ساتھ دینا چاہیے..... تم ہی مجھے نہیں سمجھ رہے ہو۔"

"میں عمر بھر تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں مانو مجھے تمہاری خواہش کا احترام ہے اور کیسے یقین دلاؤں تمہیں کہ میں ہر قدم پر تمہارا ساتھ دوں گا بلیومی۔"

اس نے مضبوط ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے یقین دلانا چاہا تھا۔ ماہ نور اشرف نے لحہ بھر اسے دیکھا تھا مگر اس کی آنکھوں میں جذبات کی لو تھی؛ جس کی حدت وہ محسوس کر سکتی تھی تبھی نگاہ چرالی۔

"میں نے اپنے سارے فیصلے اپنے اللہ پر چھوڑ دیے ہیں صہیب احمد وہ میری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اسے نہ وضاحتیں دینی پڑتی ہیں نہ ہی خواہشوں کے لیے لفظوں کے ڈھیر..... وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔" اس نے سہولت سے صہیب احمد کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ آزاد کیے تھے اور بہت مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ گویا وہ اسے اب بھی انتظار کی سولی پر ہی لٹکا گئی تھی۔ صہیب نے بے بسی سے لب بھینچے تھے..... مگر مایوسی نہیں تھی۔

☆☆☆......☆☆☆

گھر میں ابٹن کی رسم اختتام پذیر ہوئی تو اس کے کانوں سے بہت ہلکی سی سرگوشی ٹکرائی تھی۔

"تم سے بات کرنی ہے چھت پر ویٹ کروں گا۔"

دانیہ کا دل دھک سے رہ گیا اللہ جانے اب کون سا نیا امتحان شروع ہونے والا تھا۔ کچھ تو ابٹن کی زردی تھی کچھ حیدر منیب کی سرگوشی نے جیسے اس کے جسم کا سارا خون یکدم نچوڑ لیا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر سرد پڑنے لگے تھے۔ بہت مضبوطی اور ہمت سے اس نے حیدر کے سامنے دعویٰ تو کر لیا تھا کہ وہ مایوس نہیں ہوگی اس کے ہر رویے کو سہہ لے گی مگر اس لمحے جانے کیوں وہ خود سے ہی ہارنے لگی۔ کیا واقعی مجھے عمر بھر یہ رویہ سہنا ہے۔ کسی اور کے دیئے گئے زخموں کا حساب مجھے دینا تھا..... قصور کیا ہے میرا؟

"کیا ہوا؟" اس کے بالکل برابر ابٹن کے دن کے لحاظ سے تیار بیٹھی مناہل نے شاید اس کی حالت بھانپ لی تھی۔ یہاں سے اٹھ کر جانے کے لیے کسی کو اعتماد میں لینا بھی ضروری تھا مگر وہ کہے کیا..... اس نے خالی نگاہوں سے مناہل کو دیکھا۔

"پتہ نہیں مجھے گھٹن محسوس ہو رہی ہے مناہل۔" یہ سچ تھا کہ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا' مناہل نے اس کے ہاتھ تھامے جو انتہائی سرد ہو رہے تھے۔

"اف تم تو ٹھنڈی ہو رہی ہو اور چہرہ دیکھو کیسے سفید ہو رہا ہے۔ میں ماما کو بلاتی ہوں۔"

"نہیں مناہل گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے ابھی تو رسم ختم ہوئی ہے' پلیز وہ پریشان ہو جائیں گی' میں کچھ دیر کے لیے چھت پر جا رہی ہوں تم پلیز انہیں بس اتنا کہنا کہ ریسٹ کر رہی ہے۔"

"تم اندر کمرے میں چلی جاؤ نا مجھے تمہاری فکر ہو رہی ہے۔"

"مجھے اوپر جانا ہے ضروری کام ہے۔"

"حیدر نے کچھ کہا تمہیں۔" وہ یکدم ہراساں سی مناہل کو دیکھنے لگی اسے کیسے پتہ چلا۔

"وہ لحہ بھر تمہارے پاس رکا تھا ناں مجھے لگا شاید......"
"میں تمہیں آ کے بتاتی ہوں' پلیز تم مما کو خود سمجھا دینا۔"
وہ قدرے مطمئن ہوگئی کہ اسے بتانا بھی نہیں پڑا تھا......سب اپنے شور ہنگامے میں مصروف تھے جب وہ بہت احتیاط سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی تھی۔ حیدر منیب احمد روز سے قطعی مختلف حلیے میں وائٹ شلوار قمیص کے ساتھ کلرفل چنری گلے میں ڈالے ہاتھ میں سگریٹ تھامے وہ شاید اسی کا منتظر تھا۔
"کہو اب کیا کہنا ہے؟" حالانکہ نیچے اسی کی حالت غیر ہو رہی تھی مگر اسے سامنے پاکر شاید نسوانیت کا وقار عود کر آیا تھا......وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں مخاطب ہوئی تھی اور وہ جو اپنے ہی خیالوں میں بیٹھا تھا چونک سا گیا۔
"کیوں بلایا ہے مجھے نیچے گھر مہمانوں سے بھرا ہے حیدر......اگر خدانخواستہ کسی کو پتہ چل گیا تو......"
"تو......" انتہائی لاپروا انداز میں اس پر گہری نگاہیں جمائے وہ بولا تھا۔
"تم ڈرتی ہو؟"
"آف کورس حیدر منیب......ہم لوگوں کی نظروں اور باتوں کے جواب کبھی نہیں دے سکتے جو بات کا بتنگڑ بنانے میں ماہر ہوتے ہیں۔"
وہ بہت دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا......ابٹن کے دن کے حوالے سے یلو اور گرین کامبینیشن کا ڈریس ہری پیلی چوڑیوں سے بھری کلائیاں اور تازہ پھولوں کے زیور پہنے وہ معمول سے قطعی مختلف لگ رہی تھی۔ بنا میک اپ کے گندم کی سنہری ڈال سا چہرہ اور کاجل سے سجی سیاہ آنکھیں۔
"اب ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ قدرے نروس ضرور ہوئی تھی' ظاہر تو کرنا نہیں تھا ناں اس کے سامنے۔
"تمہارا پاؤں اب ٹھیک ہے۔"
"حیدر تم نے بس یہ پوچھنا تھا' مجھے اس لیے اوپر بلایا۔ ہاں پہلے سے بہتر ہے۔" اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
"نہیں مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" حیدر کے انداز مختلف تھے آج اس کے لہجے میں سختی تھی' نہ لفظوں میں تلخی کا زہر......بلکہ اسے آج پہلے والا حیدر لگا جو سب سے اسی میٹھے انداز میں بات کیا کرتا تھا۔ جس کا دل بہت نرم تھا۔
"ہم بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں دانیہ احمد ڈونٹ وری اگر کوئی آ بھی جاتا ہے بلیومی میں تم پر بات نہیں آنے دوں گا۔" حیدر نے بہت نرم لہجے میں کہا تھا' دانیہ خاموشی سے چھت پر موجود دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی......
حیدر لحہ بھر کھڑا رہا پھر کرسی اس کے عین سامنے گھسکا کر بیٹھ گیا...... کتنے پل شاید اسے لفظ نہیں ملے کہ کہاں سے بات کا آغاز کرے سو خاموشی سے دانیہ احمد کے مضطرب ہاتھوں کو تکتا رہا......لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں ناں......لاکھ خود کو مضبوط پہاڑ سا بنالیں مگر ان کی پریشانی ان کے اضطراب کی گواہی ان کے ہاتھ پیر ہی دے دیتے ہیں۔
"دانیہ احمد...... مجھے تمہید باندھنی نہیں آتی ہزار وضاحتیں بھی شاید نہ دے پاؤں......ہاں تمہارے دل کی تسلی اور وسوسوں کو دور کرنے کی کوشش ضرور کروں گا...... مجھے تم سے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں اپنے تمام رویے اور لفظوں کے لیے تم سے شرمندہ ہوں...... پلیز آئی ایم سوری......" وہ سدا سے ہی صاف گو تھا......آج بھی اس نے کسی وضاحت کے بنا صاف الفاظ میں معذرت کی اور اپنی غلطی تسلیم کی۔
دانیہ احمد کی حالت ناقابل بیان تھی اس کی حیرت سے پھیلی آنکھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ شاید وہ یقین اور گمان کی کیفیت سے دوچار تھی حیدر اس کی کنڈیشن سمجھ سکتا تھا۔ اسے یقین دلانا اس کا فرض تھا۔ اس نے بہت سوچا تھا اور سوچنے کے بعد ہی وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تمام تر باتوں کو پہلے ہی ختم کر دینا چاہیے تاکہ آنے والی زندگی میں تلخیوں کا شائبہ تک نہ رہے......اس نے بے یقینی کے سمندروں میں غوطہ زن دانیہ کے سرد پڑتے نرم ہاتھ اپنے مضبوط

ہاتھوں میں تھامے تھے۔ ”میں نے بہت زیادتیاں کی تھیں تمہارے ساتھ...... شاید تمہیں تکلیف دے کر میں اپنے دل کے لیے سکون تلاش کرتا تھا مگر میں غلط تھا دانیہ اور مجھے کسی اور کے گناہوں کی سزا تمہیں نہیں دینی چاہیے تھی...... تم ٹھیک تھیں کہ تمام لڑکیاں ایک سی نہیں ہوتیں...... تم بہت اچھی ہو بہت اچھی...... تم اگر چاہتیں تو میری ہر تلخی ہر بات کی شکایت اپنے یا میرے پیرنٹس سے کرسکتی تھیں مگر تم نے ایسا کبھی نہیں کیا' کیونکہ تم بات کو طول دے کر پریشانیاں بڑھانا نہیں چاہتی تھیں' بہت فرق ہے تم میں اور مدحت میں...... غلط میں تھا جو تمہارا موازنہ اس سے کرتا تھا۔“ وہ خاموش ہوا کہ شاید دانیہ کچھ کہے...... کچھ پوچھے مگر اس کے چہرے پر بے آواز آنسو پھیلتے جارہے تھے۔

اسے شاید یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی جلدی بارگاہ الٰہی میں اس کی دعائیں مستجاب ہوگئیں...... اسے اللہ پر کامل یقین تھا کامل یقین تو تھا مگر اتنی جلدی......؟؟

حیدر منیب احمد جو برسوں سے اس کے دل کے سنگھاسن پر پوری آب وتاب سے براجمان تھا مگر جب اسے علم ہوا کہ حیدر کے دل میں کوئی اور ہے تو اس نے صبر کرلیا...... مگر پھر قدرت نے اسے دانیہ کا مقدر بنادیا' لیکن حیدر اسے ادھورا' کسی کی بے وفائی میں سلگتا اپنے آپ سے بھی بیزار...... اپنے اندر کی ساری تلخیاں دانیہ پر نکالتا انتہائی بدگمان بدظن نظر آتا تھا لیکن وہ صابر رہی یہ کم تو نہ تھا کہ وہ اس کا تھا...... کبھی نہ کبھی تو حیدر کو بھی احساس ہو ہی جانا تھا...... وہ اس کے تمام تر رویوں کے لیے خود کو تیار کرتی تمام رسمیں نباہ رہی تھی لیکن اس رب کائنات کو اس پر ترس آ گیا...... وہ مہربان ہوگیا اور اس نے حیدر منیب کا دل پلٹ دیا اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا۔

”فار گاڈ سیک دانیہ رو کر مجھے مزید پشیمان نہ کرو' پہلے ہی میں نے جو رویہ روا رکھا وہ میرے مزاج سے قطعی مختلف تھا اور اب اگر تم یوں روؤ گی تو میرے دل کا بوجھ بڑھ جائے گا پلیز۔“ حیدر نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے گالوں پر بہتے موتی چنے تھے۔

”تمہارے دل میں کوئی گلے شکوے ہیں تو پلیز انہیں کہہ دو۔ میں آج تمام باتیں کلیئر کرنا چاہتا ہوں...... میری خواہش ہے کہ ہم نئی زندگی اور نئے سفر کا آغاز نئے جذبوں کے ساتھ کریں جن میں غلط فہمیاں نہ ہوں' کدورتیں اور شکوے نہ ہوں' آپس میں باہمی اعتماد ہو اور محبت......“ وہ لفظ محبت پر لب بھینچ کر خاموش ہوگیا۔

”دانیہ احمد ہم نے اس رشتے کی بنیاد اعتماد پر قائم کرنی ہے' سو جھوٹ نہیں کہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے...... ہاں امید ہے کہ آنے والے دنوں میں دل مضطرب کو تمہاری عنایات ومحبت سے قرار آجائے اور میں تمہاری محبت میں گرفتار ہو جاؤں لیکن اس کے لیے دانیہ تمہیں مجھے وقت دینا ہوگا...... میرے دل میں کوئی نہیں ہے...... میں نے دل کے تمام نہاں خانوں سے...... اس نام اور محبت کو مٹادیا ہے...... تم آسکتی ہو اس دل میں شرط یہ ہے کہ مجھے برداشت کرنا ہوگا...... میری خامیوں کو سہنا ہوگا...... کمپرومائز کرنا ہوگا' مجھے پتہ ہے کہ میں تم سے بہت ساری توقعات رکھ رہا ہوں لیکن مجھے امید ہے تم میرے اعتماد پر پورا اترو گی۔ ہم ایک دوسرے کے لیے انجان نہیں ہیں بخوبی ایک دوسرے کے مزاج عادتوں پسند ناپسند سے واقف ہیں مجھے یقین ہے ہمیں آنے والی زندگی میں ایک دوسرے کو سمجھنے میں قطعی کوئی دشواری نہیں ہوگی...... دانیہ پلیز میرا ساتھ دوگی ناں میں تمام تر پرانی یادوں کو فراموش کرکے تم تک آنا چاہتا ہوں...... مجھے تمہارا ساتھ درکار ہے' تمہاری توجہ درکار ہے دوگی میرا ساتھ۔“ دانیہ نے دھیرے سے محض سر ہلایا تھا۔

”کوئی شکوہ شکایت نہیں کروگی...... اتنا دل دکھایا تمہارا۔“

”نہیں...... یو نو حیدر...... جب آگے بڑھنا ہے تو ماضی باتوں کو دفنانا ہوگا...... جو بیت گیا میں اس کا تذکرہ بھی نہیں کروں گی...... تمہاری دلی اور ذہنی حالت بہت ابتر تھی' چوٹ ظاہری ہو یا باطنی تکلیف کا احساس دیر تک

رہتا ہے...... تمہارا صرف دل نہیں اعتماد بھی ٹوٹا تھا...... مجھے تمہاری باتیں چند لمحے کے لیے بری ضرور لگتی تھیں مگر میں پرامید تھی آنے والے وقت سے...... اور دیکھو میرے رب نے مجھے مایوس نہیں کیا' کیونکہ میری لگن سچی تھی اور رہی محبت کی بات تو ہم اپنے رشتے کی بنیاد دوستی پر رکھتے ہیں اچھے دوست بن کر زندگی کا آغاز کریں گے...... کامیاب شادی کے لیے اعتماد اور دوستی ناگزیر ہے...... محبت تو ہو ہی جائے گی خود بخود......"

"زینی...... دانیہ احمد" حیدر کے لہجے اور آنکھوں میں شوخی و شرارت پنہاں تھی اسے لگا کہ وہ شاید بے خودی میں کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی تبھی یکدم کنفیوز ہو کر سر جھکا گئی۔

"سچ کہا تم نے' ہم اپنے سفر کو دوستی سے شروع کریں گے...... محبت تو ہو ہی جائے گی۔"

"ان شاء اللہ" دانیہ احمد نے دل میں کہا تھا...... حیدر نے اس کے نازک ہاتھ "ہم آج سے اچھے دوست ہیں" کہہ کر گرمجوشی سے دبا کر چھوڑ دیے تھے...... دانیہ احمد کے لبوں پر آسودہ سی مسکراہٹ تھی۔

ولید گھر میں چاروں طرف پھیلی خوشیوں پر مطمئن تھے مگر انہیں پتہ نہیں کیوں تابندہ بیگم اور صہیب احمد کی مسکراہٹوں میں کھوکھلا پن نظر آتا تھا...... حالانکہ ان دونوں نے کچھ نہیں کہا...... ہر طرح سے وہ سب کی خوشیوں میں خوش تھے اپنی شریک حیات کی ذمہ دار طبیعت سے وہ واقف تھے اور انہیں پتہ تھا صہیب بھی اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے جتنا وہ کہتے آئے ہیں۔

ان کی حیات کو صہیب احمد سے قدرتی لگاؤ تھا...... تمام بچوں کی محبت اپنی جگہ مگر اپنے دیور جس کو انہوں نے بچوں کی طرح پالا تھا اس کی محبت کچھ الگ تھی اور وہ جو دکھ انجانا سا انہیں تابندہ بیگم کی آنکھوں میں دکھائی دیتا تھا وہ نا سمجھ نہ تھے جو جان نہ پاتے۔

سدا سے ان کی خواہش رہی کہ گھر میں سب سے پہلے صہیب کی دلہن آئے اور اب جبکہ انہوں نے اپنی خوشی کے لیے برسوں پرانی خواہش کا اظہار کیا تو وہ اڑ گئے...... سچ تو کہتی ہیں تابندہ بیگم کہ زمانہ بدل گیا ہے ہم لوگوں سے خوفزدہ ہیں تب ہی تو لوگ ہمیں ڈراتے ہیں ورنہ آج کل عیب کیا ہے پھر مانو بھی شاید ٹھیک تھی' کیسے دل مانتا اس کا تنہا بھائی اور بچوں کو یوں چھوڑنے کا۔

آج جب گھر میں مہندی تھی تمام خاندان جمع تھے گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا...... ہر چہرہ مسکرا رہا تھا میوزک کی دھن پر بچے ہلہ گلہ کر رہے تھے' سہاگنیں مہندی کی رسم کر رہی تھیں' ہر طرف خوشیوں کا عالم تھا تو ان کا دل ایک دم اداس ہو گیا...... انہیں اپنی اماں شدت سے یاد آئیں۔ جو ہمہ وقت اپنے آخری دنوں میں بس ایک ہی خواہش کا اظہار کرتی تھیں کہ صہیب کا بیاہ کردو......

آج...... اماں ان سے کتنا ناراض ہوں گی کہ اپنی اولاد کے فرض تو ادا کر رہے ہیں مگر ان کے صہیب کو اس کی خوشیوں کو نظر انداز کر دیا...... ان کے دل کا بوجھ بڑھ گیا...... وہ سوچوں میں بہت زیادہ الجھ گئے تھے۔ اپنا بی پی ہائی کر بیٹھے...... بچوں کو اپنی موج مستی چھوڑ کر ان کی فکر لگ گئی...... صہیب نے ڈاکٹر کو فون کیا...... یکدم ہی سارا گھر ان کے گرد جمع تھا پریشان فکر مند ہراساں لحہ بھر میں سب کے چہروں سے مسکراہٹیں غائب ہو گئی تھیں ان کی فکر میں......!

"میں اب بہتر ہوں بچوں جاؤ جا کر انجوائے کرو۔" انہوں نے مسکرا کر تسلی دی۔ ڈاکٹر نے بھی حوصلہ بڑھایا۔

"بلڈ پریشر اتنا زیادہ ہائی نہیں ہے لگتا ہے کچھ سوچ رہے تھے محترم۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر انہیں مخاطب کیا۔

"ان خوشیوں بھرے لمحوں میں انسان کیا سوچ سکتا ہے ڈاکٹر سوائے اپنے ماں باپ کو یاد کرنے کے جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں ان لمحات میں...... مجھے بھی اماں کا خیال آ گیا تھا۔" سب کے سامنے انہوں نے اعتراف کیا۔

بچوں کو انہوں نے پھر سے کہہ کر باہر بھیج دیا تھا میوزک پھر سے آن ہو گیا تھا...... وہ اب ریلکس تھے۔

"تابندہ اور صہیب تم دونوں سے مجھے بات کرنی ہے۔" سب باہر نکل رہے تھے تب وہ بولے اور صہیب وہیں رک گیا بھابی تو پہلے ہی ان کے پاس بیٹھی تھیں۔

"جی بھیا....." مؤدب انداز میں اس نے کہا۔ انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تم سے کچھ پوچھوں سچ سچ بتاؤ گے۔"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"تم آخر شادی کے لیے کیوں نہیں مانتے۔" ان کے سوال پر وہ بے اختیار بھابی کو دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب تابندہ کو علم ہے۔" وہ نا سمجھ نہ تھے فوراً ہی نظروں کا مفہوم بھانپ گئے۔

"تم بتاؤ تابندہ بیگم یہ کیوں انکاری ہے۔"

وہ شش و پنج میں پڑ گئیں..... آخر جھوٹ بول کر بھی کیا فائدہ۔

"اس بار تو آپ نے انکار کیا ہے..... اس نے تو نہیں انکار کیا....." وہ مجازی خدا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"ضروری تو نہیں ناں بچے ہمارے سامنے بولیں..... بعض باتیں خود سے سمجھنا ہمارا بھی فرض ہے۔ یہ اختر کی طرح ضدی نہیں جواڑ جاتا..... نہ حیدر کی طرح منہ پھٹ..... جس نے سب کے سامنے کھڑے ہو کر عشق کا اعلان کر دیا تھا اگر وہ لاج و شرم کا پاس رکھے ہوئے ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم اس سے قربانیاں مانگ لیں۔" وہ ہر بات واضح کر گئیں کہ انہیں واقعی صہیب اپنے بچوں سے کہیں زیادہ عزیز تھا۔

"تم مانو سے شادی کرنا چاہتے ہو۔" انہوں نے سیدھے الفاظ میں صہیب سے سوال کیا تو وہ سر جھکا گیا کچھ دیر انتظار کر کے انہیں سوال دہرانا پڑا۔

"میاں میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

"جی وہ....."

شاید وہ جھجک رہا تھا۔

"کیا تم صرف اماں اور اپنی بھابی کی خواہش پوری کرنے کے لیے ایسا چاہتے ہو یا تمہاری اپنی دل کی رضامندی بھی شامل ہے۔"

"بھیا..... اماں اور بھابی کی خوشی سے بڑھ کر میرے لیے اور کچھ نہیں ہے مگر مانو میری اپنی خواہش بھی ہے لیکن میں جانتا ہوں ایسا ممکن نہیں ہے اس کی بھی بہت سی مجبوریاں ہیں فرائض ہیں..... جن سے وہ منہ نہیں موڑ سکتی اور ہم اس پر زبردستی کوئی فیصلہ مسلط نہیں کر سکتے۔" زندگی میں پہلی بار وہ بھیا سے اس طرح کی بات کر رہا تھا۔

"لیکن ہم اس کی مجبوریوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کی بات مان بھی تو سکتے ہیں....."

"جی.....؟" شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو مگر بھیا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تو اسے لگا اس کے اطراف شادیانے بج اٹھے ہوں۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں جی۔" تابندہ بیگم کے چہرے پر حقیقی مسرت تھی جسے وہ اتنے دن سے تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر نظر آج آئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو تابندہ بیگم زمانہ بدل رہا ہے ہمیں بھی سوچ بدلنی چاہیے اور مانو کی مجبوری ہے تو ہم اسے منع نہیں کریں گے۔"

"ہمارے دل کو بہت گراں محسوس ہوا آج جیسے ہاتھ سے پڑا کہ اماں کی خواہش پس پشت ڈال کر ہم اپنے بچوں کی خوشیاں منا رہے ہیں۔" اگر میرے بھائی کی خوشی مانو ہے تو ہم آج ہی سمیرا سے کہتے ہیں کہ بچی کی شرط منظور ہے..... وہ بس پرسوں نکاح کی تیاری کرے ہم تینوں بچوں کی خوشیاں اکٹھی منائیں گے۔"

صہیب کا بس چلتا تو وہ یہ بتانے کے لیے ابھی ماہ نور اشرف کے پاس پہنچ جاتا۔

"جاؤ بیٹا تم بھی سب کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔" اس کی بے چینی شاید وہ نوٹ کر چکے تھے..... لحہ بھر میں وہ غائب ہوا تھا۔

"چلیں تابندہ بیگم وقت کم ہے۔"

"ابھی..... آپ کی طبیعت....."

"ٹھیک ہے..... تم عاقب اور منیب کو بلا لاؤ۔"

بھائیوں کے بنا تو وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے تھے تبھی تو ان پر بھائی بھی جان دیتے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

مہندی لگا کے رکھنا ڈولی سجا کے رکھنا
لینے تجھے او گوری آئے گا تیرا سجنا

یہاں شاید مقابلہ چل رہا تھا مگر صہیب احمد کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اس کے وجیہہ چہرے پر خوشیاں جیسے پھوٹ رہی تھیں...... اور شاید خوشی کا خمار تھا کہ اس نے اتنے لوگوں کے بیچ بیٹھی مانو کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا تھا...... میوزک کے شور میں مانو کو اس کی آواز تو سنائی نہ دی مگر وہ اٹھ کر اس کے ہمراہ آ گئی۔

صہیب احمد کے چہرے پر ناقابل بیان تاثرات تھے۔

"خیر ہے کیا ہوا۔"

"میری ریاضتیں میری چاہتیں رنگ لے آئی ہیں ماہ نور اشرف' ہمارے درمیان میں حائل رکاوٹیں ختم ہو گئی ہیں۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو صہیب۔" وہ سمجھی نہیں۔

"مجھے بھیا نے بلایا تھا...... انہیں تمہارے جاب کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے وہ مان گئے ہیں...... بس اب تم نے بھی وعدہ نبھانا ہے۔"

"میں نے تم سے کون سا وعدہ کیا تھا صہیب احمد۔" وہ انجان بنی۔

"تم انجان نہیں بن سکتیں مانو...... میں نے بہت کرب میں یہ دن گزارے ہیں...... تمہارے بنا جینے کا میں تصور نہیں کر سکتا...... مگر میرے دونوں طرف مجبوریوں میں حائل دیواریں تھیں...... نہ تم پیچھے ہٹنے کو تیار تھیں نہ بھیا...... اور اب جبکہ وہ دیواریں زمین بوس ہو گئی ہیں' ہمارے راستے صاف ہیں منزل سامنے ہے تو تم یوں انجان بن کر مکر نہیں سکتیں مانو۔"

وہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا...... مانو نے پل بھر میں اتر تا اس کا چہرہ دیکھا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں صہیب احمد کے میں نے اپنے فیصلے رب پر چھوڑ دیئے ہیں۔"

"میرے رب کی رضا بھی یہی ہے مانو...... تبھی تو اس نے راہ دکھائی ہے۔ بھیا کے دل میں احساس ڈالا ہے۔" کیوں یہ لڑکی اس کے ضبط کا امتحان لے رہی تھی ہزار بار وہ خود کو سمجھاتا...... مگر ہر بار یہ لڑکی اسے پھر سے بکھیر دیتی تھی۔

کتنا خوش تھا وہ...... اور اب...... سمیرا بھابی جو کہ بہت حد تک مایوس ہو چکی تھی ولید بھائی کے آنے پر انہیں لگا ان کا رب ان پر مہربان ہے۔ مانو کی ذمہ داری وہ اب جلد سے اجلد ادا کرنا چاہتی تھیں۔

"مانو جب تک چاہے نوکری کر سکتی ہے ہماری طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی بلکہ جتنا ہو سکا ہم اس کا ساتھ دیں گے...... وہ بہت اچھی سوچ کی حامل ہے سمیرا اور اس زمانے میں اپنوں کے لیے اتنا کوئی کوئی سوچتا ہے۔"

"بس سمیرا تم تیاری کر لو۔" تابندہ بھابی نے تو کہہ دیا مگر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے...... لیکن ان سب سے پہلے ایک بار مانو سے بات کرنا لازم تھا۔

"بھیا میں ایک بار مانو سے بات کرنا چاہتی ہوں میں اس پر اپنا فیصلہ مسلط نہیں کرنا چاہتی جو کچھ بھی ہو اس میں اس کی مرضی اور رضا کا شامل ہونا بھی ضروری ہے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ اس بات پر بھی راضی تھے۔

امتحان تو سمیرا کے لیے تھا...... مانو سے بات کرنا اسے سمجھانا قائل کرنا...... اتنا آسان نہ تھا' جانے اب وہ کیسے ری ایکٹ کرے گی آج ہی تو کچھ بہتر محسوس ہوئی تھی...... اپنی من مرضی سے ولید بھائی کے گھر گئی تھی۔ ورنہ کل سے وہ کئی بار کہہ چکی تھیں کہ مانو کچھ دیر کے لیے کمرے سے نکلو...... تم فریش ہو جاؤ گی جانے تنہا بیٹھے کن کن سوچوں سے الجھتی رہتی ہو۔

وہ اس کے کمرے میں آئیں تو وہ سونے کے لیے

لیٹ چکی تھی۔

"مانو۔ سوگئی ہو۔" بھابی کی آواز پر وہ اٹھ بیٹھی شاید اسے اندازہ تھا کہ وہ کیا بات کرنے اس وقت اس کے کمرے میں موجود تھیں۔

"ام بھی لیٹی تھی بس۔"

"دراصل مانو میں نے تم سے ضروری بات کرنی تھی بچے۔" وہ شاید تمہید باندھ رہی تھیں مانو ان کے چہرے کا اضطراب دیکھ رہی تھی اسے پتہ تھا کہ بھابی کیوں تذبذب کا شکار ہیں کیونکہ انہیں مانو سے اچھی امید نہیں تھی...... وہ پہلے سے ہی مانو کے فیصلے کو جانتی تھیں مگر وہ صرف اس لیے اس کے پاس آئی تھیں کہ وہ مجبور تھیں اپنے فرض کی ادائیگی کے ہاتھوں۔

"جی بھابی......" اس نے فرماں برداری سے کہا۔

"میں نے طے تو یہ ہی کیا تھا مانو کہ میں اب تم سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کروں گی مگر شاید میں ایسا نہیں کرسکتی...... تم میری ذمہ داری ہو تمہاری خوامخواہ کی ضد کے باعث میں تم سے دستبردار نہیں ہوسکتی۔" انہوں نے مانو کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو مانو زندگی ہمیشہ ہماری مرضی کے مطابق نہیں گزرتی بلکہ ہمیں زندگی کی مرضی پر خود کو وقت اور حالات کے سپرد کرنا پڑتا ہے مجھے تمہارے حساس دل کی قدر ہے اور یقین مانو تم نے اپنے بھیا کے بعد جس طرح قدم قدم پر میرا ساتھ دیا یہ میرے لیے بہت اہم ہے نہ صرف خود کو سمیٹا بلکہ مجھے اور بچوں کو بھی بکھرنے نہیں دیا تمہارے اس گھر سے مجھ سے دور ہونے سے سب سے زیادہ فرق میری ذات کو پڑے گا بچے...... لیکن میں عمر بھر تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی یہ دستور زمانہ ہے میرے اللہ اور میرے رسول ﷺ کی اطاعت ہے ماں باپ کو اپنی بچیوں کی فکر سونے نہیں دیتی کہ ان کی بیٹی کو اچھا گھر اچھا بر اور اچھے نصیب حاصل ہوں مجھے بھی یہی درکار ہے تمہارے لیے اور خوش نصیبی سے اچھا گھر اور بر دونوں ہی میسر ہیں اب اگر میں یا تم منع کروگی تو ناشکری ہوگی ہماری...... پہلے تم نے انکار کیا ہم خاموش رہے مگر اب وہ مان رہے ہیں جو تم چاہتی تھیں۔" لمحہ بھر کو وہ سانس لینے کو رکیں۔ "اور مانو...... صہیب احمد تو تمہاری خواہش تھا تمہارے دل کے دریچوں میں اب بھی وہی ہے بس تم نے خود پر پہرے بٹھادیئے ہیں سچ تو یہی ہے تمہیں اب بھی محبت ہے اس سے۔"

"محبت تو روح میں اترنے والا الہامی جذبہ ہے بھلا کیسے میں روح میں بسی محبت کو کھرچ کر نکال سکتی ہوں میں نے کب انکار کیا ہے کہ مجھے صہیب احمد سے محبت نہیں رہی...... وہ آج بھی میرے لیے وہی ہے جو پانچ سال پہلے تھا مگر بھابی حالات بدل گئے ہیں میں بدل گئی ہوں میری سوچ بدل گئی ہے پہلے صہیب احمد میرے لیے پہلی ترجیح تھا لیکن اب آپ اور بچے......" سمیرا جیسے مایوس سی ہوگئی تھیں اس کی باتوں سے...... مزید کیا کہتیں ایک گہری خاموش نظر اس پر ڈال کر اٹھ گئیں۔

"پتہ نہیں مانو...... تم اتنی سخت دل کیسے ہوگئی ہو تمہیں ناں صہیب کی آنکھوں کی التجائیں نظر آتی ہیں نہ اپنی بھابی کے لبوں کی منتیں۔" بس جانے سے پہلے یہ الفاظ کہہ گئیں جس نے اس کے دل کو ایسا بے کل کیا وہ لیٹنا تو دور سکون سے بیٹھ بھی نہیں پارہی تھی۔

اس کی نظر سے نہ صہیب احمد کی بے قراریاں پوشیدہ نہ تھیں بھابی کی التجائیں وہ بس جان بوجھ کر نظر انداز کررہی تھی یہ حقیقت تھی پھر اسے بھابی کے لبوں سے ادا ہوا یہ سچ بے کل کیوں کرگیا' گھنٹے بھر اپنے کمرے میں ٹہل کر بھی سکون نہ آیا تو وہ بے کل سی باہر نکل آئی...... آسمان پر چمکتے چاند کی چاندنی نے صحن کو منور کررکھا تھا' کبھی یہ چاندنی راتیں کتنی بھاتی تھیں اسے...... سردیوں کا موسم ہمیشہ اس کا پسندیدہ رہا تھا بڑی موجیں ہوتی ہیں سردیوں میں اور وہ کرتی بھی تھی...... صہیب احمد کے ہزاروں بہانے تراشنے کے باوجود وہ ان یخ بستہ چاندنی راتوں میں روز ہی فرمائش پوری کراتی تھی' کبھی آئسکریم' کبھی مونگ پھلیاں' اف گرما گرم کافی اور مونگ پھلیاں اوپر سے اتنی ٹھنڈ میں شعلے برساتی صہیب احمد کی نگاہیں' جیسے سردیوں

سے ازلی بیر تھا' جتنا وہ چڑتا تھا مانو اتنا ہی ستاتی تھی۔

"محترمہ میں خود آئس کریم بن رہا ہوں خدارا جلدی چلو۔" دسمبر کے مہینے میں سڑک کے کنارے چلتے آئس کریم کھانا اور صہیب احمد کا کڑھنا...... وہ بیچارہ ڈبل سوئٹر پہنے' کانوں پر مفلر لپیٹے' سینے پر بازو ایسے لپیٹے چل رہا ہوتا جیسے ڈر کے مارے بچے ماں سے لپٹ جاتے ہیں۔

بے اختیار اس کے لب مسکرا اٹھے' کتنی سنہری یادیں تھیں' جنہیں یاد کرکے اس کی تھکن کم ہوگئی تھی۔

صہیب احمد شروع سے واک کرنے کا عادی تھا لیکن سردیوں میں ٹال مٹول کرجاتا تب مانو اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی چھت پر لے آتی...... بس چالیس قدم چلتے ہیں صہیب احمد" وہ چالیس قدم کہہ کر اسے چار سو قدم چھت پر ٹہلاتی اور وہ ٹھنڈ کے مارے چھینکنے لگتا' یکدم ہی اس کی نگاہ چھت کی طرف اٹھی تھی۔ کبھی ان چھتوں پر زندگیاں بستی تھیں خاص کر اتوار کو...... اسے خود علم نہ ہوا وہ قدم اٹھاتی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

ہر اتوار کو ان دونوں چھتوں پر خوب دھما چوکڑی مچتی تھی کالج اور یونی ورسٹی کی چھٹی ہوتی تو صہیب بقول اماں بی کے دھاگوں سے سویرے ہی الجھنے لگتا احمر اور حیدر اس کے پکے والے چچے بچپن سے ہی تھے...... ان تینوں کی گہری دوستی تھی جو آج بھی یوں ہی قائم تھی اس نے اندازہ لگایا' احمر صرف آرام کرتا تھا کتاب ہاتھ میں تھامے کبھی لیٹ کر کبھی بیٹھ کر ریڈنگ کرتا...... حیدر کو شروع سے موبائلز کا شوق تھا...... پھر ضد کرکے اس نے لیپ ٹاپ لے لیا تھا' اتوار کا پورا دن وہ سوشل میڈیا کے فرینڈز کے ساتھ گزار تھا' بہرام ہادی طلال منال عاشی دانیہ اور وہ...... خوب مستی کرتے ان تینوں کو چھیڑنا تنگ کرنا ان کی ہابی تھی۔

وہ یادوں میں کھوئی کھوئی منڈیر کی دیوار تک آ گئی' یہاں سے اکثر صہیب احمد کو پتنگ اڑاتا دیکھ کر خوب ستاتی تھی پھر اس کی ڈانٹ سنتی کبھی جھنجلا کر وہ اس کے سنہرے بالوں کو مٹھیوں میں بری طرح جکڑ لیتا' وہ چیخنے لگتی تو اماں کے ڈر سے چھوڑ دیتا اور چھت سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر پتھر اٹھاتی' اسے کھینچ کر مارتی اور نیچے بھاگ جاتی تھی۔

"آہ۔" وہ دن جب زندگی پھولوں کی مانند کھلتی ہوئی سمندر کی موجوں کی طرح اٹکھیلیاں کرتی' پرندوں کی چہچہاتی اور چاندنی راتوں کی طرح روشن ہوا کرتی تھی اور اب...... گھور اندھیری' ساکن ٹھہرے پانی کی مانند' خزاں کے پتوں کی مانند ٹہنی پر لرزتے ہوئے گویا ابھی ہوا کے جھونکے سے نیچے آ گریں۔ وہ دیوار پر ٹھوڑی ٹکائے نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"یادیں تمام عمر انسان کا پیچھا کرتی رہتی ہیں مانو...... زندگی کو یادوں کے سہارے نہیں گزارا جاتا...... پانچ سال سے میں بھی انہی یادوں میں زندہ ہوں جو تم میرے آس پاس چھوڑ گئی تھیں۔ تمہیں یاد ہے تم آخری بار مجھے ملنے یہیں آئی تھیں اسی منڈیر پر تم اسی طرح ٹھوڑی ٹکائے مجھ سے مخاطب تھیں میں آج تک اس آخری ملاقات میں سفر کررہا ہوں...... یہیں کھڑا ہوں' اسی امید پر کہ تم ضرور لوٹوں گی' اور میں تمہاری وہ ساری شکایتیں دور کردوں گا' میری لاپروائی کا قلق تمہیں سدا رہتا تھا نا' مجھے اب دسمبر کی یخ بستہ راتوں میں بھی ٹھنڈ نہیں لگتی مانو...... دسمبر کے یہ اذیت ناک دن میں رات کے اس پہر چھت پر گزارتا ہوں' کیونکہ تم مجھے انہی دنوں چھوڑ کر گئی تھیں۔"

صہیب احمد کی آواز پر چونکی تھی' وہ بھی اس وقت یہاں چھت پر موجود تھا...... وہ جو دسمبر کے ان دنوں میں صحن میں کسی کام سے آتا ہوتو کمبل لپیٹ کر آتا تھا' اسے سردی بہت لگتی تھی اور آج وہ بنا گرم کپڑوں کے یخ ٹھنڈی رات میں کھڑا تھا۔

"کتنے سنہرے دن تھے ناں وہ صہیب احمد بیت گئے اور جاتے جاتے ہم سے وہ مسکراہٹیں وہ قہقہے وہ بے فکری بھی لے گئے۔" وہ اب تک یادوں کے زیر اثر تھی۔

"لے کر کچھ نہیں گئے' ہمیں سبق دے گئے ہیں ماہ نور اشرف زندگی گزارنے کا طریقہ...... بتا کر گئے ہیں کہ زندگی میں صرف مسکراہٹیں نہیں ہوتیں...... زندگی صرف

بہاروں کا موسم نہیں ہے۔ جس طرح سال بھر پڑھائی کے بعد ایگزام دینے کی فکر اور پھر رزلٹ کی خوشی ہوتی ہے...... اسی طرح عمر رواں میں دکھ امتحان بن کر آتے ہیں ہماری آزمائش کے لیے...... اور جو امتحانات کامیابی سے پاس کرلیتا ہے اس کے لیے پھر یہ زندگی...... مسکراہٹیں اور خوشیوں کی بانہیں پھیلا کر استقبال کرتی ہے، مانو ہم نے وہ دور گزارا جس میں صرف پڑھائی تھی، پھر امتحان شروع ہوئے ہم نے پوری کوشش کی کہ ہم ہاریں نہیں، بہت سے طوفان آئے اونچی اونچی موجوں نے ڈبونا بھی چاہا مگر ہم ڈٹے رہے اور ان موجوں کو چیر کر آگے بڑھتے گئے اور آج ہم زندگی کے پھر نئے دور پر کھڑے منتظر ہیں رزلٹ کے 'کامیابی کے......"

"میرے امتحان ابھی ختم نہیں ہوئے صہیب احمد...... ابھی تو جاری ہیں...... ادھورے امتحان کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔" گہری سنجیدگی تھی اس کے خوب صورت چہرے پر۔

"زندگی کے امتحان میں کبھی کبھی ایسا موڑ بھی آتا ہے مانو جب ہمیں لگتا ہے کہ ہم اکیلے پڑ گئے ہیں تب ہمیں اپنے اردگرد پھیلے محبت بھرے ہاتھوں کو تھام لینا چاہیے...... یقیناً اس میں بھی کامیابی چھپی ہوتی ہے، جب کوئی آپ کے حصے کے تمام دکھ...... تمام امتحان اور پریشانیاں سمیٹنے کو تیار ہو تو ہمیں ایک بار اس پر اعتبار ضرور کرنا چاہیے۔ میں بندہ بشر ہوں، بہت سی خامیاں میری ذات میں پنہاں ہیں جو میرے انسان ہونے کی گواہ ہیں، میں دعویٰ نہیں کرتا...... مگر تم سے وعدہ کرسکتا ہوں کہ زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے لبوں کی مسکراہٹ قائم رکھنے کی کوشش کروں گا تمہارے سارے دکھ اپنے اندر سمو لوں گا تمہاری تمام تر ذمہ داریوں میں قدم بہ قدم تمہارے ساتھ چلوں گا...... بس ایک بار یہ ہاتھ تھام لو...... میری اذیتوں کو مٹا کر میری بے کلی کو قرار دے دو...... پلیز مانو......"

یہی تو...... وہ سننا چاہتی تھی صہیب احمد کے لبوں سے...... یہی بے قراریاں دیکھنا خواہش تھی اس کی، جس قدر وہ مرتی تھی، صہیب احمد کو بھی اپنا اتنا ہی دیوانہ دیکھنا چاہتی تھی۔

اور آج خوابناک منظر اس کے سامنے تھا وہ اپنی تمام بے قراریوں سمیت ہاتھ بڑھائے اس کی ہاں کا منتظر تھا۔ کہ کب وہ مسکرا کر اس کا ہاتھ تھامے گی۔

چاندنی رات کے اس فسوں خیز لمحوں میں اس کی آنکھوں میں موتیوں کی مانند آنسو چمکنے لگے تھے۔

"بس یہی آنسو تو سمیٹنا چاہتا ہوں ماہ نور اشرف...... خدارا مجھے یہ حق سونپ دو کہ میں تمہارے یہ قیمتی موتی چن سکوں۔" خوابناک لہجہ...... خوب صورت منظر رات کے اس پہر جیسے وہ سپنوں کی وادیوں میں سفر کرنے لگی تھی۔ مگر پھر چونکی۔

"تم میرا ساتھ دو گے ناں...... بدل تو نہیں جاؤ گے...... میرے سامنے میرے فرائض ہیں میرے بھیا کی نشانیاں جنہیں......"

"وعدہ رہا ماہ نور اشرف کبھی خود کو تنہا نہیں پاؤ گی۔"

اس نے ہولے سے انگلی کی پور پر آنکھوں سے بہتا موتی سمیٹا۔

"یہ میری دعاؤں کا ثمر ہے صہیب احمد...... کہ تمہارے دل میں محبت کے چراغ روشن ہوئے۔"

"تو انکار کسے ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"مبارکاں...... مبارکاں......"

یکدم پوری چھت گونج اٹھی تھی...... سارے کے سارے نوجوان جانے کب سے سیڑھیوں پر کھڑے ان کی باتیں سن رہے تھے یکدم ہی اوپر آ کے چیخے تھے۔

"واہ یار چاچو...... مجھے تو آج آپ کے اس ٹیلنٹ کا علم ہوا ہے...... کیا رومینٹک انسان ہیں آپ تو...... کیا خوابناک لہجہ تھا، لفظوں کی کیا جادوگری تھی...... واہ یار...... کیا لفظ تھے یار بہرام وہ...... ہاں"

"بس یہی آنسو تو سمیٹنا چاہتا ہوں خدارا مجھے یہ حق سونپ دو کہ میں تمہارے یہ قیمتی موتی چن سکوں...... اف یار قیامت کے ڈائیلاگ تھے" طلال جب بکواس کرنے پر آتا تو فل اسٹاپ کو نے سب کچھ بھول کر بس اسٹارٹ

ہوجاتا تھا کہ اگلا بندہ پانی پانی ہوجائے جیسے اس لمحے صہیب اور مانو ہوئے تھے۔

"انتہائی خبیث انسان ہو تم اور یقیناً یہ گھٹیا آئیڈیا بھی تمہارا ہوگا' کسی کی پرائیوسی میں دخل اندازی کرنا۔"

"یار صہیب...... ہم تو تمہاری خوشیاں بانٹنے آئے تھے بلکہ ڈبل کرنے آئے تھے' یہ آخری شب یادگار بنا کر نئی صبح کے استقبال کی تیاری کرنے آئے تھے اور تم برا منا گئے۔" حیدر نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"تھینک یو سو مچ مانو...... تم نے ہماری خوشیاں دوبالا کردیں اپنے اقرار سے...... ورنہ بلیومی صہیب کی اتری صورت دیکھ کر کئی بار دل چاہا کہ میں شادی سے بائیکاٹ کردوں...... مگر پھر سوچا کہ قتل ہونے سے بہتر ہے صہیب کی رونی صورت برداشت کرلوں...... بابا نے ورنہ مجھے کھڑے کھڑے فائر مار دینا تھا۔" حیدر نے مخصوص انداز میں مانو کو تھینکس کہا تھا۔

"تمہارے کرتوت ہی کچھ ایسے رہے ہیں ماضی قریب میں کہ ان کا فائر مارنا حق بجانب تھا۔" خاموش کھڑے احمر نے اس کے بخیے ادھیڑے تھے...... جواباً حیدر نے اسے گھورا۔

"چھوڑوں نا یار...... خوشی کے موقعوں پر ایسے نہیں گھورتے۔" حیدر کے کندھے تھپکتا وہ صہیب کے گلے لگا تھا۔

"بلیومی صہیب احمد' مسرت وانبساط کا احساس ہو رہا ہے' تمہاری خوشیوں کے ساتھ ہماری خوشیاں جڑی تھیں...... قسم سے آج دل مکمل خوش ہے...... اللہ پاک تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" اس نے دل سے دعائیں دی تھیں۔ وہ ان سب کا بے حد مشکور تھا۔

"بائی دے وے تم لوگوں کو کیسے پتہ چلا......"

"مناہل روز کی طرح تمہیں کافی دینے آئی تو اس نے دیکھ لیا اور پھر اس نے ہم سب کو بتایا ہم نے مل کر پلان بنالیا۔"

"کانگریچولیشن بوتھ آف یو چاچو۔" پھولوں کا بڑا سا بوکیٹ مناہل نے اسے تھمایا تھا۔ اس نے محبت سے اسے خود سے لگالیا۔

"تھینک یو سو مچ بھتیجی۔"

"اچھا اب نیچے چلیں...... جہاں سب بڑے بھی منتظر ہیں کہ کب ان سے یہ خوشی کی خبر شیئر کی جائے۔"

"کیا......" وہ دونوں ہی ہکا بکا رہ گئے۔

"جی جناب سب بے صبری سے منتظر ہیں۔"

"ہونے والی بلکہ تقریباً ہوچکی چاچی...... دیوار کے اس طرف آجائیں...... اب یہ دیواریں گرانے کا وقت آچکا ہے۔ چلیں نیچے۔"

طلال نے مانو کو مخاطب کیا' اس منڈیر کو پھلانگنے کی تو برسوں پرانی عادت تھی سو لمحہ بھر میں وہ ان کی طرف تھی۔ عاشی مناہل اور ردانیہ فوراً اس سے لپٹ گئیں۔

"بہت شکریہ جناب۔ مگر تم نے ہمارے چاچو کو بہت تڑپایا ہے۔"

"ڈونٹ وری عمر پڑی ہے اس تڑپ کا بدلہ لینے کے لیے...... کیوں چاچو۔" طلال نے شوخی سے آنکھ مارتے ہوئے کہا تھا صہیب نے اس کی کمر پر گھونسا رسید کیا تھا۔

وہ سب نیچے اترے تو واقعی سب صحن میں ان کے منتظر تھے بڑے بھیا سمیت...... صہیب کے لیے یہ پل اتنے خوب صورت اور خوشگوار تھے کہ مسرتوں کے احساس سے دل بھر آیا جسے اس نے بہت ہمت سے ضبط کیا تھا۔

بھیا نے اسے گلے لگا کر ماتھا چوما تھا۔ اور مانو کو بھی خود سے لگالیا۔ خوشیاں واقعی بچوں کی ہنسی میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ آج کل کے بچوں کو بھی اگر ہم پوری توجہ دیں ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا احترام کریں تو وہ کبھی ہماری نافرمانی نہیں کریں گے...... دور کتنا بھی جدید ہوجائے۔ آپ کی محبت آپ کی توجہ بچوں کو آپ سے کبھی دور نہیں کرسکتا۔

فضا میں یکدم پٹاخوں کی آوازیں گونجی تھیں۔ آسمان رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگانے لگا۔

ختم شد

قسط نمبر 4

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

چودھری حشمت عیشال جہانگیر کو اپنی عدالت میں بلا لیتے ہیں، جبکہ گھر کی باقی خواتین بھی ان کے حکم پر شش و پنج کی کیفیت میں ان کے سامنے بیٹھی ہوتی ہیں چودھری حشمت اس کے مغربی پہناوے کو اعتراض کا نشانہ بناتے حویلی کی خواتین سے اس غفلت کی وجہ دریافت کرتے ہیں جس پر عیشال جہانگیر انہیں اپنی دوست کی مدد سے یہ ملبوسات حاصل کرنے کا بتاتی ہے تب چودھری حشمت سب کو جانے کا کہہ کر زمرد بیگم کو روک لیتے ہیں ان سے عیشال کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

دوسری طرف ماورا اور انوشا مال میں چودھری جہانگیر کو دیکھ کر الجھتی گھر آ کر منزہ سے یحیٰی کی تصویر دکھانے کی بات کرتی منزہ کو چونکا جاتی ہیں منزہ ان دونوں سے وجہ دریافت کرتی ہے جس پہ ماورا اسے مال میں چودھری جہانگیر کا بتاتی اس کی شباہت یحیٰی سے بتاتی اسے حیران کر جاتی ہے منزہ یحیٰی کے مرنے کا بتا کر انہیں اس موضوع کو ختم کرنے کا کہتی ہے، لیکن دونوں تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیٹ پر چودھری جہانگیر کو سرچ کرتی ہیں لیکن ایک تصویر پر ماورا چونک جاتی ہے تب ہی انوشا اسے انٹری ٹیسٹ کے نمبر چیک کرنے کا کہتی اس کی توجہ تصویر سے ہٹا جاتی ہے۔

شنائیہ ناشتہ کی ٹیبل پر سب کو سفر کی روداد سناتی حیران کر جاتی ہے تب ہی چودھری بخت اسے اس حرکت پر شاہ زر شمعون کے سامنے سرزنش کر جاتے ہیں وقتی طور پر شنائیہ چودھری بخت سے معذرت کرتی کمرے میں آ کر ماہم کو پوری تفصیل سے سفر کا احوال سناتی ہے شاہ زر شمعون چودھری جہانگیر سے فون پر رابطہ کرتا ان سے ملنے چلا جاتا ہے۔

ایشان جاہ اپنے دوستوں کے ساتھ انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ دیکھ کر مایوس ہو جاتا ہے سب اسے حوصلہ دیتے ہوئے اپنے گھر کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں تب ہی شاہ زر شمعون کی آمد ہوتی ہے۔ شاہ زر شمعون ایشان جاہ کے ساتھ کھڑی انشراح کو دیکھ کر چونک جاتا ہے۔

انشراح کا لباس اسے مہذب نہیں لگ رہا ہوتا ہے انشراح ایشان جاہ کی خالہ زاد کزن ہوتی ہے۔

چودھری حشمت زمرد بیگم سے عیشال کی شادی کی بات کرتے انہیں حیران کر جاتے ہیں تب ہی زمرد بیگم عیشال جہانگیر کی تعلیم کی بات کرتی ہے چودھری حشمت زمرد بیگم کو اپنا وقت یاد دلاتے عیشال جہانگیر کی بات طے ہونے کی نوید سناتے ششدر کر جاتے ہیں۔

چودھری جہانگیر شہری زندگی میں مصروف ہو کر اپنی بیٹی عیشال جہانگیر کو بالکل فراموش کر گئے ہوتے ہیں شاہ زر شمعون چودھری جہانگیر سے مل کر شدت سے محسوس کرتا ہے شاہ زر شمعون چودھری حشمت کی خواہش پر چودھری جہانگیر کے گھر آیا ہوتا ہے مگر اب اس کا دل یہاں نہیں لگ رہا ہوتا ہے تب ہی معذرت کرتا وہ چودھری بخت کے گھر واپس آ جاتا ہے۔

چودھری حشمت حویلی سے شہر جانے کے لیے نکلتے ہیں کہ اچانک راستے میں شاہ زر شمعون کی کال آ جاتی ہے سمہان آفندی کال ریسیو کرتا اس کا حال دریافت کرتا ہے کہ عین اسی وقت ان کی گاڑی پر حملہ ہو جاتا ہے دوسری طرف شاہ زر

شمعون گولیوں کی آواز واضح سن رہا ہوتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❖......☆......❖

”سمہان!“
عیشال جہانگیر کی دلدوز چیخ نکلی تھی۔ وہ ایک دم سے لڑکھڑا کر منڈیر کو تھام گئی تھی۔
سمہان آفندی نظر سے اوجھل ہوا تو وہ بھی چھت پر آ گئی تھی۔ سمہان آفندی کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو اس کی نظر میں آ گئی۔ ایک ہی طویل راستہ تھا' جو حویلی سے مین روڈ کو جاتا تھا اور چھت سے تادیر گزرتی ہوئی گاڑی نظر آتی تھی گو کہ علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا' چاند کی ناکافی روشنی میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ سوائے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کے جس کی تیز روشنی راستے کو واضح کر رہی تھی۔
وہ منڈیر پہ کہنی ٹکائے اس کی گاڑی کو اداسی سے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ حویلی میں رہتا تو لڑ بھڑ کر وہ خود کو بہلائے رکھتی تھی ورنہ تو حویلی کے بڑے بڑے دالان' باغ اور بھول بھلیوں جیسے کمرے اسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے۔ جانے وہ کب لوٹتا ابھی وہ ان سوچوں میں غلطاں تھی کہ اچانک گھات لگائے دو جیپ نمودار ہوتے ہی جس طرح آگ کے شعلے اگلنے لگیں اور جیپ قریب آنے کے بعد جس طرح اس میں سے ایک کے بعد کئی لوگ سمہان آفندی کی گاڑی کی ونڈ اسکرین پہ گولیاں چلانے لگے عیشال جہانگیر کی دنیا جیسے ڈولنے لگی۔
”سمہان!“ بے بسی سے دل پکڑ کر پوری قوت سے چلاتی وہ تیزی سے نیچے کی سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھی۔
”دی جان! تایا جان' چچا جان!“
وہ دیوانوں کی طرح چیختی آ رہی تھی رنگ فق ہو چکا تھا' گولیوں کی آواز سے جس طرح حویلی کے در و دیوار گونجنے لگے تھے اس سے پہلے ہی حویلی میں سراسیمگی سی پھیل گئی تھی۔ خواتین جو روزمرہ کے معمولات انجام دے رہی تھیں سب چھوڑ چھاڑ دہل کر ایک دوسرے کے قریب ہال میں جمع ہو گئی تھیں۔
”الٰہی خیر!“ زمرد بیگم کی تسبیح تیزی سے دانے گرانے لگی۔
”اسفند!“ فریال اونچی آواز سے چودھری اسفند کو آواز دیتی زمرد بیگم کے قریب آ گئیں۔
”اماں! سمہان نکلا ہے بابا جان کو لے کر۔“ ان کا دل پھڑ پھڑانے لگا تھا۔
”اللہ! شاہ بھی نہیں ہے اس وقت حویلی میں۔“ فائزہ کو بھی ہول اٹھنے لگے انہیں اپنے نڈر بیٹے کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔
چودھری اسفند اتفاق سے حویلی میں ہی مقیم تھے۔ چودھری فیروز بھی تیزی سے ریوالور اڑستے اپنے کمرے سے نکلے تھے۔ حویلی کی حفاظت پہ مامور ہٹے کٹے شوٹر جست لگا کر جیپ میں سوار ہو رہے تھے۔
”دی جان!......وہ......سمہان کی گاڑی پہ فائر کر رہے ہیں وہ لوگ......“
اسی لمحے گرتی پڑتی عیشال جہانگیر ان کے بیچ آئی تھی۔ حواس باختہ تھے چہرے کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے پیروں تلے آئے دوپٹے سے الجھ کر منہ کے بل گرتی......عدنان نے آگے بڑھ کر اسے تیزی سے سنبھالا تھا۔
”اللہ رحم!“ فریال دل پکڑ کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھیں۔ عیشال جہانگیر نے ان کے وہم کی تصدیق کر دی تھی۔ سمہان آفندی کی گاڑی نکلنے کے چند منٹ بعد ہی فائرنگ کی شدید آواز سن کر ان کا دل پہلے ہی بیٹھا جا رہا تھا۔
فائزہ نے آگے بڑھ کر فریال کو سنبھالا تھا۔ ساری لڑکیاں تیزی سے دعائیں پڑھنے لگی تھیں۔ ملازمین بھی بھاگے چلے آئے تھے۔

''اسفند! باباجان اور میرا سمہان!''

چودھری اسفند تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے تو فریال کی ممتا نے جیسے دہائی دینا شروع کردی۔ پسٹل لہراتے چودھری اسفند ایک نظر بیوی پہ ڈال کر تیزی سے باہر جا چکے تھے۔ وہ پیشے سے آرکیٹیکٹ تھے مگر انگلیاں گولی چلانا نہیں بھولی تھیں۔ ایک جیپ پہلے ہی نکل چکی تھی۔

چودھری فیروز کے بعد چودھری اسفند کے بیٹھتے ہی جیپ حویلی کا گیٹ عبور کرگئی تھی۔ شاذمہ اور زرش چھت کو جاتی سیڑھیوں کی طرف بھاگی تھیں۔ زمرد بیگم کے چہرے پہ سفیدی پھیل گئی تھی۔ فریال آنسو بہا رہی تھی۔ اس کے حواس جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

''اللہ رحم...... رحم اللہ...... !فریال کو کندھے سے لگا کر تھپکتے ہوئے فائزہ رب العزت کو پکار رہی تھیں۔

❖......☆......❖

شاہ زرشمعون فون کان سے لگائے چیختا ہوا کمرے کا دروازہ کھول کر چودھری بخت کی طرف جانے لگا تھا' لیکن اس کی غیر متوقع چیخ سن کر سب دروازے خود ہی کھلنے لگے تھے' پیچھے دیا' شنائیہ چودھری اور ماہم بھی تھیں۔

''کیا ہوا شاہ' کیوں چیخ رہے ہو؟'' چودھری بخت تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے وہ سیل فون کان سے لگائے جس طرح داجان اور سمہان آفندی کا نام لے کر چیخ رہا تھا' چودھری بخت پریشان نظر آنے لگے تھے۔

''سب خیریت ہے؟''

شنائیہ چودھری اور باقی سب شاہ زرشمعون پہ نظریں جمائے متفکر نظر آرہے تھے۔

''سمہان اور داجان پہ کسی نے حملہ کردیا...... سمہان مجھ سے بات کررہا تھا حملے سے پہلے' لیکن اب دوسری طرف خاموشی ہے۔''

وہ بے چینی سے لب کچلتا اب بھی سیل فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے اس کی انگلیاں مٹھی کی صورت بھینچ رہی تھیں۔

''لیکن کس نے...... کیوں......؟'' چودھری بخت بھی شاکڈ رہ گئے۔

''اگلے ہی پل انہوں نے چودھری فیروز کا نمبر ملایا تھا مگر وہ فون ریسیو نہیں کررہے تھے۔

''یقیناً حویلی میں اس وقت سب پریشان ہوں گے' کس کے پاس اتنا وقت ہوگا کہ وہ فون ریسیو کرکے حملے کی تفصیلات بتائے۔'' دیا نے جیسے سمجھانا چاہا' شاہ زرشمعون اسی لیے کال کاٹ کر کسی کو کال نہیں کررہا تھا کہ موقع پہ آتی آوازیں بھی اس کے لیے اہم تھیں۔

''کوئی فون نہیں اٹھا رہا' اسفند کے نمبر پہ بھی رسپانس نہیں ہے۔ حویلی میں صرف خواتین ہی ہوں گی...... جانے انہیں خبر ہے بھی یا نہیں...... اطلاع دی تو وہ سب پریشان ہوجائیں گی۔''

چودھری بخت پریشانی سے گویا تھے۔ شاہ زرشمعون کے سیل فون کے اسپیکر سے آتی گولیوں کی گھن گرج سے سب ہی سراسیمہ ہوگئے تھے۔

''اللہ ان کی حفاظت فرمائے گا۔ میں نفل پڑھنے جارہی ہوں۔'' دیا فوراً جائے نماز کے لیے متلاشی نظریں دوڑانے لگی تھیں۔

''چچا جان! مجھے ابھی اور اسی وقت نکلنا ہے' میری فلائیٹ کروائیں جلد سے جلد۔''

شاہ زرشمعون کے اعصاب پہ بہت بھاری تھا کہ وہ فون پہ اپنوں پہ چلتی گولیوں کی گھن گرج سنتا...... اپنی بے بسی پہ وہ لب کچلتا مٹھی بھینچتا رہا۔

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' چودھری بخت تیزی سے آن لائن بکنگ کے لیے کال کر چکے تھے۔ شاہ زرشمعون کو بھوکے شیر کی طرح دائیں بائیں فون کان سے لگائے ٹہلتے دیکھ کر دونوں ہی چودھری حشمت اور سمہان آفندی پہ چلتی گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے سکتے میں آ گئی تھیں چودھری بخت آن لائن ٹکٹ بک کروا رہے تھے اور شاہ زرشمعون کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر وہاں پہنچ کر جائے۔

☆
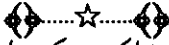
سمہان آفندی کو چند سیکنڈز لگے تھے ساری صورتحال کو بھانپ کر مقابل کا وار سمجھنے میں۔

''داجان! آپ گھبرایئے گا نہیں۔'' تحیر زدہ چودھری حشمت کی گردن کے گرد سے اپنا بازو ہٹا کر دوسرے ہاتھ میں بھی پسٹل منتقل کر کے دونوں پسٹل والے ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھ کر اس نے گاڑی کی رفتار انتہائی حد تک بڑھادی تھی۔ اب وہ سیدھ کی بجائے سرکل میں گاڑی چلا کر حملہ آوروں کو ڈاج دے رہا تھا مگر حملہ آور بھی آج انہیں ختم کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ تب ہی دو تین بندے جیپ سے کود کر اس کی گاڑی پہ قریب سے فائر کرنے لگے۔

تب ہی حویلی کے شوٹر گولیوں کی بوچھاڑ کرتے حملہ آوروں کی جیپ کا رخ بدلنے پہ مجبور کر گئے۔ شوٹرز نے سمہان آفندی کو گھیرے میں لے لیا تھا اور سمہان آفندی کا نشانہ دونوں جیپ کے ڈرائیور بن گئے۔ جیپ کنٹرول سے باہر ہوتی اس سے پہلے ہی چودھری فیروز اور چودھری اسفند کی گولیوں نے اس میں موجود لوگوں کا مزاج پوچھ کر انہیں ٹھنڈا کردیا تھا۔ رات کی تاریکی میں ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اڑتا غبار حویلی کی دونوں جیپ رک گئی تھیں۔ سب اتر کر تیزی سے سمہان آفندی کے پاس آئے تھے۔

''ٹھیک ہو میری جان؟'' چودھری اسفند سمہان آفندی کے کندھے تھام گئے۔

''میں ٹھیک ہوں ڈیڈ! آپ لوگ دا جان کو لے کر حویلی جائیں اور ہوشیار رہیں۔''

پسٹل تانے چوکنا ہو کر ارد گرد پہ نظر دوڑاتے متفکر باپ کو ایک مسکراہٹ دے کر وہ انہیں مطمئن کرنے کے ساتھ ہدایت بھی کر گیا۔ دشمن کی لاشیں خون میں لت پت تھیں۔

''اور تم کہاں جا رہے ہو؟''

سمہان آفندی شوٹرز کو جیپ میں سوار ہونے کا اشارہ کر رہا تھا اس کے چہرے سے ہویدا تھا کہ وہ کچھ پلان کر گیا تھا۔ چودھری اسفند نے تحیر سے پوچھا تھا۔ چودھری فیروز کی ہمراہی میں چودھری حشمت بھی گاڑی سے نکل آئے تھے۔ انہیں بھی صحیح سلامت دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔

''گجر کی جسارت کا انعام دینے اس کے ڈیرے پہ۔'' سمہان آفندی نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ وہ دشمنوں کو بہت اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

''ابھی نہیں جو کچھ بھی کرنا ہے ہم پوری پلاننگ اور طریقے سے کریں گے دشمنوں کی طرح رات کے اندھیرے میں حملہ نہیں کریں گے.....'' چودھری اسفند نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''وہ اب تک ٹھکانا بدل چکا ہوگا۔ اسفند ٹھیک کہہ رہا ہے سمہان!'' چودھری فیروز نے بھی کہا تو سمہان آفندی خود پہ کنٹرول کرنے لگا وہ اپنے بڑوں کی بات کو حرف آخر سمجھتا تھا۔

''تو ٹھیک ہے نا سمہان ؟'' چودھری فیروز باپ کی طرف سے مطمئن ہو کر اس سے استفسار کر رہے تھے۔ جو تن تنہا دونوں پسٹل تانے نڈر ہو کر دشمنوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ان کی نظر پڑی تو ایک پل کو انہیں بے پناہ خوف محسوس ہوا کہ اگر ایک آدھ گولی اسے چھو جاتی تو......؟

''الحمدللہ تایا جان!'' وہ مسکرا رہا تھا' لگ ہی نہیں رہا تھا کچھ دیر قبل وہ اعصاب شکن صورت حال سے نبرد آزما موت کی بساط پہ کھڑا تھا۔

''داجان آپ کے پوتے کو کچھ نہیں ہوا؟'' وہ پسٹل دائیں ہاتھ سے بائیں پہ منتقل کر کے چودھری حشمت کے ہاتھ تھام گیا جو اسے ٹٹول رہے تھے۔

''گجر نے حملہ کر کے اپنی موت کو جلدی بلانے کی کوشش کی ہے۔'' چودھری فیروز بھی پہچان گئے تھے یہ گجر کے کارندے تھے۔

گجر سے ان کی سالوں کی زبانی کلامی لڑائی چل آ رہی تھی۔ پہلے اس نے زمینوں پہ ناجائز قبضہ کر لیا تھا' کورٹ کچہری اور پنچائیت سے زمینیں واپس تو مل گئیں مگر گجر ہمیشہ انہیں اذیت پہنچانے کے ہتھکنڈے ڈھونڈتا رہتا تھا' پچھلے سال اپنی فصلوں کو بچانے کے لیے اس نے سیلاب کا پانی چودھری حشمت کے کھیتوں کی طرف کر دیا تھا' جس سے ان کی فصلوں کو خاصا نقصان پہنچا تھا' پنچایت میں بات ہوئی تھی' گجر قصوروار ٹھہرایا گیا تھا' معاملہ کافی گرم ہو گیا تھا' پورا ہرجانہ بھرنے کے بعد گجر کوان سے خار ہو گیا تھا۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کیسے حویلی والوں کو خون کے آنسو رلائے۔

گجر کو جیسے ہی خبر ملی شاہ زرشمعون شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور چودھری حشمت بے وقت شہر جا رہے ہیں' اس نے حویلی کی بنیادوں کو ہلانے کا اچھا موقع جانا۔

شاہ زرشمعون کی موجودگی میں انہیں ذرا حد میں ہی رہنا ہوتا تھا کہ وہ بولنے کا موقع کم ہی دیتا تھا پہلے اس کی گن بولتی تھی لیکن یہ سب پلان کرتے وہ سمہان آفندی کو فراموش کر گئے تھے اور یہیں ان سے غلطی ہو گئی تھی۔

گاؤں کے سب ہی لوگ سمہان آفندی کو سیدھا سادا شوخ و شرارتی سا کھلنڈرا نوجوان سمجھتے تھے لیکن انہیں خبر نہیں تھی کہ وہ لاوا تھا جو اندر ہی اندر پلتا تھا اور جب پھٹتا تھا تو سب کچھ اپنے سنگ بہا لے جاتا تھا۔ سمہان آفندی کا یہ روپ سب کو شاکڈ کر گیا تھا۔

❖……☆……❖

منزہ تہجد کے لیے اٹھی تھیں۔ نیند سے تو بس اب واجبی سا تعلق رہ گیا تھا۔ پلکیں موند کر' کروٹیں بدل کر جب وہ تھک جاتی تھیں تو بند آنکھوں کے پیچھے چلتی تصویروں اور منظروں سے ہوک سی اٹھتی محسوس ہوتی تھی۔ بعض مناظر اتنے جان لیوا ہوتے تھے کہ وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی تھیں۔

اب بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا' تب ہی آنکھیں کھول کر انہوں نے گہری سانسیں لی تھیں۔

کمرے کا منظر ان کے سامنے تھا۔ ماورا اور انوشا سو رہی تھیں' چور والے واقعے کے بعد سے انہوں نے ماورا اور انوشا کا پلنگ بھی اپنے کمرے میں لگوایا تھا' دونوں کمروں کا دروازہ اندر سے نہیں تھا' باہر صحن سے ہی رابطہ تھا۔ اس دن تو خوش قسمتی سے دونوں ان کے پاس ہی سو رہی تھیں۔ اگر جو وہ اپنے کمرے میں ہوتیں اور کسی بھی ضرورت کے تحت گیٹ کھول کر صحن میں نکلتیں اور دیوار پہ بیٹھا شخص اندر کود جاتا تو……!

اس سوچ سے ہی گھبرا کر انہوں نے دونوں کو اپنے کمرے میں ہی سونے کا انتظام کرنے کو کہا تھا' جس پہ دونوں نے ذرا بھی اعتراض نہیں کیا کہ وہ بھی سب سمجھتی تھیں۔

منزہ وضو کر کے آئیں تو انہیں سینے میں درد محسوس ہوا' جسے نظر انداز کرتے انہوں نے جائے نماز پہ نیت باندھ لی' نماز کے دوران انہیں درد کی لہریں تیز ہوتی محسوس ہو رہی تھیں' پیاس سے گلہ سوکھ رہا تھا' نماز مکمل کر کے انہوں نے پانی کی بوتل اٹھا کر پانی گلاس میں انڈیلنا شروع کیا تو درد کی لہر سے گلاس ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا…… اسٹیل کے گلاس

کی آواز سے ماورا اور انوشا بھی ہڑبڑا کر جاگ گئی تھیں۔

"کیا ہوا اماں؟"

انہیں چند سیکنڈ لگے تھے صورت حال سمجھنے میں بے دم سی منزہ کو بازو پکڑے دیکھ کر وہ دونوں تیزی سے ان تک آئی تھیں...... دونوں نے انہیں تھام کر پلنگ پہ بٹھایا تھا۔

"کیا تکلیف ہے اماں؟"

ماورا ان کا بازو سہلانے لگی تھی جسے منزہ نے تھاما ہوا تھا۔ انوشا گلاس میں پانی لے آئی تھی۔

"پانی پئیں اماں!" انوشا نے گلاس ان کے لبوں سے لگا دیا تھا۔

منزہ نے بمشکل دو تین گھونٹ لیے تھے۔

"سینے میں درد سا ہو رہا ہے۔" منزہ نے خود پہ قابو پا کر کہا تھا۔ درد برداشت کرنے کی اذیت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

"انوشا شاہد انکل کو کال کرو اماں کو ہاسپٹل لے چلتے ہیں۔"

ماورا انوشا کو ہدایت کر رہی تھی منزہ کی حالت دیکھ کر وہ دونوں حواس باختہ ہو رہی تھیں۔ ایک وہی تو ان دونوں کے لیے شجر سایہ دار تھیں۔ اگر جو انہیں کچھ ہو جاتا تو......!

"نہیں...... اس وقت شاہد بھائی کو زحمت نا دو...... وہ کون سا ہمارے سگے ہیں جو بار بار انہیں زحمت دے کر ان کا ظرف آزمائیں...... میں ٹھیک ہوں اب...... کمی آ رہی ہے تکلیف میں۔" منزہ اس حالت میں بھی انہیں خودداری کا پاٹ پڑھا رہی تھیں نحیف آواز میں کہیں وہ اذیت کو برداشت کر رہی تھیں انوشا نے شاہد صاحب کو کال کرنے کے لیے سیل فون اٹھایا تھا لیکن پھر رکھ دیا۔

"پھر ہم دونوں ہی لے کر چلتے ہیں آپ کو...... انوشا ایمبولینس کو کال کرلو۔" ماورا کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"دو جوان لڑکیوں کے ساتھ میں ایمبولینس میں غیر مردوں کے ساتھ جاؤں گی...... پاگل ہوئی ہو...... فجر ہونے ہی والی ہے تھوڑی دیر میں...... صبح چلیں گے ہسپتال۔" منزہ نے اس عمل سے بھی روک دیا تو دونوں کو اس گھڑی شدت سے گھر میں مرد کی کمی محسوس ہوئی۔ وہ دونوں بے بسی سے منزہ کو دیکھ رہی تھیں جو لمبی لمبی سانس لے کر خود کو "ٹھیک" ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ماورا ان کا بازو سہلا رہی تھی تو انوشا سر...... دونوں متفکر سی بار بار وال کلاک کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ گو کہ چند لمحوں بعد منزہ کے چہرے کی بشاشت لوٹنے لگی تھی انہوں نے دونوں کو سو جانے کو بھی کہا مگر انہیں نیند اب کہاں آنی تھی۔

❖......☆......❖
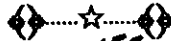
سب کے سمجھانے پہ سبحان آفندی چپ تو ہو گیا تھا مگر گجر کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ پھر بھی پہنا تا وہ اپنی گاڑی کی طرف آیا تھا۔

چودھری حشمت کو محافظوں کی جیپ میں پہلے ہی حویلی کے لیے روانہ کر چکے تھے اور اب چودھری فیروز اور چودھری اسفند کی جیپ بھی سبحان آفندی کی گاڑی کے ساتھ نکلنا تھی۔

اگنیشن میں چابی ڈالتے اس کی نظر بریک کے پاس پڑے اپنے سیل فون پہ پڑی تھی۔

"ارے بر وائن پر تھا۔"

اس نے زیر لب کہتے بے ساختہ جھک کر سیل فون اٹھایا تھا اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کال ابھی تک چل رہی

تھی۔

"برو لائن پہ ہو؟"

سمہان آفندی سیل فون کان سے لگا کر بے ساختہ استفسار کر گیا۔

"ہاں..... ہاں..... سمہان..... لائن پر ہی ہوں..... کیا ہوا ہے اور کس نے حملہ کیا ہے.....؟ تم اور داجان تو ٹھیک ہونا.....؟" دوسری طرف سے شاہ زر شمعون جیسے اس کی آواز سننے کا ہی منتظر تھا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ رک گئی تو اس کی تشویش مزید بڑھ گئی کہ جانے کس نے بازی ماری اور اب جب سمہان آفندی کی آواز سنائی دی تو وہ ایک سانس میں کئی سوال پوچھ بیٹھا' اس کی بے قراری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

"ہم دونوں ٹھیک ہیں برو..... ٹینشن نالو" سمہان آفندی کو بخوبی احساس تھا کہ اس وقت وہ کس طرح پنجرے میں قید شیر کی طرح ادھر سے ادھر ٹہل رہا ہوگا۔

کم بختوں نے حملہ بھی تو اس کی کال کے درمیان کیا تھا اور اسے کال بند کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

"کھا میری قسم!"

شاہ زر شمعون کو جہاں شکر کی سانس آئی وہیں وہ کچھ بے یقین سا بھی تھا۔ اتنی گھن گرج کے بعد سمہان آفندی اور چودھری حشمت ٹھیک تھے تو یہ کوئی معجزہ ہی ہوسکتا تھا۔

"تمہاری قسم برو! اب میں تم سے جھوٹ بولوں گا..... اتنی بے اعتباری اپنے سمہان آفندی پہ.....؟" وہ مسکرا کر اس سے گلہ کر رہا تھا' اس کی فکر دور کر رہا تھا۔

"تجھ پہ خود جتنا بھروسہ ہے..... بے یقینی اس لیے ہے کہ شاید میں پریشان نا ہو جاؤں اس لیے تو سچ چھپا رہا ہے۔" شاہ زر شمعون کے جواب شکوہ پہ سمہان آفندی کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں..... صورت حال بگڑتی تو شاید ایسا کر بھی لیتا لیکن اب دشمن زخم چاٹ رہا ہوگا..... چھپنے کے لیے ٹھکانا ڈھونڈ رہا ہوگا..... الحمدللہ! تمہارے داجان اور سمہان آفندی کی گرد کو بھی نا چھو سکے۔"

"الحمدللہ!" شاہ زر شمعون نے کلمہ شکر ادا کیا تھا۔

"کون تھے سمہان.....؟" اگلے ہی لمحے وہ سرد لہجے میں دشمنوں کے نام جاننا چاہ رہا تھا۔

"تم آجاؤ برو..... پھر سب کچھ بتادوں گا۔"

سمہان آفندی ٹال گیا' وہ اس کا مزاج آشنا تھا' کچھ بعید نا تھا نام جاننے کے بعد وہ حویلی واپس آنے کی بجائے سیدھا گجر کے ڈیرے پہ جا پہنچا۔ بڑوں کی تنبیہہ نے تو سمہان آفندی کو روک لیا تھا مگر شاہ زر شمعون شاید غصے میں آپے سے باہر ہو جاتا۔

"میں دو گھنٹے میں بائی ایئر پہنچ رہا ہوں' حویلی۔"

"کیا ضرورت تھی اتنی ایمرجنسی میں آنے کی آرام سے آجاتے۔"

سمہان آفندی کو اس کی بے وقت آمد پہ چوکنا رہنا تھا' مبادا گجر پھر اوقات دکھاتا۔

"میرے اپنوں پہ گولیاں چلتی رہیں اور میں بے بسی سے فون کان سے لگائے بھسم ہوتا رہا..... تجھے میری اذیت کا اندازہ ہے.....؟ جی چاہ رہا تھا کہ ان سب کا سینہ چھلنی کردوں۔"

شاہ زر شمعون ابھی تک سلگ رہا تھا۔

"مجھے اندازہ ہے برو..... تم نا سہی تمہارے سمہان آفندی نے یہی کیا ہے..... ایک ہی بات ہے۔ اچھا پہنچ کر مجھے

کال کر لینا' میں ٹائم پہ ایئر پورٹ لینے آجاؤں گا۔"
سمہان آفندی کی گاڑی حویلی کے اندر داخل ہوگئی تھی۔
"نہیں...... نہیں آنا' بس گاڑی بھیج دینا۔" شاہ زرشمعون نے منع کیا تو وہ حامی بھر گیا۔
"چلو اب میں ایئر پورٹ کے لیے نکل رہا ہوں' حویلی پہنچ کر بات کرتا ہوں...... دھیان رکھنا اپنا۔" وہ نصیحت کر رہا تھا۔
"یو ٹو برو...... ساتھ خیریت کے آئیں...... رب کے حوالے......"

☆
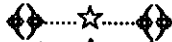
حویلی میں جمگھٹا لگ گیا تھا جیسے...... چودھری حشمت محافظوں کے ساتھ بخیر و عافیت داخل ہوئے تو سب نے شکر ادا کیا لیکن سب کی متلاشی نظریں ان کے پیچھے بھٹک رہی تھیں گیٹ سے گاڑیاں اندر داخل ہونے کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن سب متفکر تھے جیسے لمحوں میں اس اعصاب شکن صورت حال سے نکلنا چاہتے ہوں۔ ملازم تک متفکر نظر آ رہے تھے۔
"چودھری جی سمہان!" زمرد بیگم اپنی چوڑیوں کی سلامتی پہ پرسکون نگاہ ڈال کر پریشان نظروں سے استفسار کر گئیں۔
عیشال جہانگیر متوحش نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ مبادا وہ کوئی غیر متوقع جملہ نا کہہ دیں۔
"شیر ہے وہ ہمارا...... دوسرا شیر...... اسے کیا ہوگا...... رب کا کرم ہے اس پہ...... تم سب پریشان نا ہو۔"
چودھری حشمت نے فخریہ لہجے میں کہا تو سب کی دبی سانسیں بحال ہوئیں۔
اسی گھڑی چودھری فیروز' چودھری اسفند کے پیچھے سمہان آفندی بھی داخل ہوا تو سب کی جان میں جان آئی تھی...... اس پہ نظر پڑتے ہی عیشال جہانگیر کے سینے سے جیسے بھاری سل ہٹی تھی اور اب وہ کھل کے سانس لے پا رہی تھی۔ شاہ زرشمعون کی کال کے باعث وہ تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا۔
"ویرا! اس وقت مجھے آپ پہ اتنا فخر محسوس ہو رہا ہے کہ میں بتا نہیں سکتی' میں نے اور شاذمہ نے سارا منظر دیکھا...... شکر ہے سوہنے رب کا...... آپ ٹھیک ہیں۔"
شاذمہ اور زرش نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گاڑیوں کی روشنی میں سارا منظر دیکھا تھا' گاڑیوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ نیچے آئی تھیں۔ زرش وفور جذبات سے کہتی' نم آنکھوں سے سمہان آفندی کے بازو سے لگ گئی تھی۔ سمہان آفندی نے مان سے بازو سے لگی بہن کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔
زمرد بیگم' فائزہ' فریال سب ہی اس کے گرد آ گئی تھیں۔ گلے لگا کر اس کی سلامتی پہ شکر کر رہی تھیں۔
عیشال نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنی ڈبڈبائی آنکھوں کو صاف کیا تھا...... مگر آنسو خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔
مرد حضرات ہال میں ہی براجمان ہو گئے تھے۔ فائزہ کی ہدایت پہ لڑکیاں' ملازماؤں کے ساتھ مل کر چائے کافی کی تیاریوں میں مصروف ہوگئیں تھیں۔
شاہ زرشمعون کی آمد کا سن کر وہ سب ہال میں ہی بیٹھ کر اس کی آمد تک انتظار کا ارادہ رکھتے تھے' حویلی کی عورتیں بھی مستعد ہوگئی تھیں۔
"شکر ہے رب کا سمہان صاحب! اللہ نے آپ پہ کرم کیا اور کچھ بھی نہیں ہوا۔"
حویلی کے تمام ملازمین اس سے مل کر محبت کا اظہار کر رہے تھے۔
"کرم تو مجھ پہ ان لوگوں کا ہے صغراں بی بی' جو مجھے رب کی امان میں بھیجتے ہیں۔"

ہال میں اچھا خاصا شور تھا' ایسے میں جب سمہان آفندی نے صغراں بی کو جواب دیتے عیشال جہانگیر کی ڈائمنڈ کی نوز پن پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر اس کے سائیڈ پوز کو نظر میں رکھتے ہوئے جواب دیا تو اس کی طرف کان لگائے کھڑی عیشال جہانگیر نے بے ساختہ چہرہ اس کی طرف پھیرا مگر تب تک سمہان آفندی' چودھری فیروز کی پکار پہ ان کی طرف رخ پھیر چکا تھا۔

''آپ اتنے اچھے ہیں کہ ہر کسی کے دل سے آپ کے لیے بس دعا نکلتی ہے۔ اللہ آپ کی عمر لمبی کرے' خوش رہیں۔''
صغراں بی دعاؤں سے نوازتی کچن کی خبر لینے چلی گئی تھیں۔

آج ساری رات یہ حادثہ زیر بحث رہنا تھا پھر شاہ زرشمعون بھی آ رہا تھا' مردوں کا آج رت جگے کا پلان تھا تو بھلا خواتین کیسے سو سکتی تھیں...... کسی نے انہیں مستعد رہنے کو کہا بھی نہیں مگر آج کا واقعہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا کہ سب چین سے سوتی رہتیں۔

عیشال جہانگیر نے ایک نظر سمہان آفندی پہ ڈالی جو چودھری فیروز کی کسی بات پہ سر ہلاتا اپنے سیل فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غالباً کسی کی کال آئی تھی۔ وہ بے دلی سے پلٹ گئی۔ سمہان آفندی نے سیل فون کان سے لگاتے ایک گہری نظر دور جاتی عیشال جہانگیر کی پشت پہ ڈالی تھی۔

......☆......

چودھری بخت کے ساتھ سب ہی یہ جان کر قدرے پرسکون ہو گئے تھے کہ دونوں خیریت سے ہیں' سب شاہ کو صبح جانے پہ اصرار کر رہے تھے مگر وہ دل ہی دل میں پہلے ہی رکنے کو اپنی حماقت سے تشبیہ دے چکا تھا' مزید رک کر اپنا ضبط آزمانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

''ضدی انسان ہے' پہلے سنی ہے اس نے کسی کی جو اب سنے گا۔''

شنائیہ چودھری کو بھی سب کی خیریت کا جان کر سکون ملا تھا لیکن اس کے اس گھڑی نکلنے پہ وہ غصہ ہو رہی تھی۔ ابھی حویلی والوں پہ حملہ ہوا تھا اور وہ ایک اور اکڑو جانشین اس وقت حویلی کی طرف سفر کرتا تو کچھ بعید نا تھا گھات لگائے دشمن پھر سے وار کرنے کا سوچتے۔ مگر خود کو عقل کل سمجھنے والا شاہ زرشمعون کسی احتیاط کو خاطر میں لانے کا قائل ہی کہاں تھا...... اس کی نگاہ میں' چودھری بخت نے چودھری جہانگیر کو بھی کال کر دی تھی اور وہ بھی غصے میں آ گئے تھے۔

''کس میں ہمت ہوئی چودھری جہانگیر کے باپ اور بھتیجے پہ گولیاں چلانے کی...... میں اس کی نسلوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''لو...... ہمارے خاندان میں سارے ہٹلر بھرے پڑے ہیں۔'' شنائیہ چودھری نے اسپیکر سے آتی چودھری جہانگیر کی آواز پہ بے ساختہ سر پہ ہاتھ مارا تھا' شاہ زرشمعون اور باقی سب بھی تھے جس کے باعث چودھری بخت نے اسپیکر آن کر دیا تھا۔

اور ان کی نسلوں کو زندہ نا چھوڑنے' گھر میں گھس کر مارنے کی' خون کی ندیاں بہا دینے والے ڈائیلاگ سن کر اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اس نے شاہ زرشمعون کو بغور دیکھا جو ایئر پورٹ کے لیے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنی گاڑی کسی کے ہاتھ بھجوا دینے کی ہدایت کر رہا تھا اور چودھری بخت اسے تعاون کی یقین دہانی کروا رہے تھے۔

''ہاں' ہم تو جیسے اس کی گاڑی لے کر ہیروں کی اسمگلنگ کے لیے نکل جائیں گے ناں۔''

اس نے ناک سکیڑی...... شنائیہ چودھری کو لگتا تھا ایک وہی حویلی میں کھسکا ہوا ہے مگر نا جی...... اوپر سے نیچے تک سب ہی ملوث تھے۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔

"نہیں چچا جان! آپ یہاں رہیں یہاں چچی جان اور شنائیہ ماہم اکیلی ہو جائیں گیں جب کہ وہاں حویلی میں سب ہیں آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں میں کچھ سیکیورٹی گارڈز کا جاتے ہی بندوبست کرواتا ہوں آپ کے لیے۔"

چودھری بخت بھی باپ اور بھتیجے پہ حملے کا سن کر بے چین ہو گئے تھے۔ وہ بھی ساتھ چلنا چاہ رہے تھے مگر شاہ زر شمعون نے سہولت سے منع کر کے انہیں اپنے اقدام سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ سب ٹھیک ہے سننے کے بعد دیا اور چودھری بخت نے سب سے فرداً فرداً بات کی تھی۔ شنائیہ نے بھی سبحان آفندی کو کال کر کے اس کی خیریت دریافت کر کے شکر ادا کیا تھا۔

"اکیلا کہاں ہوں برخوردار! جہانگیر بھی یہیں ہوتا ہے اور تمہیں تو اس کی پہنچ کا اندازہ ہے ہم ٹھہرے مریضوں کے مسیحا...... ہماری کسی سے کیا دشمنی ہوگی...... تم گارڈز کا تکلف نا کرنا۔" چودھری بخت نے انکار کرنا چاہا۔

"بے شک یہاں چچا جان ہیں لیکن ان کی خود کی اتنی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ اکثر اپنے گھر سے لاپروا ہو جاتے ہیں آپ ہاسپٹل میں ہوتے ہیں گھر میں مرد کی اشد ضرورت ہے بھلے یہاں آپ کا کوئی دشمن نا ہو...... لیکن آپ کی جڑیں حویلی سے ہیں۔ ہوسکتا ہے دشمن ہم پہ وہاں سے وار کرے جہاں اسے آسان ہدف لگے۔" شاہ زر شمعون کا انداز قطعیت بھرا لیکن احترام کے لبادے میں ملبوس تھا۔

وہ اپنا مطمع نظر بہت اچھی طرح واضح کر گیا تھا۔ ایک لمحے کو چودھری بخت بھی قائل ہو کر چپ سے ہو گئے۔ دیا بھی شاہ زر شمعون کی بات سے متفق نظر آ رہی تھیں...... اگر ان کا خود کا بیٹا ہوتا تو شاید انہیں گارڈ کی بھی ضرورت نا پڑتی۔

"اگر جو ہو سکے تو آپ لوگ بھی حویلی آ جائیں اپنوں کے درمیان...... میں ہوں سبحان ہے وہاں ہم ہیں ناں آپ کے بیٹے آپ کے محافظ۔"

شاہ زر شمعون بھی ان کے چہروں سے ان کا درد جان گیا تھا تب ہی اپنائیت بھرا احساس دلا گیا اور ان کے چہروں پہ رونقیں لوٹنے لگیں۔

"ہاں حویلی میں رہیں تا کہ یہ ہلاکو دہلا دہلا کر جان ہی نکال دے۔"

شنائیہ چودھری بظاہر خاموش تھی مگر سارے جوابات اس کے اندر سرپٹخ رہے تھے۔

"جان لینے کی طاقت صرف قدرت کو حاصل ہے لیکن بہرحال احتیاط اچھی چیز ہے متفق ہوں تم سے۔"

چودھری بخت اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ گئے تھے وقت رخصت وہ سب سے مل رہا تھا۔

"اتنے عرصے بعد تو آتے ہیں اور اتنی جلدی واپسی۔" ماہم مان سے شکوہ کر گئی تو شاہ زر شمعون کے لب مسکرا دیئے۔

"ایں...... یہ واقعی مسکراتا بھی ہے یا میری آنکھوں کا دھوکا ہے؟ چٹکی لو خود کو شنائیہ چودھری!" وہ تحیر سے آنکھیں پھیلائے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے کھڑی تھی اور اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں بازو پہ چٹکی لے گئی۔

"تم آؤ اب کے حویلی...... زیادہ دن کے لیے...... گھومنے کا پلان بنائیں گے۔" شاہ زر شمعون آفر کر رہا تھا ماہم کو بھی حیرت ہو رہی تھی لیکن شنائیہ چودھری کی تو مرنے والی کیفیت تھی۔

"اگر آپ خود کو چیک کر کے فری ہو چکی ہیں کہ حواسوں میں ہیں یا نہیں تو اللہ حافظ۔" وہ سب سے مل کر اس کی طرف آیا تھا اور سرد لہجے میں کہتا پلٹ گیا۔

"ہونہہ بڑا آیا ہر خبر پہ نظر رکھنے والا۔" وہ ناک چڑھا کے رہ گئی تھی۔

☆

کچھ رشتے بے نام ضرور ہوتے ہیں کچھ احساس بتائے نہیں جاتے کچھ جذبے آشکار نہیں ہو پاتے کچھ محسوسات کو لفظوں کا پیراہن نہیں پہنایا جاتا لیکن یہ سب اپنا وجود رکھتے ہیں اور اتنی شدت سے رکھتے ہیں کہ "کہنے" کی بھی ضرورت

محسوس نہیں ہوتی۔

وہ نوعمری سے ایک ہی سپنا دیکھتی آ رہی تھی‘ ایک ہی تصویر نگاہوں میں بسائے گھوم رہی تھی‘ اس حویلی میں اگر اس کے رہنے کی کوئی وجہ تھی تو وہ وجہ ”سمہان آفندی“ تھا۔

بچپن میں بھی جب وہ اداس ہو کر سیڑھیوں پہ سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھی روتی رہتی تھی تو وہ چپکے سے اس کے اوپر والی سیڑھیوں پہ آ کر بیٹھ جاتا تھا‘ اس سے رونے کی وجہ پوچھتا اور وہ ڈانٹ کر اسے جانے کو کہتی تھی مگر وہ اسے چڑاتا رہتا اور وہ رونا بھول کر اس سے لڑنے لگ جاتی تھی۔

بچپن کے دنوں میں ہی فریال سب بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھیں‘ وہ سب بچوں سے باری باری پوچھ رہی تھیں‘ بڑے ہو کر کیا بنو گے؟

”میں سمہان کی دلہن بنوں گی!“

اپنی باری آنے پہ اس نے فوراً کہہ دیا تھا۔ فریال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ سمہان آفندی ماں کے سامنے شرما گیا تھا۔

”تم کیوں شرما رہے ہو؟“

تحیر سے نکل کر فریال کا ڈنڈا سمہان آفندی کے بازو کو چھو گیا تھا۔

”مجھے کیوں مارا......؟ اسے ماریں نا...... بے شرمی کی بات تو یہ کر رہی ہے...... آپ کے بیٹے کو خراب کر رہی ہے۔“

چھوٹا سمہان بازو سہلاتے تب بھی بولنے سے نہیں چوکا تھا۔

”موٹی! میں پاگل نہیں ہوں جو تیرا دلہا بنوں‘ جا کوئی اور ڈھونڈ۔“

وہ بچپن میں قدرے گول مٹول سی عیشال جہانگیر کی پونی کو کھینچ کر بھاگ گیا تھا۔

”سمہان!“

فریال ہنسی روکتی بظاہر سنجیدگی سے اسے پکار بیٹھی تھیں مگر وہ یہاں ہوتا تو سنتا‘ کتابیں بکھرائے بھاگ چکا تھا۔

”یہاں آؤ عیشال!“ فریال نے اسے اپنے قریب بلایا تھا‘ وہ ڈرتی ڈرتی ان کے پاس گئی تھی کہ شاید اسے بھی مار پڑے گی۔

”کس نے سکھائی آپ کو یہ بات...... بچوں کو تو بہت سارا پڑھنا ہوتا ہے‘ یہ شادی کا خیال کہاں سے آیا آپ کے ذہن میں؟“ وہ اسے گود میں بٹھائے نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔

”یوں ہی...... خود سے...... ہم گڈا گڑیا کی شادی کر رہے تھے ناں تو سمہان نے کہا میری گڑیا کو اس کا گڈا بہت مارے گا‘ تب میں نے کہا کہ میں تم سے شادی کر لوں گی اور اپنی گڑیا کا بدلہ تمہیں مار مار کے لوں گی...... لیکن آپ کہہ رہی ہیں کہ بچوں کی شادی نہیں ہوتی‘ انہیں بہت سارا پڑھنا ہوتا ہے‘ تو ٹھیک ہے‘ میں بہت سارا پڑھنے کے بعد سمہان سے شادی کر لوں گی۔“

تین سالہ عیشال جہانگیر اپنی آنکھیں پٹپٹا کر کہہ رہی تھی اور فریال اس ”انتقاماً شادی“ کی پلاننگ کا سن کر ہنستے ہوئے برا حال تھا۔

”سنا صائقہ بھابی! آپ کی بیٹی کیسا انوکھا انتقام پلان کر رہی ہے‘ میرے بیٹے کے لیے۔“

فریال مرچیں کوٹتی صائقہ کو آواز لگا گئی تھیں۔ جنہوں نے ایک پل کو ہاتھ روک کر بس مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا‘ پھر سب نے ہی اسے کئی دنوں تک چھیڑا تھا۔

”بڑی ہو کر کیا بنو گی؟“ اور وہ سابقہ جواب پوری شدومد سے دیتی تھی ہاں اس میں اب ایک اور جملے کا اضافہ ہو گیا تھا۔

"میں نے انتقام لینا ہے سمہان سے اپنی گڑیا کا۔" سب ہنستے رہتے تھے۔
بچپن کی بات تھی آئی گئی ہوگئی لیکن شاید عیشال جہانگیر اس بات کوفراموش نہیں کرسکی تھی تب ہی بالکنی میں دیوار سے پشت ٹکائے وہ اندھیری رات میں ستاروں کی ٹمٹماہٹ دیکھتے مسکرارہی تھی بچپن کی سرگوشیاں جیسے سماعتوں پہ دستک دے رہی تھیں۔
"کیا جن بھوت کا سایہ ہوگیا تم پہ جو اکیلے اکیلے مسکرارہی ہو۔"
جانی پہچانی آواز قریب سے سنائی دی تو وہ بے ساختہ دائیں طرف نگاہ کرگئی تھی۔ سمہان آفندی گرل سے کمر ٹکائے دائیں پیر کو بائیں پیر سے ملاکر قینچی بنائے دونوں ہاتھ دائیں بائیں گرل پہ دراز کیے بلوجینک میں ملبوس استفسار کررہا تھا۔
عیشال جہانگیر نے اسے بغور دیکھا تھا' کچھ لمحے قبل اس شخص کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی دنیا ڈول گئی تھی۔ وجود معنی کھونے لگا تھا' اسے خبر تھی دشمن کتنا ہی زورآور ہو وہ اسے پچھاڑ دے گا' لیکن اس کی جان کی سلامتی کی فکر تھی' جس طرح زرش نے بتایا اور وہ جتنی بے فکری سے مسکراتا ہوا کھڑا تھا' اسے دیکھ کر اسے جہاں اس کے مضبوط اعصاب کا ادراک ہوا وہیں اپنی بے اختیاری کھلنے لگی۔
سب نے اسے دیکھنے کے بعد جس طرح اپنے جذبے لٹائے تھے ایک وہی حسرت و یاس سے سب کا منہ تکتی کھڑی رہ گئی تھی۔ بظاہر کزن کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں تھا دونوں میں...... کبھی کسی طرف سے "اظہار" نہیں ہوا تھا۔ "اقرار" کی مہر ثبت نہیں ہوئی تھی لیکن جانے کیوں اسے لگتا تھا دل ایک ہی لے پہ دھڑکتے ہیں' وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اس پہ ظاہر نہیں کرپارہی تھی کہ اسے زندہ سلامت دیکھ کر اسے کتنی خوشی ہورہی ہے' کتنا سکون مل رہا ہے۔ بے اختیاری کا یہی احساس ایک پل میں اسے زودرنج کرگیا تھا۔
"کچھ لوگوں کو اپنی محبت ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی...... کچھ اختیار ایسے ہوتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے' صرف روح کے نہاں خانوں میں سنائی دیتے ہیں...... اور جس کی رسائی روح کے نہاں خانوں تک ہو وہ بے اختیار کب ہوتا ہے......؟"
عیشال جہانگیر بے طرح چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی' وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ اس کی سوچ کیسے پڑھ گیا تھا' کیا یہ اظہار تھا......؟ وہ چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔
"آج شاید میری موت یقینی تھی......" سمہان آفندی اس کی تحیر بھری نظروں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا' اس کے جملے پہ بے چینی عیشال جہانگیر کے چہرے پہ در آئی تھی۔
"کیوں یقینی تھی......؟ کیسے ٹلی......؟"
اس کے چہرے پہ ان ہی سوالوں کا عکس جھلملا رہا تھا' مگر لب نیم وا ہوکر رہ گئے تھے۔ ان سے لفظوں کی ادائیگی نہیں ہوپائی تھی مگر سمہان آفندی اس کے چہرے پر آئے سوال پڑھ گیا تھا۔
"کچھ لمحوں پہلے اسی گرل سے لگی ایک لڑکی نے بلو آنچل سر پہ ڈال کر عقیدت سے دعائیں پڑھ کر مجھے اللہ کی امان میں سونپا تھا پھر اللہ اپنے پاس رکھوائی امانت میں خیانت کیسے ہونے دیتا......؟"
اس قدر رواں و صاف الفاظ لیکن ان کے معنی کیا تھے وہ الجھ سی گئی تھی۔
وہ تو لڑکی تھی...... فطری شرم و حیا کے لبادے میں ہوتی تھی' کیا وہ نہیں "کہہ" سکتا تھا۔
"نیند نہیں آرہی!" اس نے کمال لاپروائی سے کہا۔
"سچ سچ بتانا...... اگر جو مجھے واقعی کچھ ہوجاتا تو تم کیا کرتیں؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

"افسوس ہی کرتی کہ اب لڑنے والا نہیں ہے کس سے لڑوں گی۔ زبانی جمع کہاں خرچ کروں گی؟ یہی ٹینشن لگی ہوتی۔" اس نے بھی سر جھٹک کر جواب دیا۔

"میں......؟" وہ جیسے کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"ہاں تو......اور کیا وہ بھی ایک کائیاں تھی۔ مجال ہے جو مقابل کو خوش فہم ہونے کا موقع دیتی۔

"کبھی تو سچ بول دیا کرو۔" وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"کیسا سچ؟" وہ انجان بن گئی۔

"چلو جی وقت آنے پہ پوچھیں گے فی الحال تو چینج کر کے ریلیکس ہونے جا رہا ہوں۔"

اس پہ ایک نظر ڈالتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

نکالتا ہے نا دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے

پر سوچ انداز سے اس کی پشت کو تکتی وہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی کہ ابھی شکرانے کے نفل بھی پڑھنے تھے۔

☆

مردوں کی محفل لاؤنج میں جمی ہوئی تھی شاہ زرشمعون بھی آچکا تھا۔ بنا فریش ہوئے اس نے آتے ہی سمہان آفندی سے سارے واقعے کی تفصیلات جانی تھیں۔ باقی آنکھوں دیکھا حال چودھری حشمت زرش اور شاذمہ نے گوش گزار کر دیا تھا۔

"بھئی ہمارا سمہان تو چھپا رستم نکلا۔ جس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے جس طرح تن تنہا یہ میدان میں کھڑا تھا سچ کہوں تو ایک پل کو دل بھی کانپا تھا لیکن اس کی جی داری کو سلام ہے بھئی......" چودھری فیروز سمہان آفندی کو سراہ رہے تھے۔ چودھری اسفند بے ساختہ نازاں ہوتے بیٹے کے شانے پہ ہاتھ مار کے رہ گئے۔ شاہ زرشمعون بھی سراہتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہ زرشمعون کی پریشانی و فکر مندی بھی دور ہو گئی تھی۔

"اس کی قابلیت پہ تو مجھے پورا بھروسہ تھا اب اس کی بہادری پہ بھی ہو گیا انداز تو تھا کہ جگر ہے اس کے پاس......لیکن آج تو تم نے واقعی کمال کر دیا سمہان۔" شاہ زرشمعون بھی سراہ رہا تھا۔ سمہان آفندی گرے کلر کا آرام دہ شلوار سوٹ پہن چکا تھا اور اس میں بھی اس کی وجاہت نمایاں تھی۔ وہ سر خم کیے بیٹھا تھا۔

"گجر کی اتنی ہمت کے میرے اپنوں پہ گولیاں چلوائے دیکھنا صبح تک اس کی حویلی کو نیست و نابود کر دوں گا۔" شاہ زرشمعون اسے اپنے ارادوں سے آگاہ کر رہا تھا۔

"نہیں شاہ! تم کچھ نہیں کرو گے......ہم پنچائیت میں بات لے کر جائیں گے رپورٹ لکھوائیں گے پھر جہانگیر نے بھی کہا ہے ہم کوئی الٹا سیدھا عمل نا کریں وہ خود پنجاب پولیس سے رابطہ کر کے کام کروائے گا ہم خاندانی لوگ ہیں گجر کی طرح اٹھائی گیرا اور بدمعاشوں والی حرکت نہیں کریں گے۔"

چودھری حشمت کے قطعیت بھرے انداز پہ شاہ زرشمعون بھی سر جھکا گیا تھا۔

"لیکن داجان! یہ تو سمہان کی ہوشیاری کام آگئی اگر جو گاڑی بلٹ پروف نا ہوتی اور آپ یا سمہان کو کچھ ہو جاتا پھر......گجر نے جتنی جرات کی اس پہ تو اسے سبق سکھانا ہی چاہیے۔" شاہ زرشمعون مودب ہو کر بھی اپنا نقطہ نظر واضح کر گیا۔

"بے شک گجر کو سبق سکھائیں گے لیکن قانونی اور پنچائتی طریقے سے۔" چودھری حشمت نے جیسے مہر ثبت کر دی تھی۔

کچھ کہنے کی گنجائش ہی نا رہی تھی، شاہ زرشمعون چپ ہوگیا تھا۔ سبحان آفندی نے ایک نظر شاہ زرشمعون کے چہرے پہ ڈالی تھی اور اس کے ان روٹھے انداز پہ مسکرا دیا تھا۔

☆
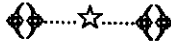
ساری	زندگی	ہیں	جاتے	یہ چاٹ
ہیں	ہوتے	باکمال	بڑے	دکھ

صبح تک کا انتظار بے حد اعصاب شکن تھا گو کہ منزہ اب خود کو نارمل ظاہر کر رہی تھیں اور ان کا ارادہ ہاسپٹل جانے کا قطعاً نہیں لگ رہا تھا۔ منزہ اپنی باڈی میں بے حد پین بھی محسوس کر رہی تھیں جسے وہ بے آرامی سے تشبیہ دے رہی تھیں۔ بقول ان کے بازو میں وقتی درد تھا ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی لیکن دونوں نے ان کی ایک نہیں سنی اور ضد پکڑ لی۔

انوشا نے اسکول سے چھٹی کرلی تھی۔ ناشتے کے بعد دونوں کی زبردستی پر انہیں ہاسپٹل آنا ہی پڑا جہاں کنڈیشن سن کر ڈاکٹر نے ہارٹ اٹیک کی علامت کا خدشہ ظاہر کیا تھا اس پر دونوں مزید گھبرا گئی تھیں۔ شک تو انہیں بھی ہوا تھا جس طرح منزہ سینے پہ ہاتھ رکھے کراہ رہی تھیں۔

پچھلے کچھ مہینوں سے انہیں مسلسل بخار رہنے لگا تھا جسم میں تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی اور رات جس بری طرح چکرا رہے تھے تو ڈاکٹر نے ای سی جی کے ساتھ بلڈ کے ٹیسٹ بھی لکھ کر دیے تھے۔ لیب دور تھا ٹیسٹ کروانے میں کافی وقت لگ جانا تھا۔

''ماورا! میں جب تک اماں کے ساتھ ہوں جاؤ تم لگے ہاتھوں یونیورسٹی سے ایڈمیشن فارم بھی لے لو..... ایسا نا ہو ڈیٹ نکل جائے۔'' انوشا نے یونیورسٹی کی عمارت کو لیب کے پاس دیکھا تو راہ دکھانے لگی۔

''اماں! برا نہ مان جائیں۔''

منزہ اندر ٹیسٹ کروا رہی تھیں اور دونوں باہر بیٹھی ہوئی تھیں۔ انوشا کی بات اس کے دل کو بھی لگی تھی ورنہ اتنی دور دوبارہ آنا پڑتا فارم وغیرہ کے لیے۔

''لو برا کیوں مانیں گی..... فارم ہی تو لینے جا رہی ہو اور پھر اب تو روز کا آنا جانا ہوگا' آٹو باہر انتظار کر رہا ہے اسی پہ چلی جاؤ' تاکہ پیدل نا چلنا پڑے' میں یہاں ہوں اماں کے پاس' جب تک فری ہوتے ہیں تم ہو بھی آؤ گی۔'' انوشا کے مشورے پہ وہ سر ہلا کر دوپٹا سر پہ جماتی اٹھی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد فارم کی آخری تاریخ کے متعلق پوچھ کر پلٹی تو لسٹ کی جانب رش دیکھ کر اس کے قدم بھی بے ساختہ اسی سمت اٹھ گئے دیکھے تو وہ کس نمبر پہ تھی' مگر رش اس قدر تھا کہ اسے صرف سب کے سر ہی نظر آ رہے تھے۔

''اوہ نو! ایشان جاہ' تم سیکنڈ نمبر پہ ہو۔'' ابھی وہ اچک اچک کر دیکھنے کی کوشش ہی کر رہی تھی جب ایک تیز آواز ابھری۔

''ایشان جاہ!'' وہ اس نام پہ چونکی تھی' اب کے اس نے دھیان سے دیکھا تھا' اس دن کی طرح ان کا گروپ لسٹ کے آگے کھڑا تھا۔

''مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔''

ایشان جاہ کا پرتکبر لہجہ سن کر جہاں ماورا یحییٰ کے ماتھے پہ بل پڑے وہیں کئی ایک نے اسے تحیر سے دیکھا تھا۔

قدرے فاصلے پہ دوسری جگہ بھی لسٹ لگی ہوئی تھی' دیکھنے میں ناکام ہو کر ماورا یحییٰ دوسری سمت جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ رش ذرا کم ہوا تھا۔

''فرسٹ پہ کون ہے؟''

ایشان جاہ غرایا تھا' ماورا یجی' کو اس کی پشت ہی نظر آ رہی تھی' وہ آج بھی برانڈ سمبل بنا گھوم رہا تھا۔
"کوئی ماورا یجی' ہے۔" اسی کے گروپ میں سے کسی نے افسوس کے ساتھ اس کا نام لے کر اعلان کیا تھا' ماورا یجی' اپنا نام سن کر بے ساختہ چونکی تھی۔
وہ تیزی سے دوسری طرف لپکی تھی اور ٹاپ آف دا لسٹ اپنا نام دیکھ کر اس کے اندر ایک سکون سا پھیل گیا تھا شاید جیت کا...... ایشان جاہ کے غرور کو شکست سے دوچار کرنے کا سکون۔
"مارکس تو دیکھو پڑھا کو بی بی کے بچانوے فیصد سو فیصد ہی لے لیتیں۔"
اب کے انشراح کی جلی بھنی آواز آئی تھی' اس نے درزدیدہ نظروں سے ان کے گروپ کی طرف دیکھا تھا' وہ سب بے حد دکھی نظر آ رہے تھے' جب کہ ایشان جاہ شدید طیش میں لسٹ کو یوں گھیرے کھڑا تھا جیسے اس کے پیچھے دھکم پیل کرنے والے کیڑے مکوڑے ہوں۔ وہ بھی یقیناً صرف لسٹ چیک کرنے آیا تھا' ان میں سے کسی کی نظر ماورا یجی' پہ پڑتی اس سے پہلے ہی وہ پلٹ گئی تھی۔ اسے اتنی خوشی تھی کہ اس نے بنا انتظار کیے آٹو میں بیٹھتے ہی انوشا کو میسج کر دیا۔
"ٹاپ آف دی لسٹ ماورا یجی'!"
وہ بھی بے حد خوش ہوئی تھی۔ فوراً ہی جوابی میسج مبارک باد کا آیا تھا۔
ماورا یجی' کو رہ رہ کر ایشان جاہ کا پر جلال چہرہ لطف دے رہا تھا۔

......☆......

"بس یوں سمجھو نمو تمہاری شنائیہ موت کے منہ سے واپس آئی ہے۔ اف میری جگہ تم ہوتیں تو تمہارا تو ہارٹ ہی فیل ہو جاتا۔"
شنائیہ چودھری یونیورسٹی میں براجمان اپنی اکلوتی سہیلی کو سفر کی جھوٹی رام کہانی سنانے میں مصروف تھی۔
"ہائے میرا تو سن کر ہی ہارٹ فیل ہو رہا ہے۔" نمو نے جذباتی ہو کر کہا۔ "شاہ زرشمعون کے بارے میں سن کر۔"
نمو عرف نائمہ نے جملہ مکمل کیا تھا اور شنائیہ چودھری جو فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگی تھی بھونچکی رہ گئی۔
"ایں!" اسے نائمہ کی دماغی حالت پہ شبہ ہوا۔
"کیا بندا ہے یار' تیرا کزن۔" وہ از حد متاثر ہو چکی تھی۔
"چھوڑو...... بے حد سڑیل ہے' بات تک کرنے کی تمیز نہیں۔ ہر وقت پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے' تمام راستے میں اس سے خوف زدہ رہی۔"
شنائیہ چودھری کو اس کی تعریف ایک آنکھ نا بھائی ناک چڑھا کر پرزور نفی کی۔
"سڑیل بھی اسی لیے ہے کہ ابھی تک اس کی زندگی میں کوئی رنگ نہیں...... لڑکی نہیں...... دیکھنا کل کو کوئی آ گئی نا تو خود ہی موم کی طرح پگھل جائے گا۔" نائمہ نے دعویٰ کیا۔
"کبھی نہیں......" اسے رتی برابر یقین نا ہوا۔
"شرط لگاؤ!" نائمہ پرجوش ہوئی۔
"لڑکی آئے گی کہاں سے...... اس سڑیل کو موم کرنے...... جو موم کرنے آئے گی اس نے اسی کی اگربتی بنا دینی ہے۔ پتا ہے مجھے۔" وہ بری طرح جلی ہوئی تھی۔
"اگر ایسا ہے تو یوں کرو اپنے کزن کو کسی لڑکی میں انوالو کر کے دیکھ لو سچ سامنے آ جائے گا۔" نائمہ نے شرطیہ لہجے میں کہا۔

"اب میں لڑکی کہاں سے لاؤں۔" شنائیہ جھنجلائی۔
"نظر گھماؤ اپنے اردگرد..... کوئی نا کوئی مل ہی جائے گی۔"
"نظر گھماؤ..... " نائمہ نے شرارتاً کہا تھا مگر شنائیہ چودھری نے عملاً اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی' کوئی لڑکی کیچپ میں ڈبو کر سموسہ کھا رہی تھی' تو کوئی کتاب میں سر دیئے بیٹھی تھی آخر میں اس کی نظر نائمہ پہ آ کر رک گئی تھی اور اگلے ہی پل اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔
"کوئی ملی؟" نائمہ نے اس کی آنکھوں کی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ سے اندازہ لگایا' اسے لگا اس کا ذہن کام کرنے لگا ہے۔ "دیکھا' کیا کہا تھا ناں کوئی مل جائے گی۔" نائمہ ایوارڈ لینا چاہ رہی تھی۔
"کوئی اور کیوں' تم کیوں نہیں.....؟" شنائیہ نے ابرو اچکائے۔
"وہاٹ!" نائمہ اچھلی۔
"ہاں تو..... تم میری بیسٹ فرینڈ ہو..... اب میں ہر کسی پہ ٹرسٹ کر کے اپنے فیملی میٹرز ڈسکس کر کے کسی کی منت تھوڑی کر سکتی ہوں' کہ میرے کزن کو پٹا کر ثابت کرو کہ وہ اتنا بھی سڑیل نہیں ہے' جتنا میں اسے سمجھتی ہوں۔" شنائیہ چودھری نے اس کام کے لیے نائمہ کو 'ڈن' کر دیا تھا۔
"دیکھ لو مروا نا دینا۔" نائمہ ڈر رہی تھی۔
"کچھ نہیں ہوتا اب اتنا بھی' دم خور نہیں ہے۔" اس نے سنانا چاہا۔
"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں اس روئے زمین پہ اس جیسا کوئی سڑیل نہیں۔" نائمہ نے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے یاد دلایا۔
"ایں..... واقعی' نکل گیا ہوگا منہ سے۔" وہ سر جھٹک گئی۔
"آج سے کیا بلکہ ابھی سے اس پلان کو شروع کرتے ہیں۔ تم ابھی شاہ زرشمعون کو کال کرو..... اور اسے دوستی کی آفر کرو' جتنا سڑیل ہے' اتنی جلدی تو نہیں مانے گا' لیکن ہفتہ دس دن میں "ہاں" کر ہی دے گا۔ پھر آگے پلان کریں گے' لاؤ اپنا سیل فون دو' میں شاہ کا نمبر ملا کر دیتی ہوں۔" شنائیہ چودھری ایکسائیٹڈ تھی۔
"کیوں میرے منگیتر سے مجھے پٹوانے پہ تلی ہو۔" نائمہ نے اپنا سیل فون اسے تھماتے ڈرتے ہوئے کہا۔
"اوہو..... تو ہم کون سا سیریس ہو رہے ہیں' اس سڑیل کی زندگی میں بس ذرا سا رنگ بھرنا چاہ رہی ہوں' میں کال ملاتی ہوں اسے' دیکھو بڑے آرام سے بات شروع کرنا' سمجھو تمہارا امتحان ہے' ویسے خیر مجھے اتنی فیلڈنگ کی ضرورت تو نہیں ہونی چاہیے منگیتر کو پٹا کر تمہیں تجربہ تو ہو چکا ہوگا۔" اس کی لن ترانیاں جاری تھیں اور نائمہ نے اس کی تعریف پہ اسے دھپ رسید کی تھی۔
"فون اٹھا نہیں رہا تو چھوڑ دو۔" نائمہ نے جیسے اس مذاق سے دور رہنا چاہا۔
"ارے اٹھائے گا تو اس کا اچھا بھی۔" شنائیہ نے کہنے کے ساتھ ہی اسے منہ پہ انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا اور اگلے ہی لمحے سیل فون نائمہ کی طرف بڑھا دیا تھا' غالباً کال ریسیو ہو چکی تھی۔
"ہیلو!" نائمہ نے سنبھل کر فون کان سے لگایا تھا۔
شاہ زرشمعون جو کھیتوں پہ تھا انجان نمبر سے کال آنے پہ نظر انداز کرتا رہا لیکن جب کال مسلسل آنے لگی تو اس نے ریسیو کر لیا..... غیر متوقع طور پہ لڑکی کی آواز سن کر وہ چونک گیا تھا۔
"کون؟" اس کی گھمبیر لیکن سخت آواز ابھری تھی نائمہ کے ہاتھ میں سیل فون ڈولنے لگا۔

"جی میں فرحانہ بول رہی ہوں۔" سب کچھ اتنی جلدی ہوا تھا کہ نائمہ کو ڈھنگ کا نام تک سوچنے کی فرصت نا ملی' عجلت میں وہ اپنے منگیتر فرحان کے نام کا فی میل ورژن بول گئی۔ شنائیہ چودھری اس کے ساتھ سر جوڑے ایئر پس سے گھسی آواز کو سننے کی کوشش کرنے لگی۔

"میں کسی فرحانہ' افسانہ کو نہیں جانتا محترمہ رونگ نمبر!"

وہ درشتی سے کہہ کر شاید کال کاٹنے لگا تھا' شنائیہ چودھری نے اسے ٹہوکا دیا کہ وہ جلدی سے اسے گھیرنا شروع کرے ورنہ کچھ بعید نا تھا کال کاٹ کر وہ نمبر بلاک لسٹ میں ڈال دیتا۔

"شاہ زر شمعون! میں آپ کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں' یہ رونگ نمبر نہیں ہے' میں نے رامیٹ نمبر ہی ڈائل کیا ہے۔ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔"

نائمہ اپنے امتحان میں "پاس" ہونے کے لیے "محنت" کرنے لگی تھی۔ اس کے ساتھ کان لگائے شنائیہ چودھری نے اسے بے ساختہ پیٹھ تھپتھپا کر شاباشی دی تھی۔ جبکہ دوسری طرف شاہ زر شمعون کا چہرہ جہاں سرخ ہوا وہیں اس ادھر اسپیل فون بھی ایکٹو ہو گیا۔

"محترمہ! کہیں اور ٹرائی کریں۔" اس نے غالباً بھانپ لیا تھا کہ وہ فلرٹ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

"شمعون! کائنڈلی آپ مجھے ایسی ویسی لڑکی نا سمجھیں میں حقیقتاً آپ کے لیے سنجیدہ ہوں' مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے..... اگر آپ نے انکار کیا تو میں کنوئیں میں کود کر اپنی جان دے دوں گی..... آپ کو دیکھنے کے لیے روز اپنے گھر کی چھت پہ آتی ہوں..... اگر آپ نے انکار کیا تو چھت سے کود کر یا زہر کھا کر آپ کو بدنام کر دوں گی۔" نائمہ نے ایسی کہانی سنائی تھی کہ جس سے شاہ زر شمعون کو لگے کہ وہ اس کے گاؤں کی ہی کوئی الہڑ دوشیزہ ہے..... اس شاطرانہ کہانی پہ شنائیہ نے اب کے پھر پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

"اچھا..... واقعی؟" شاہ زر شمعون نے ہنکارا بھرا تو دونوں کو لگنے لگا منزل دور نہیں۔

"میں آپ کو بلیک میل نہیں کر رہی شاہ زر لیکن میں واقعی اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں..... اگر آپ نا مانے تو میں واقعی خودکشی کر لوں گی..... آپ کے بنا بھی کوئی زندگی ہے۔"

نائمہ کے "جملوں" پہ شنائیہ چودھری تو عش عش کر اٹھی' دوسری طرف اس کا چہرہ سرخ ہوا ہوگا نجانے شرم سے یا غصے سے..... وہ سوچ کے رہ گئی۔

"محترمہ! اگر آپ چھت سے نا کودیں زہر کھا کر کنوئیں میں نا کودیں تو میں خود آپ کے ہم سفر تک رپورٹ پہنچا دوں گا کہ مسٹر فرحان سے گھنٹوں بات کرنے والی نائمہ میرے لیے جان دینے لگی ہے..... یا پھر آپ کے والد کے نمبر پہ کال کر کے بتاؤں کہ آپ کی دختر نیک اختر کراچی کی یونیورسٹی میں بیٹھ کر پنجاب میں افیئر چلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

شاہ زر شمعون کہے جا رہا تھا اور نائمہ کا رنگ فق ہونے کے ساتھ ہاتھ دل پہ آن ٹھہرا تھا خود شنائیہ ہارٹ اٹیک کے قریب پہنچ گئی تھی۔

"آ..... آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں نائمہ.....!" وہ تو ہکلا گئی۔

"محترمہ آپ کا سی این آئی سی نمبر بھی آ گیا ہے میرے پاس' لوکیشن بھی ٹریس ہو گئی ہے' اس سے پہلے کہ میں آپ کے منگیتر فرحان کو کال کر کے آپ کی رپورٹ دوں یا آپ کے والد کو..... فیصلہ آپ کریں' لیکن یہ بتانے کے بعد کہ آپ کو یہ ٹاسک دیا کس نے؟"

نائمہ کی ہونق نظروں کے ساتھ ہی شنائیہ نے بھی نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا تھا وہ نائمہ کی چٹکی لینے لگی کہ وہ کسی صورت

اس کا نام تا لےمگر نائمہ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے وہ بازو جھٹک کر فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔
"مس...... سوری...... شاہ زر شمعون...... وہ مجھے شنائیہ نے کہا کہ آپ سڑیل ہیں میں آپ کی زندگی میں رنگ بھروں...... تو......"
نائمہ بے ربط ہو رہی تھی' نظریں شنائیہ پہ تھیں جو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا دبا کر گردن بائیں طرف لٹکا گئی تھی لیکن اس کا کوئی جذباتی ڈرامہ نائمہ کو سچ بتانے سے روک نہیں سکتا تھا۔ شاہ زر شمعون لوکیشن میں یونیورسٹی کا نام اور نائمہ کی کال لسٹ میں شنائیہ چودھری کا نمبر دیکھ چکا تھا' لیکن اسے کنفرم کرنا تھا۔
"اوکے......" اس کا شک درست نکلا تھا۔
"پلیز آپ میرے منگیتر اور بابا کو کال مت کیجیے گا۔"
نائمہ التجا کر رہی تھی اور شنائیہ چودھری کا جی چاہ رہا تھا وہ کہیں روپوش ہوجائے۔
"چلیں نہیں کرتا' لیکن دوبارہ کسی کے کہنے پہ آپ نے زحمت کی تو مجھے بھی زحمت کرنا پڑے گی۔" بے حد جتاتا ہوا دھمکی آمیز لہجہ تھا۔ نائمہ جی جی کرتی رہ گئی۔ وہ کال کاٹ چکا تھا۔
"احمق' ڈفر' گدھی...... اسے میرے بارے میں سب بتا کر تم نے اسے بے وقوف بنانے کا پلان کر کے الٹا مجھے بے وقوف بنادیا۔"
نائمہ کو یہی سمجھ آیا تھا کہ شنائیہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔
"بالکل نہیں یار!" وہ جھلائی۔
"پھر منٹوں میں میرے بارے میں اطلاع اسے خدائی فوجدار نے دے دی؟"
نائمہ بگڑی...... اسے اپنی قابل رحم حرکت یاد آ گئی۔
"میں تو خود بھول گئی تھی کہ سڑیل بھلے ایگریکلچر میں ماسٹرز ہے مگر سوفٹ ویئر کا کیڑا ابھی ہے۔ اکاؤنٹ سیل فون ہیک کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ابھی بھی تمہارے نمبر سے اس نے منٹوں میں تمہاری ساری انفارمیشن نکال لی۔" شنائیہ چودھری سر پیٹ کے رہ گئی کہ وہ کیوں کر بھول گئی تھی اس اینٹی وائرس کو۔
"یا اللہ! اتنا خطرناک انسان" نائمہ کو چکر آنے لگے۔ شنائیہ چودھری کو غشی کے دورے پڑنے لگے...... نائمہ کے حواس بحال ہوئے تو اسے ساری صورت حال پہ بے حد ہنسی آنے لگی۔ اس نے شنائیہ کی اڑی اڑی رنگت دیکھ کر بے ساختہ چھیڑا تھا۔ "سانوں کی" کا اشتہار لگا کر "بہادر" نظر آنے کی لاکھ کوشش کر رہی تھی مگر دل ہی دل میں بے حد مضطرب تھی۔
"اب تیرا کیا ہوگا شنائیہ!" نائمہ زور سے ہنسی تھی اور شنائیہ کا جی چاہ رہا تھا کہیں ڈوب مرے۔

☆
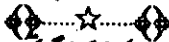
صبح ہوتے ہی پورے گاؤں میں حویلی والوں پہ حملے کی خبر پھیل گئی تھی۔ سب ہی حویلی والوں کی بے حد عزت کرتے تھے۔ ان سے ہمدردی رکھتے تھے۔ حویلی والے اچھے برے وقت میں ہمیشہ گاؤں والوں کا ساتھ دیتے تھے' کھیتوں پہ کام کرنے والے محنت کشوں کو بہترین اجرت دیتے تھے' ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔
گجر کو وہ لوگ پسند نہیں کرتے تھے وجہ اس کی بدمعاشی اور ناانصافیاں' من مانیاں تھیں۔
چودھری حشمت نے پنچائیت کے ارکان سے بات کی تھی اور انہوں نے پنچائیت بلانے کی بات کی تھی۔ چودھری جہانگیر نے پنجاب پولیس میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا' گجر اور اس کے بیٹے غائب تھے۔
چودھری حشمت جس اہم کام کے سلسلے میں شہر جا رہے تھے وہ تو نہیں ہوسکا تھا لیکن ان کی اپنے دوست سے فون پہ

بات ہو چکی تھی اور انہوں نے چند ایک روز میں خود حویلی آنے کا عندیہ دے دیا تھا جس پہ چودھری حشمت مطمئن سے ہوگئے تھے۔ عیشال جہانگیر کا فیصلہ تو اپنے تئیں وہ کر کے مطمئن بیٹھے تھے انہیں خبر تھی اسے نکیل کون ڈال سکتا ہے۔

"اف مما! میں بتا نہیں سکتی، یار انے کیا مقابلہ کیا یوں لگ رہا تھا اندھیری رات میں گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس میں کوئی انگلش فلم دیکھ رہے ہوں۔"

لاؤنج میں خواتین کی محفل جمی ہوئی تھی سب وہیں براجمان تھیں گزشتہ واقعہ زیر بحث تھا ایسے میں زرش نے آنکھوں دیکھا حال سنایا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ انگلش فلموں میں ایسا ایکشن سین ہوتے ہیں..... تم نے دیکھے ہیں کیا؟" یمنی نے چھیڑا۔

"سنا تو ہے..... ایسے ہی سین ہوتے ہیں انگلش فلموں میں۔" زرش نے اس شرارت پہ اسے بے ساختہ گھورا تھا۔ ایک آدھ بار تو ان سب نے چھپ کر ایک آدھ مووی دیکھی تھی لیکن یہ بات بڑوں کے علم میں نہیں تھی۔ الگ تھلگ بیٹھی عیشال جہانگیر بظاہر ان سب کا حصہ تھی مگر خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

"اماں میں کل حویلی میں قرآن خوانی کروانے کا سوچ رہی ہوں تا کہ آفات و بلیات دور ہوں ہماری حویلی سے۔" فریال نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"اچھا خیال ہے کروالو۔" زمرد بیگم نے سراہا۔

"اسفند نے جمعہ کو غریبوں کو کھانا کھلانے کا سوچا ہوا ہے انہوں نے بابا جان سے بات بھی کی ہے۔" فریال مزید کہہ رہی تھیں۔ زمرد بیگم کے ساتھ فائزہ بھی سر ہلانے لگیں۔

"اچھا اقدام ہے..... صدقے کے بکرے منگوائے تھے وہ آگئے؟ آجائیں تو حویلی کے مردوں کا ہاتھ لگوا کر سارے بکرے ضرورت مندوں میں تقسیم کردو۔"

زمرد بیگم نماز کے لیے اٹھنے لگی تھیں۔

"جی اماں میں دیکھ لوں گی۔" فائزہ نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی تو زمرد بیگم سر ہلاتی اٹھ گئیں۔

"لڑکیوں کل کی قرآن خوانی کے لیے تیاریاں کرلو۔ دریاں چادریں دیکھ لو..... کم پڑے تو بتادو اور منگوالوں گی اور سپارے بھی دیکھ لینا یاد سے۔"

فریال نے تمام لڑکیوں پہ طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا سب نے تعاون کی یقین دہانی کے ساتھ سر ہلایا تھا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ عیشال جہانگیر سستی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی۔ وہ سیڑھیوں پہ ہی تھی تب ہی اسے اپنے پیچھے قدموں کی تیز دھمک سنائی دی تھی۔ اس نے بے ساختہ نظر گھما کر دیکھا تھا تیز رفتاری سے سبحان آفندی اس کے پیچھے تھا۔

"کس بات کی جلدی ہے؟"

وہ اس کی ہر گھڑی عجلت والی فطرت پہ یوں بھی چڑ جاتی تھی۔ ہر گھڑی ادھر سے ادھر چھلاوا بنا گھومتا رہتا تھا مجال ہے جو ٹک کے حویلی میں بیٹھتا۔

"بینک سے پیسے نکلوانے ہیں اور چیک میرے روم میں پڑے ہیں دیر ہوگئی تو بینک بند ہوجائے گا۔"

اس نے جلدی کی وجہ گوش گزار کر کے تیزی سے نکلنا چاہا مگر نکل نا پایا کہ عیشال جہانگیر اس سے اوپر والی سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ اس نے بے چارگی بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس حویلی میں کتنے ہی مرد ہیں ایک تمہیں ہی کیوں عجلت ہوتی ہے ہر کام کی؟" وہ چڑ گئی..... سبحان آفندی اس

کے بگڑے موڈ کو نا سمجھی سے دیکھنے لگا...... اسے وہ غصے میں لگ رہی تھی مگر وہ غصہ کس بات پہ تھی...... وہ یہ سمجھ نہیں پارہا تھا۔
"کسی اور کا غصہ ہے تو اسی پہ اتارو...... مجھ پہ کیوں اتار رہی ہو؟" اس نے احساس دلایا کہ وہ بلاوجہ اس کی کلاس لے رہی تھی۔
"جب رازدارانہ طور پر بلٹ پروف گاڑی کے مالک تھے تو یوں جان کی بازی لگانے کی کیا ضرورت تھی......؟ خود کو ہیرو سمجھتے ہو؟" دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے وہ تیکھے چتونوں سے گھورتی "برس" رہی تھی۔ سبحان آفندی لب دبا کر بے ساختہ مسکرادیا۔
تو یہ "وجہ" تھی غصہ کرنے کی۔
"سمجھنے کی کیا ضرورت ہے میں ہوں ہی ہیرو۔"
بے حد شرارت سے کہتے اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنی طرف اشارہ کیا تھا۔ مسٹرڈ جیکٹ بلیک جینز میں وہ کچھ کم لگ بھی نہیں رہا تھا عیشال جہانگیر اسے گھور کے رہ گئی۔
"زیادہ اوور اسمارٹ نا بنا کرو آئی سمجھ...... اگر جو کچھ ہوجاتا تمہیں......؟"
"تو......؟" وہ شرارت سے اس کے غصیلے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عیشال جہانگیر اس کی شرارت کو دیکھتے لب بھینچ گئی۔
"اللہ کی بندی! اس وقت مجھے راستہ دو پر اس میں جلد لوٹ کر آؤں گا پھر تمہارا جب اور جہاں گھنٹوں مجھے گھورنے کا دل ہو بلا لینا میں حاضر ہوجاؤں گا لیکن ابھی مجھے جانے دو جلدی ہے۔" وہ اتنی بے چارگی سے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ کے بولا کہ عیشال جہانگیر اسے گھورتی گرل سے لگ کر راستہ دے گئی۔
"تھینکس مادام۔" سبحان آفندی تیزی سے دو سیڑھیاں پھلانگ گیا۔
"سبحان!" وہ بے ساختہ پکار بیٹھی۔
"جاتے ہوئے اپنا حصار باندھ کر جانا...... یہی کہنا تھا نا؟" اس کی پکار پہ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا اور وہ جو واقعی یہی کہنے والی تھی کہ گزشتہ واقعے کے بعد سے اب تک اسے ہول اٹھ رہے تھے کہ اگر اسے کچھ ہوجاتا تو......؟
"ویری فنی!" وہ لب بھینچ گئی تھی۔ سبحان آفندی مسکراتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

بہاریں ساری میں اوروں میں بانٹ دوں گی مگر
جو تجھ کو چھو کے چلیں وہ ہوائیں میری ہیں......!

وہ اس کی پشت کو اس وقت تک تکتی رہی جب تک وہ نظر سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔

☆
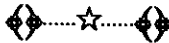
سنا ہے جان لیتے ہو سنو یہ جان دینی ہے!
سنا ہے مار دیتے ہو سنو میں مرنے آیا ہوں
سنا ہے روک دیتے ہو سنا ہے ٹوک دیتے ہو
بتاؤ کیا نہیں کرتا وہی میں کرنے آیا ہوں!!

اس نے جو کرنا تھا وہ کرتو لیا تھا اور اب جلے پیر کی بلی بنی ٹانگوں کو جب آزما چکی تو تھک کے بیٹھ گئی۔ کئی گھنٹے گزر گئے تھے لیکن شاہ زر شمعون نے ابھی تک "کچھ" نہیں کیا تھا یہاں تک کہ اس نے شنائیہ چودھری کو کال کر کے جلی کٹی بھی نہیں سنائی تھی کہ اسے "سکون" ہی مل جاتا۔

"ہر بات منہ پہ مارنے والا چپ ہے تو کیوں......؟ اس کے دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔" وہ سوچ سوچ کے تھک گئی تھی۔

گھر آ کر اس نے ماہم سے اپنی "پریشانی" شیئر کی تھی۔ پہلے تو ماہم نے سنجیدگی سے ساری کہانی سنی اور اختتام پہ اس کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"آپ کو کس نے کہا تھا آپی! یہ حماقت کرنے کو۔" وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔

"پاگل کتے نے کاٹ لیا تھا مجھے جو میں اس سڑیل کی زندگی میں رنگ بھرنے کا سوچ رہی تھی۔ مجھے لگا تھا جل ککڑا تھوڑا سا مسکرانے لگے گا۔"

ماہم کی ہنسی سے وہ مزید دلبرداشتہ ہوگئی اور اب سوچ سوچ کر اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا کہ کہیں وہ چودھری بخت، یا دیا سے شکایت نا لگا دے، پھر تو اس کی کم بختی آ جانی تھی اور اگر چودھری حشمت کو بتا دیتا تو وہ تو شاید کالا پانی کی سزا سنا دیتے۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا مزید اس کی "خاموشی" نے اسے اتنا ڈرا دیا تھا کہ یونیورسٹی سے آ کر اس نے لنچ تک نہیں کیا تھا۔

"اس پل پل کے مرنے سے تو اچھا ہے بندی ایک وقت میں ہی مر جائے......اس سڑیل نے عزت افزائی کے لیے فون نہیں کیا تو کیا ہوا میں خود ہی قصیدہ سن لوں۔ تاکہ اس جاں کنی سے تو جان چھوٹے......آر یا پار......تخت یا تختہ۔"

اس صورت حال سے بچنے کے لیے اس نے آیت الکرسی کا ورد کرتے شاہ زرشمعون کا نمبر ملا دیا۔

"پتا نہیں مغرور انسان کال ریسیو کرے گا بھی یا نہیں۔" وہ منہ پڑ بڑائی۔

"جی ریسیو کر لیا ہے، فرمائیں، کیسے زحمت کی۔" کال ریسیو ہو چکی تھی، اس کی بڑبڑاہٹ سن کر شاہ زرشمعون نے بے ساختہ جملہ پھینکا تھا۔ وہ ایسی ہی کسی کال کا "منتظر" تھا۔ اسے خبر تھی اس کی "حد" کہاں تک ہے۔ شنائیہ چودھری اس کا جملہ سن کر مزید بوکھلا گئی۔ جانے اس کے سامنے ہی وہ کیوں بے وقوفانہ حرکتیں کر جاتی تھی۔

"السلام علیکم! وہ شاہ......دراصل میں نے "کلیئر" کرنے کے لیے کال کی تھی۔" وہ اٹک اٹک کر شروع ہوئی تھی۔

"والسلام علیکم! جی کریں کلیئر۔" دوسری طرف سے کلیئر پہ زور دے کر کہا گیا تھا۔ شنائیہ نے اپنے خشک ہوتے گلے کو تر کیا۔ اس کی حوصلہ افزائی نے مزید بوکھلا دیا۔

"وہ......نائمہ نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ وہ آپ کو پٹ اپنے جال میں پھنسا کر دکھائے گی اور یہ کہ آپ کا مزاج اس لیے سخت ہے کہ آپ کی زندگی میں کوئی ہے نہیں......میں نے تو بہت جھٹلایا کہ میرا کزن ایسا نہیں ہے، وہ کبھی نہیں مانے گا مگر وہ مجھے چیلنج کر گئی کہ ایسا کر دکھائے گی تو مجھے آپ کا نمبر دینا پڑا......" شنائیہ چودھری بہت اچھی طرح سرائز کر کے کہانی سنا گئی تھی۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سارا قصور نائمہ کے کھاتے میں ڈال کر خود کو "معصوم" ٹھہرا گئی تھی۔

"اب یہ بتائیں آپ کی میں کیا مدد کروں فرضی کہانی مجھ کو سنانے کا شکریہ......!"

شاہ زرشمعون نے طنزاً کہا تھا۔ شنائیہ چودھری کا سانس لینا دوبھر ہوگیا۔

"وہ......وہ......شاہ......میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ جلدی سے منمنائی کہ وہ یقین ا کر لے۔

"محترمہ! یہ معصومانہ کہانیاں میں سنتا ہوں نا مجھے ان پر رتی برابر یقین ہے......ایک لمحے کو مان بھی لوں کہ آپ "سچ" فرما رہی ہیں تو میں سڑیل ہوں، میری زندگی میں رنگ نہیں......یہ ساری راز کی باتیں نائمہ کو الہام ہوئیں ہیں؟" وہ بے وقوف تو کبھی نہیں رہا تھا اب بھی پتے کا سوال کیا تو شنائیہ چودھری بری طرح سٹپٹا گئی۔

"محترمہ! آپ کیمسٹری پڑھ رہی ہیں وہی پڑھیں، میری کیمسٹری کسی کے ساتھ بنانے کی آپ کو ضرورت نہیں۔" وہ

روکھے لہجے میں گویا تھا۔

"ہونہہ! الجبرا فزکس جیسا انسان کیمسٹری بنائے گا جسے سیب گرا کیوں گرا؟ کیسے گرا سوچنے سے فرصت ناہو۔" وہ جلبلا گئی۔

"اور کیمسٹری میچ کرنے کا اتنا شوق ہو رہا ہے تو آپ آن لائن میرج بیورو کیوں نہیں کھول لیتیں، ہر گھڑی آن لائن رہنے کا کچھ تو ثواب کمائیں۔" اس کے طعنے اور تشنے جاری تھے۔ ہونٹ دبا کر شنائیہ چودھری الجھن کا شکار تھی۔

"میں آئندہ دھیان رکھوں گی..... آپ پلیز میری اس حرکت کا کسی سے ذکر نہیں کیجیے گا۔" وہ التجا کر گئی تھی۔

"کیا میں نے آپ کی پردہ پوشی کی ضمانت دی ہوئی ہے؟ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے سوچنا چاہیے نا لیکن آپ جیسے فارغ الدماغ لوگوں کے پاس سوچنے کے لیے وقت ہو تب نا۔" وہ بھڑاس نکال رہا تھا۔

"اللہ حافظ۔"

"ایں....." بنا کچھ کہے کوئی آس تھمائے اس نے کال کاٹ دی۔

"اس شخص کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے ہائے اللہ کیا کروں؟" وہ ایک بار پھر کمرے میں لیفٹ رائٹ کرنے لگی اور ایک سوچ کے آنے پہ رک گئی۔

"سبحان آفندی! ہاں اس سے بات کرتی ہوں اس سے فیور مانگتی ہوں وہی اس سڑیل کو منا سکتا ہے۔"

اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے تیزی سے سبحان آفندی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"السلام علیکم! جی شنائیہ کہیے کیسے مزاج ہیں؟" سبحان آفندی بینک پہنچ گیا تھا جب شنائیہ کی کال آئی بینک میں تھوڑا رش تھا سبحان آفندی اپنی باری کا انتظار کرتے کال پک کر گیا تھا۔

"سبحان! میں تھوڑی مشکل میں ہوں پلیز ہیلپ می!" سبحان آفندی اس کے لہجے کی پریشانی بھانپ کر چونک گیا۔

"سب ٹھیک تو ہے شنائیہ جی! چاچا جان چچی جان ماہم....." وہ متفکر ہوا..... دور رہنے والے عزیزوں کے لیے وہ چوکنا رہتا تھا۔

"اوہو..... سب ٹھیک ہے سوائے میرے۔" وہ فوراً ہی اس کی بات کاٹ گئی تھی۔ سبحان آفندی کو چونکنا پڑا ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"میں حاضر ہوں کہیں کیا مسئلہ ہے؟"

وہ سنجیدگی سے دریافت کرنے کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کروا گیا تھا اور جب اس نے اس کی پریشانی کی "داستان" سنی تو بینک میں موجود لوگوں کا خیال نا ہوتا تو وہ کئی لمحوں تک تو قہقہہ لگا تا رہتا۔

"تم بھی ہنس رہے ہو..... ہنسو..... جب وہ سڑیل مجھے دیوار میں چنوا دینے کا فیصلہ لے آئے گا تب اور ہنسنا..... ابھی بھی اتنا روڈلی بات کر کے کال کاٹ دی....." وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

ضبط کے باوجود بھی سبحان آفندی ہلکے سے قہقہے پہ قابو نا رکھ سکا تھا۔ جسے سن کر وہ روٹھی ہو گئی۔

"آپ کو کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو" اس نے لب دبا کر کہا۔

"نیم حکیم میں..... خود ہی تھی....." وہ آرام سے اعتراف کر گئی۔

"آپ ٹینشن نا لیں مجھے شاہ کا پتا ہے وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا..... جتنا آپ ڈری ہوئی ہیں۔" وہ ہنسا۔

"میں کوئی نہیں ڈری ہوئی اس سے..... بس شکایت لگا کر میری شامت نا لے آئے۔"

نائیہ چودھری نے "ڈر" کو جھٹلایا تو سبحان آفندی مسکرا دیا۔

"بے فکر رہیں بروشکایت لگا کر شاست لانے کا قائل نہیں' خود ہی سزا دیتا ہے۔" اس نے سمجھایا۔
"تم مجھے "ڈرانے" کی کوشش تو نہیں کررہے ہو ناں کہ بروا مجھ سے جنگ پلان کررہا ہے۔" شنائیہ چودھری چونک گئی۔
"توبہ توبہ کتنا منفی سوچتی ہیں آپ' بروا ایسا نہیں ہے کہ اپنوں سے جنگ پلان کرے..... وہ اپنوں کے لیے جان دے دیتا ہے۔"
"تم بڑے حمایتی ہو اس کے..... اتنی محبت سے کسی اور کا ذکر کرتے تو شاید یقین آجاتا۔"
سبحان آفندی سے بات کرکے شنائیہ چودھری کو کسی قدر سکون ملا تھا۔ "مسئلہ" اس کے علم میں لانے کے بعد وہ کچھ بے فکری ہوگئی تھی کہ اگر شاہ کچھ کرتا بھی تو سبحان اسے سنبھال لے گا۔
"شنائیہ جی میں بینک میں ہوں' فری ہوکر پھر بات کرتا ہوں۔" اس کا نمبر آگیا تھا' آگے بڑھتے اس نے اطلاع دی تو اس نے بھی اس کی مصروفیت کا خیال کرتے کال بند کردی۔

☆
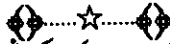
تیز میوزک کا شور' تھرکتے قدم' شور ہنگامہ کچھ بھی ایشان جاہ کو اٹریکٹ نہیں کرپارہا تھا' جب کہ اس کا گروپ ہمیشہ کی طرح انجوائے کررہا تھا۔
یہ نائٹ کلب کا منظر تھا' جہاں امراء کی اولادیں لائف انجوائے کرنے کے نام پہ حرام حلال کی تمیز بھلائے محو رقص تھیں۔
وہ سب بھی اکثر یہاں آکر انجوائے کرتے تھے۔ صبح سے ایشان جاہ کا موڈ آف تھا جس کے باعث سب نے یہاں کا پلان کیا تھا۔ تاکہ اس کا موڈ چینج ہوسکے پر نا کام رہے تھے۔ ایشان جاہ بے زاری سے کونے میں کھڑا تھا۔
"تم انجوائے کیوں نہیں کررہے؟" انشراح جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس نوک پلک سنوارے اسے ڈھونڈتی آگئی تھی۔
"بس دل نہیں چاہ رہا تھا۔" وہ بے زار تھا۔
"کم آن ایشان تمہارا موڈ ٹھیک کرنے کو ہی تو ہم سب یہاں آئے تھے۔ لعنت بھیجو..... فرسٹ اور سیکنڈ پہ..... تم نے تو دل سے ہی لگالیا ہے۔"
انشراح کے اشارہ کرنے پہ وہ تینوں بھی ڈانسنگ فلور چھوڑ کر آگئے تھے۔ سعید کے سمجھانے پہ ایشان جاہ کے لب بھنچ گئے۔ حقیقتاً اسی باعث صبح سے اس کا موڈ خراب تھا کہ کوئی اور فرسٹ پہ تھی اور وہ سیکنڈ ہوگیا۔ ہمیشہ خود کو ٹاپ آف دالسٹ دیکھنے والے ایشان جاہ سے پہلی بار یہ ناکامی برداشت نہیں ہورہی تھی۔
"تم سب انجوائے کرو یار..... میں گھر جارہا ہوں۔"
وہ جیکٹ اٹھا کر کندھے پہ ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا تو سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے..... کہ جب وہ جانے کا فیصلہ کرچکا تھا تو اسے روکنا بے کار تھا کہ وہ روکے سے رکنے والا نہیں تھا۔
"تم رکو گی یا چل رہی ہو۔" وہ انشراح سے دریافت کرنے لگا کہ وہ گاڑی لے کر نہیں آئی تھی ایشان نے ہی اسے پک کیا تھا۔
"میں بھی چل رہی ہوں' صہبا آنٹی سے بھی ملنا تھا مجھے۔" انشراح بھی تیار ہوگئی' تو وہ ان تینوں کو بائے کرتا باہر نکل گیا۔
"ختم کرو نا ایشان یہ کوئی اتنا بڑا معاملہ تو نہیں ہے کیوں بلاوجہ اسٹریس لے رہے ہو؟" وہ پارکنگ سے گاڑی نکال کرلے آیا تھا تب تک انشراح اردگرد کا جائزہ لینے لگی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی ایشان جاہ نے گاڑی خاموشی سے گھر جانے والے راستے پہ ڈال دی تو انشراح کو اس کی سنجیدگی توڑنے کے لیے بولنا ہی پڑا۔

''تم سب کہہ رہے ہو ختم کرو...... مجھے کوئی ماورا یحییٰ شکست دے کر چلی گئی اور تم سب......'' وہ درشتی سے کہہ کر چپ رہ گیا' انشراح بھی اس کے غصے پہ کچھ نہ بول سکی۔

''تم سب کے لیے یہ اتنی بڑی بات نہیں ہوگی لیکن میرے لیے ہے۔ کون پیدا ہو گیا ایسا جو ایشان جاہ کو پیچھے چھوڑ گیا؟'' وہ سلگ رہا تھا۔

''اگر ابھی ماورا یحییٰ میرے سامنے آ جائے تو میں پوری شدت سے اپنی گاڑی اس پر سے گزار دوں' اتنا غصہ ہے مجھے اس ان دیکھی لڑکی پہ......'' وہ دل کی بھڑاس نکال رہا تھا' انشراح نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی کہ کہیں وہ مزید نا بھڑک جائے...... اچھا تھا بول کر غصہ نکال لیتا' ورنہ جانے کتنے دن تک اس کا موڈ آف رہتا۔

گاڑی بنگلے کے احاطے میں رکی تو اس کے ساتھ انشراح بھی نکل آئی۔ سامنے ہی ماڈرن سی صہبا نزاکت سے بیٹھی تھیں۔

ارے تم لوگ بڑی جلدی آ گئے...... چلو اچھا ہے...... ڈنر ساتھ کرلیں گے۔''

''مام! مجھے بھوک نہیں ہے...... پلیز کسی کو ڈنر پہ بلانے کے لیے نا بھیجئے گا' میں سونے جا رہا ہوں۔''

ایشان جاہ کہتا ہوا چلا گیا تھا۔ صہبا نے بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے حیرانی سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

''اسے کیا ہوا' موڈ کیوں آف ہے؟'' صہبا حیرانی سے انشراح سے دریافت کر رہی تھیں۔

''ٹیسٹ میں سیکنڈ آیا ہے' تب سے موڈ آف ہے۔'' انشراح نے گوش گزار کیا۔

''اوہو...... اچھا...... فرسٹ پہ کون ہے؟'' صہبا کو بھی حیرانگی ہوئی۔

''کوئی ماورا یحییٰ ہے...... جانے کون ہے' کیسی ہے؟ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے' کلاس میں جب ساتھ ہوگی تو کہیں ایشان اسے دیکھ کر کچھ کرنا بیٹھے۔''

انشراح کو ابھی سے تشویش ہو رہی تھی کہ وہ بہت اچھی طرح ایشان جاہ کی فطرت سے آگاہ تھی۔ وہ دشمن کو سبق سکھائے بغیر چین سے بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''عجیب لڑکا ہے' اتنا انا کا مسئلہ تھا تو پہلے کہتا' جہانگیر اثر و رسوخ استعمال کر کے اس لڑکی کو ہی لسٹ سے نکال دیتے' بٹ ڈونٹ وری...... ایشان کو اس لڑکی سے زیادہ تکلیف ہوئی تو اس کا ایڈمیشن ہی کینسل کروا دوں گی...... جہانگیر کب ایشان کو پریشان دیکھ سکتے ہیں۔ انہیں ابھی بھی خبر ہوئی تو کچھ بعید نہیں وہ ابھی فوراً کوئی ایکشن لے لیں۔''

صہبا فخریہ انداز سے گویا تھیں پھر زرمین بھی آ گئی تھی' موضوع بدل گیا۔

ڈنر سے فارغ ہو کر انشراح نے اپنے ڈرائیور کو کال کر کے بلا لیا تھا۔

☆
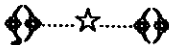
''اف کیا بتاؤں کہ کیسا روتا بسورتا چہرہ تھا ایشان جاہ کا...... اور اس کا پورا گروپ حالت سوگ میں تھا جیسے......''

ماورا یحییٰ دبی آواز میں انوشا سے ڈسکس کر رہی تھی۔ دونوں رات کا کھانا کھانے کے بعد اب کچن سمیٹ رہی تھیں۔ منزہ اپنے کمرے میں تھیں۔ انہیں تھوڑی سستی بھی ہو رہی تھی' کھانا بھی انہوں نے برائے نام کھایا تھا' انوشا نے انہیں دودھ کے ساتھ دوا دے دی تھی۔ خوراک کی کمی کسی صورت تو پوری کرنی تھی۔

لیب سے ٹیسٹ کروانے کے بعد وہ گھر آ گئی تھیں' رپورٹ چند روز بعد ملنا تھی۔ دونوں کو منزہ کے سامنے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا' دونوں ان کے لیے بھی فکرمند تھیں' منزہ نے جلدی سے کچن سمیٹ کر سونے کو کہا تھا دونوں کچن میں لگ گئیں' یہ سن کر کہ ایشان جاہ کا گروپ بھی موجود تھا' انوشا کو مزا آیا تھا' ساتھ ہی ڈر بھی محسوس ہوا۔

''مجھے تو ڈر لگ رہا ہے ماورا...... جیسا تم اس کا حلیہ اور مزاج بتا رہی ہو وہ بگڑا رئیس زادہ لگ رہا ہے' تمہیں ساتھ پڑھنا

ہے اس کے دیکھ لو..... کہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نا پہنچائے..... تم سے بیر نا باندھ لے۔" انوشا کو جہاں بہن کی برتری پہ خوشی ہوئی وہیں تشویش نے بھی آ لیا..... منزہ نا سن لیں اس خیال سے دونوں دبی آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔

"تم ناحق ایسا سوچ رہی ہو میں نے کون سا اس کی کوئی بھینس چرا لی ہے..... میں نے تو اپنا ٹیسٹ دیا اور اس کے مارکس لیے..... مقابلہ بازی تو ان سب نے کی۔" ماورایجیٰ کی بات بھی بجا تھی۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن پھر بھی دھیان سے رہنا۔" انوشا نے بہن ہونے کے ناتے فکرمندی سے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔

"اماں آواز دے رہی ہیں شاید"

ماورا نے کان کمرے کی جانب لگائے تھے۔ دھیان دینے پہ انہیں منزہ کی کھنچی کھنچی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا ہوا اماں؟" دونوں بھاگی بھاگی کمرے تک گئی تھیں لیکن منزہ کو درد سے کراہتے دیکھ کر دونوں پریشان ہو گئیں۔

"کہاں درد ہو رہا ہے اماں!" انوشا تشویش میں مبتلا تھی۔

منزہ جیسے حواسوں میں نہیں تھیں۔ انہیں بری طرح چکر آ رہے تھے۔ ماورایجیٰ نے سیل فون اٹھا کر شاہد صاحب کو کال کی تھی مگر انہوں نے بتایا کہ وہ گھر پہ نہیں ہیں..... شہر سے باہر ہیں' منزہ کی طبیعت کا سن کر انہوں نے اپنے بیٹے کو کال کرنے کو کہا تھا مگر انہوں نے معذرت کر لی تھی جس کے باعث ماورایجیٰ نے کال بند کر کے ایمبولینس کو کال کر کے بلوا لیا تھا۔

منزہ جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ ہو رہی تھیں۔

ابھی ٹیسٹ کی رپورٹس بھی نہیں آئی تھیں کہ ان کی طبیعت مزید خراب ہونے لگی تھی' شکر تھا کہ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ دونوں انہیں ہاسپٹل لے آئی تھیں۔

جہاں چیک اپ کے بعد ایمرجنسی میں ٹریٹمنٹ ہو رہا تھا' جس میں انہیں دو گھنٹے لگ گئے تھے۔

منزہ اب قدرے حواسوں میں تھیں' ڈاکٹر نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی تھی کہ وہ کسی صورت دو جوان بیٹیوں کے ساتھ ہاسپٹل میں ایڈمٹ نہیں ہو سکتی تھیں۔

انہیں بٹھا کر ماورا پے منٹ کرنے چلی گئی تھی مگر شاید اس کے پاس پیسے کم پڑ گئے تھے' تب ہی اس نے اشارے سے انوشا کو بلایا تھا' انوشا نے بھی احتیاطاً پیسے رکھ لیے تھے جو اب یقیناً کام آ رہے تھے۔ منزہ بے دم سی سر دیوار سے ٹکائے بیٹھی تھیں۔

"سلام ڈاکٹر صاحب!"

کوئی ڈاکٹر داخل ہوا تھا' تب ہی اسٹاف الرٹ ہو گیا تھا' منزہ نے بھی نظر اٹھا کر دیکھا تھا' چودھری بخت اپنی نائٹ ڈیوٹی جوائن کرنے آئے تھے' انہیں دیکھ کر منزہ کے چہرے کا رنگ جتنی تیزی سے متغیر ہوا اتنی ہی تیزی سے انہوں نے چہرے پہ دوپٹے کا نقاب کر کے چہرہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ اردگرد پہ نظر ڈالتے چودھری بخت ان کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

منزہ کی سانس تیز چلنے لگی تھی' نقاب ان کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔ آج شاید منزہ کے امتحان کا دن تھا۔

عادی

سدرہ فریال

انسان ساری زندگی کسی نہ کسی کا عادی رہتا ہے وہ "کسی نہ کسی" کوئی چیز بھی ہو سکتی ہے اور کوئی انسان بھی چونکہ میں بھی انسان ہوں اس لیے مجھ میں بھی تو انسانوں والی خصوصیات تھیں ناں۔ ٹھہریئے! پہلے میں اپنا تعارف تو کروالوں' میرا نام بخت نور ہے۔ اماں مجھے بخت یا کبھی کبھی پیار سے بختاں کہہ کر پکارتی ہیں حالانکہ میں نے بعد میں اماں سے بہت بار شکوہ کیا کہ میرے نام میں اگر نور ہی رکھنا تھا تو ذرا ماڈرن قسم کا نور رکھ لیتیں جیسے نور السحر' نور العین' ماہ نور یا پھر نور فاطمہ (یہ نام آج کل ذرا اِن ہیں) مگر اماں کو تو میرا نام جی جان سے پیارا ہے ان کے بقول اسی نام کی ہی وجہ سے میرا خوب بخت چڑھے گا (بھلے میری سہیلیاں مجھے بختی' بختو' یا تی کہتی رہیں)۔

میرے ابا گاؤں کے رہنے والے تھے' شادی کے بعد کاروبار کی غرض سے اماں کو لے کر خوشاب چلے آئے۔ انہوں نے ایک شوروم میں ملازمت کرلی' میرے ابا بہت کم گو اور مزاجاً دھیمے تھے گو وہ ہم پر سختی نہ کرتے مگر ہم ان کے رعب میں رہتے تھے۔ میری پیدائش کے دو سال بعد اماں ابا کے ہاں دوسری بیٹی کی پیدائش ہوئی اس کا نام ابا نے مریم نور رکھا جبکہ میرا نام اماں نے رکھا تھا۔ مریم کی پیدائش کے چار سال بعد دو جڑواں بیٹوں کی پیدائش ہوئی جن کا نام میری ساہیوال والی خالہ نے شایان اور کاشان رکھا۔ کاشان اور شایان میں اماں کی جان تھی جبکہ مریم ابا کی آنکھوں کا تارا تھی' ابا مجھ سے بھی پیار کرتے مگر نہ جانے کیوں میں ان کی خاموش طبیعت کی وجہ سے ان سے ڈرتی تھی حالانکہ انہوں نے کبھی ڈانٹا تک نہ تھا۔ میں فطری طور پر اپنی دنیا میں رہنے والی لڑکی تھی' اماں سے بھی اتنی زیادہ باتیں نہ کرتی البتہ مریم سے میری اچھی بنتی تھی۔

تو میں بات کررہی تھی عادی ہونے کی' میں زندگی میں پہلی بار پانچ سال کی عمر میں چکنی مٹی کی عادی ہوئی۔ جی ہاں اس کو کھانے کی اس میں کھیلنے کی نہیں' ہمارے گھر میں لکڑیاں رکھنے کے لیے اور بکری باندھنے کے لیے ایک چھپر بنا ہوا تھا جب برسات آتی تو اس میں سے پانی ٹپکنے لگتا تھا چنانچہ اماں چکنی مٹی بھگو کر اس میں بھوسہ ملاتیں اور چھپر کی لپائی کردیتیں اور میں برسات کا انتظار کیا کرتی' مجھے چکنی مٹی کھا کھا کر اس کی کوالٹی کی پہچان ہوگئی تھی یعنی میں مٹی کو دیکھ کر اندازہ کرلیتی کہ اس میں ریت کی مقدار کتنی ہوگی۔ ریت کی مقدار جتنی بڑھتی جاتی' وہ مٹی کھانے کے معیار میں اتنی ہی گرتی جاتی۔ میں خالص چکنی مٹی (بغیر ریت کے) کا ٹکڑا منہ میں ڈالتی تو وہ یوں گھل جاتا جیسے ڈیری ملک منہ میں رکھتے ہی گھل جاتی ہے مگر اس مٹی کا ذائقہ چاکلیٹ سے زیادہ مزے دار ہوتا اور میرے لیے من وسلویٰ تھا۔

اماں بچی ہوئی چکنی مٹی لفافے میں بند کرکے اس چھپر میں پڑی ایک پرانی چارپائی کے نیچے رکھ دیتیں مگر یہ بات مجھے بہت بعد میں پتا چلی بس پھر کیا تھا جاڑے میں بھی برسات' گرمیوں میں بھی برسات' غرض ہر موسم میرے لیے برسات ہوتا۔

پھر ایک افسردہ سا واقعہ ہوا میرے ابا نے اس چھپر کو توڑ کر اس کی جگہ ایک پکا کمرہ بنوالیا۔ میری ساری خوشیوں کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی۔ میں چکنی مٹی کو یاد کرکے روتی' کئی دفعہ بہانے بہانے سے اماں کو چکنی مٹی کی یاد دلائی اور کہا کہ اماں اس پکے کمرے کی بھی لپائی کردے ناں' کہیں ٹپکنے نہ لگ جائے اور اماں میرے اس مفید مشورے پر مجھے چپت لگا کر مسکرادیتیں۔

"پتر یہ کمرہ نہیں ٹپکے گا۔" اور میں اس کے ٹپکنے کی خواہش لیے دل مسوس کر رہ جاتی پھر آہستہ آہستہ مجھے چکنی مٹی بھول گئی۔

میرے یہ عادی ہونے والی عادت کا اختتام نہیں تھا اب میں اسکول جاتی تھی' ہمارے اسکول میں کچی اور پکی کے بچے تختی لکھا کرتے تھے جب میں نے تختی لکھنی

شروع کی تو مجھے تختیوں والی مٹی پسند آ گئی۔ میں روزانہ اپنے جیب خرچ سے تختیوں والی مٹی لیتی جو بمشکل دس فیصد میری تختی پر لگتی اور باقی نوے فیصد میرے پیٹ میں جاتی۔ دوسری جماعت میں آنے پر گو کہ تختی لکھنی چھوڑ دی مگر میں اب بھی جیب خرچ کے پیسوں سے مٹی خرید لیا کرتی۔ جب میں نے پانچویں جماعت پاس کی تو ابا نے جہاں میرا ہائی اسکول میں داخلہ کروایا' وہاں میرے اسکول کے علاوہ گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی کیونکہ بقول ابا' اب میں بڑی ہوگئی تھی۔ میرے ارمانوں پر ایک دفعہ پھر اوس پڑگئی' اب میں تختیوں والی مٹی خرید کر بھی نہیں کھا سکتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں تختیوں والی مٹی بھی بھول گئی۔

ایک دفعہ میں دودھ ابال رہی تھی اور خالی الذہنی کے عالم میں آگ کو تکے جارہی تھی۔ اسی غائب دماغی کے عالم میں میں نے چولہے کے باہر پڑے ٹھنڈے کوئلوں میں سے ایک کوئلہ اٹھایا اور دانتوں سے کترنا شروع کردیا۔ مجھے وہ کوئلہ کچھ ذائقہ دار سا محسوس ہوا چنانچہ میں نے اس ختم کرکے ایک اور چھوٹا سا کوئلہ اٹھایا اور اسے بھی کھایا "واہ" میرے دل سے نکلا۔ میں کوئلہ تو کھا ہی سکتی ہوں ناں' یہ تو کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ میں اسی سرشاری کے عالم میں بیٹھی تھی کہ مجھے دودھ کے گرنے اور جلنے کی بو تک نہ آئی۔ وہ تو اچانک اماں کو سر پر دیکھ کر مجھے ہوش آیا۔ اماں نے فوراً دودھ چولہے سے اتارا اور دوسرے لمحے میرے منہ پر زوردار طمانچہ دے مارا۔

"کوئلے کھاتی ہو شرم نہیں آتی؟" میرا کالا منہ میرے کیے کا گواہ تھا۔ میں جھوٹ بھی نہیں بول سکتی تھی چنانچہ اماں کی زوردار ڈانٹ اور مار کے بعد میں نے کوئلے کھانے

چھوڑ دیئے۔ جی ہاں صرف اماں کے سامنے اب میں باتھ روم میں چھپ کر کوئلے کھاتی اور پھر رگڑ رگڑ کر منہ دھوتی اور نہایت اعتماد کے ساتھ باہر نکلتی' اماں کو کبھی شک نہ ہوا۔

چکنی مٹی کی طرح مجھے کوئلے کی کوالٹی کا بھی اسے دیکھ کر ہی پتا چل جاتا۔ مجھے نرم کوئلہ اچھا لگتا تھا' جسے کھانے سے زیادہ شور نہ ہوتا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ کس لکڑی سے بننے والے کوئلے نرم ہوتے ہیں' ہاں شاید وہ سفیدے کی لکڑی تھی۔

مگر پھر ایک المیہ ہوا' ابا نے کافی مہینوں سے گیس لگوانے کے لیے درخواست دے رکھی تھی جب ہمارے محلے میں گیس لگنے لگی تو ہمیں بھی کنکشن مل گیا چنانچہ اب لکڑیاں جلانے والا سلسلہ ختم ہوگیا اب میں دن رات کوئلوں کو یاد کرتی۔

ہمارا گھر محض دو کمروں پر مشتمل تھا' جو اب ہمارے بڑے ہونے کے ساتھ ساتھ چھوٹا لگنے لگا تھا چنانچہ جب میں نے ساتویں اور مریم نے پانچویں جماعت پاس کی تو ہم سرگودھا والے گھر میں شفٹ ہوگئے۔ یہ گھر ابا نے پچھلے کچھ سالوں میں پیسہ بچا کر خریدا تھا۔ یہاں ابا نے ہمارا داخلہ انگلش میڈیم اسکول میں کروایا اور اس اسکول میں آ کر مجھے چاک کھانے کی لت پڑی۔ میں اسکول سے چاک چوری کرکے گھر لاتی اماں سے چھپا کر کھایا کرتی۔ میں اسکول میں اس قدر صفائی سے چوری کرتی کہ کسی کو معمولی سا شک بھی نہ ہو پاتا۔ اسکول کے مین گیٹ کے اندرونی طرف ایک میز رکھی تھی جس پر اساتذہ کے حاضری کے رجسٹر اور چاک کے ڈبے وغیرہ پڑے ہوتے۔ جس کلاس کو ضرورت ہوتی اس کلاس کی مانیٹر یا پھر کوئی اور لڑکی چاک لے لیتی۔ میں بے حد اعتماد کے ساتھ کلاس کے لیے چاک اٹھاتی آرام سے لاکر اپنے بیگ میں رکھ لیتی۔ اس مقصد کے لیے میں اپنا جیومیٹری بکس استعمال کرتی تھی یعنی چاک اٹھا کر کلاس میں پہنچنے سے پہلے پہلے ان کو جیومیٹری میں منتقل کرتی اور جیومیٹری بیگ میں رکھ لیتی جبکہ میرے پین اور مارکر بیگ کے باہر والے خانے میں پائے جاتے اگر اتفاق سے کبھی چاک نہ مل پاتا تو بلیک بورڈ پر کچھ لکھواتی ٹیچر کے ہاتھ میں پکڑے چاک کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہتی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں جیومیٹری بکس گھر بھول آئی تھی مگر چاک چرانے تو ضروری تھے چنانچہ جب میں چاک بیگ میں رکھ رہی تھی تو کلاس کی مانیٹر روبہ نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے مجھے کچھ نہ کہا' بس کلاس انچارج میم معصومہ کو بتادیا۔ اگلے دن پہلے پیریڈ میں میم معصومہ (جو ہمیں کیمسٹری پڑھاتی تھیں) نے ساری کلاس کے سامنے مجھ سے چاک کی چوری کا قصہ پوچھا۔ ایک لمحہ کو تو میں گڑبڑا ہی گئی مگر شاباش میری عقل کو' میں نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لہجے میں جہان بھر کی معصومیت سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میم آپ نے جو کل کیلشیم کاربونیٹ کے ریکشنز کروائے تھے جن کی مثال آپ نے چاک بتائی تھی۔ میں وہی ریکشنز گھر جا کر عملی طور پر کرنا چاہتی تھی۔'' میم میری اس بات سے بہت خوش ہوئیں' پہلے تو انہوں نے مجھے سمجھایا کہ چاک میں صرف CaCo نہیں ہوتا بلکہ دیگر مرکبات بھی شامل ہوتے ہیں اس لیے آپ ریکشنز گھر میں ٹھیک سے نہ کر پاتیں اور اس کے بعد کلاس کے سامنے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہی طالب علم بڑے ہوکر سائنسدان بنتے ہیں۔'' ان کی اس بات سے ساری لڑکیاں مجھے رشک و حسد سے دیکھنے لگیں اور میں ایک شان بے نیازی کے ساتھ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

چاک کھاتے ہوئے مجھے چاک کی کوالٹی کی بھی پہچان ہوگئی تھی کچھ سخت اور بے ذائقہ چاک ہوتے جو مجھے بہت مزے دار لگتے کیونکہ جو نرم چاک ہوتے ان کا ذائقہ تو اچھا ہوتا تھا مگر شاید ان میں چونے کی مقدار زیادہ تھی کیونکہ وہ چاک کھانے کے بعد مجھے موشن لگ جاتے تھے اس لیے میں صرف سخت چاک کھاتی۔

جب میں دسویں جماعت میں پہنچی تو ساری کلاسز

میں وائٹ بورڈ لگ گئے۔ بلیک بورڈ کو ایکٹیویٹی کارنر بنا دیا گیا جہاں طلباء اپنی ڈرائنگز اور اسکیچز وغیرہ بنا کر لگاتے اس بار عادی شدہ چیز کے چھن جانے پر میں مایوس نہ تھی۔ مجھے یقین تھا کہ چاک کے متبادل کے طور پر قدرت مجھے کچھ نہ کچھ ضرور فراہم کرے گی اور وہی ہوا۔

میں نے کالج کی کینٹین سے چھالیہ لے کر کھانی شروع کی اور ایسی شروع کی کہ پھر میں حسب عادت اس کی عادی ہوگئی۔ چھالیہ کی مقدار وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی حتیٰ کہ میں ایک ہفتے میں چھالیہ کا ایک ڈبہ کھا لیتی تھی۔ سارا دن کالج میں میرے منہ میں چھالیہ رہتی اور میں ''چھالیہ والی لڑکی'' کے نام سے جانی جانے لگی البتہ گھر میں ذرا احتیاط کرتی۔

اب میں اسی کالج سے ایف اے کر رہی تھی۔ ایک دن ٹیچر نے سبق پڑھاتے ہوئے مجھ سے کوئی سوال پوچھا گو مجھے جواب آتا تھا مگر منہ میں چھالیہ ہونے کی وجہ سے میں بولنے سے قاصر تھی چنانچہ میں خاموشی سے کھڑی ہوگئی۔ ٹیچر کو بھولپن سے دیکھا اور یہ ظاہر کیا کہ مجھے جواب نہیں معلوم۔ ظاہر ہے منہ کھولنے پر تو چھالیہ گر جاتی ناں مگر کلاس فیلو کو اصل کہانی معلوم تھی وہ ساری کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں جب ٹیچر نے ساری لڑکیوں کو ہنستے دیکھا وہ سمجھیں کہ شاید میرے جواب نہ دینے پر ہنس رہی ہیں چنانچہ وہ جو مجھ پر غصہ کرنے ہی لگی تھیں یکدم ساری کلاس کو کھڑا کر دیا اور مجھے بٹھا دیا۔ اگلا سارا پیریڈ میں مزے سے بیٹھ کر چھالیہ کھاتی رہی اور ساری لڑکیاں مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہیں۔

لیکن قسمت کو میرا مزے لینا منظور نہیں تھا۔ ایف اے کے امتحانات کے بعد میں کالج سے فارغ ہو کر گھر بیٹھ گئی بظاہر تو چھالیہ کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے تھا مگر میں نے ناامید ہونا تو سیکھا ہی نہیں تھا۔ اب کچھ پیسوں کی لالچ دے کر بھائی سے میں چھالیہ منگوا لیا کرتی۔ کچھ ہفتے تو یہ سلسلہ چلا پھر اس کے بعد اماں کو خبر ہوگئی میری خوب شامت آئی۔ اماں نے کاشی اور شانی پر جوتے برساتے سختی سے چھالیہ لانے سے منع کیا اور مجھے چھالیہ کے نقصانات پر ایک اچھا خاصا لیکچر سنا ڈالا اور ان میں سرفہرست منہ کا کینسر تھا اب اماں بے چاری کو کیا پتا کہ میں کیا کیا کھاتی رہی ہوں خیر میں چھالیہ نہ ملنے پر بالکل نہ گھبرائی متبادل کے لیے کوئی اور چیز سوچنے لگی۔

انہی دنوں کاشی اور شانی نے ایک درجن رنگ برنگے چوزے خریدے پہلے دن ہی ایک چوزے کو چیل لے گئی۔ دوسرے دن ایک چوزہ گرمی کی شدت سے جاں بحق ہوگیا۔ باقی چوزوں کی زندگی بھی بہت غیر یقینی ہوگئی تھی خیر مجھے تو چوزوں سے کیا دلچسپی ہونی تھی مجھے تو ان کے لیے لائے جانے والے باجرے سے دلچسپی تھی۔ جی ہاں! اب کی بار میں نے اپنے آپ کو باجرے کا عادی بنایا مگر یہ مدت بہت کم نکلی ایک ڈیڑھ ماہ میں ہی جو پانچ چوزے بچ گئے تھے وہ اب اتنے بڑے ہو چکے تھے کہ گندم کے دانے اور چائے کی استعمال شدہ پتی کھاسکیں چنانچہ باجرہ آنا بند ہوگیا گو میں نے کاشی اور شانی کو خوب سمجھانے کی کوشش کی کہ اس عمر میں چوزوں کے لیے باجرہ کتنا ضروری ہے اور وہ میری باتوں میں آ بھی گئے مگر اماں نے صاف منع کر دیا۔ قسمت نے ایک بار پھر مجھے خلاؤں میں معلق کر دیا تھا لیکن میں نے بھی کہاں گھبرانا سیکھا تھا اس بار میں نے خوب سوچ سمجھ کر باجرے کا متبادل کچے چاولوں کو بنایا۔ کچے چاول مجھے بچپن سے ہی پسند تھے مگر میں ان کی عادی کبھی نہیں ہوئی تھی اب تو گھر میں بھی چاول بہت تھے چنانچہ میں نے ایک کلو چاول فی ہفتہ کے حساب سے کھانے شروع کر دیے۔ ظاہر ہے اماں سے چھپا کر اب باتھ روم میں چھپ کر چاول کھانا اچھا تو نہیں لگتا نا اس لیے میں اماں کے سو جانے کا انتظار کرتی پھر کچن میں جا کر چاول بھگوتی پھر چائے بنا کر پیتی تب تک چاول کچھ نرم پڑ چکے ہوتے وہ میں مزے سے کھاتی۔

اگر انسان استعمال کرنے پر آ جائے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جائے وہ تو پھر چاول تھے جو ہفتے میں ویسے بھی ایک دو بار اماں پکاتی تھیں چنانچہ میں پھر ایک بار منجدھار

میں پھنس چکی تھی۔

ایف اے کا رزلٹ آچکا تھا میں بمشکل پاس ہو پائی تھی۔ پڑھائی کو تو کبھی میں نے اپنی عادت بنایا ہی نہیں تھا۔ رزلٹ کے بعد ابا نے اسی کالج میں میرا بی اے میں ایڈمیشن کروادیا۔ میں آگے پڑھنا تو نہ چاہتی تھی مگر نہ پڑھنے کا مطلب تھا شادی کرنا' جس کا فی الحال میرا کوئی ارادہ نہ تھا چنانچہ میں نے ایک بار پھر کالج جانا شروع کیا۔ انہی دنوں شہباز شریف کی مرہونِ منت جن طلباء کو انٹر لیول میں فرسٹ ڈویژن پر لیپ ٹاپ دیئے گئے ان میں میرا نام بھی شامل تھا۔ لیپ ٹاپ ہاتھ آیا تو پڑھائی کا بہانہ کرکے انٹرنیٹ بھی لگوالیا۔ بس نیٹ لگوانے کی دیر تھی کہ خود کو کسی سے پیچھے نہ سمجھتے ہوئے میں نے بھی فیس بک پر اکاؤنٹ بناڈالا اور پھر میں فیس بک کی عادی ہوتی چلی گئی۔

رات دیر تک فیس بک پر بیٹھی رہتی اس دوران اگر اماں کی آنکھ کھل جاتی اور وہ اس وقت تک جاگنے کا سبب پوچھتیں تو میں اسائنمنٹ بنانے کا بہانہ کرکے ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی اور وہ دن رات میرے ٹاپ کرنے کی دعائیں کرتی رہتیں۔

ایک دن مجھے ارمغان کی فرینڈ شپ ریکوئسٹ آئی' میں نے حسب معمول اجنبی ریکوئسٹ کو کینسل کردیا پھر اس کا ٹیکسٹ آیا ''ایڈمی'' میں نے جواب بھیجا۔

''کیوں؟''

''کیوں کہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔'' یہ جواب پڑھ کر ایک لمحہ کو تو میں کانپ ہی گئی' میں نے اس کو کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ میسج کیا۔

''کیا آپ کی منگنی ہوچکی ہے؟''

میں نے تپ کر لکھا ''نہیں میری تو شادی بھی ہوچکی ہے یہ جو میری پروفائل پر آپ کو بچہ نظر آرہا ہے یہ میرا چھوٹا بیٹا ہی تو ہے۔''

''واہ یہ خوب ہے ویسے چار سال پہلے یہی تصویر میں نے بھی اپنی پروفائل پر لگائی تھی۔'' میں اس کے جواب پر جل کر رہ گئی اور لاگ آؤٹ کردیا۔ اگلے دن پھر اس کا میسج آیا۔

''میں آپ کے ساتھ فلرٹ نہیں کررہا۔ سیدھے لفظوں میں آپ کو پرپوز کررہا ہوں اور آپ کے گھر کا پتا جاننا چاہتا ہوں تاکہ اپنی والدہ کو بھیج سکوں۔'' میں اس میسج سے خوب محظوظ ہوئی۔

''کسی لڑکی کو پھنسانے اور اس کا پتا جاننے کا یہ بھی اچھا مگر پرانا طریقہ ہے' ویسے کتنی لڑکیوں کو یہ کہہ چکے ہیں۔''

''پہلی بار تو آپ کو کہا' آگے کے بارے میں معلوم نہیں۔'' (آگے ایک اسمائل تھی) مجھے تپ چڑھی۔

''ویل مسٹر مجھ سے شادی کا فیصلہ آپ نے کس بناء پر کیا؟''

''آپ کی بڑی بڑی کالی آنکھیں دیکھ کر۔'' میں شاکڈ رہ گئی۔

میری آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں' میری آنکھوں کی خوب صورتی مجھے باقی سب سے ممتاز کرتی لیکن یہ اس لڑکے کو کیسے معلوم ہوا کیا اس نے مجھے دیکھا ہے؟ پر کہاں...... چھوڑو نور! یونہی اندھیرے میں تیر چلایا ہوگا۔ میں نے جیسے خود کو تسلی دی' اس کا ایک اور میسج آیا۔

''اور آپ کا ٹھوڑی کا تل اور لمبی کالی اور گھنی بالوں کی چوٹی کو دیکھ کر۔'' یعنی اس نے مجھے واقعی دیکھ رکھا ہے؟ ارے نہیں یہ میری کوئی سہیلی ہوگی میرا ذہن فوراً اریبہ' عروہ اور ربیعہ کی طرف گیا پھر آج کل تو فیک آئی ڈی اتنی عام ہیں' مجھے پہلے کیوں نہیں خیال آیا' میں نے اس کو لکھا۔

''مجھے معلوم ہے تم اریبہ' عروہ یا پھر ربیعہ ہو۔''

''اریبہ' عروہ کا تو نہیں پتا مگر ربیعہ کو میں جانتا ہوں ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میں اریبہ' ربیعہ' عروہ نہیں بلکہ ارمغان ہوں۔''

''میں نہیں جانتی کسی ارمغان مجاز یا اسرار خودی کو۔''

''ہاہاہا۔'' اور میں نے اس پر تین حرف بھیج کر لیپ ٹاپ بند کردیا۔ اگلے دن میں ان تینوں کے سر پر کھڑی تھی۔

ساری بات جان کر ان تینوں کا مشترکہ قہقہہ بلند ہوا۔

''مجھے سچ سچ بتاؤ تم تینوں میں سے کون ہے؟''

''میں تو نہیں ہوں۔'' ربیعہ بولی۔

"اور میں بھی نہیں، تمہارے سر کی قسم۔" اریبہ کے کہنے پر میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ "یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کلاس کی کوئی اور لڑکی ہو۔" ربیعہ نے اپنی رائے دی۔

"ویسے سچ مچ کوئی لڑکا بھی ہوسکتا ہے۔" عروہ نے ایک آنکھ دبا کر کہا اور ان تینوں کا ایک قہقہہ مشترکہ پھر بلند ہوا کو میرے دل میں دو چار لڈو تو پھوٹے مگر بظاہر میں ان پر غصہ کرنے لگی۔ بہرحال مجھے اتنا یقین ضرور ہوگیا کہ ان تینوں میں سے وہ کوئی نہیں۔ جب میں رات کو آن لائن ہوئی تو اس کے کچھ اور میسجز آئے ہوئے تھے مگر میں ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کرسکی۔ میں نے لکھا۔

"مسٹر ارمغان! اب اپنی حقیقت بتا ہی دو تو اچھا ہے۔"

"اوکے۔" فوراً جواب آیا اور اس کے بعد ایک تصویر بھیجی گئی وہ ہمارے کالج کے پرائز ڈسٹری بیوشن سیرمنی کے دن کی تصویر تھی جس میں وہ گیسٹس آف آنرز کے ساتھ اگلے صوفے پر براجمان تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ مجھے یاد آیا کہ چند دن پہلے کالج میں ہونے والے پرائز ڈسٹری بیوشن سیرمنی میں میں نے اور اریبہ نے کمپیئرنگ کی تھی اور ظاہر ہے سب سے پہلے تو ہم نے اپنا تعارف کروایا تھا۔ کمپیئرنگ کے لیے نام لکھواتے ہوئے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اسلام آباد سے جن مہمانوں کو مدعو کیا گیا ہے ان میں مرد (یا اتنے نوجوان اور ہینڈسم مرد) بھی شامل ہوں گے۔ لہٰذا میں نے یونیفارم والا دوپٹہ شانوں پر لیا تھا اور سر پر ایک معمولی سا اسٹولر تھا جس سے نکلتی ہوئی میری لمبی چٹیا صاف نظر آرہی تھی۔ اب مجھے ساری کہانی سمجھ میں آگئی تاہم یقین دہانی کے لیے میں نے لیپ ٹاپ میں موجود سیرمنی کی تصاویر کھولیں اور ان کو غور سے دیکھا۔ پہلے اگر اپنی اور دوستوں کی تصویروں کو غور سے دیکھنے سے فرصت ملتی تو اس ارمغان کی پروفائل پکچر دیکھتے ہی میں اسے پہچان جاتی۔

ارمغان نے ایک اور میسج بھیجا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ سیرمنی کے لیے مدعو تو اس کے ایک چچا کو کیا گیا تھا مگر وہ علالت کی وجہ سے خود نہ آپائے اور اپنی جگہ اسے بھیج دیا اور بقول اس کے اسے میں پسند آگئی۔ واپس جاکر اس نے فیس بک پر مجھے ڈھونڈا میرا نام قدرے مختلف ہونے کی وجہ سے اسے ڈھونڈنے میں مشکل پیش نہ آئی۔ وہ اسلام آباد میں رہتا تھا اور ایم فل کا اسٹوڈنٹ تھا اور پارٹ ٹائم جاب بھی کرتا تھا۔

ان تمام تفصیلات کا میں نے کوئی جواب نہ دیا اور لاگ آؤٹ کردیا۔ اس کے بعد میں کافی دیر تک سوچتی رہی۔ وہ ایک دراز قد اور ہینڈسم لڑکا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس کے گال پر گہرا ڈمپل پڑتا تھا، وہی مسکراتی ہوئی تصویر اس نے اپنی پروفائل پر لگائی ہوئی تھی لیکن میں بھی کوئی عام لڑکی نہیں ہوں میں نے نہایت پُراعتماد انداز میں سوچا، ویسے بھی میرا اس کو لفٹ کروانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا میں صرف اتنا جاننا چاہتی تھی کہ وہ ہے کون؟ اب یہ جان لینے کے بعد اس سے کوئی بات نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اگلے دن اس نے پھر میسجز کیے تھے، میں نے اسے دو ٹوک انداز میں دوستی سے انکار کردیا اور کہا کہ آج کے بعد مجھے کوئی میسج نہ کرے۔

"ٹھیک ہے مگر آج کے دن تو کرسکتا ہوں؟" مجھے اس کی ڈھٹائی پر ہنسی آئی۔ اس نے ایک انگریزی قول بھیج رکھا تھا جو میرے سر سے گزر گیا مگر میں نے یہ سوچ کر کہ وہ مجھے نالائق نہ سمجھے لائک کا نشان بھیج دیا۔

"کیسی ہو؟" اس کا فوری میسج آیا۔

"میں نے میسج کرنے سے منع کیا تھا۔" لکھنے پر اس نے جواب دیا۔

"اصل میں، میں اتنا بھلکڑ ہوں کہ ایسی باتیں اکثر بھول جاتا ہوں۔" مجھے ہنسی آئی مگر میں نے جواب نہ دیا ایسے ہی سر پر چڑھ رہا ہے، اس کے بعد تو ارمغان کی جیسے عادی سی بن گئی۔

وہ روز مجھے کوئی نہ کوئی ایکویشن بھیج دیتا۔ میں پڑھتی مگر جواب نہ دیتی وہ انگلش لٹریچر کا اسٹوڈنٹ تھا، کہاں وہ موٹے موٹے انگریزی کے ناولوں کی موٹی باتیں کہاں

میں بی اے کی انگریزی میں ہمیشہ سے کمزور طالبہ۔ اس کی باتوں کی بھلے مجھے سمجھ نہ آتی مگر میں پڑھتی ضرور تھی کیونکہ اب میں ان کی عادی ہوگئی تھی۔

مہینوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ میں پروموٹ ہوکر فورتھ ائر میں آ گئی پھر اچانک اس کے میسجز آنا بند ہوگئے۔ دن گزرتے گئے اور میں بے حد پریشان رہتی، دن میں کئی بار اس کی ٹائم لائن کھول کر دیکھتی۔ اس کی آخری پوسٹ اسی دن کی تھی جب اس نے آخری میسج کیا تھا۔

"یااللہ! اسے کیا ہوگیا۔" اسی پریشانی میں میرا پڑھائی سے دھیان بھی ہٹ گیا پھر پورے دو ہفتوں بعد اس کا میسج آیا۔

"کیا تم نے مجھے مس کیا؟" اُف اسے کیسے پتا چلا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری۔" میں نے جواباً لکھا اس نے ایک قہقہہ لگانے کے بعد پوچھا۔

"اچھا پوچھو گی نہیں کہ میں کہاں تھا۔" اور میرے جواب دینے سے پہلے خود ہی بتادیا "میرے امتحان ہورہے تھے۔"

"اور فیس بک کا استعمال بند کرکے تو جیسے ٹاپ کرلیا ہوگا۔" میں نے طنزاً لکھا اس نے جواب دیا۔

"ہاں ان شاء اللہ میں ہی ٹاپ کروں گا اس بار بھی۔ ویسے ایک لڑکی رضا کے بھی میرے برابر ہی نمبر ہیں تقریباً تمام مضامین میں مگر ایک آخری پیپر کل ملے گا اس سے حتمی فیصلہ ہوگا، تم دعا کرنا۔" یہ اس کا چوتھا اور آخری سمسٹر تھا، میں نے جواب دیا۔

"سوری! میں اجنبیوں کے لیے دعا نہیں کرتی۔" اس نے کوئی جواب نہ دیا شاید اسے دکھ ہوا ہو۔ مجھے ذرا سی بے چینی ہوئی، رات کو نماز کے بعد دعا مانگتے ہوئے مجھے وہ یاد آیا دل میں ذرا پچھتاوا ہوا اور پھر اس کے لیے دعا مانگی۔

اگلے دن فیس بک کھولی تو اس کا کوئی میسج نہ تھا، میں نے فوراً ارمغان کی ٹائم لائن چیک کی جہاں اس کے تمام دوستوں نے اس کو سمسٹر میں ٹاپ کرنے پر مبارک باد دے رکھی تھی۔ نجانے کیوں مگر مجھے بہت خوشی ہوئی میں نے اس کو "مبارک ہو" لکھ کر بھیجا اس نے جواب دیا۔

"شکریہ نور۔" اس دن مجھے اپنا نام بھی بہت اچھا لگا نجانے کیوں۔

"دعا کرنے کے لیے شکریہ۔" اس نے اگلا میسج کیا اور میں نے اسے "مسٹر خوش فہم" لکھ بھیجا اور لیپ ٹاپ بند کردیا۔ میرے دل میں ایک اطمینان اور سکون سا تھا جیسا کسی اپنے کی کامیابی پر ہوتا ہے۔ اسی سرشاری میں اگلے دن خوامخواہ ربیعہ، اریبہ اور عروہ کو سموسے کھلا دیئے ان کو میں نے ارمغان سے بات کرنے کے بارے میں کچھ نہ بتایا تھا۔ وہ مسلسل کریدتی رہیں اور شک کی نظر سے دیکھتی رہیں مگر میں بھی بے پروا بنی رہی۔

بریک کے بعد ہمیں انگلش کی ٹیچر نے پچھلے ٹیسٹ واپس کیے، میں نے حسب معمول سب سے کم مارکس لیے تھے۔ میرا موڈ بُری طرح خراب ہوا۔

"آخر سینٹیا گو نے مارلن (مچھلی) کو مار کر ہم پر احسان تھوڑی نہ کیا تھا اور یہ ہیمنگوے ہنہہ...... یہ تو کاش پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ کارنامے کرکے خود مر کھپ گئے، پر آنے والی نسلوں کو عذاب میں ڈال گئے اور ایک وہ ارمغان ہے جو ان فرنگیوں کے مضمون میں پڑھائی کرکے ٹاپ بھی کر گیا۔" پھر میری سوچ وہیں رک گئی۔

"ارمغان...... انگلش واؤ۔" جہاں مجھے پہلے انگریزی میں اپنی سبکی صاف نظر آرہی تھی اب ذرا امید بندھی، میں نے گھر جا کر اس کو میسج کیا۔

"کیا تم مجھے انگلش سمجھا دو گے؟" ابھی وہ شاید آن لائن نہیں تھا کچھ دیر بعد اس نے جواب دیا۔

"یہ کوئی ریاضی یا کیمسٹری نہیں جسے سمجھایا جائے، اسے تو بس محسوس کیا جاتا ہے۔"

"میں سیریس ہوں۔"

"اور میں ارمغان ہوں۔" آگے دانت نکالتی ہوئی اسمائل تھی، تھوڑی دیر تنگ کرنے کے بعد اس نے مجھے پڑھانے کی حامی بھرلی۔ اب روزانہ وہ مجھے

Sea کے اہم پیراگرافس تفصیل سے سمجھا دیتا۔ اس کا سمجھانے کا انداز نہایت عمدہ اور متاثر کن تھا۔ مجھے سمجھ آجاتی' میں اچھے بچوں کی طرح اس سے بے حد سوالات پوچھتی اور وہ نہایت صبر سے ہر ایک سوال کا تفصیلی جواب دیتا۔

"Defeated اور Destroyed میں کیا فرق ہے؟" میں نے حسب عادت سوال پوچھا' ارمغان اب ناول کے تھیمز کروا رہا تھا جس میں سے ایک یہ تھا۔

A Man Can be destroyed but can't be defeated

"Defeated کہتے ہیں ہارے ہوئے انسان کو جبکہ Destroyed شخص کو بظاہر تو تباہ کردیا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس کی مہارت' اس کی ہمت اور جیت کا جذبہ زندہ ہوتا ہے۔ وہ جیت حاصل کرنے کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ اس دوران بھلے وہ تباہ و برباد ہوجائے مگر وہ کوشش کرنا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ہار نہیں مانتا اور جب تک انسان خود ہار نہ مان لے اسے ہم ہارا ہوا نہیں کہہ سکتے۔ کامیابی ایسے ہی انسان کا مقدر ہوتی ہے' بالکل اس بوڑھے آدمی سینٹیاگو کی طرح جو کئی ٹن وزنی مچھلی کو مار کر آخر کار اس کا ڈھانچہ ساحل تک لے ہی آتا ہے۔ اس کو ہم Destroyed تو کہہ سکتے ہیں مگر Defeated ہرگز نہیں۔" ہمیشہ کی طرح تفصیلی جواب دے کر اس نے پوچھا "سمجھ آئی؟" اور میں نے کہا۔

"یس' گوٹ اٹ۔"

"انگلش موویز دیکھا کرو' ان میں تمہیں Destroyed اور Defeted کا فرق اچھی طرح سمجھ آئے گا جیسے EvilDead اور......"

"انگلش موویز میں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر جتلاتے ہوئے کہا۔

"ہوتا ہے' میں انکار نہیں کرتا مگر تم ایک بات یاد رکھنا کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک مثبت اور دوسرا منفی' جس انسان کا جیسا ذہن ہوتا ہے وہ اسی پہلو کو دیکھتا ہے جبکہ دوسرے پہلو کو نظر انداز کردیتا ہے۔ جس طرح ہر انسان میں کچھ اچھائیاں ہوتی ہیں اور کچھ برائیاں۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ ہمیں دوستوں کی صرف اچھائیاں اور دشمنوں کی صرف برائیاں ہی کیوں نظر آتی ہیں' اگر دوستوں کی برائیاں اور دشمنوں کی اچھائیاں نظر بھی آجائیں تو ہم ان کو نظر انداز کردیتے ہیں جیسے انہیں سوچنا ہی نہ چاہتے ہوں' بس سوچ بلند ہونی چاہیے پھر محض مثبت پہلو نظر آتا ہے۔" اور میں قائل ہوجاتی۔

میرے امتحانات کی ڈیٹ شیٹ آچکی تھی اور میں پڑھائی میں زور و شور سے مصروف تھی۔ فیس بک کا استعمال اب بہت کم کردیا تھا' بس رات کو کچھ دیر ارمغان سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتی۔ اس نے تفصیلی نوٹس مجھے میل کردیئے تھے ان سے مدد لیتی۔ ارمغان کی باتوں سے بہت حوصلہ ملتا تھا' میں جو ہمیشہ سے ایک درمیانے درجے کی طالبہ رہی تھی اب پڑھائی میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ ارمغان سے میں فرسٹ ڈویژن لینے کا وعدہ کرچکی تھی' مشکل تھا مگر ناممکن نہیں جب دلچسپی پڑھائی میں بھی ہو اور پڑھانے والے میں بھی......

امتحانات شروع ہوچکے تھے اور میں دن رات پڑھائی میں مگن' البتہ فیس بک استعمال کرنا میں نے نہیں چھوڑا تھا۔ محض چند لمحوں کے لیے ارمغان کی بھیجی کوئی کوئٹ پڑھنے کے لیے میں فیس بک ضرور چیک کرتی۔ میرے امتحانات کے دنوں میں وہ مجھے حوصلہ افزا اور ہمت بندھانے والی اقوال بھیجتا۔ نجانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر اور مجھ میں ایک نئی طاقت بھر جاتی۔

ہر پیپر دینے کے بعد میں اس کو خوشی خوشی پیپر کے بارے میں بتاتی اور اس کی تعریفیں میرا حوصلہ مزید بڑھاتیں۔ آخری پیپر دے کر میں گھر لوٹی تو بے حد خوش تھی' اس روز میں نے ارمغان سے جی بھر کے باتیں کی اتنی کہ مریم نے بےزار ہو کر میرا لیپ ٹاپ چھین کر بند کردیا۔

"پہلے محترمہ امتحانات میں مصروف تھیں اور اب ان محترم کے ساتھ یعنی کہ میں تو تمہاری کچھ لگتی ہی نہیں۔"

مریم لاڈ بھری ناراضگی کے ساتھ میرے کندھے سے سر ٹکا کر میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

مریم ارمغان کے بارے میں سب جانتی تھی اس کے اور میرے درمیان کوئی راز نہ تھا۔ دو سال کا فرق کچھ زیادہ تو نہ تھا' اس کی اور میری بہت اچھی دوستی تھی۔ مریم کو تو ان تمام چیزوں کا بھی علم تھا جن کی میں عادی تھی' وہ امی سے چھپا کر میرا "نشہ پورا کرنے" میں میرا اور پورا ساتھ دیا کرتی۔

مریم میری بہت ہی پیاری بہن' ان دنوں وہ سیکنڈ ائر کے امتحانات سے فارغ ہو کر زور و شور سے ایم کیٹ کی تیاری میں مصروف تھی۔ ڈاکٹر بننا اس کی سب سے بڑی خواہش تھی میرے برخلاف وہ شروع سے ہی بہت لائق فائق تھی۔ میٹرک میں بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تھی جبکہ فرسٹ ائر میں بھی وہ اپنی کلاس میں اول آئی تھی اور سیکنڈ ائر کے رزلٹ کے لیے نہایت پُرامید تھی۔

کاشی اور شانی کو ڈانٹنا اور پھر ان کے فرمائشی کھانے پکانا' اماں کی گھر کے کاموں میں مدد کرنا اور ابا سے جی بھر کے لاڈ اٹھوانا' گھر بھر کی مینا تھی وہ۔ پھر رات دیر تک ہم نے ڈھیر ساری باتیں کی' اگلے دن ارمغان سے بات ہو رہی تھی' وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔

"نورا! میں نے امی سے تمہاری بات کی ہے' وہ تمہارے گھر آنا چاہتی ہیں۔" اُف اتنا ڈائریکٹ انداز' میں کانپ سی گئی۔

"اصل میں پہلے میں نے تمہارے امتحانات کی وجہ سے یہ بات نہیں چھیڑی کہ کہیں تم پریشان نہ ہو جاؤ۔" میں ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی شاید جواب دینے کی حالت میں نہیں تھی مگر اسے معلوم تھا کہ میں یہ سب پڑھ رہی ہوں۔ کافی دیر گزر گئی میں نے جواب دیے بنا لاگ آؤٹ کر دیا۔

"ارمغان نے مجھے پرپوز کیا ہے' وہ اپنی والدہ کو بھیجنا چاہتا ہے۔" رات کو دیر تک پڑھنے کے بعد مریم جو ابھی ابھی سونے کے لیے لیٹی تھی میری بات سن کر اچھل کر اٹھ بیٹھی اور میرے بیڈ پر آ بیٹھی۔ یہ ہم دونوں کا کمرہ مشترکہ تھا۔

"واقعی......" وہ بے حد پرجوش تھی' میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا مجھے خوش ہونا چاہیے؟"

"خوش نہیں بہت زیادہ خوش' اگر ایسا ہو جائے تو اوہ مائی گاڈ" مریم نے اپنے دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا شاید وہ تصور ہی میں...... اُف پتا نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" میں ابھی تک فیصلہ نہ کر پائی تھی۔

"فوراً اس کو ہاں کہہ دو۔"

"مریم! مگر اماں ابا......"

"اُف او چھوڑو نہیں میں آرام سے منالوں گی۔ تمہیں میری صلاحیتوں پر یقین ہونا چاہیے۔" اس نے اٹھلا کر کہا اور پھر گھنٹہ بھر وہ پتا نہیں کیا کیا کہتی رہی' میں کچھ نہ سمجھ سکی میں تو جیسے صدمہ سے نکل ہی نہ پا رہی تھی۔ پھر وہ سو گئی اور میں...... میں ساری رات جاگتے ہوئے ہی خواب دیکھتی رہی۔

میں نے ارمغان کو جواب دے دیا چند لمحے تو اس کی طرف سے کوئی میسج نہیں آیا۔

"میں بہت خوش ہوں نورا" بہت ہی دیر بعد جواب آیا۔

اگلے دن مریم کا رزلٹ تھا' دو بجے فیڈرل بورڈ نے رزلٹ کا اعلان کرنا تھا۔ مریم کافی بے چین تھی' صبح سے ادھر اُدھر گھوم رہی تھی۔

"اُف او بیٹھ بھی جاؤ مریم! اتنے اچھے تمہارے پارٹ ون کے نمبر ہیں' اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟" میں نے اسے تسلی دی۔

"یہی تو پریشانی ہے ناں' پہلے پارٹ ون میں فرسٹ پوزیشن لی تھی اب اگر فرسٹ نا آسکی تو؟ اور پھر میڈیکل......"

"اتنے اچھے نمبر ہیں تمہارے اور میڈیکل میں تو اپنا

نام پکا سمجھو۔“ انہی باتوں میں دو بج گئے میری گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا رول نمبر لکھا۔ مریم کمرے سے نکل گئی اور رزلٹ آ گیا اور میری بہن اپنے کالج میں پہلے نمبر پر آئی تھی۔ کاشان اور شایان نے شور مچایا۔ میں نے کمرے سے باہر نکل کر نم آنکھوں سے اسے گلے لگالیا۔

”پگلی! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مریم نور اپنے کالج میں فرسٹ آنے کا ریکارڈ توڑ دے۔“ مریم نے چیخ ماری اور مجھے بھینچ لیا۔ اماں خوشی سے سجدے میں گر گئیں ابا فوراً مٹھائی لے آئے اور یوں تھوڑی ہی دیر میں گھر بھر میں خوشیاں پھیل گئیں۔ رات کو فیس بک آن کی تو ارمغان آن لائن تھا اس کو مریم کے رزلٹ کا بتایا تو وہ بے حد خوش ہوا مبارک باد دی ٹریٹ مانگی۔ مریم میرے ساتھ بیٹھی تھی اس نے خود ارمغان سے بات کی اور مبارک باد وصول کی پھر اماں نے کسی کام سے بلایا تو اٹھ کر چلی گئی۔

”نور! امی تم سے بات کرنا چاہتی ہیں کیا تم اپنا سیل نمبر دے سکتی ہو۔“ ہم دونوں نے کبھی فون پر بات نہیں کی تھی ہمیشہ فیس بک پر ہی چیٹ کرتے تھے۔

”ٹھیک ہے مگر میں صرف آنٹی سے بات کروں گی۔“ میں نے شرارت سے کہا۔

”مجھے بھی تمہاری آواز سن کر خواب میں ڈرنا نہیں ہے۔“ اس نے بھی میرے انداز میں جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ میں نے مصنوعی غصہ دکھایا۔

”میرا مطلب ہے تمہاری آواز سن کر مجھے خوشی سے نیند ہی نہیں آئے گی سوؤں گا نہیں تو خواب بھی نہیں آئے گا اور جب خواب نہیں آئے گا تو ڈروں گا کیسے۔“ اُف اس کی وضاحتیں مجھے ہنسی آ گئی بہر حال میں نے نمبر دے دیا۔

اگلے دن ایک اجنبی نمبر سے کال آئی مجھے تھوڑا بہت اندازہ تھا اس لیے فون اٹھالیا کوئی خاتون تھیں۔ اپنا تعارف ارمغان کی والدہ کی حیثیت سے کروایا میں نے ان سے تھوڑی سی بات کی زیادہ تر وہ خود ہی بولیں۔ اپنے بارے میں سب بتایا بچوں کے بارے میں اور کچھ اپنے مشاغل بتائے۔ میں ”ہوں ہاں“ کرتی سنتی رہی ان کو شاید ارمغان میرے بارے میں سب بتا چکا تھا اس لیے مجھ سے انہوں نے کچھ نہ پوچھا۔ کچھ معمول کی باتوں کے بعد فون رکھ دیا مریم نے مجھے خوب ڈانٹا۔

”اتنا اچھا موقع تھا اچھا امپریشن بنانے کا گپ شپ لگائی تھی۔ جب وہ اپنے بچوں کی عادتیں مشاغل بتا رہی تھیں تو تم اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے متعلق بات کرتیں۔“

”اُف میں پہلی بار بات کرتے ہوئے کیسے اتنا زیادہ بولتی تم بات کرنا اگلی بار اور خوب گپ شپ لگانا۔“ میں نے اسے ٹالا۔ دراصل میرا ذہن آنٹی کی باتوں میں الجھا ہوا تھا وہ بتا رہی تھیں کہ دو چار دنوں میں ارمغان کا کوئی بزنس ٹور ہے ایک مہینے کے لیے اسے روس جانا ہے اس کی واپسی کے بعد وہ باقاعدہ رشتہ لے کر ہمارے گھر آئیں گی۔ اس دوران مجھے یا مریم کو کسی بھی طرح سے یہ بات اماں اور خصوصاً ابا سے کرنی تھی روانگی سے قبل ارمغان نے بتایا کہ کاروبار کی مصروفیت اور کچھ مسائل کی وجہ سے وہ ٹور کے دوران رابطہ نہ کرسکے گا۔ اس لیے اب ہماری بات ایک مہینہ بعد ہونی تھی یعنی کہ ایک مہینہ میں اس کی باتوں کی اس قدر عادی ہوچکی تھی کہ مجھے اس کے بغیر مہینہ گزارنے کا خیال ہی پریشان کررہا تھا مگر ایک مہینے کے بعد کا خیال تسلی بخش تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

اتوار کا دن تھا میرا موڈ روزانہ سے کچھ زیادہ اچھا تھا سو جوش میں آ کر سارے گھر کی صفائی کر ڈالی۔ اماں حیران تھیں جبکہ مریم آتے جاتے کوئی نہ کوئی فقرہ شرارت سے کس دیتی۔ میں زیر لب مسکراتی کام میں مصروف رہی کاشان کل سے مریم کو چائنیز پکانے کا کہہ رہا تھا۔ مریم اپنی کتابیں سمیٹ کر کچن میں آ گئی تھی۔ میں نے اس کو واپس پڑھنے کے لیے بھیجا اور خود چاول نکالنے لگی کچھ ہی تو دن رہ گئے تھے اس کے میڈیکل کے ٹیسٹ میں......

چائنیز پلاؤ تیار تھا اسے دم پر رکھ کے نہانے چلی گئی جب واپس آئی تو لاؤنج سے باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں

مریم سے پوچھا۔

"پتا نہیں' دوپینڈو ٹائپ خواتین ہیں' مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے بس جیسے ہی یہ جائیں فوراً کھانا لگادینا۔" اماں نے مجھے آواز دی۔

لاؤنج میں اماں کے ساتھ ایک اماں کی عمر کے برابر کی خاتون اور اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی جوان کی بیٹی تھی۔ اس کی گود میں دو سال کا بچہ بھی تھا۔ مریم نے ٹھیک کہا تھا' وہ گاؤں سے آئی تھیں۔ اس خاتون نے مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر فوراً گلے لگایا (اف یہاں سے واپس جا کر مجھے فوراً منہ دھونا تھا) وہ دونوں ماں بیٹی اماں سے یوں گھلی ملی بیٹھی تھیں جیسے ان کی قریبی رشتہ دار ہوں۔ میں معذرت کر کے اٹھ گئی' ابھی دروازے سے نکلنے ہی لگی تھی کہ میرے کانوں نے سنا۔

"راحیل (ابا) گھر آجائے تو پھر تاریخ پکی کر لیتے ہیں بس رحیمہ اب مجھ سے مزید انتظار نہیں ہوتا۔"

اس جملے نے میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجادیں' تھکی تھکی سے اپنے کمرے میں پہنچی۔ سامنے مریم کتابوں میں سر دیئے بیٹھی تھی' میں اپنے بستر پر چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ مریم نے تھکا ہوا جان کر کوئی سوال نہ کیا' میں اس وقت اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی بس ایک امید تھی کہ ابا گاؤں کے رشتے کے لیے نہیں مانیں گے شاید وہ خواتین چلی گئی تھیں۔

اماں نے کھانا کھانے کے لیے بلا تھا۔ مریم نے مجھے اٹھایا تو میں نے طبیعت خرابی کا کہہ کر اسے ٹالا۔

"ایک دن کام کر لیا تو یہ حالت ہے اور میں اور اماں جو روز سارے کام کرتے ہیں وہ......" وہ ناراضگی سے بڑبڑاتی چلی گئی۔ میں لیٹی رہی' نجانے کس وقت آنکھ لگ گئی رات کے وقت جاگی تو کمرے میں اندھیرا تھا۔ لائٹ جلائی' گیارہ بج رہے تھے' مریم نے یقیناً میرے آرام کی خاطر کمرے کی بتی بجھا رکھی تھی۔ پتا نہیں خود کہاں تھی میں باہر نکلی تو وہ سامنے لاؤنج میں بیٹھی پڑھ رہی تھیں۔ کتابوں کے ساتھ ہی رکھے چائے کے کپ سے گھونٹ گھونٹ چائے بھی پی رہی تھی۔ مجھے شرمندگی ہوئی' میں ہی رات دیر تک اس کے ساتھ جاگنے کے علاوہ اسے چائے بھی بنا کر دیتی تھی۔ اس نے جیسے ہی مجھے دیکھا' کتابیں رکھ کر فوراً میری طرف آئی۔

"نور تمہیں پتا ہے' آج جو عورتیں ہمارے گھر آئی تھیں۔" پھر وہ بولتی گئی اور میں سنتی گئی اور مجھے اب سننا ہی تھا اور سہنا ہی تھا۔

وہ عورتیں واقعی میرے رشتے کے لیے آئی تھیں' نہیں بلکہ تاریخ لینے' رشتہ تو بہت پہلے ہو چکا تھا۔

میرے بچپن میں ہی جس سے ابا اور اماں کے علاوہ سب لاعلم تھے۔ ابا نے مجھے اس لیے لاعلم رکھا تھا تاکہ بے کار کی سوچیں میری پڑھائی نہ خراب کر دیں اب جبکہ میرا بی اے مکمل تھا تو ابا کی آمادگی پر ہی وہ خواتین شادی' نکاح کی تاریخ لینے اور دیگر معاملات نپٹانے آئی تھیں۔ ابا نے ان کو نکاح کے لیے دو ماہ بعد کی تاریخ دے دی تھی' نکاح سے اگلے دن رخصتی۔

رشتہ طے کرنے والی بات کی بھی لمبی کہانی تھی' میرے دادا ابو کی کوئی لمبی چوڑی جائیداد تھی۔ اس جائیداد پر دادا کے بڑے بھائی کا ناجائز قبضہ تھا گو وہ قانونی مدد لے کر اپنی جائیداد واپس لے سکتے تھے مگر شاید خاندانی ناچاقی کو منظر عام پر نہیں لانا چاہتے تھے۔ دادا اور خاندان کے کچھ اور معزز لوگوں کے آرام سے سمجھانے پر دادا کے بھائی پر کوئی اثر نہ پڑا تھا البتہ وہ یہ جانتے تھے کہ دادا یعنی ان کے چھوٹے بھائی قانون کی مدد لے کر جائیداد واپس لے سکتے ہیں۔

جب میری پیدائش ہوئی تب ان کو ایک خیال آیا انہوں نے دادا کے آگے یہ آفر رکھی کہ ان کی پوتی (میرا) رشتہ ان کے پوتے سے طے کرنے پر وہ ان کے ساری جائیداد اس کو واپس کر دیں گے۔ دادا کو ان کا پورا منصوبہ معلوم نہ تھا' خاندان میں رشتہ کرنا ویسے بھی بہت عام سی بات تھی اس لیے دادا ابو خود بھی مان گئے اور ابا کو بھی منا ہی لیا۔

شرط کے مطابق جائیداد کے کاغذات دادا کو ہمارے نکاح کے بعد ہی مل سکتے تھے۔ اس لیے ان کی خواہش تھی

کہ میرا نکاح گاؤں کے رواج کے مطابق پانچویں یا آٹھویں کے پاس کرنے کے بعد رشید سے کردیا جاتا۔ نجانے ابا نے کس طرح ان کو رضا میرا بی اے مکمل کروایا تھا' ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہمارے والدین ہمارے لیے کیا کیا کررہے ہیں' ہمیں بس وہ معلوم ہوتا ہے جو وہ ہمارے لیے نہیں کرپاتے۔

گو ابا اب بھی چاہتے تھے کہ میری شادی ایم اے کرنے کے بعد ہو مگر اب کی بار دادا ایوان کو منانے میں کامیاب ہوچکے تھے ویسے بھی میری تعلیم گاؤں کی باقی لڑکیوں سے بہت زیادہ تھی۔ وہ رشید بھی محض آٹھویں پاس تھا اور بقول مریم اس کی ماں ایسے فخر سے یہ بات بتارہی تھیں جیسے اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہو وہ اپنے باپ اور چچا کے ساتھ زمینوں کا کام سنبھالتا تھا۔ مریم کی چائے ٹھنڈی ہوچکی تھی' وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی شاید میری اور اپنی چائے لانے' میں گہرے صدمے کی حالت میں تھی۔ کچھ ہی دیر میں مریم چائے لے آئی۔

''یعنی دادا اور ابا مل کر مجھے بیچنا چاہتے ہیں۔'' احساس سے خالی لہجے میں میرے منہ سے نکلا۔

''ایسا ہرگز نہیں ہے نورا! ہاں دادا ایسا ضرور چاہتے ہیں مگر ابا نے ان کو صاف کہہ دیا ہے کہ اگر نور نہیں مانی تو وہ بھی اس کا نکاح رشید سے نہیں کریں گے' بھاڑ میں جائے جائیداد!'' میرے دل میں ایک سکون کی لہر اٹھی۔

''لیکن اگر دادا نے ابا پر دباؤ ڈالا' ایموشنلی بلیک میل کیا تو پھر۔''

''یہ ان کے اپنے مسئلے ہیں لیکن اتنا یاد رکھنا نورا! ابا ساری زندگی اپنی ترجیحات میں اپنی اولاد کو کبھی بھی دوسرے نمبر پر لے کر نہیں آئے' چائے پیو اب۔'' مریم کی باتوں نے میری پریشانی کافی حد تک کم کردی تھی۔ میں نے قدرے سکون سے چائے پی' مریم پھر سے پڑھائی میں مشغول ہوچکی تھی۔ کل اس کا میڈیکل کا ٹیسٹ تھا' جس کے لیے اس نے دن رات ایک کرکے تیاری کی تھی۔ میں نے دونوں خالی کپ ٹرے میں رکھے اور کچن میں لے آئی' سامنے شیلف پر پھلوں اور مٹھائیوں کے ڈھیر رکھے تھے' میں بے حد وحشت زدہ انداز میں باہر نکل آئی۔

''مریم اب تھوڑی دیر آرام کرلو تھکے ہوئے ذہن کے ساتھ کل کیا لکھ پاؤ گی؟'' میں نے زبردستی اس کی کتابیں بند کیں اور اسے کمرے میں لے جاکر سلادیا جبکہ میری اپنی رات اندیشوں میں گزر گئی۔

ابا ابھی شام کے وقت دو دن کے لیے کام کے سلسلے میں کسی دوسرے شہر گئے تھے۔ اتنے سال کی انتھک محنت کے بعد وہ ایک اپنا شوروم بنانے میں کامیاب ہوچکے تھے' سو یہ دو دن ابھی میں نے بے چینی میں گزارنے تھے۔

☆☆☆......☆☆☆

صبح میں نے مریم کو جلد اٹھادیا' آٹھ بجے اس کا ٹیسٹ تھا۔ وہ کچھ نروس سی تھی' تیار ہوکر سب کی دعائیں لے کر وہ ٹیسٹ کے لیے روانہ ہوئی۔ مجھے اس پر یقین تھا اس کے میٹرک اور انٹر میں اتنے شاندار نمبر تھے کہ میڈیکل اس کا صاف نظر آتا تھا۔ وہ خوشی خوشی گھر لوٹی بقول اس کے ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تھا' رزلٹ تو شاید ایک ہفتے بعد آنا تھا مگر شام کے وقت درست جوابات یو ایچ ایس کی ویب سائٹ پر آجاتے تھے۔ میں مطمئن تھی ہمیں دنیا سیدھی سادی سی لگتی ہے حالانکہ یہ گول ہوتی ہے' جانے کب کہاں اور کیسے مڑ جائے' کچھ پتا نہیں چلتا۔

مریم بہت گہرے شاک میں تھی' اس نے ٹیسٹ میں جتنے نمبر لیے تھے' ان کے ساتھ اس کی پرسنٹیج صرف اکاسی فیصد بنتی تھی جو کسی بھی سرکاری میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کے لیے بہت کم تھا۔ وہ میرٹ میں نہیں آسکی تھی' اس کے خواب' اس کا جنون' سب ختم ہوگیا تھا۔ ''مجھے نہیں معلوم نورا میرا ٹیسٹ بہت اچھا ہوا تھا آخر میرے اتنے کم نمبر کیوں آئے۔'' وہ بری طرح روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ میرے دل کو کچھ ہوا' اسے تکلیف میں دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہورہی تھی اس کی آنکھوں سے صرف آنسو نہیں نکل رہے تھے' اس کے خواب بھی بہہ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کو تسلی دینی چاہیے' اس کا ہاتھ بے حد گرم تھا'

اس کو بہت تیز بخار تھا۔
"اماں" میں بھاگی۔

☆☆☆......☆☆☆

"ذہنی دھچکا لگا ہے جو ظاہر ہے بہت گہرا ہے۔ اس کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔" ڈاکٹر نے کہا' کاشان نے فوراً کال کر کے ڈاکٹر کو بلوالیا تھا۔ ڈاکٹر چلا گیا' اماں مریم کے لیے سوپ بنانے کچن میں چلی گئیں' کاشی اور شانی کو میں نے مریم کے آرام کی خاطر کمرے سے نکال دیا اس کا چہرہ بے حد کمزور اور زرد لگ رہا تھا۔ ایک ہی دن میں بلکہ کچھ ہی گھنٹوں میں وہ بے حد کمزور ہوگئی تھی۔

"میڈیکل...... میں مرجاؤں گی نور میرا میڈیکل میں داخلہ نہ ہوا تو میں...... تو مرجاؤں گی میں......" وہ بڑبڑاتی رہی یہاں تک کہ دوائیوں کے زیر اثر وہ نیند میں چلی گئی۔

اس کی حالت میرے لیے بے حد پریشانی کا باعث تھی' آخر قسمت ہمیں اس سراب کے پیچھے بھاگنے کے لیے کیوں منتخب کرلیتی ہے جب وہ ہمارے مقدر میں نہیں ہوتا۔ نہیں' مریم کا ایڈمیشن ضرور ہوگا' یہ میڈیسن ضرور پڑھے گی۔ سرکاری میڈیکل کالجز میں نہیں تو نہ سہی' پرائیوٹ کالجز والے تو آرام سے ایڈمیشن دے دیں گے اتنا اچھا تعلیمی ریکارڈ۔

مگر پیسہ...... وہ کہاں سے آئے گا' ابا کے پاس تو جائیداد نام کی کوئی چیز نہیں تھی جو دادا سے وراثت میں ملتی تھی وہ ابھی تنازعے میں تھی ایک ذاتی شوروم اور بس وراثت' جائیداد' میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ جائیداد ابا کو دادا سے تبھی مل سکتی ہے جب دادا کو ان کے بھائی سے ملتی اور وہ تبھی ہوگا جب......

یہ میں کس دوراہے پر آن کھڑی ہوئی ہوں' یااللہ میری مدد فرما۔ کچھ تھا جیسے حد سے بڑھی بے چینی اور حد سے بڑھے سکون کی ملی جلی کیفیت ہوتی ہے۔ میں سو نا سکی مگر میں صبح سے پہلے ایک فیصلہ کرچکی تھی۔

دو دن بعد ابا گھر واپس آچکے تھے' مریم اب رو دھو کر چپ ہوگئی تھی۔ بالکل چپ' کسی سے کوئی بات نہ کرتی' سارا دن چپ چاپ اپنے بستر پر پڑی رہتی اور میں اسے دیکھ کر کڑھتی رہتی۔

شام کے وقت ابا نے مجھے بلوالیا' میں ان کے کمرے میں گئی تو وہ میرا انتظار کررہے تھے' انہوں نے ساری تفصیل کو مختصراً بتایا اور پھر میرا فیصلہ پوچھا۔

"اگر آپ کو یہی مناسب لگتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" میرا لہجہ بے حس تھا' ابا لہجے پر غور کیے بغیر جواب سن کر پرسکون ہوگئے۔

"مگر میری ایک خواہش ہے ابا۔"

"بولو بیٹا۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ زمین کا کوئی حصہ بیچ کر مریم کا میڈیکل میں ایڈمیشن کروادیں۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں لیکن تم......" میں نے بات کاٹی۔

"اور آپ مریم کو نہیں بتائیں گے کہ میں نے آپ سے اس کے ایڈمیشن کی بات کی۔" میں بات ختم کرکے کمرے سے نکل آئی۔ اپنے کمرے میں آکر چادر لپیٹ کر سوگئی' گھٹن اس قدر تھی کہ سانس بند ہوتا محسوس ہورہا تھا۔ دل مارنا اتنا آسان نہیں ہوتا' روح تارتار ہوجاتی ہے کچھ دکھائی نہیں دیتا' سجھائی نہیں دیتا۔

میں اس وقت بے حد سکون اور حد سے بڑھی بے چینی کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔ دل کٹ رہا تھا مگر روح پرسکون تھی یا شاید روح بے چین اور دل پرسکون۔

"یہ تم نے کیا کیا نورا!" مریم کمرے میں آئی اور آتے ہی جیسے پھٹ پڑی۔

"جو مجھے مناسب لگا۔"

"اور میڈم بخت نور کو یہ کیسے مناسب لگا؟" اس کے لہجے میں طنز تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مجھے مریم کو مطمئن کرنا تھا' میں اٹھ بیٹھی۔

"میری بات غور سے سنو مریم! دادا ابو اور ابا کو جائیداد واپس مل جائے گی پہلی بات اور دوسری اگر میں وہاں شادی

نہ کروں تو ابا اور دادا کے درمیان اختلافات پیدا ہو جائیں گے اور میں نہیں چاہتی کہ دادا کو اس عمر میں اپنے اکلوتے بیٹے کی طرف سے غم ملیں اور نہ ہی میں یہ چاہتی ہوں کہ ابا اپنے باپ کو ناراض کر کے اللہ کی ناراضگی مول......"

"خدا کے واسطے نور! سب کی پروا ہے اور اپنی...... کیسے رہوگی اس دیہاتی کے ساتھ ساری عمر؟"

"رہ لوں گی گڑیا! زندگی کا کیا ہے بس گزر ہی جائے گی۔"

"میں تمہیں ایسا ہرگز نہیں کرنے دوں گی' میں ابھی جا کر ابا کو ارمغان کے بارے میں سب بتا دوں گی۔"

"اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم سے ہمیشہ کے لیے تعلق توڑلوں گی مگر شادی پھر بھی رشید سے کروں گی اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" میں نے بےحسی کی چادر میں خود کو مکمل طور پر چھپالیا۔

"اپنا نہیں تو اس انسان کا ہی سوچو جو تمہارے ساتھ کو اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے۔" مریم کے لہجے میں درد تھا۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔" میں دوبارہ چادر اوڑھ کر سوتی بن گئی' مریم خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆......☆☆☆

دن گزرنے لگے اماں نے میری شادی کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ مریم ہر معاملے میں لاتعلقی دکھا رہی تھی' اماں ہر روز مجھے شاپنگ کے لیے لے جاتیں اور میں کسی روبوٹ کی طرح ان کے ساتھ بس چلتی رہتی۔ انکار کر کے میں انہیں دکھ نہیں دینا چاہتی تھی' وہ مجھ سے میری پسند پوچھتیں تو میں چپ چاپ کسی بھی ایک چیز پر ہاتھ رکھ لیتی۔

دن یونہی گزرتے گئے اس دوران میں نے ایک اور کام یہ کیا کہ فیس بک کھول کر ارمغان کو ایک آخری میسج بھیجا۔

"ابا نے میرا رشتہ طے کردیا ہے بلکہ بچپن سے طے تھا' مجھے اب علم ہوا۔ دو محبتوں میں سے اگر کسی ایک کو چننا پڑے تو ایک مشرقی لڑکی ہمیشہ خونی رشتے کو فوقیت دیتی ہے۔ معافی نہیں مانگوں گی اور تم مجھے معاف کرنا بھی مت' البتہ اگر ہو سکے تو بھلا دینا یہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہوگا۔"

اس کے بعد اپنی آئی ڈی ڈیلیٹ کردی (کاش کچھ یادیں بھی ڈیلیٹ ہوسکتیں) لیپ ٹاپ کو الماری کے نچلے خانے میں رکھ دیا' موبائل بھی مستقل بند کر رکھا تھا۔ سب رابطے توڑ دیئے' کاش دلوں کے رابطے بھی اتنی آسانی سے ٹوٹ سکتے۔

مریم نے مجھ سے بات چیت کرنا بند کردی تھی وہ گھر کے کام کرتی رہتی یا پھر کاشان اور شایان کو زبردستی بٹھا کر پڑھاتی رہتی۔ وہ دونوں نویں کلاس میں تھے اور مریم نے زبردستی ان دونوں کو سائنس رکھوائی تھی' ان دونوں کا ذہن کھیل کود کی طرف زیادہ لگتا اس لیے پڑھائی کے وقت ان کے چہروں پر جہاں بھر کی بےزاریت ہوتی۔

اس دن دوپہر کے وقت بھی وہ انہیں زبردستی پڑھا رہی تھی' اماں میرے کپڑے لے کر درزن کے گھر گئی ہوئی تھیں' میں ابھی کمرے سے نکلی تھی۔

"مریم آپی اس پڑھائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔" شایان نے بےزاری سے کہا' مریم نے اسے غصے سے گھورا۔

"سبق پر دھیان دو۔"

"سچ آپی' کیا فائدہ اتنی پڑھائی کا' آپ نے بھی تو اتنی محنت کی پھر بھی میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ملا۔" کاشان تو روانی میں کہہ گیا مگر مریم کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے تھے میں بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں یہ ٹاپک مکمل کرو' میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے میں چلی گئی' اس کی آنکھوں میں نمی اور چال میں بےحد تھکن تھی' میں اس کے پیچھے پیچھے آئی۔

"وہ بچہ ہے مریم! پلیز اس کی باتوں کو دل پر مت لو۔"

"وہ بچہ ہے مگر تم تو میچور ہو مگر تم نے ثابت کیا کہ تعلیم واقعی انسان پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔" وہ غصے سے کہتی ہوئی چلی گئی۔

"کاش تم سمجھ سکو مریم کہ میری اس قربانی کی وجہ تم ہو

مگر نہیں' یہ جان کر تمہیں غم ہوگا۔ تم ایسا کبھی بھی نہیں چاہو گی' خدا کرے تمہیں کبھی یہ معلوم نہ ہو۔" میں نے سوچا۔
آج یا کل ارمغان وہ میسج پڑھے گا۔ اسے لگے گا کہ میں نے مذاق کیا ہے' کاش یہ واقعی' ایک مذاق ہوتا۔

☆☆☆......☆☆☆

مہینہ......سوا مہینہ......ڈیڑھ مہینہ اور پھر دو مہینے بھی گزر گئے' کل یعنی بروز جمعہ میرا نکاح ہونا تھا اور پھر پرسوں رخصتی' مہندی کی تقریب کل نکاح کے بعد ہی تھی۔ گھڑیاں گزارنی مشکل تھیں اور پھر ایک ہی راز داں تھی اور اس کا رویہ' وہ آج کل میرا سامنا کرنے سے بھی گریز کررہی تھی۔ وہ سوتی بھی لاؤنج میں تھی' مجھے اس کے رویے سے دکھ پہنچ رہا تھا۔ کم از کم اسے تو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا۔
رات ہوگئی' اداس چاند اور غمزدہ تاروں نے رات بھر میرے دکھ میں آنسو بہائے۔ رات کی سیاہی مانند پڑتے ہی وہ چند دوست بھی رخصت ہوگئے۔
صبح ہوتے ہی' مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی' کچھ دور دراز کے رشتہ دار پہلے ہی آچکے تھے' گیارہ بجے نکاح کی تقریب تھی' پارلر والی مجھے تیار کرگئی تھی۔ میرے ہاتھ' کان اور کلائیاں گیندے کے زرد رنگ سے بھری ہوئی تھیں' ایسا ہی زرد رنگ میرے چہرے پر تھا جسے میک اپ کے دوران چھپانے کی بھرپور کوشش کی گئی تھی۔
اچانک شور بلند ہوا' ڈھولک کی آوازیں آنا شروع ہوئیں' میری کزنز بھاگتی ہوئی کمرے میں آئیں۔
"وہ لوگ آگئے' تیار ہوجاؤ نکاح کے لیے آرہے ہیں۔" وہ مسکراتی' کھلکھلاتی اطلاع دے کر بھاگ گئیں۔
چند لمحوں بعد نکاح کے لیے چار' پانچ مرد کمرے میں آئے' سب سے آگے ابا تھے۔ ان کو میں چال سے پہچان گئی ورنہ گھونگھٹ کی وجہ سے کسی کو نہ دیکھ پائی تھی' نکاح شروع ہوا۔
"کیا آپ کو ارمغان شاہ ولد عبدالحق شاہ......" میرا ذہن ماؤف ہوگیا' شاید میری قوت سماعت خراب ہوگئی تھی اور...... مجھے وہ سنوا رہی تھی جو میں سننا چاہتی تھی۔ میں عجیب سی کشمکش تھی کہ اچانک میرے سر پر کسی نے ہاتھ رکھا' میں نے گھونگھٹ میں سے ذرا سا چہرہ نکال کر دیکھا' ابا نے مجھے دیکھ کر ہولے سے سر ہلایا' ان کے چہرے پر سکون تھا۔
"قبول ہے......قبول ہے......قبول ہے"
نکاح ہوگیا' سب لوگ کمرے سے چلے گئے' سب سے آخر میں ابا تھے' میں نے آواز دی وہ رک کر پیچھے مڑے۔
"ابا یہ سب......یہ کیسے......" میری آواز لڑکھڑا گئی۔
"ایک بیٹی کو اپنے باپ پر اتنا تو اعتماد اور مان ہونا چاہیے کہ اپنی پسند ناپسند بتاسکے۔"
"ابا......"
"رہے مسائل' ساری زندگی مسئلے سلجھانے میں ہی گزری ہے وہ الجھتے اور سلجھتے ہی رہتے ہیں۔"
"میں آپ کو غم نہیں دینا چاہتی تھی۔"
"مجھے تب غم ہوتا جب مریم وقت پر آگاہ نہ کرتی اور تمہارا نکاح رشید کے ساتھ ہوجاتا۔" باہر سے کسی نے ابا کو آواز دی' وہ مجھے دعا دے کر چلے گئے۔ میں ابھی تک شاک میں تھی' تھوڑی دیر بعد کاشان نے مجھے ایک چٹھی لاکر پکڑائی اور جلدی میں باہر چلا گیا۔
"مجھ سے بھلے عمر بھر کے لیے تعلق توڑ دو مگر اس انسان سے کبھی تعلق ختم مت کرنا جس سے تمہارا روح کا رشتہ ہے۔
مریم!"
"لیکن تمہارا میڈیکل......؟" مجھے ایک اور فکر نے آن گھیرا' باہر خوب گہما گہمی تھی شاید کھانا چل رہا تھا۔ کھانے کے بعد مہندی کی رسم ہونی تھی' مجھے آرام کرنے کے لیے کمرے میں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے دروازے کی اوٹ سے سامنے سے آتی ایک کزن کو مریم کو بلانے کو کہا۔ تھوڑی دیر میں وہ میرے سامنے تھی' گولڈ رنگ کے لمبے پاؤں تک آتے فراک اور پاجامہ میں ملبوس میری گڑیا پریوں جیسی لگ رہی تھی' اس نے بالوں پر کلپ لگا کر

ان کو پیچھے سے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔
"بولو۔"
"تم بے مروت ہو مریم!"
"تم سے زیادہ نہیں۔"
"لیکن پھر بھی اچھی ہو۔"
"تم سے زیادہ نہیں۔" وہ مسکرائی' میری آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا۔
"او ہیلو! پارلر والی نے اچھی خاصی رقم لی ہے' مہندی کا فنکشن گزر جائے تو پھر جتنا مرضی چاہے رو لینا۔" میں ہنس پڑی۔
"کیوں کیا یہ سب؟"
"یہ پوچھو کیسے کیا' ویل مجھ سے تمہاری شادی سے انکار والی وجہ ہضم نہیں ہوئی تھی سو میں نے کافی سوچ بچار کے بعد ابا کو ساری بات بتادی۔ پہلے ڈانٹ پڑی کہ اتنی دیر سے کیوں بتایا پھر ہم دونوں نے بلکہ پانچوں نے مل کر ایک پلان بنایا' تمہیں سرپرائز دینے کا' میں نے تمہارے فون سے ارمغان بھائی کا نمبر لیا' ابا نے رابطہ کیا سارے معاملات طے پائے اور یوں......"
"لیکن تمہارا میڈیکل؟" میں نے اس کی بات کاٹی۔
"وہ یہاں کہاں آ گیا اور ہاں مجھے ابا نے تمہاری شرط بتادی تھی اور مجھے پتا چل گیا کہ تم نے انکار میرے لیے کیا تھا۔"
"ہاں وہ وجہ بھی تھی مگر باقی سب وجوہات بھی غلط نہیں تھیں' اب دادا ابو اور ابا ناراض......"
"بالکل نہیں ہیں' ابا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ لوگ خاندان کے تمام بڑے لوگوں کی موجودگی میں آخری بار دادا کے بھائی اور ان کے بیٹوں سے بات کریں گے اگر وہ نہ مانے تو ابا قانون کی مدد لیں گے۔ ان کو یقین ہے کہ عدالتی کارروائی سے وہ آسانی سے کیس جیت جائیں گے اور خدانخواستہ وہاں سے مسئلہ حل نہ ہوا تو ابا نے وعدہ کیا ہے کہ خواہ انہیں بینک سے لون لینا پڑے یا شوروم بیچنا پڑے وہ مجھے ہر حال میں میڈیکل کی تعلیم دلوائیں گے۔" مریم کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر میری روح سرشار ہوگئی۔
"سیلفی پلیز۔" مریم نے اپنا فون سامنے کیا اور پھر دو مسکراتے چہروں کو وقت نے ایک لمحے میں محفوظ کیا۔
"اور یہ سینڈ ہوگئی تصویر واٹس اپ پر۔" اس نے فون میرے سامنے کیا۔
"کیا......" میں چلائی۔ مردوں کا انتظام ساتھ والے گھر میں کیا گیا تھا ارمغان بھی وہیں تھا۔
"اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اب میں صرف تمہاری نہیں بلکہ ارمغان بھائی کی بھی بہن ہوں اور پھر بھائی ایسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے تو بہنوں کی ہی مدد لیتے ہیں ناں۔"
"تم......چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔"
"ایک منٹ ماں بھائی کا میسج......" اس نے پڑھا۔
"کیا خیال ہے رخصتی آج ہی نہ ہوجائے۔" آگے ڈھیر سارے دل بنے ہوئے تھے۔
"اُف......" میں نے شرم سے اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپایا اور مریم نے ان لمحوں کو کیمرے میں قید کرنا شروع کیا' میں اس کو روکنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگی وہ اپنا بچاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ "بھاگتی دلہن" کی تصویریں اتارتی گئی جنہیں اس نے اچھی خاصی رشوت لے کر ارمغان کو نہ دکھانے کا وعدہ کیا۔
مہندی کا فنکشن بس شروع ہونے ہی والا ہے' اس لیے مریم کو مدد کے لیے بلایا گیا۔ ابھی کچھ ہی دیر میں مجھے سب لڑکیاں فنکشن کے لیے باہر لے جائیں گی سو اب مجھے ماضی سے نکلنا ہے حال کو دیکھنا ہے اور مستقبل کو خوش آمدید کہنا ہے کیونکہ خوشیاں میرے دروازے کے باہر کھڑی دستک دے رہی ہیں۔ اور میں ان کی خوشیوں کی تو عادی ہوں۔

❁

اشکِ سحر گاہی

نسرین رانا

"ہائے ہائے اس نے پھر رونا شروع کردیا کتنی بار کہا ہے اشکِ سحر گاہی اچھی نہیں ہے مگر مجال ہے جو میری بات سنی جائے۔" میمونہ بیگم نے چار سالہ چھوٹے سے گول مٹول ببلو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جس کا کام صبح ہوتے ہی رونا تھا اور ایک بار رونا شروع کرتا تو بس جی مسلسل روئے چلا جاتا۔

"عاتکہ او عاتکہ کہاں ہو بھئی چپ کرواؤ اس کو۔" میمونہ بیگم ناگواری سے ببلو کو دیکھتے ہوئے تخت پر بیٹھے بیٹھے زور سے چلا کر بولیں تو عاتکہ تیزی سے کمرے سے نکل کر آئی۔

"جی اماں۔"

"ارے تمہیں اس کا رونا سنائی نہیں دے رہا ہے۔" وہ غصے سے بہو کو دیکھتے ہوئے بولیں تو عاتکہ ببلو کی طرف بڑھی جس نے رو رو کر سارا گھر سر پہ اٹھالیا تھا۔

"عاتکہ میری قمیص کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔" ولید کی جھنجلائی ہوئی آواز کمرے سے آئی۔

"جی آئی ہوں۔" عاتکہ روتے ہوئے ببلو کو چھوڑ کر شوہر کے پاس تیزی سے گئی۔

"ارے اس کو تو چپ کرالے۔" میمونہ بیگم جھنجلا کر بولیں۔

"جی ابھی آئی۔" عاتکہ نے آواز لگاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو بٹن لگاؤ ناں۔" ولید کو آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی پھر ببلو کے رونے سے جھنجلاتے ہوئے تھوڑا غصے سے بولے۔

"جی وہ ریل ڈھونڈ رہی ہوں یاد نہیں آ رہا ہے کہاں رکھی ہے۔" پریشان حال گھبرائی ہوئی عاتکہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔ "اوہ وہ تو اماں کے پاس ہے میں ابھی لائی۔" وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر صحن میں تخت پر بیٹھی میمونہ بیگم کے پاس آئی۔

جو مسلسل بولے جارہی تھیں۔ "کتنی بار کہا اشکِ سحر گاہی اچھی نہیں ہے مگر مجال ہے جو میری بات پر عمل کیا جائے۔"

"اماں وہ وائٹ ریل آپ کے پاس ہے ناں ذرا دیجیے گا ان کی شرٹ کا بٹن لگانا ہے۔" عاتکہ اپنی سانس درست کرتے ہوئے بولی۔

"اس کو کون سنبھالے گا ذرا ہوش کرو بی بی میرا بچہ کام پہ جارہا ہے اور یہ صبح ہوتے ہی رونا شروع کردیتا ہے لاکھ سمجھایا ہے کہ اشکِ سحر گاہی اچھی نہیں ہے مگر خوب ہے۔ مجال ہے جو شوہر کی ذرا بھی پروا ہو کہا۔

"عاتکہ کیا آفس سے چھٹی کرلوں۔" ولید اشتعال میں آتے ہوئے بولے۔

"اماں جلدی سے ریل دے دیں۔" عاتکہ متفکر ہوتے ہوئے اضطراب سے بولی تو ساس نے ناگواری سے تکیے کے نیچے سے وائٹ ریل نکالی۔ "یہ لو واپس لاکے دینا ابھی میرا کام باقی ہے۔"

"جی۔" وہ ریل لے کر دوڑتی ہوئی ولید کے پاس گئی جو غصے میں بیٹھا بڑبڑا رہا تھا۔

وہ جلدی جلدی بٹن لگانے لگی ببلو کے رونے کی آواز پھر سے آنے لگی۔

"ارے اسے تو ساتھ لے جاتی لو جی پھر چلی گئیں انہیں تو بہانہ چاہیے میاں کے پاس بیٹھنے کا۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولیں تو عاتکہ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

وہ کب ولید کے ساتھ بیٹھنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے صبح سے رات کب ہوتی ہے پتا ہی نہیں چلتا۔ ادھر سے ادھر بھاگ بھاگ کر اس کے پاؤں درد کرنے لگتے ہیں اور شوہر کسی کام سے آواز دیتے تو ادھر ببلو کا رونا بھی شروع ہوجاتا پھر ساس جو شروع ہوتیں تو ببلو کی طرح وہ رکنے کا نام نہیں لیتیں۔

یہ اس گھر کا روز کا معمول تھا۔

عاتکہ کو غصہ اس وقت آتا جب ساس اسے جلی کٹی سناتیں اور معصوم ببلو کو منحوس کہتیں تو ولید تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے اس کا دل بیزار ہوجاتا پھر بھی وہ تحمل سے کام لیتی

اور آج تک ساس کو پلٹ کر جواب نہیں دیا تھا کہ ساس بھی ماں کی طرح ہیں اگر سمجھا جائے تو۔

عاتکہ نے تو انہیں ماں کی طرح سمجھا تھا مگر میمونہ بیگم نے بہو ہی سمجھا بیٹی نہیں۔

خود سارا سارا دن تخت پر بیٹھی حکم چلاتی رہتیں یا پھر محلے میں چلی جاتیں نہیں تو محلے والیاں آ جاتیں' ہاں نماز کی پابند تھیں۔

گھر کے کاموں میں ذرا بھی ہاتھ نہ بٹاتیں یہاں تک کہ ببلو روتا تو اسے بھی چپ نہ کراتیں' تخت پر بیٹھے بیٹھے ببلو کو ڈانٹتیں اور برا بھلا کہتیں۔

یہ روز کا معمول تھا صبح شور شرابا ہوتا میمونہ بیگم کے پاس کبھی ناشتہ کے لیے چائے' پان' چھالیہ کچھ نہ کچھ بہانہ ضرور ہوتا عاتکہ کو دوڑانے کا۔

ادھر شوہر صاحب کے کئی کام تھے انہیں ناشتہ دینا' کپڑے دینا' جوتے کہاں ہیں میری یہ چیز کہاں ہے بس آواز پہ آواز۔

ادھر ببلو کی آوازیں صبح ہوتے ہی بلند ہو جاتیں تو میمونہ بیگم کی آواز اور بھی بلند ہو جاتی ارے چپ کرا اس منحوس کو وہ اشتعال میں آتے ہوئے کہتیں۔

"ہزار بار کہا ہے اشک سحرگاہی اچھی نہیں ہے مگر میری کوئی نہیں سنتا ہے ادھر میرا بچہ کام کے لیے نکلا ادھر یہ رونا شروع وہ مسلسل بڑبڑاتی رہتیں۔ ببلو کا رونا جاری رہتا اور عاتکہ ولید اور گھر کے کاموں میں چکراتی پھرتی۔

آج پھر حسب معمول ببلو نے اشک سحرگاہی شروع کی ادھر ولید ناشتہ کررہا تھا۔

"یہ انڈا اتنا سرخ کیوں کردیا تمہیں معلوم ہے میں انڈا اتنا سرخ کیا ہوا نہیں کھاتا ہوں۔" ولید جھنجلاتے ہوئے ادھر میمونہ بیگم کی تیز آواز آئی۔

"عاتکہ او عاتکہ اری اس کا رونا بند کروا۔" انہوں نے ناگواری سے تیوری پہ بل ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی آرہی ہوں۔" وہ ابھی پلٹی ہی تھی کہ ولید غصے سے بولا تھا۔

"یہ انڈا لے جاؤ مجھے دوسرا بنا کے دو۔"

"جی۔" وہ انڈے کی پلیٹ اٹھا کر کچن میں آ گئی۔

کچن کی کھڑکی جو صحن کے ساتھ تھی اس کے ساتھ ہی میمونہ بیگم کا تخت رکھا تھا۔

"ارے پہلے اس کو تو چپ کرواؤ۔" جالی میں سے کچن میں جھانکتے ہوئے بولیں تو عاتکہ بوکھلا سی گئی اور انڈا چھوڑ کر ببلو کے پاس آئی ببلو کو گود میں اٹھا کر چپ کرانے لگی۔

"عاتکہ ابھی تک انڈا نہیں بنایا۔" ولید غصے سے چلایا عاتکہ نے گھبرا کر ببلو کو گود سے اتارا اور کچن میں آئی۔

پلیٹ میں انڈا ٹوٹا ہوا رکھا تھا جسے وہ پھینٹ رہی تھی' جلدی جلدی انڈا بنانے لگی۔ ببلو روتا ہوا باپ کے پاس چلا گیا۔

ادھر ببلو کے رونے پر میمونہ بیگم نے حسب معمول اسے ڈانٹا اور عاتکہ کو آوازیں دینا شروع کردیں

"او کمبخت مت کر اشک سحر گاہ چپ ہو جا۔" میمونہ بیگم زور زور سے بولے چلی جارہی تھیں۔

"یہ لیں تیار ہے ناشتہ۔" عاتکہ انڈے کی پلیٹ ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

"مجھے نہیں کرنا ناشتہ آفس سے دیر ہورہی ہے' خود کھالو۔" وہ غصے میں بڑبڑاتا ہوا گھر سے نکل گیا۔

"ارے چلا گیا نا میرا بچہ بغیر ناشتا کیے۔" میمونہ بیگم جو ہیں تخت پر بیٹھے ہوئے کمرے کی طرف جھانکتے ہوئے بولیں جب صبح ہی منحوسیت پھیل جائے تو کیا ناشتہ' بیٹے نے شروع کردی اشک سحر گاہی اور اماں کو فکر ہی نہیں ہے۔ بھیج دیا شوہر کو بغیر کھائے پیے وہ مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

اور عاتکہ آبدیدہ ہوتے ہوئے سوچ رہی تھی میرا قصور کیا ہے؟

انہیں ذرا بھی احساس نہیں ہے اپنے ہی پوتے کو نحوس کہتی ہیں اگر گود میں لے کر اسے چپ کرالیں گی تو کیا بگڑ جائے گا ان کا عاتکہ نے پرآب نظروں سے میمونہ بیگم کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

زبان تو اس نے آج تک کھولی نہ تھی ان کے آگے' بس سوچ کر ہی رہ گئی۔

☆......☆......☆

عاتکہ کہاں چلی گئی یہ فون کون سنے گا' محلے والے نہیں اٹھائیں گے۔" میمونہ بیگم نے تسبیح پڑھتے ہوئے کہا۔

"جی آرہی ہوں" وہ کمرے سے نکلتے ہوئے بولی۔

"ہونہہ۔" انہوں نے تسبیح ایک طرف رکھتے سر جھٹکا تھا۔

"السلام علیکم! پھولی ہوئی سانس کے ساتھ عاتکہ ریسیور کان سے لگائی ہوئے بولی۔

"وعلیکم السلام" آپ مسز ولید بات کررہی ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ہاں' آپ کون بول رہے ہیں اور کس سے بات کرنی ہے' ولید تو آفس گئے ہیں۔"

"میں ولید کا دوست بات کررہا ہوں' ولید کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔"

"کیا......! کیسے......؟" عاتکہ کو چکر آ گیا' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"سنیں بھابی پریشان مت ہوں' زیادہ چوٹیں نہیں آئی ہیں۔"

"کون سے ہاسپٹل میں ہیں۔"

"نہیں آپ نہ آئیں ہم ولید کو گھر ہی لا رہے ہیں بس تھوڑا ٹائم لگے گا اور آپ پریشان مت ہوں' خود کو سنبھالیے صدقہ دیجیے گا اللہ نے بڑا کرم کیا ہے۔"

"اماں۔" وہ ریسیور رکھ کر میمونہ بیگم کے پاس دوڑتی ہوئی آئی تھی۔

"اماں! ولید کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" اضطراب عظیم سے اشک فشانی کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہائے میرا بچہ وہی ہوگیا جس کا مجھے ڈر تھا۔" وہ نوحہ گری کرتے ہوئے بولیں۔

"اماں! ولید کے دوست کا فون تھا وہ کہہ رہے تھے زیادہ چوٹیں نہیں آئی ہیں' وہ ولید کو گھر لا رہے ہیں۔"

عاتکہ نے میمونہ بیگم کو پژمردہ چہرے سے دیکھتے ہوئے کہا تو میمونہ بیگم اشتعال میں آتے ہوئے بولیں۔ "تو کیا چاہتی تھی زیادہ چوٹیں آتیں۔"

"کیسی باتیں کررہی ہیں آپ' میں بھلا ایسا کیوں چاہوں گی۔" عاتکہ حیرت سے بولی۔

"وہ میرے شوہر ہیں اور جتنی دعائیں میں ان کے لیے کرتی ہوں' میرا اللہ جانتا ہے۔" عاتکہ روتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی' اسے معلوم تھا انہیں کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے تھا لڑنے کا اس سے الجھنے کا' اور یہ ایسا موقع نہیں تھا۔

میمونہ بیگم حیرت سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں' آج پہلی بار وہ تیز آواز میں بولی تھی۔

☆......☆......☆

ولید گھر آ گیا تھا اسے زیادہ چوٹیں تو نہیں لگی تھیں البتہ پاؤں میں گہری چوٹ آئی تھی۔

ڈاکٹر نے آرام کا کہا تھا اس لیے آفس سے بھی چھٹیاں لی تھیں۔

محلے کی عورتیں دیکھنے آرہی تھیں' آنا جانا لگا تھا' آج پڑوسن جمیلہ اور دوسری پڑوسن زینب اور سامنے والی خالہ حلیمہ

ولید کی عیادت کے لیے آئی تھیں۔

صحن میں تخت پہ میمونہ بیگم پاندان سجائے بیٹھی تھیں اور وہ تینوں تخت کے پاس کرسیوں پر براجمان تھیں۔

لائن سے کرسیوں پر بیٹھی خاتونوں نے خیریت کے بعد یہاں وہاں کی باتیں شروع کردی تھیں۔

"میمونہ تمہارے گھر سے روزانہ چیخ وپکار کی آوازیں آتی ہیں۔" خالہ حلیمہ نے پھروہی بات چھیڑ ہی دی تھی۔

"برا مت ماننا میمونہ یہ صبح صبح کا رونا منحوست ہوتا ہے اور دیکھو ایسا ہو بھی گیا۔" انہوں نے ولید کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اتنا کہنا تھا کہ میمونہ بیگم شروع ہوگئیں۔

"ارے میں تو تھک گئی سمجھا سمجھا کر میری سنتا ہی کون ہے؟ ادھر میرا بچہ کام کے لیے نکلا ادھر یہ شروع ہوگیا۔" وہ معصوم چھوٹے سے ببلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں جو کہ کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔

ادھر کچن میں کھانا پکاتی عاتکہ کا دل ساس کی باتوں سے مجروح ہوگیا' اپنے نور بصر کے بارے میں ایسی باتیں سن کر وہ آبدیدہ ہوگئی۔

"اگر بہو گھر کے کاموں میں مصروفیت کے باعث نہیں سنبھال پارہی ہے بچے کو تو آپ سنبھالیں پوتے کو۔" اب کی بار جمیلہ بھابی بولیں۔

میمونہ بیگم ایک منٹ کے لیے خاموش ہوگئیں پھر ایک دم سے بولیں۔

"بہت سنبھالا ہے۔"

"لیکن بچے سے تو زیادہ آپ چیختی ہیں' کبھی ببلو کے رونے کی آواز آپ کے چلانے کی آوازیں اور ولید کی آوازیں آتی ہیں اور وہ عاتکہ یہاں سے وہاں بھاگتی رہتی ہے کون سا گھر دور ہے میرا پڑوس میں تو ہوں۔"

"ہیں جمیلہ تمہیں بس عاتکہ ہی نظر آرہی ہے۔" میمونہ بیگم بھنویں چڑھاتے ہوئے بولیں۔

"آپ نے کبھی بچے کو پیار سے گود میں لیا۔" جمیلہ اصل بات پر آتے ہوئے بولیں۔

"مانا کہ اشک سحر گاہی بری چیز ہے لیکن وہ بچہ ہے اسے ' کیا پتا' اتنے چھوٹے سے بچے کو آپ ڈانٹ کر چیخ کر کہتی ہیں اپنی بات منوانا چاہتی ہیں اتنے سے بچے کو کیا معلوم؟ آپ کو اور عاتکہ کو چاہیے کہ بچے کو پیار سے سنبھالیں بچے سے پوچھیں اسے بھوک لگی ہے' کہیں درد ہے' کیا وجہ ہے کیوں رو رہا ہے پیار سے گود میں لیں بہلائیں' سینے سے لگائیں۔ آپ تو بچے کو صبح سویرے ہی منحوس کہنا شروع کردیتی ہیں۔ کتنا برا اثر پڑے گا اس بچے پر' اردگرد کے لوگ سنتے ہیں اور پھر ان گھروں میں بچے بھی ہیں وہ بھی آپ کے پوتے کو منحوس کہنا شروع کردیں گے تو بتاؤ عاتکہ پہ کیا گزرے گی۔" میمونہ بیگم گم صم ہوکر سب باتیں سن رہی تھیں۔

جمیلہ نیک و پرہیز گار خاتون تھیں' لوگوں کی مدد کرنا ان میں صلح صفائی کرانا ان کے کام آنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ بچہ بڑا ان کی عزت کرتا تھا۔ اور سب ہی انہیں جمیلہ بھابی کہتے تھے۔ عاتکہ کچن میں کھڑی سب سن اور دیکھ رہی تھی۔

"عاتکہ یہاں آؤ بیٹی۔" جمیلہ بھابی نے آواز دی تو وہ کچن سے نکل کر آگئی۔

"جی جمیلہ بھابی۔" وہ ندامت سے بولی۔

"بیٹا! ببلو کو سنبھالا کرو بہت چھوٹا ہے گود میں لوگی تو چپ ہوجائے گا۔"

"جی گود میں آتے ہی چپ ہوجاتا ہے پر وہ ولید کو کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا ہے۔" وہ متفکر ہوتے اضطراب سے بولی۔

اسے مضطرب و متفکر دیکھ کر جمیلہ بیگم نرمی سے بولیں۔

"ہاں تو ولید کے سارے کام رات کو کیوں نہیں کرلیتیں' جب کپڑے استری کرو دیکھ لو بٹن تو نہیں ٹوٹا ہے' کہیں سے سلائی تو نہیں نکل گئی۔ اگر رات کو یہ سارے کام کرلو تو صبح بھاگ دوڑ کم ہوجائے گی تمہاری۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"جی اب خیال کروں گی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "میں چائے لاتی ہوں۔"

"نہیں بیٹا! چائے کی ضرورت نہیں ہے تم ولید کو دیکھو اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"نہیں ابھی دوائی کا ٹائم نہیں ہے کھانا پکالوں تو پھر کھانا

دوں گی، چائے تیار ہے میں لاتی ہوں۔" وہ کچن میں جاتے ہوئے بولی۔

"ولید کے لیے کیا پکارہی ہو۔" جمیلہ نے میمونہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی مٹر چھیل رہی ہوں، گوشت تو چڑھادیا ہے۔ ولید کے لیے میں نے دلیا چڑھادیا ہے ابھی گلنے میں ٹائم ہے۔" وہ چائے کپوں میں نکالتے ہوئے وہیں سے بولی۔

"اچھا مٹر یہاں ہمیں دو چھیلنے کو..... ہم بیٹھے ہوئے کیا کررہے ہیں۔"

"نہیں بھابی، میں چھیل لوں گی، وہ چائے لے کرآ گئی تھی۔

"بیٹا! جتنا کہا ہے اتنا کرو لاؤ چائے کی ٹرے دو اور مٹر بھی لے آؤ۔"

عاتکہ گھبرا گئی، کبھی ساس نے سبزی بنائی نہیں تھی، اب محلے کی ایک خاتون مٹر چھیلنے کو کہہ رہی تھیں کہیں ساس صاحبہ ناراض نہ ہوجائیں۔

"ارے کھڑی ہوئی کیا سوچ رہی ہو اور ساس کی طرف کیا دیکھ رہی ہو ہم بھی کچھ لگتے ہیں تمہارے۔ بولوناں آپا اسے مٹر لا کردے۔" جمیلہ بھابی نے میمونہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں لا دو بھئی۔" میمونہ بیگم کچھ سٹپٹا سی گئی تھیں۔

وہ مٹر اور ایک برتن انہیں تھما گئی تھی جبکہ شرمندگی بھی محسوس کررہی تھی کہ گھر آئے مہمانوں سے وہ کام کروارہی تھی۔

"مجھے دیر ہورہی ہے میں چلتی ہوں اب۔" حلیمہ خالہ چائے پی کر کپ رکھتے ہوئے بولیں۔

"کیوں تمہیں کون سا زیادہ کام کرنا پڑتا ہے بہو ہے ناں۔" میمونہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ہاں بھئی یہ سب جمیلہ کی وجہ سے ہوا ہے نہ یہ میری بہو کو سمجھاتی نہ میں فارغ بیٹھی یہاں نظر آتی۔" وہ گہری سانس بھر کر بولیں۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو میری بیٹیاں بھی کام نہیں کرتی تھیں جب دیکھو ٹی وی کے آگے بیٹھی رہتیں، یہاں جانا وہاں جانا میں نے انہیں اتنی ڈھیل دی کہ وہ تو میرے منہ کو آنے لگیں تھیں پھر جمیلہ کے کہنے پر ہی میں نے سختی کی اور جمیلہ نے انہیں سمجھایا اب دیکھو میری بچیاں سب گھر کا کام کرتی ہیں۔" زینب جمیلہ کی طرف احسان مند نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بہو بہت اچھی ہے اور آپ کی بیٹیاں میرے سمجھانے سے سمجھ گئی ہیں اب آپ بھی تھوڑا سمجھ جائیں۔" وہ میمونہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب؟" میمونہ بیگم حیران ہی تو رہ گئیں تھیں۔

"آپا کہتے ہیں کسی کو اتنا نا آزماؤ کہ اس کا دم گھٹنے لگے وہ گھبرا کر کچھ بولنے پر مجبور ہوجائے۔ عاتکہ نے کبھی آپ کے آگے زبان نہیں کھولی اور یہ اچھا بھی ہے اللہ ایسے ہی رکھے..... مگر آپ کا رویہ اسے ایک دن زبان درازی پر مجبور کردے گا۔"

"کیا؟" میمونہ بیگم پان لگاتے لگاتے رک گئیں۔

اس سے پہلے جمیلہ بھابی کچھ کہتیں حلیمہ خالہ بول پڑیں۔

"یہی جو جمیلہ سمجھارہی ہیں، بہو کا کام کاج میں تھوڑا بہت ہاتھ بٹائیں بچے کو سنبھالیں ورنہ پچھتانا پڑے گا۔" وہ آہستگی سے بولیں۔ "بہو گھر چھوڑ کر بھی جاسکتی ہے۔" میمونہ بیگم طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ نچا کر بولیں۔

"اس کا ہے ہی کون اکلوتی اولاد تھی ماں باپ کی ان کا انتقال ہوگیا اور گھر بھی کرائے کا تھا ہوگیا میکہ ختم۔"

"بھی آپ اتنا ظلم کررہی ہیں اس بے چاری پر۔" زینب افسوس کرتے ہوئے بولیں۔

"میں کیا ظلم کردیا میں نے؟" وہ آنکھیں نکالتے ہوئے زینب کو دیکھ کر بولیں۔

"کہنے کا مطلب یہ ہے یتیم بچی ہے اور اب آپ کی بہو ہے اور پھر بہو بیٹیاں گھر کا کام کاج سنبھالتی ہیں مگر بڑوں کو چاہیے تھوڑا بہت کام کاج میں ہاتھ بٹادیں۔ اس سے ان کی نظر میں آپ کی عزت اور بڑھ جائے گی۔" جمیلہ بھابی بات کو سنبھالنے والے انداز میں بولیں۔

"سبزی وغیرہ آپ خود ہی لادیا کریں' تھوڑا بہت چلنا ہی چاہیے۔"

"ایک ہی جگہ بیٹھنے سے تو انسان ست ہوجاتا ہے' پھر چلنا بھی چاہو تو ہمت نہیں ہوتی اور پھر ہوجاؤ بہو بیٹے کے محتاج' زینب جھٹ بیچ میں ڈرانے والے انداز میں بولیں۔

اور واقعی میمونہ بیگم چھالیہ کاٹنا بھول گئیں ان کے چہرے سے خوف ظاہر تھا۔

"زینب بیچ میں نہیں بولتے ہیں۔" جمیلہ نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

"جمیلہ میں تو انہیں سمجھا رہی تھی۔"

"سمجھانے کے طریقے ہوتے ہیں اگر ہم چیخ وپکار کریں' ڈرائیں دھمکائیں تو اس سے کیا بات سمجھ میں آجائے گی' کیا مسئلے حل ہوجائیں گے۔" جمیلہ میمونہ بیگم کو دیکھتے ہوئے ان سے سوال کررہی تھیں اور وہ معاملے کو شاید سمجھ رہی تھیں اسی لیے چھالیہ کاٹتے ہوئے خاموشی سے سر جھکائے کسی سوچ میں تھیں۔

☆......☆......☆

دوسرے دن جمیلہ پھر آئی تھیں۔

"میں مارکیٹ جارہی ہوں' سبزی وغیرہ لانے' سوچا آپ کو ساتھ لے لوں آپ کو بھی تو سبزی وغیرہ لینی ہے ناں' یہاں تو ٹھیلے والے بہت مہنگی دیتے ہیں۔"

میمونہ بیگم سوچنے لگیں کیا کہوں۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپا چلیں' شاپنگ بیگ لے لیں بہو سے پوچھ لیں کیا کیا لانا ہے؟"

عاتکہ کچن میں کھڑی حیرت سے سن اور دیکھ بھی رہی تھی۔

"اچھا چلتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولتے ہوئے تخت سے اتریں۔

"عاتکہ" انہوں نے بہو کو پکارا۔

وہ کچن سے تیزی سے باہر آئی۔

"جی اماں۔"

"لاؤ بھئی آج میں ہی جاکر سبزی لے آؤں۔" انداز احسان جتانے والا تھا۔ عاتکہ نے انہیں جلدی سے سامان کی لسٹ تھمادی تھی۔ مجبوراً انہیں جمیلہ کے ساتھ بازار جانا ہی پڑا تھا۔

☆......☆......☆

ولید ٹھیک ہوگیا تھا اور آج آفس کی تیاری کررہا تھا عاتکہ نے سارے کام رات کو ہی کرلیے تھے' استری کرکے بٹن وغیرہ چیک کرلیے تھے۔ موبائل چارج کرکے رکھ دیا تھا' جوتے پالش تھے۔

ولید اپنی تمام چیزیں تیار اور انہیں ترتیب رکھی دیکھ کر مطمئن ہوا تھا۔ عاتکہ کو بھی شوہر کے چہرے پر اطمینان دیکھ کر دلی سکون ملا تھا۔

"آپ تیار ہوں میں ناشتہ لاتی ہوں۔" وہ یہ کہتے ہوئے کچن میں آئی تو میمونہ بیگم کی گود میں ہبلو کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

میمونہ بیگم اسے پیار سے پوچھ رہی تھیں۔ کیا کھائے گا میرا بیٹا۔ "انڈا پراٹھا۔ اچھا ابھی بابا آفس جارہے ہیں ناں پہلے وہ ناشتہ کرلیں پھر امی آپ کو اور مجھے ناشتہ بنا کر دیں گی پھر ہم دونوں انڈا پراٹھا کھائیں گے ٹھیک ہے۔" انہوں نے بڑے پیار سے ہبلو کو سینے سے لگا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔" گردن ہلاتے ہوئے وہ دادی کے سینے سے لگ گیا۔ عاتکہ حیرت سے دادی پوتے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم کھڑی ہوئی کیا کررہی' ولید کو ناشتہ دے دیا۔" میمونہ بیگم نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کے آنسو بھی دیکھ لیے تھے۔

"معلوم ہے ناں اشک سحرگاہی اچھی نہیں ہے۔" وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

"جی جی......" وہ بوکھلا سی گئی۔

"جاؤ جلدی ناشتہ دو ولید کو پھر ہم دونوں کو بھی۔" وہ ہبلو کو آغوش میں لیتے ہوئے ماتھا چومتے ہوئے بولیں تو عاتکہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔

"جی ابھی لائی۔" وہ جھٹ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کام میں مصروف ہوگئی تھی کیونکہ اشک سحرگاہی اچھی نہیں۔"

❖

کہنے والے سچ کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے ہر فکر و تکمیل سے لاپروا...... مجھے آج بھی وہ سب بہت اچھے سے یاد ہے چاہوں بھی تو فراموش نہیں کرسکتی۔ زندگی کے سلگتے صحرا میں اپنی عمر کا سنہری دور گنوا کر یہ سمجھ پائی ہوں' ہمارے بزرگ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ حکمتوں سے خالی نہیں ہوا کرتے' جیون کی اونچ نیچ سے کار آزمودہ ہوتے ہیں۔ معاملہ فہم ہوتے ہیں' ہم ان کے فیصلوں سے انحراف کرکے خود اپنے لیے پرخار راہیں چن لیتے ہیں' جو بظاہر تو مہکتے پھولوں سے سجی نظر آتی ہیں' جیسے دلہن کی سیج' ہر سمت پھول ہی پھول بکھرے نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہ ہوتا کچھ اور ہے' ان پرخار راہوں پہ جیون کا سنہری دور غمناک راہیں لوٹ لیتی ہیں۔ راہ الفت پیروں کو زخمی کرڈالتی ہیں' اذیتوں کے کانٹے اگ آتے ہیں' پھر پچھتاوے تاعمر آسیب کی مانند ہمیں ستاتے ہیں' ہم نادان ناسمجھ محض جذبات کے ہاتھوں لٹ بیٹھتے ہیں۔ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ بیٹھتے ہیں اتنے ناداں کیوں ہوتے ہیں یہ اہل وفا؟ کبھی میرا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوا کرتا تھا۔ پھول' خوشبو' دھنک رنگ بارش' تتلی یہ سب بھاتا تھا دل برباد کو...... بنجر آنکھیں خواب بنتے نہ تھکتی تھیں۔ جامد لبوں سے مسکان پل بھر کو بھی جدا نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ بوڑھی آنکھیں' میرے خوابوں بھری آنکھوں کو دیکھ کر بہت روئی تھیں...... بہت سسکی تھیں وہ میرے ہنستے لب دیکھ کر' محبت کی ہمراہی میں مجھے مست دیکھ کر وہ بکھر گئی تھیں' لیکن میں تو جب محبت کے نشے میں سرشار سجاد کے ہمراہ ساتوں آسمان کی سیر کو نکلی ہوئی تھی۔ زمین پہ پیر ہی نہیں ٹکتے تھے۔ خوابوں کے حسین محل میں ملکہ بن کر راج کررہی تھی۔ تاریک شب میں پہروں جاگ کر خواب بنا کرتی تھی' نادان تھی ناں میں جو یہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ کھلی آنکھوں کے خواب سچ نہیں ہوا کرتے ...... محبت کے جنون میں گمشدہ ہوکر ٹھوکر بھی ایسی کھائی کہ آج تک ان زخموں سے لہو رستا ہے۔ ٹیسیں اٹھتی ہیں' خواب دیکھنے کے جرم میں یہ آنکھیں تاحیات کے لیے بنجر ہوکر رہ گئی پھر بھی ان آنکھوں نے خواب دیکھنا تو در کنار سوچا بھی نہیں۔ نجانے کیوں ہم لڑکیاں اتنی نادان ہوتی ہیں' ایک محبت کے عوض عمر بھر کے لیے درد و غم خرید لیتی ہیں اور کم بخت اذیت کے سوا کچھ دیتی بھی نہیں۔ نجانے کیوں ہم لڑکیاں ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتی ہیں۔

نوین نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے افسردگی سے سوچا' بدنما چھت پہ لگا پنکھا چیونٹی کی رفتار سے چل رہا تھا۔ پٹی زمین پہ لیٹی نوین بہت رنجیدہ دکھائی دے رہی تھی' کتاب ماضی اس کے سامنے کھلی ہوئی تھی اور ورق پھڑ پھڑا رہے تھے۔

☆......☆......☆

''نوین کہاں رہ گئی ہے کیا چھت پر ہی سوگئی ہے؟'' دادی ماں کی نحیف آواز اس کی سماعت تک پہنچی تو وہ نیچے اتر آئی۔

''دادی ماں کپڑے ڈال رہی تھی' ٹائم تو لگتا ہے ناں'' نوین وضاحت دیتے ہوئے شائستگی سے بولی۔

''چل اب یہ صحن کا پانی صاف کردے میری تو ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ تھک گئی کپڑے دھو کر۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ گئیں۔

''جی دادی ماں میں کرلیتی ہوں'' دادی ماں کمرے میں چلی گئیں نوین صحن دھونے لگ گئی۔ شام میں چھت پر سے کپڑے لینے گئی تو حسب دستور برابر والی چھت پر سجاد کھڑا تھا۔ نوین کا کتابی چہرہ گلاب کی مانند کھل گیا سجاد کے چہرے پر بھی یکدم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''دادی ماں کہاں ہیں؟'' سرگوشی نما آواز میں پوچھا گیا۔

''سو رہی ہیں۔'' اسی طرح جواب دیا گیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو قسم سے۔" سجاد نوین کو سراہتے ہوئے بولا۔ وہ شرم سے سرخ پڑ گئی کوئی جواب نہ دیا۔ سجاد کو مزید شہ مل گئی۔ وہ دو قدم آگے ہوا۔ نوین سر جھکائے لبوں پہ میٹھی سی مسکان لیے کھڑی تھی۔

"میرے پاس آؤ یار ایک بات کہنی ہے۔" بے قراری سے بولتا دیوار سے آ لگا۔ وہ بلا جھجک اس کے روبرو جا کھڑی ہوئی۔ دونوں میں بالشت بھر کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ سجاد نے ہاتھ بڑھا کے نوین کے دلکش چہرے کو چھوا اور اس کو مزید قریب کر لیا۔ کوئی فاصلہ باقی نہ تھا۔ اس کی سانسیں سجاد کی سانسوں سے الجھ رہی تھیں نوین اس کی بانہوں میں جا سمائی۔ دونوں کو ہوش نہیں تھا وہ کیا کر رہے ہیں اور کہاں کھڑے ہیں۔ نوین اس کی بانہوں میں بہک رہی تھی اور یہی وہ چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

"سلائی' کڑھائی سے لے کر کھانے پکانے تک میں ماہر ہے میری نوین۔" دادی نوین کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ سامنے بیٹھی خاتون جانچتی نگاہوں سے نوین کو دیکھ رہی تھیں۔ جو سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

"اچھا بھئی فریدہ مجھے تمہاری پوتی بہت پسند آئی۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہے۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔" سرخ آنچل اوڑھے واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"پھر کب بات پکی کرنے آؤں' بھئی میرے عدنان کو تو تم نے دیکھا ہوا ہے' پھر بھی تم آنا چاہو تو بلاشبہ آ جانا بس تین ماہ کے عرصے میں شادی کرنی ہے تمہیں تو پتہ ہے آسیہ بھی آئی ہوئی ہے اور پھر گھر جیسی تو بات ہے ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے بس یہ چاند کا ٹکڑا ہمیں دے دو۔" شاہدہ بیگم نوین کو تکتے ہوئے فریدہ بیگم سے بولیں۔

"ہاں...... ہاں تمہاری ہی ہے نوین بس پروردگار اس کا نصیب اچھا کرے۔"

☆......☆......☆

نوین چائے کا کپ ہاتھ میں لیے صحن میں بچھی چارپائی پہ آ کر بیٹھ گئی۔ دادی سبزی بنا رہی تھیں۔ نوین کے چہرے پہ پریشانی کا عکس واضح تھا۔

"دادی ماں! نوین نے چہرہ جھکائے دھیمے سے پکارا۔

"ہاں بول کیا بات ہے یہ منہ کیوں اترا ہوا ہے؟"

"دادی ماں! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ مجھے سجاد سے شادی کرنی ہے' میں اسے بہت چاہتی ہوں اور وہ بھی مجھے چاہتا ہے' آپ ان لوگوں کو منع کر دیں' میں مر جاؤں گی اگر میری شادی سجاد سے نہیں ہوئی تو" نڈر اور بے باک انداز میں بات مکمل کی۔

دادی ہاتھ میں پالک کے پتے لیے پھٹی آنکھوں

سے نوین کو دیکھ رہی تھیں۔ اس کی باتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں جبکہ بات سیدھی اور صاف تھی۔

"ہوش میں تو ہے تو' کیا بکواس کر رہی ہے' منہ توڑ دوں گی تیرا جو آج کے بعد پھر بھی یہ بکواس کی تو۔" دادی یکدم ہی جلال میں آ گئی تھیں۔ پالک کے پتے چار پائی پہ بکھرے پڑے تھے۔ نوین روتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔ دادی لرزتے ہاتھوں سے بکھرا پالک اٹھانے لگیں۔

"نوین میری بچی یہ محبتوں کے کھیل برباد کر کے چھوڑتے ہیں' کچھ نہیں رکھا ان میں' محبت کے نام پر یہاں ہر سمت لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ نادان ہے تو میری رانی نہ سمجھ ہے اب بھلا تیرے لیے وہ نکما آوارا سجاد ہی رہ گیا ہے۔ پھولوں کی طرح تجھے پالا ہے کانٹوں کی چاہ مت کر نوین میرے ارمانوں پہ خاک مت ڈال۔" دادی کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ نوین منہ گھٹنوں میں دیئے بیٹھی تھی۔

"دادی میں مر جاؤں گی اگر میری بات نہیں مانی تو' میں سجاد سے ہی شادی کروں گی' چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" وہ اٹل اور پختہ لہجے میں بولی۔

دادی بیچاری اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں' نوین کی عقل پہ محبت نام کا پردہ پڑا تھا جو آسانی سے نہیں ہٹ سکتا تھا۔

"وہ لالچ میں تجھ سے شادی کر رہا ہے تو سمجھ کیوں نہیں رہی ہے میری بات' اس گھر کے خواب اسے تجھے اپنانے پر بضد ہیں' میں کیا تیرا براچاہ سکتی ہوں بھلا' تیری خوشی سے عزیز مجھے اور کیا ہوگا' لیکن تو سمجھ نہیں رہی ہے۔" دادی کمزور لہجے میں اسے پختہ باتوں سے روشناس کرا رہی تھیں پر نوین کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہی تھی۔

اس نے مسلسل بھوک ہڑتال کر رکھی تھی۔ دادی نے ہاتھ تک جوڑ لیے مگر نوین کو نہ ماننا تھا نہ وہ مانی۔

"تو یہ کیوں نہیں سمجھ رہی چوٹ تجھے لگے گی مگر درد مجھے ہوگا نوین یہ عمر سہنے کی تو نہیں ہے۔" دادی کی ساری منتیں رائیگاں گئیں۔ بالآخر دادی نے ہار مان لی اور نوین کی محبت جیت گئی۔

بہت زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا شادی کو فقط چھ ماہ ہوئے تھے سجاد اپنی اصلیت پہ اتر آیا' نوین اس کے نئے نئے رنگ دیکھتی رہ گئی تھی۔

سجاد کوئی کام نہیں کرتا تھا دل چاہا تو کام پہ چلا گیا ورنہ آوارہ دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر سارا دن گزار دیا۔ نوین کی عقل پہ پڑا محبت نام کا پردہ پوری طرح سے اٹھ چکا تھا۔ ایک کمرے کا وہ مکان نوین کے نام تھا' سجاد نے گھر کے لالچ میں اس سے شادی کی تھی یہ راز وہ جانتی تو بہت پہلے سے تھی لیکن مانتی نہیں تھی' مانی اب تھی اور بہت روئی تھی' اپنی خود ساختہ خطا پر۔

☆......☆......☆

آگ برساتا سورج عین سر پہ تھا۔ سارا دن پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ بدن پر پسینہ ایسے بہہ رہا تھا جیسے بارش میں نہائی ہو۔ بھوک کی شدت سے مرجھایا چہرہ اندر کو دھنسی آنکھیں وہ قابل رحم حالت میں تھی۔ آٹے کے چھوٹے چھوٹے پیڑے بناتے ہوئے پیشانی سے پسینہ صاف کیا تھا۔ دھوپ کی شدت سے آنکھیں بھی بامشکل کھل رہی تھیں۔ روٹی پکا کر چٹنی پیسنے لگی۔

"دادی ماں! کب آئیں آپ؟" چٹنی پیس کر جوں ہی پلٹی تو دادی کو روبرو پایا۔ وہ نم نگاہوں سے اپنی لاڈلی کو دیکھ رہی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر نوین کو تھما دیا۔ خود اندر کمرے میں چل دیں۔ نوین نے شاپر کھول کر دیکھا۔ گرما گرم بریانی تھی' بریانی کی مہک نے مزید ظلم ڈھایا۔ اسے تو شاید بریانی کا ذائقہ بھی بھول گیا تھا۔

"دادی ماں! یہ لیں پانی۔" نوین نے گم صم بیٹھی دادی کو پکارا۔ وہ کسی عمیق سوچوں میں غوطہ زن تھیں۔

"تو کھالے تیرا نکما شوہر آ گیا تو وہ ٹھوس لے گا سارا۔" دادی نے اپنے مرجھائے پھول کو دیکھ کے افسردگی سے کہا۔

"ہاں دادی ماں! کھالوں گی، آپ بتاؤ کیسی ہو؟" ان کے نرم وملائم ہاتھوں کو تھام کر لاڈ سے بولی، آٹھ دس دن بعد وہ نوین سے ملنے آئی تھیں۔ اس کی شادی کے بعد وہ اپنے بڑے بیٹے کے پاس چلی گئی تھیں۔ نوین کے ماں، باپ ایک ٹریفک حادثے میں دنیائے فانی سے چل بسے تھے۔ تب نوین چار سال کی تھی، تب سے دادی اس کے لیے ماں بھی تھیں باپ بھی۔

"تو بتا کیسی ہے اپنے خوابوں کی تعبیر پا کر، محبت کی تکمیل کر کے۔" دادی رندھے لہجے میں بولیں، اشک ان کی دھندلی آنکھوں میں چمک رہے تھے۔ نوین نے ضبط سے کام لیا۔ وہ ان کے سامنے بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔ خود ساختہ خطاؤں کا بوجھ وہ خود ہی اٹھانا چاہتی تھی۔ دادی نے تو اسے قدم قدم پہ سمجھایا تھا روکا بھی تھا لیکن وہ خود ہی اس کھائی میں گری تھی۔

"بالکل ٹھیک ہوں، آپ کے سامنے ہوں دیکھ لیں۔" اس نے مرجھائے چہرے پہ بشاشت طاری کرنے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام ٹھہری تھی۔ دادی اس کی ناکامی پہ رو دی۔

"نوین کتنا سمجھایا تھا ناں تجھے پر تو نے ایک نہیں مانی۔ مجھے تیرا غم کھا جائے گا۔ میں جی نہیں پاؤں گی زیادہ دن تو نے مجھے بہت کمزور کر دیا نوین تجھے اس حال میں دیکھ کر میرا کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔" اس کے لاغر وجود پہ نگاہ جمائے دادی پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھیں۔ نوین اشک بھری آنکھوں سے اپنی عزیز ترین ہستی کو دیکھ رہی تھی۔

"دادی آپ کا دل دکھانے کی سزا پالی میں نے، کاش میں نے آپ کی باتوں کو سمجھا ہوتا۔" پچھتاوے اس کے دامن میں سمارہے تھے اشک خاموشی سے متواتر بہہ رہے تھے۔

وقت سبک رفتاری سے گزرتا گیا تھا، نوین کے آنگن میں دو محبت کی نشانیاں بلک رہی تھیں۔ بھوک کی شدت سے زار و قطار رو رہے تھے۔ آج تیسرا دن تھا اس نے روٹی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ خود کو تو پھر بھی سنبھال ہی لیتی لیکن ان بچوں کی چیخ و پکار اسے چھلنی کر رہی تھی۔ اس کے کلیجے پہ کاری ضربیں لگ رہی تھیں۔ نوین کی ممتا اس کی ناکام الفت کو گھائل نگاہوں سے تک رہی تھی۔ ایک محبت کے لیے اس نے کتنے غم اٹھائے تھے، لفظ محبت سے نوین کو نفرت ہو چکی تھی۔ اسے اپنا وجود غلاظت کا ڈھیر لگا کرتا تھا۔ وہ اپنی خطاؤں پہ جتنا روتی کم تھا۔ اب دادی کے آنے کی بھی آس ختم ہو چکی تھی۔ وہ جو تاریک اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کے چلی آتی تھیں۔ وہ وہاں جا چکی تھیں جہاں سے لوٹ کر نہیں آیا جاتا...... نوین کے دکھ نے انہیں جینے کی مزید مہلت نہیں دی۔ باری تعالیٰ نے اسے دو جڑواں بیٹوں سے نوازا تھا۔

صبح کا گیا سجاد شام ہونے تک بھی نہیں لوٹا تو نوین کا ضبط بکھر گیا، بھوک سے بلکتے بچوں کا رونا اسے کند چھری سے ذبح کر رہا تھا۔ سجاد اکثر گھر سے غائب رہنے لگا تھا۔ نہ اسے نوین کی فکر تھی نہ اپنے معصوم بچوں سے سروکار، اپنے بچوں کو ممتا بھری آغوش میں لیے تڑپ رہی تھی۔ محبت اذیت کے سوا کچھ نہیں دیتی، نوین یہ جان گئی تھی۔ محبت نے اسے برباد کر چھوڑا تھا۔ بلکہ وہ خود ہی محبت کے ہاتھوں لٹی تھی۔ تماشہ بن گئی تھی۔ دادی کی تمام تر نصیحتیں اسے ترحم بھری نگاہ سے تک رہی تھیں۔ محبت اس کے حال پہ ہنس رہی تھی۔ مذاق اڑا رہی تھی۔ اس کی بے بسی کا...... جذبات میں آ کر جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ تاعمر ایسے ہی رلاتے ہیں، کاش نوین پہلے جان لیتی، بزرگوں کے فیصلوں میں رب کی رضا پوشیدہ ہوتی ہے۔ نوین کی غلطی تھی سو وہ بھگت رہی تھی مگر ساتھ دو معصوم و بے قصور جانیں بھی محبت کی سولی پہ چڑھا دی گئی تھیں۔

قسط نمبر 15

نائلہ طارق

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

دراج زنائشہ کے سامان کے ساتھ اس میں موبائل بھی چھپا دیتی ہے اور یہ بات زنائشہ سے رابطہ ہونے پر اسے بتا بھی دیتی ہے ساتھ ہی اسے گھر سے بھاگنے کے مشورے بھی دیتی ہے۔ زنائشہ دراج سے بات کرنے کے بعد عرش سے اپنے سامان کے حوالے سے پوچھتی ہے تب عرش اسے سامان کے حوالے سے بتاتا اس کے بیگ میں سے ملنے والے موبائل کو ضبط کرنے کا بھی بتا دیتا ہے جس پر زنائشہ مزید عرش سے بدظن ہو جاتی ہے۔

سحر شہرام سے دراج اور زرکاش کے حوالے سے بات کرتی ہے اسے ان دونوں کا تنہا فلیٹ پر رہنا کھٹکتا ہے جس پر شہرام اسے زرکاش اور دراج کی رشتے داری کا بتاتا مطمئن کرنے کی سعی کرتا ہے لیکن سحر شہرام سے زرکاش سے بات کرنے اور اسے سمجھانے کا کہتی ہے کہ وہ بغیر نکاح کے دراج کو فلیٹ پر لے کر نہیں آیا کرے۔

زنائشہ دراج کے بہکاوے میں آ کر عرش کو زخمی کرتی گھر سے بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن گیٹ پر کرنٹ لگنے کے باعث بے ہوش ہو کر زمین پر گر جاتی ہے عرش اسے کمرے میں لیٹا دیتا ہے ہوش میں آتے ہی زنائشہ رونے لگ جاتی ہے وہ ہر صورت یہاں سے فرار چاہتی ہے تب عرش اسے ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع دیتا ہے اسے مزید طیش دلا جاتا ہے جس پر زنائشہ اپنا چیک کرانے سے انکاری ہو جاتی ہے۔

دراج زرکاش سے الجھتی اپنا رابطہ زنائشہ سے نا ہونے پر اسے قصوروار ٹھہراتی جاتی ہے ساتھ ہی عرش کو بھی دھوکے باز قرار دیتی زرکاش کو غصہ دلا جاتی ہے زرکاش اپنی بات کرنے کا کہتا غصہ کا اظہار کرتا ہے جس پر دراج اس سے شادی کے حوالے سے بات کرتی ہے زرکاش اپنے گھر والوں کا رویہ بتا کر خود مزید پریشان ہو جاتا ہے جس پر دراج اسے کورٹ میرج کا مشورہ دیتی حیران کر جاتی ہے۔

رجاب چاہ کر بھی اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کو نہیں بھول پاتی ہے اور اس بات کا انکشاف وہ زرق کے سامنے کر جاتی ہے کہ وہ اس شخص سے ہر صورت انتقام لے گی جس نے اسے اس حال میں پہنچایا تھا زرق تصدیق کے طور پر حاذق کا نام لیتا ہے اسے مزید اذیت میں مبتلا کر جاتا ہے رجاب حاذق کو معاف کرنے کا بتاتی اس شخص کی نشاندہی کرتی ہے جس نے رجاب کا چہرہ بگاڑا تھا ہے وہ یہ بات راسب اور پولیس والوں سے بھی چھپا گئی تھی سے عرش کو اپنی ٹریننگ کے سلسلے میں جانا ہوتا ہے ایسے میں زنائشہ کو تنہا چھوڑنے پر اس کا دل آمدہ نہیں ہوتا تب وہ سحر پر بھروسہ کرنے کا سوچتا اسے تمام صورت حال بتانے کا خود سے ارادہ کرتا ہے۔

سحر کو عرش کی فکر لاحق ہوتی ہے وہ کافی دن سے گھر بھی نہیں آیا ہوتا ہے تب وہ اپنے بھائی امام سے عرش کے حوالے سے پوچھتی اسے گیراج جا کر معاملات پتا کرنے کا کہتی اسے بھی فکر میں ڈال دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

☆
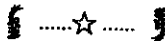
ایک عام آئینہ انسان کو اس کا عکس، اس کا چہرہ حقیقت سے کچھ زیادہ آگے بڑھ کر اچھا اور خوب صورت دکھا سکتا ہے

ضرورت یا خواہش کے تحت صبح‘ شام یہ آئینہ دیکھا جاتا ہے‘ مگر ایک آئینہ ایسا بھی ہے جسے عام طور پر دیکھنے کی خواہش یا ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ اس آئینے کا سامنا ہی کوئی نہیں کرنا چاہتا...... اور یہ وہ آئینہ ہے جو وقت دکھاتا ہے‘ جو انسان کو کسی بھی رعایت کے بغیر اسے اس کا سچا اور کھرا چہرہ دکھاتا ہے‘ وہ چہرہ بہت خوب صورت بھی ہوسکتا ہے اور بہت کریہہ بھی۔ یہ وہ چہرہ ہوتا ہے جو انسان نے خود کمایا ہوتا ہے‘ خود تراشا ہوتا ہے‘ وہ کیا کچھ بوتا رہا ہے اپنے لیے‘ دوسروں کے لیے سب کچھ وقت کا آئینہ دکھا دیتا ہے نہ صرف یہ بلکہ یہ بھی کہ اب آگے اسے اپنے اعمال کے مطابق پھول چننے ہیں یا کانٹے......وقت کے آئینے میں اپنا آپ دیکھنا کبھی کبھی ناقابل قبول بھی ہوتا ہے مگر آئینہ تو دیکھنا ہی پڑتا ہے‘ زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں وقت یہ آئینہ خود ہی سامنے لے آتا ہے۔

جانے یہ کیسی اعصابی تھکن تھی جو صبح سے ہی طاری تھی آفس میں جیسے تیسے وقت گزار کر وہ سیدھا جم چلا گیا تھا مگر وہاں بھی اس کا دل نہ لگا‘ پہلے سوچا کہ گھر جانے کے بجائے سیدھا شوروم چلا جائے مگر اسے شہرام کی تاکید یاد تھی جو انہوں نے عرش کو بھی کردی تھی آج ان کے دوست اپنی فیملی کے ساتھ گھر آنے والے تھے‘ شہرام چاہتے تھے کہ ان دونوں کا تعارف بھی وہ اپنے دوست سے کروائیں یقیناً یہ کوئی خاص دوست تھے‘ حکم عدولی کی گنجائش ہی نہیں تھی‘ وہ نہیں جانتا تھا کہ عرش کے لیے آنا ممکن نہیں تھا مگر اس کا موڈ بالکل نہیں تھا‘ وہ بس چینج کر کے شوروم چلا جانا چاہتا تھا‘ اسے لگا تھا کہ سر شام تو شہرام کے مہمانوں کی آمد نہیں ہوسکتی مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا‘ غنیمت تھا کہ گیٹ کھلا ہوا ملا‘ اندر داخل ہوتے ہی ڈرائنگ روم سے ابھرتی آوازوں اور لاؤنج میں حسن اور حسین کے ساتھ کھیلتی ان دونوں کی ہم عمر بچی کو دیکھ کر اسے اطلاع مل گئی تھی کہ مہمان گھر میں موجود ہیں‘ خاموشی سے وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا‘ وارڈروب کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر ٹیرس کی طرف کھلتے دروازے کی سمت اٹھی تھی‘ ٹیرس کا دروازہ مکمل کھولتا وہ باہر نکلا تھا‘ سامنے وہ جو بھی تھی‘ خوش رنگ لباس سے زیادہ اپنی خوش قامتی کے ساتھ ٹیرس کی باؤنڈری گرل پر بازو ٹکائے کھڑی شاید اس خوب صورت موسم اور ہلکی پھوار کو انجوائے کررہی تھی‘ دوسری نگاہ اس نے سامنے والے ٹیرس پر ڈالی جہاں کرسی پر براجمان رجاء اپنے فون میں مصروف تھی مگر شقران کو دیکھتے ہی اس نے اشارے سے اس اجنبی لڑکی کے بارے میں پوچھا تھا‘ وہ کیا جواب دیتا سوالاً علمی سے شانے اچکا کر واپس کمرے میں جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ تب ہی وہ لڑکی اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی چونک کر پلٹی تھی‘ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شقران کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے‘ وہ لڑکی اب مکمل طور پر متوجہ تھی شاید اس کی نظروں سے بھی شقران کا متغیر ہوا چہرہ چھپا نہیں رہ سکا تھا۔ اپنے شانوں پر ناقابل برداشت بوجھ اٹھائے وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا اور پھر سرعت سے کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی نکلتا چلا گیا تھا۔ پہلی کال اس نے عرش کو کی تھی۔

”میں تمہارے گھر پہنچ رہا ہوں‘ تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً وہاں پہنچو......“

”شقران! ہوا کیا ہے‘ تم ٹھیک تو ہو؟“ اس کے لرزتے لہجے نے عرش کو تشویش میں ڈالا تھا۔

”مجھ سے ابھی کوئی سوال مت کرو‘ بتاؤ تم کہاں ہو؟“ شقران تقریباً چیخا تھا۔

”ابھی بھائی کی کال آئی ہے‘ ناراض ہورہے تھے کہ نہ تم ان کے دوست سے ملنے پہنچے ہو نہ میں‘ مجھے وہاں زیادہ وقت نہیں لگے گا‘ تم گیراج پہنچو میں واپسی میں تمہیں پک کرلوں گا۔“

”ٹھیک ہے‘ میں گیراج پہنچ رہا ہوں۔“ لائن ڈسکنیکٹ کرنے کے بعد اس نے ایک پل کے لیے کچھ سوچا اور پھر رجاء سے رابطہ کیا تھا۔

”رجاء‘ تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے‘ کوئی سوال مت کرنا پہلے یہ بتاؤ وہ لڑکی ابھی ٹیرس پر ہی موجود ہے؟“

”ہاں‘ موجود ہے۔“ حیران ہوتی وہ بولی تھی۔

”تمہیں بہت احتیاط سے ابھی اس لڑکی کے چہرے کی کم از کم ایک کلیئر تصویر مجھے بھیجنی ہے۔“

”مشفق ان! تم سنجیدہ ہو؟“ وہ دنگ ہو کر پوچھ رہی تھی۔
”رجا! یہ بہت ضروری ہے‘ میں اس کی وجہ بھی تمہیں بتادوں گا مگر پلیز ابھی یہ کام فوری طور پر کردو۔“
”اچھا ٹھیک ہے فون بند کرو‘ ایسا نہ ہو وہ ٹیرس سے چلی جائے۔“ مشفق ان کی سنجیدگی کو محسوس کرتی وہ بولی تھی۔

...... ☆ ......
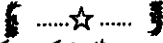
اپارٹمنٹ تک وہ آنا نہیں چاہتی تھی‘ مگر زنائشہ کے بغیر ہاسٹل کے کمرے کی دیواریں اسے کاٹ کھانے کے لیے دوڑ رہی تھیں‘ تنہائی میں اس کی بیزاری اور بے چینی اور بڑھ رہی تھی اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ زنائشہ نے فرار کی کوشش ضرور کی ہوگی مگر کامیاب نہ ہوئی‘ فون پر رابطہ بھی اب ناممکن لگ رہا تھا‘ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے‘ زرکاش نے پہلی بار اسے بری طرح مایوس کیا تھا‘ جس کی امید اسے نہیں تھی‘ وہ اب اس سے زنائشہ کے معاملے پر بات بھی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بھی نہیں بیٹھ سکتی تھی‘ وہ خود زنائشہ تک کس طرح پہنچ سکتی ہے یہ سوچنے کے لیے اسے اپارٹمنٹ آنا بہتر لگا تھا‘ زنائشہ کے ہاسٹل سے جانے کے بعد ویسے بھی ہاسٹل کے ماحول میں گھٹن محسوس ہوتی تھی‘ ایک ایک لمحہ وہاں وہ جبراً گزار رہی تھی‘ اپارٹمنٹ پہنچ کر بھی اس نے زرکاش کو اپنے وہاں موجود ہونے کی اطلاع نہیں دی تھی‘ بغیر کسی مداخلت کے اسے خاموشی سے بیٹھ کر زنائشہ تک جلد از جلد پہنچنے کا راستہ نکالنا تھا‘ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کل صبح ہی وہ گیراج جائے گی اور جب تک عرش اسے زنائشہ سے ملوانے کے لیے راضی نہیں ہوگا وہ گیراج سے نکلے گی ہی نہیں‘ اس کے علاوہ کچھ اور وہ کر بھی نہیں سکتی تھی‘ اس نے اب تک زنائشہ کی گمشدگی سے رائمہ کو بے خبر ہی رکھا تھا‘ شام ہو چکی تھی اور اب اسے جلد از جلد رائمہ کی طرف جانا تھا‘ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے یونہی ریلنگ سے نیچے دیکھا تھا‘ کوئی بہت تیزی سے اسٹیپس طے کرتا اوپر آ رہا تھا‘ اس شخص کو دیکھتے ہوئے دراج کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں‘ سیڑھیوں پر سانس روکے کھڑی وہ اسے دیکھ رہی تھی جو کوریڈور میں آتا بائیں جانب مڑ گیا تھا‘ شاک سے نکلتی وہ احتیاطاً آدھا چہرہ چادر سے چھپائے تیزی سے بقیہ اسٹیپس اترتی وہیں رکی سامنے دیکھ رہی تھی‘ وہ شخص جس اپارٹمنٹ میں داخل ہو رہا تھا‘ دراج جانتی تھی کہ وہاں شہرام کی فیملی رہائش پذیر ہے مگر اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ عرش سے ان کا کیا تعلق ہے...... سامنے والے اپارٹمنٹ کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے اسے یکایک سمجھ آنے لگا تھا کہ زرکاش کیوں عرش کی طرف سے مطمئن ہے کیوں وہ اس معاملے کو بہت لائٹ لے رہا ہے کیوں وہ چاہتا تھا کہ دراج‘ عرش سے نہ ملے‘ اسے یقین تھا کہ زرکاش پہلے سے عرش کو جانتا ہے یا کم از کم یہ ضرور جانتا ہے کہ وہ شہرام سے تعلق رکھتا ہے مگر اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ زرکاش نے یہ سچ اس سے کیوں چھپایا......؟ اس وقت اس کا فوکس صرف زنائشہ تھی‘ قدرت کی طرف سے راستہ اسے مل گیا تھا‘ اسے اب کل صبح کا انتظار کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی‘ جو کرنا تھا آج ہی کرنا تھا اور جلد از جلد کرنا تھا مگر بہت عجلت میں معاملہ بگڑ بھی سکتا تھا‘ شہرام کے گھر میں ابھی عرش موجود ہے جبکہ وہ عرش کی غیر موجودگی میں شہرام سے ملنا چاہتی تھی‘ تیز قدموں سے مین گیٹ کی سمت بڑھتے ہوئے اس نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا‘ سات بج رہے تھے‘ اسے دو تین گھنٹے بعد یہاں واپس آنا بہتر لگا‘ اسے امید تھی کہ تب تک عرش جا چکا ہوگا اور رائمہ کی طرف اس کا اپنا وقت بھی جلد گزر جائے گا۔

...... ☆ ......
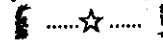
بیڈ پر گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھے گہری سوچ کے درمیان ایک بار پھر اپنے فون کو دیکھا تھا‘ اس نے کئی بار چاہا تھا کہ فون آن کر کے دراج سے بات کرے اور اسے بتادے کہ اب وہ اس گھر کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا چاہتی‘ جس شخص کی وجہ سے چھ سال تک دن رات اس کا دل لہولہو ہوتا رہا ہے‘ اس شخص سے فرار ہو کر جان چھڑا کر وہ اب کہاں جا سکتی ہے......؟ حقیقت سے کوئی کب تک جان چھڑا سکتا ہے......؟ فرار ہونا اتنا آسان ہوتا تو سارے راستے تو ابھی بھی کھلے تھے اس کے لیے...... مگر اس گھر سے‘ عرش سے دور بھاگ کر اس سے ہر تعلق توڑ کر خود اسے کیا حاصل ہو سکے گا......؟ وہی زندگی جو پچھلے چھ

سالوں سے گزارتی وہ ہلکان ہوچکی تھی عرش آخر کب تک اسے راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے گا......؟ کب تک اس کی ضد کے سامنے اپنی انا اپنے وقار کو جھکاتا رہے گا؟ چھ سال ایک دوسرے سے جدا اور بے خبر جس کرب میں بھی گزرے مگر گزر گئے زندہ وہ بھی ہے اور زندہ عرش بھی رہا ہے تو کیا اب اپنی مرضی سے الگ ہونے کے بعد کیا وہ جینا چھوڑ دے گا......؟ وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوئے بغیر حقیقت کی نظر سے حالات کی جانچ پڑتال کررہی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ اگر پتھر بنی رہی تو ایک نہ ایک دن عرش تنگ آ کر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے گا چند الفاظ کہہ کر سب کچھ ختم کردے گا اس گھر کے دروازے اس پر بند کردے گا اور پھر......اپنے دل اور اپنے گھر پر حکمرانی کرنے کے لیے کسی دوسری عورت کو زندگی میں لے آئے گا اور وہ خود کہاں جائے گی......؟ اسی ہاسٹل کے ایک کمرے میں جہاں ہر دن زندہ رہنے کی مشقت میں اور ہر رات تکیے میں سسکیاں دباتے ہوئے گزرے گی ایک بار پھر وہ مشین بن کر رہ جائے گی دراج کے پاس اس کی فکر کرنے والے محبت کرنے والے بہت سے رشتے تھے سب سے بڑھ کر اس کی زندگی میں زرکاش تھا جو کسی بھی دن اسے ہمیشہ کے لیے ہاسٹل سے لے جائے گا دراج اس کی طرح تنہا اور محروم نہیں تھی دراج اور زرکاش اسے کب تک سہارا دے سکیں گے وہ دونوں کبھی نہ کبھی تو اپنی ایک نئی زندگی شروع کریں گے اپنے درمیان وہ اسے کیونکر مسلط کریں گے خود اس کی خودداری بھی یہ نہیں گوارا کرے گی لیکن تنہا زندگی کا سامنا ساری عمر کرنا آسان نہ تھا......آج اگر وہ اپنی پاکدامنی کے گھمنڈ میں عرش سے منہ پھیر کر چلی بھی جاتی ہے تو کون ایسا شخص ہوگا اس دنیا میں جو اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوگا کوئی مرد اس جیسی تن تنہا لڑکی کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہے گا جس کے آج اور کل کے بارے میں وہ شکوک وشبہات رکھتا ہو......اور خود وہ بھی کسی پر بھروسہ کرنے کے قابل کہاں تھی......نہ خاندان نہ کوئی خونی رشتہ نہ حسن ودولت کچھ بھی تو اس کے پاس ایسا نہ تھا جس پہ وہ فخر کرسکتی......عرش کو اس سے لاکھ درجے بہتر اور خوب صورت عورت مل سکتی تھی اس کے ساتھ اس گھر کی چھت کے نیچے وہ اب تک جتنا وقت بھی گزار چکی ہے اسے جانچنے کے بعد اسے احساس ہوگیا تھا کہ کوئی بھی اچھی عورت آنکھیں بند کرکے ساری زندگی کے لیے عرش پر اعتبار کرسکتی ہے مگر ایک عرش کے علاوہ کوئی اسے سرآنکھوں پر بٹھا کر نہیں رکھے گا......قدرت نے اسے یونہی نوازنا تھا زندگی اسے بہت کچھ واپس لوٹا رہی تھی اور اسے قبول کرنے سے انکار کرکے وہ خود پر ظلم نہیں کرسکتی تھی سچ تو یہ تھا کہ وہ عرش کو دوبارہ کھونا نہیں چاہتی تھی اس گھر سے دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھی اس گھر میں گزرنے والا وقت گزری تمام صعوبتوں پر غالب آ گیا تھا اسے یاد آ گیا تھا کہ عرش سے اس کا کتنا مضبوط اور مقدس تعلق ہے جس سے وہ اب نظر نہیں چرا سکتی تھی......یہ سب وہ دراج کو فون پر نہیں سمجھا سکتی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خود عرش کے ساتھ جا کر دراج کو یہاں لائے گی اس گھر میں جو اس کا اپنا تھا وہ بیڈ سے اترتی تیزی سے گلاس ونڈو تک آئی تھی ذرا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا عرش کے ساتھ گاڑی میں کوئی اور بھی موجود تھا پردہ چھوڑ کر وہ تیز قدموں سے باہر ہال کے گیٹ تک آئی تھی۔

......☆......
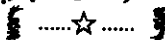
اسٹڈی روم میں اس وقت ماحول بہت گمبھیر تھا شفقران کا فون تھامے وہ بغور اس لڑکی کی تصویر دیکھ رہا تھا جسے شہرام کے تعارف کروانے کے دوران سرسری نظر سے دیکھا تھا شفقران نے فون پر اسے معاملے کی نوعیت اور سنگینی سے آگاہ کیا ہوتا تو بھی وہ اس لڑکی کے سامنے بیٹھ کر اس کے چہرے کے ساتھ پیش آئے حادثے کی تفصیلات نہیں پوچھ سکتا تھا مگر شفقران جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر یقین کرنے کے لیے اس کا دل بھی نہیں مان رہا تھا۔

"عرش! میری آنکھوں نے کوئی دھوکہ نہیں کھایا ہے وہ وہی تھی میرے سامنے مجسم حقیقت بنی موجود تھی اور میں......"

لرزتے لہجے میں شفقران بات مکمل نہیں کرسکا تھا اس کا رنگ ابھی تک خوف سے زرد تھا اس کی کیفیت کو عرش بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

"میں اسے دیکھ رہا تھا اسے پہچان رہا تھا اسے پہچاننے میں غلطی کم ازکم میں نہیں کرسکتا......"

"شفق ران! تمہارا یہ کہنا اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر غلطی کی گنجائش ہو بھی تو سکتی ہے اتنے عرصے بعد آج اچانک وہ تمہارے سامنے...... تمہارے ہی گھر میں...... یہ کوئی مشابہ اور تمہارے وہم کا معاملہ بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"یہ مشابہت آج سے پہلے مجھے کسی چہرے میں کیوں نظر نہ آئی؟ یہ وہم ہے تو اس میں آج ہی میں کیوں مبتلا ہوا؟"

"یہ میرا وہم نہیں ہے عرش...... وہ حقیقت بن کر میری آنکھوں کے سامنے تھی' اس کا چہرہ اس حقیقت کا ثبوت ہے' جو چہرہ مجھے راتوں میں نیند سے بیدار کر دیتا ہے' اسے پہچاننے میں غلطی میں کر ہی نہیں سکتا۔" شفق ران اپنے لفظوں پر زور دیتا بولا تھا۔

"جب بھائی میرا تعارف اپنے دوست راسب سے کروا رہے تھے تو سب کے درمیان وہ بھی موجود تھی نارمل دکھائی دے رہی تھی' جو کچھ تم بتا رہے ہو اس حساب سے مجھے اس کے رویے یا تاثرات سے کوئی غیر معمولی چیز محسوس نہیں ہوئی تھی...... وہ بھائی کے دوست کی بہن ہے' بھابی نے اسے رجاب کہہ کر مخاطب کیا تھا۔" عرش اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے' کیا اس نے بھی تمہیں پہچان لیا ہوگا؟"

"اسے پہچاننے کے بعد میں چند منٹ بھی اس کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا' میں نہیں جانتا کہ اس نے مجھے پہچانا یا نہیں' یہ تو آنے والا وقت بتائے گا مگر اس کی آنکھوں میں جو چہرہ مجھے دکھائی دیا وہ میرا ہی تھا' میں بس اتنا جانتا ہوں۔" شفق ران کے لہجے اور چہرے کے تاثرات میں شدید اضطراب تھا۔ "میں نے کئی بار اس کے سامنے آجانے کی دعا کی تھی' انجانے خوف اور اپنے انجام سے باخبر ہونے کے باوجود میری نظروں نے ہر دن اس کے چہرے کو تلاش کیا تھا...... آج ایک طویل عرصے بعد اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے مجھے پھر اپنا وجود زمین میں دھنسا محسوس ہو رہا ہے...... میں نے کتنا بھیانک اور ناقابل تلافی نقصان کر ڈالا ہے' اس کا شدت سے احساس مجھے آج اس کا چہرہ دیکھنے کے بعد ہوا ہے' تم بھی تو دیکھ رہے ہو' تم بھی مجھ سے نفرت کرو' بہتر ہوگا کہ اپنے ہاتھوں سے مجھے منوں مٹی تلے دبا دو......" اس کی سرخ آنکھوں اور چہرے پر پھیلی اذیت نے عرش کو دھچکا پہنچایا تھا' وہ اس کا بہترین دوست تھا غم گسار تھا' ہمیشہ وہ دونوں ایک دوسرے کو جذباتی سہارا دیتے رہے تھے' ایک دوسرے کی ہمت و حوصلہ بڑھاتے رہے تھے۔

"شفق ران! خود کو مضبوط رکھو اگر اس نے تمہیں نہیں پہچانا تو بھی تمہیں خود اپنی پہچان کروانی ہے' قدرت نے تمہیں یہ موقع دیا ہے' پچھتاووں سے نکلنے کا' تلافی کرنے کا...... اب تک تمہاری نظریں اسے ڈھونڈتی رہی ہیں' تمہاری دعائیں قبول ہوئی ہیں تو اب حوصلہ بھی رکھو' بس یہ یاد رکھو وہ معاف کرے یا سزا سنائے' اس کا سامنا تمہیں کرنا ہے اور صرف تم کیوں؟ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم تنہا بالکل نہیں ہو' جو بھی حالات سامنے آئیں گے ہم مل کر اس کا سامنا کریں گے۔" عرش نے اسے تسلی دینے کی بھرپور کوشش کی تھی جو سر ہاتھوں میں تھامے بیٹھا تھا۔

...... ☆ ......
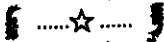
ہال سے کمرے اور کمرے سے ہال کے چکر لگاتی وہ عرش کا ہی انتظار کر رہی تھی' جانے وہ کیا کچھ بتانا چاہتا تھا' یقیناً اہم باتیں ہوں گی جو وہ آ کر کرنے والا ہے...... اسی بارے میں سوچتے ہوئے طرح طرح کے وسوسے دل و دماغ میں سر اٹھاتے اسے بے چینی میں مبتلا کر رہے تھے' اس بے چینی سے نجات اور دھیان ہٹانے کے لیے اسٹڈی کی طرف بڑھی تھی' مگر پھر یونہی درمیان میں رکتی ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی' ایک ایک کر کے اس نے تمام لائٹیں آن کر دی تھیں' سینٹرل ٹیبل کے پاس رکتے اس کی نظریں مغربی دیوار پر سجی تصویر پر ٹھہر گئی تھی جس میں عرش نے اپنے بازو پر لیٹے گہری نیند سوئے نوزائیدہ بچے کو سینے سے لگا رکھا تھا' ایک چھوٹا سا نو عمر بچہ عرش کے گھٹنے پر چہرہ ٹکائے بیٹھا تھا جبکہ اس کے ہی جیسا ایک اور بچہ عرش کی پشت پر اس کی گردن میں بازو حمائل کیے موجود تھا' نوزائیدہ بچے کے علاوہ ان سب کے مسکراتے چہروں پر شوخی اور شرارت چمک رہی تھی۔ ان سب میں سے کسی ایک کے چہرے سے بھی نظر ہٹانا مشکل تھا' فوٹوگرافی کی مہارت نے اس

تصویر کو خوب صورت پوسٹر میں بدل دیا تھا' سناٹے میں گھری وہ بس تصویر کے مزید قریب گئی' جانے کتنی دیر تک اس کی آنکھیں ان بچوں کے خدوخال کو جانچتی رہی تھیں۔
عرش واپس گھر آیا تو زنائشہ کو گلاس ونڈو کے پاس کھڑا دیکھ کر حیران ہوا یقیناً اس کی آمد سے انجان بھی نہیں تھی۔
"زنائشہ......"
"مجھے اس وقت نہ کوئی بات کرنی ہے نہ سنی ہے۔" رخ پھیرے لرزتے لہجے میں بولتی وہ اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر عرش اپنی جگہ رک نہیں سکا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ؟"
"میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی' تم باہر جاؤ۔"
"تم کہوگی تو میں ساری رات گیٹ پر گزار دوں گا مگر مجھے تم سے بات کرنی ہے' اچانک کیا ہوا ہے تمہیں؟" شدید پریشان ہوکر وہ بولتا اس لمحے خاموش ہوا جب زنائشہ نے اس کی جانب رخ کیا تھا۔
"میں جانتی ہوں تم مجھ سے کیا بات کرنے والے ہو۔"
"تم کیا جانتی ہو؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔" دنگ نظروں سے اس کی سرخ سوجی آنکھوں اور ستے چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا۔
"یہی کہ کوئی تو وجوہات ہوں گی جن کے تحت تم شادی کرچکے ہو اور تمہارے بچے بھی ہیں پھر بھی اس گھر کو میرے حوالے کرکے تم نے کتنا بڑا احسان کیا ہے مجھ پر......"
"تم کس شادی اور کن بچوں کی بات کررہی ہو؟" ہک دک نظروں سے عرش اسے دیکھ رہا تھا' جو اس کے سامنے سے ہٹتی بیڈ کے کنارے جابیٹھی تھی۔
"تمہاری شادی اور تمہارے بچوں کی بات کررہی ہوں۔ وہی تینوں بچے جو تمہارے ساتھ اس تصویر میں ہیں۔" سر جھکائے وہ گھٹی آواز میں بولی تھی جبکہ عرش گہری سانس بھرتا اس کی طرف بڑھا تھا۔
"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اپنے سامنے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے عرش سے نظریں چرائے وہ بمشکل ضبط کرتی بولی تھی۔
"مجھے اس بارے میں تم سے کوئی بات کرنی بھی نہیں جس کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہے......ڈرائنگ روم میں موجود تصویر کے بارے میں خود کڑی سے کڑی ملاکر پریشان ہونے سے بہتر تھا کہ تم دوٹوک سوال پہلے مجھ سے کرلیتیں...... پتہ نہیں میں کبھی یہ اندازہ لگاسکوں گا بھی یا نہیں کہ تمہاری نظر میں' میں کس حد تک بے اعتبار انسان ہوں۔" عرش کے تاسف زدہ لہجے پر وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہوئی تھی۔
"تمہاری نظر میں' میں جیسا بھی ہوں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میں زندگی میں ایک بار محبت اور ایک ہی بار شادی پر ایمان رکھنے والا انسان ہوں......اور یہ دونوں کام اپنے طور پر میں کرچکا ہوں۔"
"تو......تم نے کوئی دوسری شادی نہیں کی؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں پوچھ رہی تھی۔
"ابھی بھی اس سوال کی ضرورت ہے؟" جواباً سوال کرتا وہ خشمناک نظروں سے اسے دیکھنے لگا جو اس کی بات سے قدرے مطمئن ہوئی تھی۔
"تصویر میں بچے نظر آ گئے' تین دن سے ایک مجذوب بندہ تمہارے قدموں میں بیٹھا ہے وہ نظر نہیں آیا تمہیں۔" اس کے خشمگین لہجے پر زنائشہ اسے دیکھ کررہ گئی تھی۔
"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میری آنکھیں پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی ہیں یا پہلے سے بہتر......تم مجھے پہلے سے کئی گنا زیادہ

حسین نظر آتی ہو۔" اس کی گہری نظروں پر نگاہ چراتی زنائشہ کا رنگ بدلا تھا۔
"تم شاید یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ اس بندے کی آنکھیں ضرور خراب ہو چکی ہیں۔"
دلچسپی سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھتا وہ مزید بولا تھا۔ "اس وقت میرے دل کی ترجمانی میر جی بہت پہلے خوب کر گئے۔

یاقوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی گل برگ
ٹک ہونٹ ہلا تو بھی کہ اک بات ٹھہر جائے

اس کی گہری مسکراتی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے زنائشہ نے بری طرح جھینپ کر اپنا ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھ دیا تھا بے ساختہ مسکراتے ہوئے عرش نے اس کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے ہٹا کر گرفت میں ہی رکھا تھا' نظریں اس کے ہاتھ میں چمکتی انگوٹھی پر ٹھہر گئی تھیں' تب ہی ہارن کی تیز آواز عرش کو بری طرح چونکا گئی تھی' حیرت سے زنائشہ نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے جبکہ عرش تیزی سے ونڈو کی طرف گیا تھا' ہارن کی آواز پھر گونجی تھی' گیٹ پر گاڑی کی ہیڈ لائٹس دیکھتے ہوئے اس نے وقت ضائع کیے بغیر امام کو کال کی تھی۔
"کیا بتایا ہے تم نے بھائی کو؟ ایسا کیا دیکھا یہاں تم نے کہ بھائی گھر پہنچ گئے ہیں۔" بری طرح مشتعل ہو کر وہ دھاڑا تھا۔
"عرش! میں اپنے گھر پر اپنے پیر کی تکلیف میں کراہ رہا ہوں' اس سے پہلے میں نے کون سی تمہاری خبریں ادھر ادھر کی ہیں جو تم مجھ پر شک کر رہے ہو......؟" امام الٹا اس پر ناراض ہوا تھا۔
"تمہیں بعد میں دیکھتا ہوں۔" لائن ڈسکنیکٹ کرتا وہ حیران پریشان کھڑی زنائشہ کی طرف آیا تھا۔
"میں گیٹ کھولنے جا رہا ہوں' مگر تم کمرے سے باہر مت نکلنا......" عجلت میں ہدایت دیتا وہ جاتے ہوئے رکا تھا۔
"اور جو بھی صورتحال ہو گھبرانا بالکل نہیں۔" تاکید کرتا وہ تیزی سے کمرے کی لائٹس آف کرتا باہر نکل گیا تھا' باہر ہارن کی آواز مسلسل بلند ہو رہی تھی' تاریکی میں ساکت کھڑی زنائشہ کا دل انجانے خوف اور خدشات سے ڈوبتا جا رہا تھا۔

......☆......

ڈور بیل کی گونج کے ساتھ گیٹ بھی مسلسل دھڑ دھڑایا جا رہا تھا' اپنے اعصاب کنٹرول میں رکھنے کی کوشش کرتا وہ گیٹ تک پہنچا تھا' پہلا چہرہ جو نظر آیا وہ اسے ششدر کر گیا تھا' زہریلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے دراج سامنے تھی۔
"کیوں...... گنگ ہو گئی زبان؟ یہاں تم سے بھی بڑے بڑے عیار پڑے ہیں' ہٹو سامنے سے۔" کاٹ دار لہجے میں غراتی وہ راستہ بناتی اندر داخل ہوئی تھی جبکہ اس کے پیچھے آتے شہرام کی آنکھوں سے ٹپکتے جلال نے عرش کو دم بخود کر دیا تھا۔
"عرش! اگر اس لڑکی کے الزامات درست ثابت ہوئے تو یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوگا۔" سحر سخت غصیلے لہجے میں بول کر تیز قدموں سے شہرام کے پیچھے اندر آئیں تھیں۔
"زنائشہ......' زنائشہ کہاں ہو تم؟" دراج کی تیز بلند آواز کمرے کی تاریکی میں ساکت کھڑی زنائشہ کی سماعتوں سے ٹکراتی سب کچھ بھلا دینے کے لیے کافی تھی۔ بے اختیار تیر کی طرح بھاگتی وہ کمرے سے نکلی تھی' سامنے کھڑی دراج کو دیکھتی وہ ایک پل کو بے یقین رہی مگر اگلے ہی پل وہ اس سے لپٹتی اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔
"تم ٹھیک تو ہو' میں نے دیر تو نہیں کی؟ مجھے معاف کر دو' یہ سب تمہیں میری وجہ سے برداشت کرنا پڑا ہے۔" دراج رندھے لہجے میں بول رہی تھی جواباً زنائشہ بس اس کے کاندھے پر سر رکھے سسک رہی تھی۔ شعلہ بار نظروں سے شہرام اب اسے دیکھ رہے تھے جو نگاہ ملانے کے قابل نہ تھا۔
"ذرا سی شرم' ذرا سی حیا بھی باقی رہی تھی تمہارے اندر میری آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے......؟ میری پشت پر میرے بھروسے کا خون کرتے ہوئے......؟" شہرام کی آواز پر عرش لمحے کو چونکا تھا جبکہ زنائشہ رونا بھول کر دہل اٹھی تھی' اسے

سمجھ نہیں آیا تھا کہ یہ مشتعل ہوتا شخص کون ہے جس کے سامنے عرش کے لیے نگاہ اٹھانا مشکل ہورہا ہے۔
''بھائی! میں جانتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی ہے لیکن آپ پہلے میری بات سن لیں پھر......''
''مجھے اب اور کچھ نہیں سننا یہ سننے کے بعد کہ تم نے ایک لڑکی کو اغواء کیا ہے زبردستی اسے قید کرکے رکھا ہے تین دن سے تمہاری مجرمانہ کارروائیاں میری ناک کے نیچے جاری ہیں اور میرے فرشتوں تک کو خبر نہ ہوئی۔'' شہرام کے اشتعال نے اسے بات مکمل کرنے کا بھی موقع نہیں دیا تھا۔
''آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کرسکتا ہوں؟'' دنگ نظروں سے عرش نے ان کے غصے میں تمتمائے چہرے کو دیکھا تھا۔
''شہرام بھائی! اگر اس میں ذرا بھی شرم وحیا باقی ہوتی تو زنائشہ کی یہاں موجودگی اور رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے باوجود یہ آپ سے سوال جواب نہ کررہا ہوتا' شرمسار ہوتا۔'' دراج درمیان میں بول اٹھی تھی۔
''تم اپنی بکواس بند کرو۔'' عرش بھڑک کر اس پر غرایا تھا۔
''بکواس نہیں کررہی تمہارے کرتوتوں کی قصیدہ خوانی کررہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔'' دراج بھی چپ نہ رہی تھی۔''زنائشہ! دھوکہ دہی اس شخص کی سرشت ہے' اس نے تمہیں تو کیا اپنے بھائی کو بھی نہیں بخشا' میں اگر ان کے پاس جاکر حقیقت سے آگاہ نہ کرتی تو یہ بے خبر رہتے کہ یہ شخص کیا گل کھلا چکا ہے مگر یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے اسے اس کے گھر والوں کے سامنے بے نقاب کیا اور پہنچ گئی تمہیں اس کی قید سے نجات دلانے۔'' دراج بلند آواز میں بول رہی تھی جبکہ زنائشہ کے لیے دشوار تھا اس تمام صورتحال کو سمجھنا۔
''سن لیا تم نے......اس سے کہیں زیادہ ذلت سمیٹتا ہوا میں یہاں تک پہنچا ہوں صرف تمہاری وجہ سے۔ تم نے مجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' دراج کی وجہ سے شہرام کا اشتعال مزید بڑھا تھا۔
''دراج! یہ سب کیا ہورہا ہے؟'' زنائشہ نے دراج کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے پوچھا۔
''سب سمجھ آجائے گا' تم بس چلو میرے ساتھ یہاں سے۔''
''یہ کہیں نہیں جائے گی تمہارے ساتھ۔'' عرش نے خونخوار نظروں سے دراج کو دیکھا تھا۔
''میں لے کر جاؤں گا اسے یہاں سے' مجھے روکو گے تم روک سکتے ہو مجھے تم؟'' شہرام شدید طیش میں عرش سے پوچھ رہے تھے جبکہ ساکت کھڑی سحر فوراً حرکت میں آتیں زنائشہ کی طرف بڑھی تھیں۔
''زنائشہ! تم ہمارے ساتھ چلو۔''
''نہیں۔'' زنائشہ کرنٹ کھا کر ان سے دور ہوئی تھی۔''میں آپ کو نہیں جانتی' میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''
''زنائشہ! تمہیں اب گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں' تمہیں یہاں سے جانے سے اب کوئی نہیں روک سکتا۔'' دراج کے تسلی دینے والے انداز پر زنائشہ نے زرد پڑتے چہرے کے ساتھ ایک نگاہ عرش کو دیکھا تھا' جو بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اگلے ہی پل وہ پلٹ کر بھاگتی ہوئی کمرے کی طرف گئی تھی۔
''شہرام بھائی' دیکھ لیا آپ نے اپنے بھائی کی سفاکی' کس طرح سے اس نے ایک معصوم لڑکی کو ڈرا دھمکا کر رکھا ہوا ہے' بے چاری اس کی دہشت سے زرد پڑ گئی ہے۔'' دراج شدید غصے میں شہرام سے مخاطب ہوئی تھی۔
''تمہیں اس معاملے میں کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔''
''عرش! تمیز سے بات کرو' یہ کوئی طریقہ ہے بات کرنے کا۔'' سحر غصے میں عرش پر برسی تھیں۔
''اب بھی اسے تمیز وتہذیب یاد دلانے کی کسر باقی رہتی ہے؟ ساری اخلاقیات تو یہ ہمارے منہ پر مار چکا ہے اور کتنے ثبوت چاہئیں تمہیں۔'' شہرام الٹا سحر پر برسے تھے۔''اسے کمرے سے باہر لے کر آؤ' میں اب مزید یہاں رک کر اپنا منہ کالا

نہیں کروانا چاہتا......"

"بھائی! میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے آخر آپ میری بات تو سنیں۔" عرش کے لیے مزید ضبط کرنا مشکل ہوا تھا۔

"اس سے زیادہ اور غلط کام کیا کرو گے تم جو یہاں میں دیکھ چکا ہوں۔" شہرام قدرے بلند آواز میں بولے تھے۔

"میں زنائشہ کو لے کر آتی ہوں۔" دراج بول کر دو قدم ہی کمرے کی سمت بڑھی تھی کہ عرش جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کے راستے میں آیا تھا۔

"تم کس حق سے میرے بیڈ روم میں قدم رکھو گی...... اپنی حد میں رہو۔

"عرش اس سے پہلے کے شہرام غصے میں بے قابو ہو جائیں' چپ چاپ جا کر زنائشہ کو لے آؤ۔" سحر کے دھیمی آواز میں گھرکنے پر وہ خون آشام نظروں سے دراج کو دیکھتا کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

اپنے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے لائٹس آن کی تھیں' مگر زنائشہ کہیں دکھائی نہیں دی' اس کی متلاشی نگاہیں وارڈ روب تک جا کر وہیں ٹھہر گئی تھیں' ایک پل کو عرش کا دل چاہا تھا کہ کمرے کو اندر سے لاک کرلے چاہے باہر کوئی قیامت ہی کیوں نہ آ جائے' یا پھر کچھ ایسا ہو جائے کہ وہ اس کمرے سے زنائشہ کو ساتھ لے کر کہیں غائب ہو جائے مگر یہ دونوں ہی کام ناممکنات میں سے تھے۔

"میں یہاں سے نہیں نکلوں گی' وہ کون لوگ ہیں میں جاننا بھی نہیں چاہتی' ان سب کو باہر نکالو اس گھر سے۔" وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان بولی تھی۔

"تم باہر آؤ......"

"میں نہیں آؤں گی باہر' میں کسی کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی' تم باہر جاؤ۔" عرش کا ہاتھ جھٹکتی وہ وحشت سے بولی تھی۔

"تم نے کہا تھا یہ میرا گھر ہے' یہاں وہی ہوگا جو میں چاہوں گی' میں اس گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھنا چاہتی۔" مزاحمت کرتی وہ پھر چیخی تھی۔

"زنائشہ! کچھ دیر کی بات ہے' یہ گھر تمہارا ہی ہے' اس گھر سے کوئی تمہیں الگ نہیں کررہا......"

"میں یقین نہیں کرنے والی' چھ سال تک ہمیں ایک دوسرے کے مرنے' جینے کی خبر تک نہ تھی' جب یہ ہو سکتا ہے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" اس کے لرزتے لہجے پر عرش چند لمحوں تک اس کے وحشت زدہ تاثرات دیکھتا کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"زنائشہ! کم از کم تم تو اس مشکل وقت میں میری بات کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرو' چھ سال بعد اگر میں تمہارے سامنے زندہ سلامت موجود ہوں تو صرف اس شخص کی وجہ سے جسے باہر تم نے مجھ پر چیختے دیکھا ہے' ان تین دنوں میں اگر مجھے موقع ملتا تو میں سب سے پہلے تمہیں بھائی کے بارے میں بتاتا' تمہاری تلاش میں دن رات ایک کرنے میں وہ بھی میرے ساتھ رہے ہیں کیونکہ وہ مجھے اپنی اولاد کی طرح چاہتے ہیں' مجھے اذیت میں نہیں دیکھ سکتے تھے' میں اس دن کے انتظار میں تھا جب تم دوبارہ مجھ پر اعتبار کر کے مجھ سے راضی ہو جاتیں اور پھر میں تمہیں اپنے ان چند عزیز اور مقدس رشتوں کی اپنی زندگی میں موجودگی کے بارے میں بتا کر تمہیں حیران کر دیتا مگر...... اس سے پہلے ہی سارا معاملہ بگڑ گیا ہے' صرف تمہاری اس دوست کی وجہ سے...... جانے میرے بارے میں کیا کچھ غلط اس نے بھائی سے کہا ہے کہ وہ میری ایک بات تک سننے کے لیے تیار نہیں......اور پھر اچانک تمہیں یہاں دیکھ کر وہ جانے کون' کون سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں...... تمہاری دوست نے بہت اچھی طرح مجھے سب کی نظروں میں گرا دیا ہے زنائشہ! اب تم ہی میری مدد کر کے میری بات مان کر مجھے بھائی کی نظر میں معتبر کر سکتی ہو۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ التجائی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جس طرح تمہیں راضی کرنا میرے لیے زندگی اور موت کا سوال بنا ہوا تھا' بالکل اسی طرح بھائی کا مجھ سے راضی رہنا بھی میرے زندہ رہنے کے لیے ضروری ہے' وہ میرے محسن ہیں' ان کے بہت احسانات ہیں مجھ پر' میں تمہیں ان کے بارے

میں جب سب کچھ بتاؤں گا تو تم بھی قائل ہو جاؤ گی بس اس وقت میری بات مان کر ان کے ساتھ چلی جاؤ' میں بھی تمہارے ساتھ ہوں' اب تم ہی مجھے مزید شرمساری سے بچاسکتی ہو ورنہ تمہاری دوست نے تو مجھے بھائی اور بھابی سے نظر ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا ہے۔'' عرش بمشکل بات مکمل کرسکا تھا کہ زنائشہ کے آنسو اور چہرے پر پھیلا خوف دل کو مٹھی میں جکڑ رہے تھے۔

''ان سے کہو جو بات کرنی ہے یہیں کرلیں' میں دراج کو بھی سمجھا دوں گی......'' زنائشہ نے ایک آخری کوشش کی تھی۔

''دراج کی وجہ سے ہی تو وہ تمہیں یہاں سے لے جانا چاہتے ہیں' وہ اس وقت بہت غصے میں ہیں' میں ان کے گھر جا کر ہی اب کوئی بات کرسکتا ہوں۔ تم بھی میری طرح خاموشی سے ان کی بات مان لوگی تو میرے لیے کچھ آسانی ہو جائے گی...... تمہیں واپس میرے ساتھ گھر ہی آنا ہے۔'' عرش کے کہنے پر وہ بس دھندلائی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' اسے واقعی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے عرش کی بات ماننی چاہیے بھی یا نہیں' عجیب وسوسوں میں گھری وہ عرش کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔

''پریشان مت ہو زنائشہ! جو غلطی ہے' میری ہے' تم سے کسی کو شکایت نہیں' بھائی بھابی بہت اچھے ہیں' تمہارے مل جانے پر سب سے زیادہ وہی خوش ہونے والے ہیں' میں بھی چاہتا ہوں کہ تم گھر جا کر سب سے ملو' تصویر میں جن بچوں کو تم نے دیکھا ہے وہ بھائی کے ہی ہیں' میں یہی بتانے جارہا تھا اس وقت تمہیں مگر......'' خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا جو اپنے آنسو خشک کرتی دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔ باہر منتظر کھڑی دراج نے اسے دیکھتے ہی اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اپنے ساتھ لے کر ہال سے نکلتی چلی گئی تھی' ان دونوں کے باہر جاتے ہی سحر نے پلٹ کر عرش کو دیکھا تھا۔

''آپ لوگ میری کوئی بھی بات سنے بغیر کیسے کسی کے لگائے گئے الزامات کو سچ مان سکتے ہیں؟'' شہرام پہلے ہی باہر جاچکے تھے سو وہ اب کھل کر احتجاج کرسکتا تھا۔

''اس لڑکی کے الزامات پر سر جھکانے کے لیے کیا یہ کافی نہیں کہ زنائشہ حقیقتاً تمہارے اس گھر میں موجود ہے؟ تمہیں کم از کم مجھے تو بتانا چاہیے تھا' کیوں اس طرح چھپا کر رکھا تم نے زنائشہ کو؟ حالانکہ یہ موقع تو بہت خوشی کا ہونا چاہیے تھا مگر تم نے اسے کچھ کا کچھ بنا ڈالا ہے' شہرام یونہی ہتھے سے نہیں اکھڑے ہیں' زنائشہ کی دوست نے جانے کون' کون سے الزام لگائے ہیں' کیا کچھ نہیں کہا ہے تمہارے خلاف...... یہ تو ہم جانتے ہیں کہ یہاں پہنچنے تک ہم کس طرح اس کے ہاتھوں بے عزت ہوتے رہے ہیں' مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہا کہ شہرام اتنے ضبط کا مظاہرہ بھی کس طرح کررہے ہیں' اس لڑکی کے الزامات بہت حد تک سچ ثابت ہوچکے ہیں' اب تم گھر پہنچو اور اس معاملے کو سنبھالو' مجھے تم نے اعتماد میں لیا ہی نہیں تھا سو میں تمہاری کوئی مدد کرنے کی پوزیشن میں ہرگز نہیں۔'' آخری جملے عجلت میں بولتیں سحر تیز قدموں سے وہاں سے گئی تھیں۔ اس سارے معاملے کو بگاڑنے کی ذمہ دار دراج بھی' زرکاش کو کال کرتے ہوئے وہ سخت اشتعال میں تھا۔

......☆......

ہراساں بیٹھی وہ اس بحث کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی جو دراج' سحر اور شہرام کے درمیان چھڑی تھی۔

''سو باتوں کی ایک بات' زنائشہ کو میں کسی صورت یہاں چھوڑ کر نہیں جاسکتی' جب یہ آپ کے بھائی سے اپنے کسی تعلق کو قبول نہیں کرتی تو آپ کیسے' کس حق سے اس پر اپنا فیصلہ تھوپ سکتے ہیں......؟ تین دن تک یہ کس اذیت میں رہی ہے آپ لوگ اس کا اندازہ بھی نہیں لگاسکتے' آپ زنائشہ کی فکر چھوڑیں اور اپنے شتر بے مہار بھائی کو لگام ڈالیں۔'' دراج کے تند و تیز لب و لہجے پر شہرام خون کے گھونٹ پی رہے تھے مگر سحر مزید تحمل کا مظاہرہ نہیں کرسکی تھیں۔

''دراج! ہم مانتے ہیں کہ عرش نے غلط کیا ہے' زبردستی اسے زنائشہ کو گھر نہیں لے جانا چاہیے تھا مگر ہم بھی کہاں اس کی طرف داری کررہے ہیں' تم نے جو کچھ بتایا اس کے بعد ہم نے لمحہ نہیں لگایا عرش تک پہنچ کر باز پرس کرنے میں' نہ ہی اس کی

غلطی پر پردہ ڈالنے کی اب کوئی کوشش کررہے ہیں لہٰذا تم بار بار عرش کی غلطی کو مہرہ بنا کر ہماری نیت اور شرافت پر انگلی مت اٹھاؤ..... زنائشہ قبول کرے یا نہ کرے مگر عرش سے اس کا تعلق ایک حقیقت ہے زنائشہ اب ہمارے گھر کی عزت ہے یہ گھر عرش کا ہے تو اس کا بھی ہے اس کا یہاں رہنا ناجائز نہیں جب گھر موجود ہے ہم موجود ہیں تو ہم کیوں زنائشہ کو تمہارے ساتھ ہاسٹل بھیج دیں......"

"مجھے اب اندازہ ہورہا ہے کہ زنائشہ کو اپنے ساتھ یہاں لاکر میں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔" دراج نے سحر کی بات کاٹی تھی۔ "آپ لوگ زبردستی زنائشہ پر اپنا حکم مسلط نہیں کرسکتے کیونکہ یہ آپ کے درمیان رکنا ہی نہیں چاہتی جب اسے عرش سے اپنا تعلق ہی قبول نہیں تو پھر اس کے رشتے داروں سے اس کا کیا لینا دینا جب وہ اسے دھوکہ دے کر فرار ہوا تھا تب تو کسی کو توفیق نہ ہوئی تھی کہ پلٹ کر اس بے چاری کی خبر لی جائے۔ اب سب کو اپنے حق بھی یاد آ گئے اور تعلق بھی۔" دراج بگڑے تیوروں کے ساتھ بولی تھی۔

"تم سے مزید کوئی بحث کرنا بیکار ہے جس معاملے کے سر پیر سے ہی تم ناواقف ہو اس پر بات کرنے سے بہتر ہے کہ تم معاملات سے پہلے پوری طرح آگاہی حاصل کرلو...... غلطی عرش نے کی ہے اسی لیے میں بہت ضبط کے ساتھ تمہاری وہ باتیں بھی برداشت کررہا ہوں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بہتر یہی ہے کہ عرش کے آنے تک خاموش رہا جائے ویسے بھی اب یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے زنائشہ اب ہماری ذمہ داری ہے میں اس گھر کا سربراہ ہوں اور میں جانتا ہوں کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے۔" شہرام کے برہم لہجے پر وہ ناگواری سے کچھ کہتے کہتے رک کر زنائشہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی اس کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا اپنی کلائی پر اس کے ٹھنڈے برف ہاتھ کی گرفت سے ہی دراج کو اس کی پریشانی اور گھبراہٹ کا اندازہ ہو رہا تھا ایک بار پھر دراج نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے تسلی دی تھی تب ہی شفران ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

عرش اپنے ساتھ زرکاش کو بھی ساتھ لایا تھا تاکہ وہ تمام معاملات کو سنبھالتے دراج کو بھی سمجھا سکیں تاکہ وہ آئندہ ان کی زندگی میں مداخلت نہ کرے۔

شہرام کے بھڑکنے پر شفران الٹے قدموں واپس نکل گیا تھا چند لمحوں بعد عرش کے پیچھے ہی اندر آتے زرکاش کو دیکھتے ہوئے دراج سلگ کر صوفے سے اٹھی تھی۔

"اچھا..... تو اپنا سپورٹر تم ساتھ لے کر آئے ہو۔" کاٹ دار نظروں سے عرش کو دیکھنے کے بعد وہ زرکاش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"زرکاش! آپ پہلے ہی اس معاملے سے خود کو الگ کرچکے ہیں لہٰذا آپ درمیان میں نہ ہی آئیں تو اچھا ہے یہ آپ بھی سن لیں زنائشہ میرے ساتھ جانا چاہتی ہے اور میں اسے ساتھ لے کر جاؤں گی......"

"زنائشہ کیا چاہتی ہے یہ میں زیادہ بہتر جانتا ہوں مگر تم ایک بات سن لو کہ میں اب تمہارا کوئی بے ہودہ الزام برداشت نہیں کروں گا تمہیں کوئی حق نہیں یہاں سب کو بے عزت کرنے کا۔" عرش سرخ چہرے کے ساتھ اس کی بات کاٹ کر بولا تھا۔

"میں نے تمہارے گھر والوں کے سامنے صرف سچ پر مبنی تمہارے شرمناک کارنامے بیان کیے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ تم زنائشہ کو بے ہوشی کی حالت میں لے کر فرار ہوئے تھے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ تم نے اسے زبردستی اپنے گھر میں قید رکھا اس پر تشدد کیا اس سے اپنے نام نہاد تعلق کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی......؟ نفس پرست دھوکے باز انسان......"

"دراج! ہوش وحواس میں رہ کر بات کرو۔" زرکاش کی آواز پر وہ عرش کو گھور کر رہ گئی تھی۔

"زرکاش! بات اگر اس حد تک میرے یا میرے کسی بھائی کے کردار تک آئے گی تو بہت کچھ میں بھی کہہ سکتا ہوں۔" شہرام ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ......؟" دراج نے تیز نگاہوں سے شہرام کے بگھرے چہرے کو دیکھا تھا۔

"دراج! خاموش رہو تم...... حد سے آگے مت بڑھو، تمہیں جو کرنا تھا تم کر چکی ہو، زنائشہ کے لیے مجھے عرش پر بھی بھروسہ ہے اور شہرام پر بھی...... زنائشہ کیا چاہتی ہے وہ خود بتا سکتی ہے تم اپنی زبان سے یہاں کسی کی دل آزاری نہیں کرو گی۔" زرکاش کے سخت برہم لہجے پر دراج نے زہر خند نظروں سے عرش کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہارے سارے الزامات قبول کرلوں گا اگر زنائشہ ان سب کی تصدیق کر دیتی ہے۔" بھینچے لہجے میں عرش نے دراج سے کہا تھا اور پھر سن بیٹھی زنائشہ کی طرف متوجہ ہوا تھا جو سر اٹھا کر کسی جانب دیکھنے کے قابل نہ تھی۔

"بتاؤ سب کو زنائشہ! میں کس حد تک گھٹیا اور بدکردار ہوں؟ بتاؤ کہ میرے کون کون سے عتاب سے بچا کر تمہاری دوست تمہیں یہاں تک لائی ہے؟" عرش کو اس وقت آر یا پار ہونے کے لیے زنائشہ کی لب کشائی کی ضرورت تھی مگر وہ سب کی نظریں خود پر محسوس کرتی سر جھکائے بالکل جامد و ساکت تھی۔

"زنائشہ! اس طرح خاموش رہ کر تم اپنی دوست کا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کی کوشش مت کرو...... تمہیں بتانا ہوگا کہ تمہاری یہ دوست کس حد تک مبالغہ آرائی کر کے مجھے مجرم ثابت کرنا چاہتی ہے۔" زنائشہ کی خاموشی اس وقت عرش کے لیے سخت تکلیف کا باعث بن رہی تھی۔

"تم اسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ تمہاری پارسائی کی گواہیاں دیتی پھرے اس کی خاموشی سب کو بتا چکی ہے کہ تم کل بھی اس کے مجرم تھے اور آج بھی ہو۔" دراج تلخ اور طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

"زرکاش! یہ اب میرے گھر کا معاملہ ہے جس میں میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کروں گا۔" شہرام کے سخت سپاٹ لہجے نے زرکاش کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

"شہرام! میں شرمندہ ہوں کہ آپ سب کو بہت ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا ہے میں آپ سے معذرت کرتا ہوں مجھے یا کسی اور کو واقعی آپ کے گھر کے معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں عرش اور زنائشہ کے لیے آپ زیادہ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

"زرکاش! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں یہاں کسی کو یہ حق بھی نہیں کہ زنائشہ کے لیے فیصلے کرے۔" دراج نے بھڑک کر کہا تھا۔

"ایک لفظ بھی اور مت کہنا چلو فوراً یہاں سے۔" زرکاش کے لہجے میں سخت تنبیہ تھی۔

"مگر زنائشہ میرے ساتھ جانا چاہتی ہے میں اسے ساتھ لیے بغیر نہیں جاؤں گی۔" دراج کا احتجاج سنے بغیر زرکاش نے اس کا ہاتھ پکڑا اور رکے بغیر وہاں سے نکلتا چلا گیا ڈوبتے دل کے ساتھ بیٹھی زنائشہ کی نگاہ بس ایک پل کو عرش سے ملی تھی ایک پل میں ہی جانے کتنا تاسف اور شکوے زنائشہ کو اس کی آنکھوں میں نظر آئے تھے۔

"اب تم کس کی گواہی سننے کے لیے یہاں رکے ہو......؟ تمہاری وجہ سے آج اس بدزبان لڑکی کے ہاتھوں میری عزت کا جنازہ نکلا ہے صرف تمہاری وجہ سے میں سر جھکائے رکھنے پر مجبور رہا ہوں ورنہ کیا مجال تھی کہ یہ لڑکی میرے ہی گھر میں آ کر مجھے بے عزت کرتی ہم سب کی شرافت پر کیچڑ اچھالتی......" شہرام کے مشتعل لہجے میں کہے گئے جملے زنائشہ کو مزید شرمندہ کر گئے تھے۔

"مجھے معاف کر دیں میں آپ سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہتا تھا۔"

"اس وقت تو تمہیں صرف اپنا منہ چھپانا چاہیے چلے جاؤ میری نظروں کے سامنے سے تم......" عرش کا ندامت سے لبریز لہجہ شہرام کو بھڑکتے سے اکھاڑ گیا تھا۔ جبکہ زنائشہ لرز کر اپنی جگہ سے اٹھتی تیر کی طرح عرش کے قریب جا پہنچی تھی اس کا فق

چہرہ رو دینے والا ہو رہا تھا۔

''چلو یہاں سے......'' کانپتی آواز میں وہ بمشکل بولی تھی۔

''تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی۔'' شہرام کی سخت بلند آواز پر وہ رکی سانس کے ساتھ بس عرش کے چہرے کو تک رہی تھی جبکہ عرش ششدر نظروں سے شہرام کو دیکھ رہا تھا۔

''عرش! مجھے لے چلو یہاں سے۔'' کانپتے ہاتھوں کی گرفت اس کے بازو کے گرد بڑھاتی وہ زیرلب بولی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلے کرب اور آنکھوں سے برستے سیال سے عرش بمشکل نگاہ ہٹاتا دوبارہ شہرام کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''یہ ابھی میرے ساتھ جائے گی۔'' ہمت مجتمع کرتا وہ کہہ گیا تھا۔

''کس منہ سے تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ گے......؟ یہ اپنی دوست کے ہر الزام کی تصدیق کرچکی ہے' اس بدزبان لڑکی کو تم پر فوقیت دے کر اب کس منہ سے تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہے۔'' شہرام کے طیش بھرے لہجے پر حواس باختہ ہوتے عرش نے اسے دیکھا تھا جو ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''بھائی! ابھی اسے میرے ساتھ جانے دیں' میں اسے واپس یہاں لے آؤں گا......'' صورت حال کچھ ایسی تھی کہ عرش کا سارا اعتماد ڈانواں ڈول ہوچکا تھا' اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ شہرام کو کس طرح کنونس کرے جبکہ اس وقت یقیناً وہ اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہ رہے تھے۔

''تم یہ چاہتے ہو کہ میں اسے تمہارے ساتھ جانے دوں اور کل زرکاش بھی کسی نئے الزام کے ساتھ میرے سامنے آ کر کھڑا ہوجائے......تم یہ چاہتے ہو کہ کل تمہاری طرح شفقران بھی اپنی من مانی کرکے کسی بھی راہ چلتی عورت کو لا کر میرے سامنے کھڑا کردے اور مجھے پھر وہی ذلت اٹھانی پڑے جو آج اٹھائی ہے۔'' شہرام کے غصیلے لہجے میں کہے جملے کسی برچھی کی طرح عرش کے سینے پر لگے تھے' اپنے بازو پر زنائشہ کی کمزور پڑتی گرفت پر وہ اس کی جانب دیکھ بھی نہیں سکا تھا۔

''آپ شاید غصے میں یہ بھول رہے ہیں کہ آپ کے سامنے کوئی راہ چلتی عورت نہیں' زنائشہ ہے' جو میرے نکاح میں ہے یہ میری عزت اور میری غیرت ہے۔'' غم و غصے کو ضبط کرتا وہ اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

''مجھے یہ تفصیل مت بتاؤ' کھیل' تماشہ بنا رکھا ہے نکاح جیسے مقدس رشتے کو۔'' شہرام بھڑک اٹھے تھے۔

''شہرام! وہ کہہ رہا ہے کہ زنائشہ کو واپس لے آئے گا' ابھی تو ان دونوں کو جانے دیں' بیوی ہے اس کی' ایسے کیسے کوئی منہ اٹھا کر الزام لگانے آ جائے گا۔'' خاموش کھڑی سحر مزید چپ نہیں رہ سکی تھیں۔

''تم خاموش رہو' میں جانتا ہوں میں کیا کر رہا ہوں' یونہی زندگی نہیں گزاری ہے میں نے۔'' سحر پر بری طرح وہ برس پڑے تھے۔

''تم کیوں رکے ہو' جاؤ اب یہاں سے۔'' شہرام نے دوبارہ عرش کو قہر آلود نظروں سے دیکھا تھا' عرش لب بھینچے وہ جارحانہ قدموں کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلتا چلا گیا تھا' زنائشہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی' تب ہی سحر اس کی ڈھارس بندھانے تیزی سے اس کے قریب چلی آئی تھیں۔

''پریشان مت ہو زنائشہ......عرش آجائے گا' ابھی میں اسے بلالوں گی۔'' اس کے برف جیسے سرد ہاتھوں کو تھام کر سحر نے نرم لہجے میں کہا تھا۔

''عرش یہاں نہیں آئے گا تو کہاں جائے گا' یہ گھر ہے اس کا لیکن اسے سمجھا دو کہ عرش کے ساتھ یہ کہیں نہیں جائے گی' میں نہیں چاہتا کہ وہ گستاخ لڑکی جسے نہ اپنے کردار کی پرواہ ہے نہ زرکاش کے کردار کی' میرے خاندان کی شرافت پر انگلی اٹھائے یا میرے گھر کے کسی فرد پر الزام لگائے' عرش پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اسے یہ پتہ ہونا چاہیے کہ وہ کس طرح اپنا اور زرکاش کا رشتہ مشکوک بنا رہی ہے۔'' شہرام کے ہنوز بھڑکتے برہم لہجے پر اس بار زنائشہ نے ان کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا کہا آپ نے دراج کے بارے میں......؟" زنائشہ کی تیز آواز پر خاموش کھڑے شفقران نے بھی بری طرح چونک کر اسے دیکھا تھا۔ "دراج اور زرکاش کے خلاف میں آپ کا ایک لفظ بھی اور برداشت نہیں کروں گی' نہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے اور نہ ہی میں کوئی راہ چلتی عورت ہوں جسے مال غنیمت سمجھ کر آپ قابض ہو سکتے ہیں۔" اس کے بھڑکتے بلند لہجے پر حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"بہت خوب......تمہارے حلق سے یہ آواز اس وقت کیوں نہ نکلی جب وہ بدلحاظ لڑکی میرے بھائی پر کیچڑ اچھال رہی تھی؟" بغور اس کے تیور دیکھتے شہرام تلخ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"عرش جو ہے سب کے سامنے ہے' اس کے کردار کو میری کسی گواہی کی ضرورت ہے نہ ہی کسی تصدیق کی' دراج کو حقیقت کا اندازہ نہیں اس نے وہی کہا جو اسے نظر آرہا ہے' اور یہ کیا آپ نے بھائی' بھائی کی رٹ لگا رکھی ہے' میں عرش کے ماں باپ کے علاوہ اس سے تعلق رکھنے والے کسی انسان کو نہ جانتی ہوں نہ مانتی ہوں' جب مجھے آپ سب سے کوئی سروکار ہی نہیں تو آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ مجھ پر اپنا فیصلہ تھوپ کر اس گھر میں روکیں......"

"زنائشہ! تم اپنی جگہ درست ہو مگر آہستہ آہستہ تم جان جاؤ گی کہ عرش کا ہم سے کیا تعلق ہے' یہ گھر بھی عرش کا ہی ہے اس نسبت سے یہ گھر بھی تمہارا ہے اور ہم سب بھی تمہارے اپنے ہیں۔" زنائشہ کے تیور اور شہرام کے بگڑتے تاثرات پر گھبرا کر درمیان میں بولتیں سحر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"یہ عرش کا گھر ہو سکتا ہے نہ میرا' آپ عرش کو بلائیں' مجھے اس کے ساتھ اپنے گھر جانا ہے۔" وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔

"عرش میری اجازت کے بغیر تمہیں یہاں سے نہیں لے جائے گا' یہ ذہن نشین کرلو۔"

"میں اس کی محتاج نہیں خود بھی جاسکتی ہوں' یہ آپ ذہن نشین کریں۔" وہ سلگ کر بولی تھی۔

"کہاں جاؤ گی؟ میری اجازت کے بغیر عرش کے گھر کے دروازے بھی تمہارے لیے نہیں کھلیں گے' تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ جو کہا جارہا ہے اس پر عمل کرو۔" شہرام کے کرخت لہجے پر دنگ ہوتی زنائشہ نے سحر کو دیکھا تھا۔

"کون ہے یہ شخص؟ ان کا دماغ خراب ہے یا پھر ذہنی مریض ہیں یہ؟" حیرت و غصے میں وہ سحر سے سوال کر رہی تھی۔

"تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ عرش میرا بھائی ہے اور میرا فرمانبردار ہے۔" شہرام اپنے لفظوں پر زور دیتے باور کروا رہے تھے۔ "سحر! تم اسے اچھی طرح سمجھا دو کہ اب اسے یہیں رہنا ہے' تمہاری ذمہ داری ہے اب یہ' اسے یہ بھی سمجھا دینا کہ آئندہ میں اپنے سامنے اس کی اونچی آواز ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔" سخت برہمی سے انہوں نے سحر کو تاکید کی تھی۔

"زنائشہ! تم میرے ساتھ آؤ۔" سحر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے جانا چاہا تھا' غم اور غصے کی شدت سے نڈھال ہوتی زنائشہ اس قابل بھی نہ تھی کہ ان کا ہاتھ جھٹک دیتی' شہرام اس حد تک اس پر حاوی ہو چکے تھے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔

"بھائی! عرش کو کچھ کہنے کا ایک موقع تو دے سکتے ہیں آپ' زنائشہ کو آپ سے یا سب سے چھپا کر رکھنے کی اسے ضرورت ہی کیا ہے' زنائشہ ہم سب سے ناواقف ہے' اتنے طویل عرصے کی گمشدگی کے بعد اچانک اس کے لیے عرش کو ہی قبول کرنا مشکل تھا اور اب اس طرح جبراً اسے یہاں روکنا......اسے ہم سب سے مانوس ہونے کے لیے وقت چاہیے' عرش زیادہ بہتر انداز میں ہم سب کی اہمیت اور منصب سے اسے آگاہ کر سکتا ہے ورنہ اس طرح تو زنائشہ سے پہلے عرش ہی ہم سب سے متنفر ہو جائے گا۔" شفقران نے دھیمے لہجے میں انہیں معاملے کی نزاکت سے آگاہ کرنا چاہا تھا۔

"جس قدر تم اس کا ساتھ دے چکے ہو' مجھے اندھیرے میں رکھنے کے لیے' وہی کافی ہے' اب مزید اس کی غلطی پر پردے ڈالنے کی کوشش مت کرو' پہلی بار ایسی ذلت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے مجھے' دو تین دن میں برسوں کے بھروسے کی دھجیاں اڑ گئیں صرف ایک لڑکی کی وجہ سے......اب ان دونوں کو وہی کرنا ہوگا جو میں چاہوں گا' یہ عرش کو بھی اپنی زبان میں سمجھا دینا......ورنہ جس کے لیے اس نے میری آنکھوں میں دھول جھونکی ہے اسی کے لیے ہم سب پر فاتحہ پڑھ کر ہمیشہ کے

لیے ہماری زندگی سے چلا جائے۔" اپنی بات کہتے وہ تیز قدموں سے ڈرائنگ روم سے نکل گئے تھے۔

☆
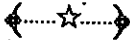
بازو سینے پر باندھے دیوار سے پشت لگائے کھڑی وہ تنے ہوئے تاثرات کے ساتھ ایک کڑی نگاہ زرکاش پر ڈالتی منہ پھیر گئی تھی۔

"تمہاری وجہ سے پہلے ہی عرش کے سامنے میری زبان خراب ہو چکی ہے میری ہزاروں تاکید کے باوجود تم نے وہی کیا جن سے اجتناب کرنا چاہیے تھا' مجھ سے وعدہ خلافی کر کے تم نے نہ صرف زنائشہ کو بھڑکایا بلکہ اسے غلط مشورے دیئے' عرش کے خلاف فضول گوئی بھی کی' عرش نے کال ریکارڈ کی تھی' سب سن چکا ہوں میں' اب تو میں اس سے نظر بھی نہیں ملا سکتا' مزید کسر تم نے آج پوری کر دی ہے' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہاری وجہ سے شہرام کے سامنے مجھے اس حد تک شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔"

"میں بھی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ آپ اتنی بڑی حقیقت مجھ سے چھپائیں گے' میری پریشانی سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود آپ نے عرش کے بارے میں سب چھپایا' مجھ سے غلط بیانی کر کے اس کا ساتھ دیتے رہے' مجھ سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا وہ آپ کے لیے۔" وہ سخت تاسف سے بولی تھی۔

"میں صرف کسی مصلحت کے تحت خاموش تھا' ورنہ مجھے سچ چھپانے کی کیا ضرورت تھی...... شہرام تک پہنچنے سے پہلے تم نے مجھ سے اجازت لینا تو دور کی بات' اطلاع تک دینا گوارا نہ کیا' اب سکون سے ہو تم شہرام کے گھر میں سب کے سامنے اپنا اور میرا امیج خراب کر کے...... دراج! وہ سب شریف خاندانی لوگ ہیں' سوچے سمجھے بغیر تم کیسے کسی پر الزامات کی بوچھاڑ کر سکتی ہو...... تمہیں تو وہاں زنائشہ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر مجھے سب کے تاثرات نظر آرہے تھے' میں اگر زبردستی تمہیں وہاں سے نہ لاتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ شہرام خود تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اپنے گھر سے باہر نکال دیتے۔" زرکاش کے شدید ناگوار لہجے پر وہ پیشانی پر بل ڈالے سلگتی نگاہ اس پر ڈال کر رہ گئی تھی۔

"اب کچھ نہیں کہو گی تم...... تمہاری ساری باتیں' ہنسنا رونا' اب سب زنائشہ کے لیے ہے' میرے لیے کچھ نہیں۔"

"کچھ کہوں تو مسئلہ نہ کہوں تو بھی مسئلہ' ابھی وہاں سب کی اتنی باتیں برداشت کر کے آئی ہوں' اب یہاں آپ مجھ پر برسے جا رہے ہیں۔" احتجاجاً غصے میں بولتے ہوئے اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"میں برس نہیں رہا' صرف سمجھا رہا ہوں جسے تم سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔" زرکاش زچ ہوا تھا۔

"تمہیں کوئی بات ایک ہی بار میں سمجھ نہیں آتی' مجھ پر بھروسہ کیا صرف باتوں کی حد تک ہے......؟ دنیا دیکھی ہے میں نے' تم سے زیادہ تجربہ ہے میرا...... عرش ویسا بالکل نہیں ہے جیسا امیج تم نے اپنے ذہن میں بنا کر مہر لگا دی ہے' جس شخص کو تم جانتی تک نہیں اس کے بارے میں اتنے وثوق سے بیان کیسے دے سکتی ہو......؟ تم اسے صرف اتنا ہی جانتی ہو جتنا کہ زنائشہ نے تمہیں بتایا' وہ بھی اس دور میں جب وہ عرش کی طرف سے دلبرداشتہ تھی' اس کی طرف سے مایوس اور بدظن ہو چکی تھی۔ ایسے میں عرش کے لیے وہ کچھ اچھا کہنے کے قابل ہی نہیں تھی' جس انسان سے دل بدظن ہو' چوٹ کھایا ہوا ہو' اس کے لیے زبان سے اچھی بات کیسے نکل سکتی ہے' اس میں تو وہ برائیاں بھی نظر آنے لگتی ہیں جو اس انسان میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتیں' عرش کو بھی اس بات کا اندازہ تھا اسی لیے وہ کسی کی بھی مداخلت کے بغیر اپنے اور زنائشہ کے درمیان پھیلے فاصلوں کو ختم کرنا چاہ رہا تھا' اسے خود سے راضی کر کے اپنے گھر والوں تک لے جانا چاہتا تھا' مگر تم نے درمیان میں آ کر سارا معاملہ بگاڑ دیا' اب جانے اسے شہرام کے کن سوالوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہوگا۔"

"مجھے زنائشہ کے لیے جو بہتر لگا میں نے کیا آپ نے بھی تو ہاتھ جھاڑ دیئے تھے اور کیا کرتی۔" وہ خفت سے اتنا ہی بولی تھی۔

''یہی تو مسئلہ ہے بس زنائشہ کو سامنے رکھ کر باقی ہر طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تم نے...... اگر مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ زنائشہ کے لیے عرش خطرناک ثابت ہوسکتا ہے یا زنائشہ اس کے ساتھ محفوظ نہیں تو میرے لیے مشکل نہیں تھا اسے عرش کے گھر سے نکال لانا مگر جس حد تک میں عرش اور اس کے گھر والوں کو جان پایا ہوں اس کے بعد مجھے عرش کے ساتھ زنائشہ کا مستقبل بہت روشن اور کامیاب نظر آرہا ہے زنائشہ درست جگہ پہنچ چکی ہے وہ اب تمہاری ذمہ داری نہیں ہے اس کو اپنی نئی زندگی کے آغاز میں جو دشواریاں درپیش ہیں ان سے اسے خود نمٹنے دو تمہاری ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اس کا اعتماد بحال کرو اسے ڈھارس دو مثبت مشورے دو عرش سے اور حالات سے فرار ہونے کے راستے مت دکھاؤ عرش کے گھر والوں کے درمیان ایڈجسٹ ہونے کے لیے اسے یقیناً تمہارے اچھے مشوروں اور مدد کی ضرورت ہے لیکن فی الوقت بگڑتی صورت حال کا تقاضا یہ ہے کہ تم ابھی اس سے بالکل الگ رہو اس سے کوئی رابطہ نہ کرو معاملات کو بہتر کرنے کے لیے اس وقت اسے عرش کی مدد درکار ہے کیونکہ یہ ان دونوں کا بہت ہی ذاتی قسم کا معاملہ ہے ورنہ خدانخواستہ تمہاری طرح جذبات کی رو میں بہہ کر زنائشہ نے کوئی انتہائی قدم اٹھالیا تو اس کے لیے صرف ایک ہاسٹل ہی رہ جاتا ہے اور ساری زندگی اسے میرے اور اپنے درمیان برداشت کرنے کا عہد تم بھی نہیں کرسکتی ہو اس دن کی نوبت مت آنے دو جب زنائشہ خود اپنی بربادی کا ذمہ دار تمہیں ٹھہرائے اٹھا سکو گی اپنی عزیز ترین دوست کی بربادی کا بوجھ......؟'' وہ اب حقیقت سے آگاہ کرتا اس پہلو کا منفی رخ بھی دکھا رہا تھا لیکن وہ سمجھنا ہی کب چاہتی تھی۔ وہ خود غرض لڑکی تھی جس کے لیے صرف اپنا آپ اہم تھا۔

''کیوں ڈرا رہے ہیں مجھے...... آپ نے تو اس کے نام نہاد شوہر کی جگہ لا کر مجھے کھڑا کردیا ہے دار پر۔'' وہ دنگ ہو کر بول اٹھی تھی۔

''دور اندیشی سے کام لے کر خبردار کر رہا ہوں تمہیں دوسری بات یہ کہ جس جگہ تم عرش کو دیکھ رہی ہو وہ وہاں ہے ہی نہیں۔''

''مجھے اس کا کیا کرنا میری طرف سے وہ......'' یکدم زبان دانتوں تلے دبا کر اس نے زرکاش کی خشمناک آنکھوں میں دیکھا تھا۔ ''میرا مطلب ہے کہ مجھے صرف زنائشہ کی خوشی عزیز ہے۔''

''میری بات سنو یہ جو تم ابھی عرش کے سامنے اتنی باتیں بنا کر آئی ہو مجھے بتاؤ ذرا کہ زنائشہ نے تمہاری کسی ایک بات کی بھی تصدیق کی......؟ تمہارے عرش کے خلاف کسی بیان پر وہ تمہارے ساتھ کھڑی ہوئی؟ بقول تمہارے وہ وہاں رکنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر اس نے ایک بار بھی تمہیں میرے ساتھ جاتے دیکھ کر تمہیں روکنے کی یا تمہارے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی؟ ایک بار بھی پکارا تمہیں......؟'' زرکاش کے سوالوں پر الجھتی وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی تھی۔

''مگر...... اس نے تردید بھی تو نہیں کی اگر تصدیق نہیں کی تو اور وہ کیا کہتی وہ تو پہلے ہی بتا چکی تھی کہ......''

''پہلے کی بات مت کرو ابھی کی کرو۔'' زرکاش درمیان میں بولا تھا۔

''عقل کو زنگ لگ جائے گا کبھی کبھی اسے استعمال کرلیا کرو تین دن ایک چھت تلے عرش کے ساتھ گزار کر وہ ابھی منظر عام پر آئی ہے وہ تین دن ہی بھاری ہیں اس تمام عرصے پر جو زنائشہ نے تمہارے ساتھ گزارا ہے لہٰذا پہلے کی بات بھول جاؤ کیونکہ زنائشہ بھی اب وہ نہیں رہی ہے جو پہلے تھی زیادہ نہیں بس کچھ دن اور صبر کرلو پھر اپنی تسلی کے لیے عرش کے خلاف اس کے سامنے بات کرکے دیکھ لینا۔ فرق نظر آجائے گا تمہیں پہلے اور اب میں۔'' زرکاش کے خشمگیں لہجے اور ذومعنی جملے سنتی وہ بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

''میرے لیے یہ ناقابل برداشت ہے کہ کوئی تم پر چیخے تمہیں غصے یا نفرت سے دیکھے لوگ ہمارے عمل کو دیکھتے ہیں پہلے...... نیت تک پہنچنا بعد کی بات ہوتی ہے۔ شہرام اور عرش کو تمہاری نیک نیتی میں طشتری میں سجا کر نہیں دکھا سکتا تھا تمہاری عزت و توقیر میں کمی آئے یہ بھی مجھے گوارا نہیں تم بھی کسی کے گھر کے معاملے میں دخل دے کر اسے مجبور نہ کرو کہ وہ

ساری مروت بالائے طاق رکھ دے شہرام عزت کرنے والے انسان ہیں میں ان سے اس چپقلش کی خاطر اپنے تعلقات ختم نہیں کرسکتا' جبکہ اب زنائشہ بھی ان کے گھر میں موجود ہے میں نے زنائشہ کے معاملے سے ہاتھ اٹھا لینے جیسی بات ضرور کی تھی مگر میں کیسے اس انسان کی پرواہ کرنا چھوڑ سکتا ہوں جو تمہیں عزیز تر ہو۔"

بات مکمل کر کے وہ خاموش ہوگیا تھا۔

"پھر......اب میں کیا کروں" وہ غائب دماغی سے پوچھ رہی تھی۔

"عرش اور زنائشہ کی طرف سے مطمئن رہو اور یہ معاملہ میرے حوالے کرو میں شہرام سے بھی رابطے میں رہوں گا' تمہیں باخبر بھی کرتا رہوں گا' تم ساری خود ساختہ پریشانیاں دماغ سے نکال کر رائمہ کی طرف جاؤ کچھ دن وہاں گزارو۔ سب کے درمیان مصروف رہو گی خوش رہو گی تو طبیعت پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔" زرکاش کے مشورے نے ایک پل کو اسے حیران ضرور کیا تھا ورنہ زرکاش کو تو اس کا ایک دن بھی رائمہ کے گھر رکنا ناگوار گزرتا تھا' بہرحال اسے زرکاش کا مشورہ ٹھیک لگا تھا۔

❖......☆......❖

پچھلے صحن میں پھیلی تاریکی میں ہوا کے تیز جھونکوں سے خزاں کے پتوں کا مدھم شور بہت پراسرار تھا' ہوا کے جھونکے بھی اس کی پلکوں میں کوئی جنبش پیدا نہیں کرسکے تھے شاید اس کی تمام حسیات اس وقت اس کے وجود سے الگ ہوچکی تھیں' دماغ کی اسکرین پر بس ایک چہرہ بار بار نمودار ہو رہا تھا' وہی چہرہ جو ایک ناقابل فراموش بھیانک رات کی پراسراری میں اس کی آنکھوں میں قید اور دماغ پر نقش ہوچکا تھا' روح پر لگے ایک ایک زخم پر اس چہرے کی گہری چھاپ تھی' شدید نفرت کے باوجود اس نے کبھی اس چہرے کو اپنی یادداشت سے کھرچنے کی کوشش نہیں کی تھی' بس ایک اسی دن کے انتظار میں' جس قدر یقین اسے ایک دن قیامت کے برپا ہونے پر اور موت کا ایک وقت مقرر ہونے پر تھا اسی قدر اسے یہ یقین رہا تھا کہ وقت کا پہیہ چکر کاٹتا ایک دن پھر اس چہرے کو اس کے سامنے لے آئے گا' اسے یقین تھا کہ قدرت نے اس کے لیے سارے حساب' کتاب اس شخص سے برابر کرنے کے آغاز کا دن ضرور مقرر کیا ہوگا......اور آج وہی دن تھا جس کا اسے انتظار تھا' اب تک گھونٹ' گھونٹ جو زہر وہ پیتی رہی تھی' وہ زہر کسی کے وجود میں اتار دینے کا وقت آ پہنچا تھا......وقت ہمیشہ کسی ایک کا ہو کر نہیں رہتا' گزرے کل میں وقت اس کا نہیں تھا مگر اب اس کی باری تھی' اب وقت اس کا ہونے جا رہا تھا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ آج وہ بے بس نہیں تھی' اس کے ہاتھ میں وقت کا ہتھیار بھی آچکا تھا اور طاقت بھی......اپنے مجرم کو مکافات عمل سے دوچار کرنے کے لیے بس اس کا ایک اشارہ ہی کافی ہونے والا تھا۔ ماضی میں ایک سانپ نے بے خبری میں اسے ڈس کر اپنے عتاب کا نشانہ بنایا تھا' آج اس سانپ کے عنقریب کچلے جانے کا اعلان وقت نے خود کردیا تھا......بے خبری میں نہیں' مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سب کچھ سود سمیت واپس لینے کا اختیار قدرت اسے دینے والی تھی' جو اس سے چھینا گیا تھا......کمرے کی تیز لائٹس میں ڈریسنگ کے آئینے میں اس کا عکس ٹھہر گیا تھا' وہ نہیں جانتی تھی کہ کتنے عرصے بعد وہ بغور آج اپنے چہرے کو دیکھ رہی ہے......اپنے ایک ایک نقش کا موازنہ اپنے گم گشتہ بھولے بسرے چہرے سے کرتے ہوئے اس کے اندر دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا' وہ پیشانی جو چاند کی بکھری چاندنی کی طرح منور اور اجلی ہوا کرتی تھی اب اس پر اسٹیچز کے واضح نشان داغوں کی صورت نمایاں تھے' گل رنگ جیسا نکھرا چہرہ اپنی تمام رعنائی کھو کر داغدار ہوچکا تھا' جبڑے سے رخسار کی ہڈے تک جاتے اسٹیچز آب و تاب کو ماند کر چکے تھے' ستواں ناک کی ہیئت تراشے ہوئے سنگ مرمر جیسی نہ رہی تھی' دھیرے سے اس نے اپنے داہنے کان کو چھوا تھا' کان کی بگڑی ہیئت سے یوں لگ رہا تھا جیسے بالائی حصے کو کسی نے اکھاڑ کر بہت عجلت میں واپس جوڑنے کی کوشش کی ہو' جو چہرہ آئینہ اسے دکھا رہا تھا' وہ جانتی تھی کہ یہ وہ چہرہ نہیں جس کے ساتھ وہ اس دنیا میں آئی تھی۔ اس چیز کا اسے کوئی صدمہ نہیں رہا تھا آئینے میں نظر آتے چہرے سے اسے

کوئی لگاؤ بھی نہ تھا' نہ اسے دیکھتے رہنے کی کوئی چاہ تھی' اس کی آنکھیں جس ایک چہرے کی متلاشی تھیں بالآخر وہ اس کے سامنے آ چکا تھا اور وہ بہت جلد دوبارہ اس چہرے کو دیکھنے والی تھی' اس کی جڑوں میں اس کی زندگی میں زہر انڈیلنے کا کوئی موقع وہ اب گنوانا نہیں سکتی تھی۔

اچانک ہوتی دستک پر وہ اپنے عکس سے نگاہ ہٹاتی دروازے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"آپو! چاچو آ گئے آپ کو پوچھ رہے ہیں آ جائیں۔" رومیل دروازے سے اطلاع دے کر چلا گیا تھا۔ لاؤنج میں رومیل کے ساتھ موجود زرق پر دور سے ہی نگاہ ڈالتی وہ سیدھی کچن میں چلی آئی تھی۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔" ٹیبل پر پلیٹیں رکھتی رجاب سے مخاطب ہوتا وہ چیئر کھینچ کر بیٹھا تھا جبکہ رجاب اس کے چہرے کے سنجیدہ تاثرات پر چونک گئی تھی۔

"زرق! کیا بات ہے؟ سب خیریت تو ہے؟" بغور اسے دیکھتی وہ ٹیبل کے دوسری جانب بیٹھ گئی تھی۔

"تمہیں اب ہاسٹل جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" کچھ دیر بعد سپاٹ لہجے میں بولتا وہ اسے دنگ کر گیا تھا۔

"لیکن میں تو کل صبح ہی ہاسٹل جانے کا ارادہ کر چکی ہوں' تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟"

"کیونکہ ہاسٹل جانے کا اب کوئی فائدہ نہیں' زنائشہ ہاسٹل میں نہیں ہے۔"

"ہاسٹل میں نہیں ہے تو کہاں ہے وہ؟" رجاب کی دھڑکن رک گئی تھی۔

"وہ لے گیا ہے اسے اپنے ساتھ اپنے گھر......"

"وہ مطلب......؟" رجاب نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ زرق یہ تم کیا کہہ رہے ہو' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا اور کس نے خبر دی؟"

"وہ خود آیا تھا مجھ تک یہ اطلاع دینے۔"

ٹیبل کی سطح پر نگاہ جمائے وہ بتا رہا تھا۔

"وہ اتنی دیدہ دلیری کا مظاہرہ کر گیا' تم نے اس کو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے اس کا حشر نشر کیا یا نہیں؟" رجاب یکدم غصے میں مبتلا ہوئی تھی۔

"کیا ہو جاتا یہ سب کرنے سے' سچ بدل تو نہیں سکتا...... زنائشہ اپنی مرضی سے اس کے ساتھ اس کے گھر میں ہے' وہ دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرنے کا حق رکھتا ہے کیونکہ وہ بہت پہلے ہی زنائشہ سے نکاح کر چکا ہے' میری حیثیت ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک تماشائی کی سی ہے۔" سرخ چہرے کے ساتھ وہ دھیمے مگر بھڑکتے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "وہ ٹھیک کہتا ہے' مجھے کوئی حق نہیں اس کے اور زنائشہ کے تعلق کو غلط قرار دینے کا' میں ہی قصوروار ہوں' میں ہی اگر ٹھیک ہوتا تو زنائشہ کو بھی اپنے لیے یہ انتہائی قدم نہ اٹھانا پڑتا' وہ چاہتا ہے کہ میں زنائشہ سے اس کے تعلق کو قبول کروں' اپنے بدنما اعمال کی سزا اپنی بہن کو کاٹتے دیکھوں......" سناٹے میں گھری رجاب بس اسے دیکھ رہی تھی جو شدید غم و غصے کے درمیان اب خود کو ملامت کر رہا تھا۔

☆
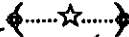
"اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ لڑکی شہرام بھائی کے کلوز فرینڈ کی بہن ہے تو کبھی تمہاری بات نہ مانتی...... آخر تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ اس لڑکی کی تصویر کا تمہیں کرنا کیا ہے' وعدہ خلافی مت کرو اب' تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے وجہ بتا دو گے۔" اپنے ٹیرس پر موجود رجا سخت تشویش میں گھری شفقران سے مخاطب تھی جو مسلسل عرش کو کال کرتا کسی اور طرف متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا جبکہ عرش نے شاید کال ریسیو نہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی تھی اور رجا نے خاموش نہ ہونے کی۔

"ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ آج تمہارے گھر میں یہ نئے نئے چہرے کیوں نظر آ رہے ہیں' وہ لڑکی کون ہے جو اس وقت بھی تمہارے گھر میں ہے؟"

"تمہیں تاک جھانک کے سوا اور کوئی کام نہیں؟" شثر ان نے بیزاری سے اسے دیکھا تھا۔ "تم بس وہی کام کرو جس کے لیے دنیا میں آئی ہو کتاب میں منہ چھپا کر بیٹھ جاؤ چپ چاپ۔"

"میں چپ نہیں بیٹھ سکتی' مجھے بھروسہ نہیں رہا تم پر ایک لڑکی کی تصویر میری وجہ سے ادھر ادھر ہوگئی ہے' کس منہ سے سامنا کروں گی شہرام بھائی کا......"

"تمہیں صبر نہیں ہے تو جو چاہے کرو ابھی تو میری جان چھوڑ۔" شثر ان نے جھڑکا تھا۔

"ٹھیک ہے اب تو میں ساری بات امام کو بتاؤں گی' کل کلاں میں بھی تمہاری وجہ سے پھنس گئی تو کم از کم امام تو ہوگا مجھے سپورٹ کرنے کے لیے چاہے اس کے لیے مجھے وہ تمام قرض معاف کرنا پڑے جو میرا امام پر ہے۔"

"صحیح جا رہی ہو بالکل۔" خشمگین نظروں سے رجاء کو دیکھتا وہ کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

"بات ہوئی عرش سے؟" سحر نے کمرے میں آتے ہی پوچھا۔

"ریسیو ہی نہیں کر رہا کال' مجھے خود اس کے پاس جانا پڑے گا۔" شثر ان جواباً بولا تھا۔

"ہرگز نہیں' پہلے ہی میں تنہا اسے سمجھاتے سمجھاتے ہلکان ہو چکی ہوں' وہ ایک ہی رٹ لگائے ہوئے ہے کہ عرش کو بلاؤ' غصے میں بھری بیٹھی ہے' بچے اس کے ڈر کی وجہ سے کمرے میں نہیں جا رہے' شہرام الگ آگ بگولہ ہوئے بیٹھے ہیں' ان کو پتہ چلا کہ تم اس وقت عرش کے پاس گئے ہو تو مزید میری جان عذاب میں آجائے گی' عرش فون پر ہی زنائشہ سے بات کر لیتا تو اسے کچھ تسلی ہو جاتی......" سحر کی بات ادھوری رہ گئی تھی' شثر ان کے فون پر کال آ رہی تھی۔

"عرش میں کب سے تمہیں کال کر رہا ہوں' میری نہیں تو بھابی کی کال تو ریسیو کر سکتے تھے؟"

"اب کون سے مذاکرات کرنے ہیں جو کال کر رہے ہو مجھے......اس وقت تو چپ چاپ تماشا دیکھ رہے تھے جب بھائی نے میری ایک بات بھی نہیں سنی' زنائشہ کو روک کر مجھے چلے جانے کا حکم صادر کیا' تب زبان بند رہی تمہاری۔" عرش شدید غصے میں اس پر برسا تھا۔

"عرش! تمہیں اندازہ ہے کہ اس وقت میں یا بھابی مداخلت کرتے تو بھائی کا غصہ حد سے تجاوز کر جاتا' بات اور بگڑ جاتی......" شثر ان کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ سحر نے فون اس سے لے لیا تھا۔

"عرش! تم کم از کم میری کال تو ریسیو کرتے' شہرام غصے میں ہیں مگر تم تو ہوش سے کام لو مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کس کس کو سنبھالوں۔" سحر غصے میں بولی تھیں۔

"اور کیا' کیا سننے کے لیے کال ریسیو کرتا' آپ کے شوہر سے جو کچھ سن چکا ہوں وہ کافی نہیں جو اب آپ کی بھی بے لاگ سنوں۔" ضبط کے باوجود وہ بگڑے لہجے میں بولا تھا۔

"اس سب کے ذمہ دار بھی تم ہی ہو' زنائشہ کی دوست سو فیصد نہ سہی مگر پچاس فیصد ضرور درست ہے' اب یہ مت کہنا کہ میرا اندازہ غلط ہے۔"

"بھابی! میں صرف زنائشہ کی مرضی کے بغیر اسے گھر لے جانے کا قصوروار ہوں' اگر یہ بھی نہ کرتا تو کیسے اسے حقیقت سے آگاہ کرتا؟ کیسے وہ جان پاتی کہ میں جان بوجھ کر اتنے عرصے تک اس سے غافل نہیں تھا' وہ میری بات کو سمجھ رہی تھی' سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا' آپ سب کے بارے میں بھی میں زنائشہ کو بتانے والا تھا' اسے اپنے ساتھ لے کر میں آپ کے پاس ہی آتا لیکن اس کی دوست نے پھر سب کچھ بگاڑ دیا' اس حد تک کہ اس کی وجہ سے بھائی نے مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا ایک موقع تک نہیں دیا' زنائشہ کے سامنے مجھے گھر سے جانے کا حکم سنا دیا' کیا سوچ رہی ہوگی وہ کہ یہ عزت ہے اس گھر میں میری' وہ آپ سب سے واقف نہیں تھی پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی اور تو اور بھائی نے اسے زبردستی گھر پر روک لیا جبکہ میں نے اسے آپ کے ساتھ جانے پر راضی کرنے کے لیے اسے یقین دلایا تھا کہ میں اسے اپنے ساتھ واپس لے

آؤں گا۔ بھائی کو کم از کم زنائشہ کی وجہ سے تو کچھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا' اب میں کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں گا۔"

"تم جانتے ہو کہ شہرام جو فیصلہ کرلیتے ہیں تو پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹتے' کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑ جائے' لہٰذا ان پر تاسف کرنا ہی بے کار ہے' میرا تو دماغ ماؤف ہو رہا ہے' زنائشہ تمہارے لیے بضد ہے' تم کم از کم فون پر ہی اسے سمجھانے کی کوشش کرلو۔"

"کیا سمجھاؤں گا اسے' پہلے ہی اس کی نظروں میں بھروسے کے لائق نہیں رہا ہوں' میں ابھی گھر آؤں یا زنائشہ سے فون پر بات کروں' دونوں ہی صورتوں میں وہ بگڑے گی' کسی طور وہاں رکنے پر تیار نہ ہوگی' میں اسے وہاں چھوڑ کر نہیں آیا ہوں' بھائی نے اسے روکا ہے' اب وہ ان کی اور آپ کی ذمہ داری ہے' بھائی خود مجھے بلائیں گے تو ہی آؤں گا ورنہ نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

"یہ کوئی وقت ہے' انا کے جھنڈے بلند کرنے کا؟" سحر کھا جانے والے لہجے میں بولی تھیں۔

"یہ بات آپ اپنے شوہر کو نہیں سمجھا سکتیں؟"

"اس وقت ان کو چھیڑ کر کھری کھری سنوں یا تمہاری چہیتی کو سنبھالوں؟ تمہاری ایک غلطی کی وجہ سے اس بے چاری کے آنے کی خوشی بھی غارت ہو چکی ہے۔" سحر بگڑی تھیں۔

"بھابی! اپنے شوہر کو بھی ایک طرف ہٹائیں' بس میرے آنے تک اس کا خیال رکھیں' اسے رونے مت دیجیے گا ہرگز۔"

"شاباش ہے تم پر..... تم لوگوں کے چکروں میں میری رات کالی ہوگئی ہے اور تمہیں اپنی چہیتی کی فکر کھائے جا رہی ہے۔" ناگواری سے بول کر سحر نے فون شقران کے ہاتھ میں تھما تھا۔

"کیا ہوا بھابی؟" شقران نے حیرت سے ان کے تیور دیکھے تھے۔

"کیا ہونا ہے' ناکردہ گناہوں کی سزا کے طور پر بھگت رہی ہوں تم سب بھائیوں کو۔" سحر غصے میں بڑبڑاتیں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

"کیا کہہ دیا تم نے وہ تو مجھے بھی غصے میں گھورتی گئی ہیں۔"

"میری وجہ سے بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کو' میں جانتا ہوں زنائشہ کو سمجھانا ان کے لیے مشکل ہو رہا ہوگا۔" عرش نے کہا تھا۔

"یہ اندازہ تو مجھے بھی ہوگیا ہے' یہ محترمہ صرف بھابی کے لیے نہیں' بھائی کے لیے بھی مشکل ثابت ہونے والی ہیں' میرا خیال ہے اب تم غیر معینہ مدت تک کے لیے چین اور سکون کو بھول جاؤ' تمہارے جانے کے بعد ٹھیک ٹھاک قسم کی تکرار ہوئی ہے بھائی اور زنائشہ کے درمیان......" شقران کی اطلاع نے عرش کو دنگ کیا تھا۔

ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں

سنبل خان

عدیل کی بات سن کر دو لمحے تو وہ سن رہ گئی‘ بمشکل اس کے اوسان بحال ہوئے تھے۔

”اگر یہ مذاق تھا تو بہت گھٹیا مذاق تھا عدیل۔“ وہ برہمی سے بولی۔

”یہ کوئی مذاق نہیں تھا ایمان! میں سیریس ہوں۔“ اس کے چہرے پر مکمل سنجیدگی تھی۔

”یہ کوئی حل نہیں ہے۔“ اس کے چہرے پر ناگواری اتر آئی۔

”تو پھر تم ہی کوئی حل بتادو۔“ وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

”حل یہی ہے کہ کوشش جاری رکھی جائے۔ اگر کسی چیز کا حل نہیں نکل رہا ہو تو کنوئیں میں چھلانگ لگا کر پستی میں نہیں پہنچ جاتے۔ نگاہ بلند رکھو اور کوشش کیے جاؤ تو طاقت پرواز کے ساتھ بلندی و کامیابی نصیب بنتی ہے۔“ ایمان نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا اور عدیل نے منہ بنالیا۔

”پچھلے تین سال سے اور کیا کر رہے ہیں ہم سوائے کوشش کے تمہارے یہاں ذات برادری کا چکر اور میرے گھر خاندان سے باہر نہ نکلنے کا چکر...... اور کوئی حل نہیں ہے ہمارے پاس سوائے اس کے کہ ہم کورٹ میرج کرلیں۔ دیکھنا کیسے دونوں کے گھر والے مجبور ہو کر اس شادی کو قبول کرتے ہیں۔“ وہ خاصا پرامید تھا۔

”تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا عدیل! کہ میں تمہاری یہ بات مان لوں گی‘ میں کوشش کروں گی ورنہ صبر...... تم کیا چاہتے ہو ڈھائی سالہ محبت کے پیچھے میں بائیس سالہ محبت سے نظریں چرالوں وہ ماں باپ جنہوں نے مجھے گوشت کے لوتھڑے سے اتنا بڑا کردیا زندگی گزارنے اور دنیا برتنے کے قابل کردیا اُن کے مقابل آجاؤں۔“ وہ برہمی سے بولی۔

”تو میری محبت سے زیادہ تمہارے ماں باپ کی محبت اہمیت رکھتی ہے۔“ وہ چڑا تھا۔

”بلاشبہ وہ محبت میری زندگی کے بائیس سالوں پر محیط ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہاری محبت میں کوئی کمی ہے۔ وہ اپنی جگہ ہے‘ ہر محبت کی اپنی الگ جگہ ہوتی ہے کوئی محبت دوسری سے کمپیئر نہیں کی جاسکتی۔“ وہ سکون سے بولی۔

”ہنہ محبت‘ یہ کیسی محبت ہے جو ایک معمولی سی خواہش کی راہ میں حائل ہے۔“ وہ طنزاً بولا۔

”انہوں نے میری بڑی بڑی خواہشات بن کہے پوری کی ہیں اگر وہ میری راہ میں حائل ہیں تو مجھے بھی تو ان کی خواہشات کا احترام کرنا چاہیے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے میں نے ہر سال نئے شوز‘ یونی فارم‘ بیگ‘ بکس‘ کاپیز اور لنچ باکس آتے تھے‘ اور میرے باپ کے پھٹے جوتے صرف ہر بار ریپئر ہوتے تھے۔ میرے سردیوں گرمیوں کے لباس بنتے تھے اور میری ماں کے کپڑے اپنی رنگت برسوں پہلے کھوچکے تھے انہوں نے میرے آرام و آسودگی کے لیے ہر آسائش خود پر حرام کرلی اور اب میں ان سے بغاوت کرلوں گھر سے فرار ہوجاؤں‘ اور خود اپنے لیے بھی ایک ذلت آمیز زندگی کا انتخاب کرلوں۔“ وہ بے لچک تھی۔

”میں گھر سے بھاگنے کو نہیں کورٹ میرج کرنے کو کہہ رہا ہوں۔“ اس نے تصحیح کی۔

”فرق کیا ہے دونوں میں‘ بغاوت رات کی تاریکی میں کرو یا دن کے اجالے میں‘ بات ایک ہے۔ ذلت دونوں صورتوں میں ماں باپ کا مقدر ہوتی ہے۔“ وہ دوٹوک بولی اور وہ بھی لاجواب ہوا۔

”بہر حال جو بھی ہے مجھے یہی ایک راستہ نظر آتا ہے اگر تمہیں قبول ہو تو بتادینا ورنہ پھر ہمارے راستے الگ الگ ہوجائیں گے۔“ عدیل نے کہا تو ایمان نے بے ساختہ اسے دیکھ کر نظریں جھکالیں۔

☆......☆......☆

وہ دونوں یونیورسٹی فیلو تھے۔ عدیل ایم فل کی تیاری کررہا تھا اور ایمان ماس کمیونیکیشن میں ماسٹرز کررہی تھی‘ وہ

دونوں بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ تھے اور اسکالرشپ لے کر پڑھ رہے تھے۔ دونوں کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ ایمان عدیل کی بہن مناہل کی دوست تھی عدیل نے پہلی بار اسے مناہل کے ساتھ ہی دیکھا اور اس کے چہرے کی معصومیت اور بھولپن نے اس کا دل موہ لیا۔ وہ خوب صورت تو تھی ہی مگر اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت اور بھولپن تھا' وہ دل کی دھڑکن کو بے ترتیب کردینے والا حسن رکھتی تھی مگر وہ بھی بلا کی محتاط اس کے آگے ایک آہنی دیوار کھڑی تھی' اسے کراس کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ وہ لڑکوں سے نہیں لڑکیوں سے بھی ریزرو رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مناہل کی اسکول فرینڈ ہونے کے باوجود عدیل نے ایمان کو یونیورسٹی آنے سے پہلے نہیں دیکھا تھا' مناہل کے علاوہ ایمان کی ایک دو ہی اور دوستیں تھیں جو کہ ایمان کی ہی نیچر کی تھیں۔

عدیل سے بات چیت بھی مناہل کے بھائی ہونے کے حوالے سے ہی ہوئی تھی' مگر یہ بات چیت کب محبت میں بدل گئی اسے اندازہ ہی نہیں ہو سکا' جبکہ عدیل تو اس کی جانب بڑھا ہی اس کی محبت سے مغلوب ہو کر تھا۔

ایمان کے ہاں شادی خاندان سے باہر کردی جاتی تھی مگر ذات پات کی بڑی قید تھی۔ اپنی ذات سے باہر شادی کا رواج ہی نہیں تھا' جبکہ عدیل کے ہاں خاندان میں ہی شادی ہوتی تھی' خاندان سے باہر شادی کا تصور بھی گناہ تھا' اور عدیل کسی بھی طرح ایمان سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

چاہتی تو ایمان بھی ایسا ہی تھی مگر وہ والدین کی باہمی رضامندی سے ایسا چاہتی تھی' حالانکہ دونوں جانتے تھے کہ باہمی رضامندی ناممکنات میں سے ہے' ایمان کی ایک واضح سوچ تھی' اس نے اپنی تعلیم و تربیت کے لیے ساری زندگی اپنے ماں باپ کو قربانیاں دیتے دیکھا تھا' انہوں نے خود روکھا سوکھا کھایا' مگر اسے اور اس کے دونوں بھائیوں کو اچھا کھلایا' پلایا اور پہنایا اور اب دونوں بھائیوں کے برسر روزگار ہونے پر ان کے گھر میں آسودگی آئی تھی اور اب عدیل کی یہ فرمائش' کبھی اس کا دل چاہتا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عدیل کی بات مان لے مگر دوسرے ہی لمحے اپنے ماں باپ اور دونوں بھائیوں کے چہرے اس کی نگاہوں کے سامنے آ کر اس کے خیالات کو بھی شرمندہ کردیتے تھے۔ وہ سوچ کر ادھ موئی ہوئی جارہی تھی' بھی تو اسے سامنے بالکل صاف راستہ دکھائی دینے لگتا تھا اور بھی مکمل تاریکی۔

☆......☆......☆

اگلے دن بھی عدیل کا وہی مطالبہ تھا۔

"کیا سوچا تم نے؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں کل ہی بتادیا تھا میں نے کیا سوچا ہے" وہ نظریں چرا کر بولی۔

"یعنی تم نے کل سے میری بات پر غور ہی نہیں کیا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"ایسی غور کرنے والی بات ہی کیا ہے مجھے شادی اگر تم سے ہی کرنی ہے تو ماں باپ کی رضامندی کے ساتھ کرنی ہے ورنہ نہیں کرنی۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

"تو بھول جاؤ پھر مجھے کیونکہ نہ تمہارے گھر والے راضی ہوں گے نہ میرے گھر والے جن باتوں کا آج سے چودہ سو سال پہلے قلع قمع کر دیا گیا وہ باتیں ہمارے مشرقی لوگ آج تک پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔" وہ بری طرح سے چڑا ہوا تھا۔

"ہاں ہے تو غلط رواج مگر کیا کریں ان سے ہمارے والدین ہی نہیں معاشرہ جڑا ہوا ہے برداشت تو کرنا ہی ہے۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"میں یہ نہیں مانتا ان روایات واقدار کو۔" وہ سلگ اٹھا۔

"نہیں مانتے تو مناؤ اپنے والدین کو۔" وہ پھر دوٹوک بولی۔

"ہاں امی سے بات کی ہے وہ کہتی ہیں کہ رشتے آنے دو پھر دیکھیں گے اور بہرحال یہ کام تم ہی نے کرنا ہے۔" وہ ہر معاملے میں فیئر تھی سو دوٹوک بات کرتی تھی اور عدیل اس کے کاندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتا تھا خود اس میں اپنے والدین سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی سو یہ چور راستہ تلاش کر کے بیٹھا تھا جس پر چلنے کے لیے ایمان کسی صورت تیار نہیں تھی۔

"عدیل! میرے گھر والوں نے میرا نام ایمان رکھا تھا پتہ نہیں کیا سوچ کر اور مجھ سے بے ایمانی نہیں ہوتی زندگی کے کسی بھی معاملے میں اور رشتوں میں تو قطعی نہیں۔" وہ افسردگی سے بولی تھی۔

"محبت سے نہیں کررہی تم بے ایمانی۔" وہ سلگا تھا۔

"محبت سے بے ایمانی کرتی تو محبت کو آزمائش میں ڈال دیتی تمہاری بات مان کر۔" اس کے لہجے میں واضح تنبیہہ تھی۔

"مگر مجھے کوئی اور حل سمجھ نہیں آتا...... اس کے علاوہ تم سے دست برداری کا سوچنا بھی اب تو سوہان روح ہے اور تم ہو کہ مانتی ہی نہیں ہو۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

تبھی مناہل ان دونوں کو ڈھونڈتی ان کے پاس چلی آئی۔

"کیا ہوا کیا بات ہو رہی تھی بڑا سنجیدہ سا ماحول ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

"تمہارے بھائی کو ہی سمجھانے کی کوشش کررہی ہوں کہ ہر چیز کا حل بغاوت نہیں ہوتی ہے۔" اس نے بھی ہلکا پھلکا ہی انداز اپنایا۔

"مگر بھائی بھی کیا کریں پھوپو اور چاچو دونوں بابا پر زور ڈال رہے ہیں اپنی اپنی بیٹیوں کے لیے اور امی اپنی بھانجی یا بھتیجی میں سے کسی کو بہو بنانا چاہتی ہیں اور بھائی یہاں تم سے دل لگا بیٹھے ہیں۔ اب صورت حال کچھ یوں بن رہی ہے کہ یا تو امی کی بھانجی یا بھتیجی یا بابا کی بھانجی یا بھتیجی ایسے میں تمہاری جگہ بنانے کو انہیں جو سمجھ آرہا ہے وہ کہہ بیٹھے تم سے۔" مناہل نے صورت حال واضح کی۔

"مناہل! تمہیں کیا لگتا ہے بھاگ کر آنے والی یا کورٹ میرج کر لینے والی لڑکیوں کی گھر میں جگہ بن جاتی ہے کبھی بھی نہیں...... وہ جس ذلت کا انتخاب اپنے گھر والوں کے لیے کرتی ہیں وہی ذلت کسی طوق یا کسی میڈل کی مانند ہمیشہ ان کے گلے میں پڑا رہتا ہے اور اگر ہماری تعلیم ہمیں یہ شعور بھی نہ دے سکے تو ہمیں اپنی تمام ڈگریز کو چولہے میں جھونک کر آگ لگا دینی چاہیں۔" وہ بگڑے موڈ میں بولی۔

"تو پھر تم ہی کوئی حل بتا دو ہم دونوں کو تو ایک یہی حل سمجھ آتا ہے۔" مناہل اور عدیل نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"کوشش کرو اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔" وہ پریقین لہجے میں بولی اور دونوں بہن بھائی بے بسی سے ایک دوسرے کو اور اسے دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

اس دن وہ بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ مناہل کا فون آگیا وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

"ایمان! ہمیں اسی بات کا ڈر تھا جو تم سے اس انتہائی

حل کی بات کی تھی مگر تم مانی ہی نہیں۔" وہ رو رہی تھی۔

"کیوں کیا ہوا ہے۔" وہ بھی گھبرا گئی۔

"بھائی نے خاندان میں شادی سے انکار کیا بابا سے بدتمیزی کی، بابا نے بھائی کو مارا تو بھائی نے سلیپنگ پلس لے لیں پلس زیادہ نہیں تھیں سو بچت ہوئی۔ بھائی کا معدہ واش کروا کر آج ہی ہسپتال سے گھر لائے ہیں مگر بابا بہت غصے میں ہیں کہتے ہیں مرتا ہے تو مر جائے مگر شادی خاندان میں ہی کرنا پڑے گی۔" وہ روتے ہوئے بتا رہی تھی۔

"ہنہ" وہ پرسوچ انداز میں بولی۔ "تم تو رونا بند کرو سوچتے ہیں کچھ اور اب یونی ورسٹی کب آؤ گے تم دونوں۔" اس نے پوچھا۔

"بابا تو کہہ رہے ہیں کہ دونوں کا پڑھنا بند کرو۔ امی بھی بہت رو رہی ہیں مگر دیکھو ذرا معاملہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو آتے ہیں۔" وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

"کیا عدیل نے میرے متعلق بات کی تھی گھر میں۔" اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"اس کی تو نوبت ہی نہیں آئی بابا تو خاندان میں شادی نہ کرنے والی بات پر ہی غصے سے بے قابو ہو گئے تھے۔ نہ امی کے قابو میں آ رہے تھے نہ بڑے بھائیوں کے۔" وہ بتا رہی تھی۔

"ہوں۔ تم آؤ تو بات کرتے ہیں۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔

☆......☆......☆

وہ دونوں اگلے ہفتے ہی آ گئے اور وہ ان دونوں کے سر پر کھڑی تھی۔

"عدیل! یہ کیا حرکت کی تھی تم نے؟" وہ خاصے غصے میں تھی۔

"تم سے دستبرداری سے زیادہ مجھے موت آسان لگتی ہے۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"اگر آئندہ ایسی حرکت کرنے کا سوچو تو مجھ سے بات مت کرنا۔ مجھے ایسے کمزور اور بودے مرد پسند نہیں جو حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے فرار ڈھونڈتے ہیں۔" وہ آتشی لہجے میں بولی۔

"تو میں اور کیا کرتا۔" وہ بھی چڑ گیا۔

"سائنائٹ کھاتے خودکشی کامیاب ہوتی۔" وہ چڑ کر بولی اور مناہل کو ان حالات میں بھی ہنسی آ گئی۔

"واہ بھائی! کیا لڑکی پسند کی ہے جو خودکشی پر عمل درآمد کرنے کے کامیاب طریقے بتاتی ہے۔" مناہل ہنستے ہنستے بولی تو ان دونوں کو بھی ہنسی آ گئی۔

"تو اور کیا کروں، میں تو نیوز میں سن لوں یا اخبارات میں پڑھ لوں کہ کسی مرد نے خودکشی کی کوشش کی ہے تو مجھے گھن آتی ہے اور یہاں یہی کام عدیل نے کیا تو میری کیا ذہنی کیفیت ہوگی سوچو۔" وہ دکھ سے بولی۔

"ہاں غصہ تو بھائی پر مجھے بھی بہت آیا تھا۔ امی تو ایسا بلک بلک کر روئی تھیں کہ ان پر ترس آ رہا تھا اور اس پر بھی بابا انہیں ان کی تربیت پر باتیں سنا رہے تھے۔" مناہل بھی دکھ سے بولی۔

"تو ہوتا یہی ہے ہر اچھائی کا کریڈٹ مرد خود لیتا ہے اور ہر برائی کا کریڈٹ عورت کو دیتا ہے۔" ایمان نے کہا تو عدیل نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"اور ہم جب صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں تو اپنی ماؤں کے لیے مشکلات کھڑی کر دیتے ہیں۔ ان کی زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں۔" اس نے کچھ جتایا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

"بس ناں! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" عدیل نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر کان پکڑے۔

"کہو تو اٹھک بیٹھک بھی کر لوں۔"

"عدیل! یہ مذاق کی بات نہیں ہے آئندہ ایسا کرو تو مجھے تو اپنی زندگی سے خارج ہی سمجھنا۔ اب میں معاف نہیں کروں گی۔ یہ سب ہمارے اسلام سے دوری کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بڑے ذات پات برادری کو لیے بیٹھے ہیں اور ہم نے خودکشی کو مذاق سمجھا ہوا ہے۔ جو زندگی ہمیں ہمارے رب نے دی ہے اسے ہم ختم کرنے والے کون

ہوتے ہیں۔" وہ دکھ سے بولی۔"زندہ رہو تو دنیا میں سزا.....مر جاؤ تو آخرت میں سزا۔"

"اچھا ناں......سوری اب نہیں کروں گا۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"سوری مجھ سے نہیں اللہ سے معافی مانگو جس کی دی ہوئی زندگی تم نے ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔" وہ ناراضگی سے بولی۔

"جب سے ٹھیک ہوا ہوں' یہی کر رہا ہوں مجھے اپنی غلطی کا اپنے گناہ کا پورا پورا احساس ہے۔" اسے مزید شرمندہ کرنے کا ارادہ اس نے موقوف کر دیا۔

"مناہل چلو کیا کلاس نہیں لینی ہے۔" اس نے مناہل کو مخاطب کیا۔

"نہیں اتنے طویل لیکچر کے بعد اب میرا کلاس لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بھائی کیفے ٹیریا سے کچھ کھلا پلا دیں تاکہ جان میں جان آئے اور میں اگلی کلاس لینے کے قابل ہوسکوں۔" مناہل نے شرارت سے کہا تو ایمان نے نہ صرف اسے گھورا بلکہ فولڈر بھی اس کے کاندھے پر دے مارا تو مناہل نداقاً ہائے وائے کرنے لگی اور وہ تینوں ہنستے ہوئے کیفے ٹیریا کی طرف چل پڑے۔

☆......☆......☆

اس دن وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی' ابو امی اور بھائی ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ وہ کتابیں پھیلائے نوٹس بنا رہی تھی۔ تبھی امی متاسفانہ انداز میں چہ چہ کرنے لگیں۔

اس نے امی سے تو نہیں پوچھا ایک نظر ٹی وی پر ڈالی جہاں نیوز چل رہی تھی کہ کوئی لڑکی گھر والوں پر حملہ کروا کر گھر سے فرار ہوگئی تھی لڑکی کی ماں اور ایک بہن کی حالت تشویشناک تھی۔" وہ بھی متاسف ہوگئی۔

"تم شکر کیا کرو کہ تمہاری بیٹی پر زمانے کی ہوا نہیں لگی ہے اس نے تمہاری تربیت کی لاج رکھی ہوئی ہے۔" ابو نے کہا تو امی نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا اور اس کا رنگ بڑی تیزی سے متغیر ہوا تھا بڑے بھائی غالباً اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے گڑیا! پریشان کیوں ہو؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"نہیں بھائی! بالکل نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر تمہارا چہرہ کیوں زرد ہو رہا ہے۔" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

"بس بھائی مجھے ڈر لگتا ہے نافرمانی سے' شیطان کے بہکاوے سے..... ہوں تو عام انسان ہی ناں۔" وہ پست آواز میں بولی تھی۔

"حالانکہ تم بہت مضبوط ہو' تم مقابلہ کرسکتی ہو' شیطان کا' تمہارے ہاتھ میں اسلام کا علم ڈھال ہے' جو ہر چیز کو ٹال سکتی ہے۔" انہوں نے پیار سے سمجھایا تو اس نے مسکراہٹ سے سر ہلایا۔

"ڈر مجھے بھی بہت لگتا ہے' رأس! دنیا پتہ نہیں کہاں جا رہی ہے' دو روزہ محبت نے ایک طویل عرصے کی محبت مٹا دیا اپنوں کی محبت نظر ہی نہیں آتی اور ایسی لڑکیاں رل جاتی ہیں اور بہت بری رلتی ہیں' کانچ کی طرح بکھیر دی جاتی ہیں پھر کوئی چاہے بھی تو انہیں سمیٹ نہیں پاتا وہ کچرے دان کی ہی زینت بنتی ہیں۔" امی پتہ نہیں یہ سب اسے سنا رہی تھیں یا بھائی کو مگر وہ سن بڑے غور سے رہی تھی۔

"جی امی! یہ خود لڑکیوں کو سوچنا چاہیے کہ جو عزت سے آپ کو اپنے گھر لے جا نہیں سکتا' وہ عزت سے رکھے گا کیسے؟" رأس بھائی نے امی کی بات کا جواب دیا۔

"مگر مجھے فخر ہے کہ میری بیٹی ان لڑکیوں سے الگ ہے جدا ہے۔" ابو کے لہجے میں مان تھا۔

"جی ابو واقعی گڑیا ہمارا فخر ہے' مان ہے' غرور ہے' اس نے آج تک ہمیں کہیں شرمندہ نہیں کیا۔" شمسی بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا اور اس نے شرمندگی سے نگاہیں جھکالیں۔

☆......☆......☆

اور اس سے اگلے ہی دن عدیل پھر اپنی فرمائش سمیت موجود تھا اور وہ ٹھیک ٹھاک چلبلا گئی۔

"تمہیں کوئی اور حل نظر نہیں آتا۔" وہ جل کر بولی۔

"نہیں مجھے کوئی اور حل نظر نہیں آتا نہ آج نہ کل۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا اور پتہ نہیں اسے کیا ہوا کہ ایکدم سے وہ پلٹی۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔" اس نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

اور عدیل کی تو سمجھو لاٹری نکل آئی۔ "مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" وہ بے تابی سے بولا۔

"پہلے سن تو لو......" وہ طنزیہ بولی۔

"میں نے کہا ناں کہ مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔ بغیر سنے ہوئے۔" وہ پرجوش لہجے میں بولا۔

"اچھا۔" اس کی اچھا میں بڑا گہرا طنز پوشیدہ تھا مگر وہاں فکر ہی کسے تھی۔

"آپ لوگوں کے ہاں بھی شادی خاندان میں ہوتی ہے لہٰذا کوئی بھی شادی خاندان سے باہر نہیں ہو سکتی خواہ اس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ شامل ہو ہے ناں۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" اب اس کا لہجہ الجھن آمیز تھا۔

"اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ میں سوچ رہی ہوں کہ کورٹ میرج کے لیے جا تو رہے ہیں مناہل بھی عالیان سے محبت کرتی ہے اس کی بھی وہاں شادی نہیں ہو سکتی تو کیوں نہ ساتھ ہی عالیان اور مناہل کو بھی......" اس کی بات پوری بھی نہ ہو سکی تھی کہ عدیل کا ہاتھ اٹھا اور اس کا گال سرخ کر گیا اور اس نے حیرت و استعجاب سے گال پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے عدیل کو بھی اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا کر بیٹھا ہے۔ اس لیے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"ایمان! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تمہارا کیا مطلب تھا میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔" وہ اپنا بیگ اور فولڈر اٹھاتے ہوئے بولی۔

"میری بات تو سنو۔" اس نے روکنا چاہا۔

"کیا سنوں یہی کہ مناہل تمہاری بہن ہے اس لیے تمہاری عزت ہے اور میں کسی اور کی بہن بیٹی ہوں اس لیے میرے باپ میرے بھائیوں کی کوئی عزت نہیں ہے۔ مناہل تمہاری بہن ہے اس لیے وہ کورٹ میرج نہیں کر سکتی لیکن میں تو کسی کی بیٹی اور بہن نہیں ہوں اس لیے کورٹ میرج کر سکتی ہوں۔ واہ کیا معیار ہے۔" وہ طنز کرتی غصے سے ہر لفظ پر زور دیتی ہوئی اسے بہت کچھ جتا گئی تھی۔

"ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات تو سن لو۔"

عدیل اسے ہر صورت روکنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ یہاں سے نہیں اس کی زندگی سے جا رہی ہے اور اس تصور سے ہی اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

"مجھے اب تمہاری کوئی بات نہیں سنی مسٹر عدیل ملک احسان...... نہ ٹھنڈے دل اور دماغ سے نہ گرم دل و دماغ سے۔ مجھے تمہاری نظر میں اپنی اوقات پتہ چل گئی ہے اور میں کسی بھی ایسے مرد کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کو تیار نہیں ہوں جو اس عورت اور اس کے گھر والوں کو عزت دینے کے لیے تیار نہیں ہے جسے وہ اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے اس لیے ہمیشہ کے لیے اللہ حافظ۔" یہ کہہ کر وہ مڑی تھی لیکن پھر فوراً ہی کچھ یاد آنے پر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

"اور ہاں عالیان اور مناہل والی بات جھوٹ ہے۔ وہ صرف میں نے تمہارا ظرف آزمانے کے لیے کی تھی۔ ورنہ مجھے پتہ ہے تم جیسے نام نہاد عزت دار شخص نے اپنی بہن کی زندگی عذاب کر دینی ہے۔" یہ کہہ کر اب وہ رکی نہیں تھی اور عدیل کو لگا کہ وہ اسے بڑا کرارا تھپڑ مار کر گئی ہے جس میں نہ ایمان کا ہاتھ اٹھا نہ عدیل کے گال پر پڑا بلکہ یہ تھپڑ تو اس کی روح پر پڑ کر اسے مکمل طور پر جھنجوڑ چکا تھا کہ

"واقعی وہ اسے عزت بنانا چاہتا تھا تو عزت سے لانے میں کیا قباحت تھی۔"

محبت گزیدہ

قرۃ العین سکندر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

بلال اور طلال احمد دونوں بھائی ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں سلمٰی اور سارہ بیگم بھی اس گھر کی بہوئیں اور اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی ہیں ظفری اور زیبا بلال اور سلمٰی بیگم کے دو بچے ہیں جبکہ دوسرے بھائی طلال کی صرف ایک بیٹی زویا ہے۔ پورے گھر میں ندرت بیگم دادی کی حیثیت سے ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ ظفری لاابالی مزاج رکھتا ہے جبکہ زیبا اور زویا میں مثالی تعلقات ہیں ایسے میں دادی کے دور پرے کے رشتہ دار کی حیثیت سے عابد صاحب کا بیٹا ریحان بطور مہمان وہاں آتا ہے جس کے اچھے عادات واطوار سب گھر والوں کو پسند آتے ہیں زیبا بھی اس اجنبی سے ایک خاص التفات محسوس کرتی ہے دوسری طرف ریحان کو بھی وہ بے حد پسند آتی ہے اور یوں دونوں محبت کے رشتے میں بندھ جاتے ہیں۔

ریحان کے والد عابد صاحب اور ان کی بیگم فائزہ اپنے بیٹے کے روشن مستقبل کے خواہش مند ہوتے ہیں بڑی بیٹی ذکیہ شادی شدہ ہے اور اپنی گھریلو زندگی سے عاجز رہتی ہے چونکہ یہ شادی سراسر بڑوں کی رضامندی سے ہوئی تھی اسی لیے ذکیہ ہر پل اپنی مصیبتوں کا ذکر کرتے انہیں تکلیف میں مبتلا رکھتی ہے عابد صاحب اپنی بہن دردانہ سے بھی شرمندہ نظر آتے ہیں جو کہ ان کی بیٹی کی ساس بھی ہے امبر (بہن) کے آنے والے ہر رشتے میں ذکیہ مین میخ نکال کر انکار کردیتی ہے اصل وجہ تو وہ حسد اور جلن ہی ہے وہ نہیں چاہتی کہ چھوٹی بہن امبر کا اچھی جگہ رشتہ طے ہو۔

آنسہ بیگم اپنی بیٹی کرن کے ہمراہ ندرت بیگم سے ملنے آتی ہیں تو کرن بھی اس اجنبی شخص ریحان کو دیکھ کر چونک جاتی ہے کرن کے چہرے پر چیچک کے نشانات ہیں جو کہ اسے احساس کمتری میں مبتلا کیے رکھتے ہیں وہ زیبا اور زویا کو بھرپور زندگی گزارتے دیکھتی ہے تو حسد کا شکار رہتی ہے ایسے میں آنسہ اس کا بھرپور خیال رکھتی ہیں۔

زویا یونیورسٹی میں اپنے کلاس فیلو زریاب کی خود پر توجہ محسوس کرلیتی ہے آہستہ آہستہ اس کی نظروں کے حصار میں رہنا اسے بھی اچھا لگنے لگتا ہے اور یوں وہ زریاب کے ہمراہ محبت کی راہوں کی مسافر بن جاتی ہے زریاب غریب گھرانے کا چشم و چراغ ہے اور اپنے حالات میں بدلاؤ کی خاطر گاؤں سے یہاں آکر تعلیم حاصل کرتا ہے تاکہ اپنے گھر والوں کو اچھا ماحول دے سکے وہ زویا کو اپنی زندگی میں جلد از جلد شامل کرنے کی خاطر گاؤں جاتا ہے تاکہ اپنے والدین کو اپنی پسندیدگی سے آگاہ کرسکے دوسری طرف شہیر جو کہ آنسہ پھوپو کا بیٹا ہے زویا کو پسند کرتا ہے اور اس کی یہ پسندیدگی و محبت کے مظاہرے زویا کو پریشان کردیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

❖......O......❖
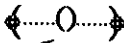
"گھر جیسا ماحول محبت سب کچھ تو میسر ہے بیٹا پھر کیا فکر پال لی تو نے؟" دادی کو خود اٹھ کر اس کا حال احوال معلوم کرنے کے لیے آنا پڑا تھا۔

وہ تھا بھی تو ایسا' کسی بھی دل میں اپنے ملنسار رویے سے گھر کرلیتا تھا' اور دادی کو تو وہ یوں بھی بہت پیارا لگتا تھا' وہ اپنے نواسے اور پوتوں کا موازنہ جب بھی اس سے کرتیں تو دل سے آہ نکلتی تھی۔ ریحان کا تابعدارانہ انداز' اور مہذب انداز گفتگو بڑوں کا ادب ولحاظ اسے دوسروں سے ممتاز بناتے تھے پھر وہ جب بھی گھر آتا ضرور دادی جان کے پاس بیٹھتا تھا' ان کے ماضی کم گشتہ قصے بھی یوں انہماک سے سنتا کہ دادی کا جی خوش ہوجاتا تھا۔

ڈھیروں ڈھیر دعائیں لینے کے ہنر سے محبتوں کی شدتوں سے واقف تھا اور پھر دادی کو دادی کہتے کہتے نجانے کب وہ انہیں دادی جان کی مسند پر بھی براجمان ہوتا دیکھ چکا تھا۔ اور دادی بھی اس سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ یہاں تک چل کر آنا اس کا احوال دریافت کرنا' فکرمندی

کا اظہار محبت کے بھی اسرار تھے۔ وہ دادی کی بات پر مبہم سا ہنس دیا تھا۔ کیا بتاتا کہ اماں نے رو رو کر اسے بتایا تھا کہ امبر کا اس مرتبہ بھی رشتے سے انکار ہوگیا ہے اور ذکیہ ہر لحاظ اس کی یہاں آمد سے بے زار ہے اور ہر وقت یہی طعنے دیتی ہے کہ وہ یہاں سے اپنی من پسند لڑکی شادی کے لیے تاڑ لے گا اب وہ کیا کہتا کہ ایسا اس نے کسی سوچی سمجھی سازش کے تحت ہرگز نہ کیا تھا' محبت نے دل کے نہاں خانوں میں دستک دینے کے ساتھ ایسی ہلچل مچائی کہ وہ سرنگوں ہوگیا تھا' اور اب یہ فکر اسے ہلکان رکھتی تھی کہ واپس جا کر اماں سے زیبا کے متعلق کیسے بات کرے گا' ذکیہ آپا تو گھر میں ایک طوفان برپا کردیں گی اور وہ اس معرکے سے نبرد آزما ہو جائے تو بھی زیبا کے اہل خانہ کی سوچ سے قطعی نا واقف تھا' دو طرفہ جنگ اس کی راہ میں حائل تھی' اس نے زیبا کو محبت کی جو ڈور تھمادی تھی اب اس کو واپس کھینچنا ممکن نہ تھا۔ وہ زیبا کو اداس وملول نہ دیکھ سکتا تھا' اس کا رنج اس کے اپنے دل کا خسارہ بن جاتا' انہی فکروں نے اسے بے حال کر رکھا تھا' اور یہی وہ سوچیں تھیں جو اسے بے چین کیے رکھتی تھیں۔

"لو بیٹا دودھ پی لو۔" وہ نیم گرم دودھ گلاس میں لیے متورم آنکھوں سے اسے ہی تک رہی تھی۔ غالباً وہ روتی رہی تھی۔

اس کی ملول نگاہیں اس کے دل کو بے چین کرگئی تھیں۔ اس نے گلاس تھام لیا اور آہستہ آہستہ دودھ پینے لگا حالانکہ اس کا دودھ پینے کا بالکل بھی جی نہ چاہ رہا تھا مگر اب دادی کے سامنے انکار کی جرأت کون کرتا۔

دودھ کے بعد اسے دوا پلادی تھی۔

"اب تم سو جاؤ' اگر نیند نہیں بھی آرہی ہے تو آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرو' سکون تمہارے لیے بہت ضروری ہے' اور بچہ زندگی میں غم' کس کے ساتھ نہیں لگے ہوتے' ان کو جی کا روگ نہیں بنانا چاہیے۔"

وہ دادی کی بات سے انکار کرکے ان کا جی نہیں دکھانا چاہتا تھا' اس لیے آنکھیں بند کرکے واقعی سونے کی کوشش کرنے لگا تھا اور شاید نیند کی دوا کا اثر تھا کہ وہ کچھ دیر بعد ہی پرسکون ہوکر سو گیا تھا۔

O

"اماں شہیر کی نئی ضد ہے کہ وہ زویا سے شادی کرے گا' آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" آنسہ نے بے دلی سے کہا تھا' دادی سیدھی ہو بیٹھی تھیں۔

"لے یہ تم نے نئی بے تکی چھوڑ دی ہے۔ شہیر کیوں کہے گا زویا کے لیے' اس کو تو لگتا ہے یہاں آنا بھی ناگوار خاطر گزرتا ہے تم نے ٹھیک سے سنا بھی ہے یا اپنی طرف سے کہے جارہی ہو۔" وہ حیرت سے سیدھی ہو بیٹھی تھیں۔

"جی میں کیوں اپنی جانب سے کہنے لگی' اس نے کہا ہے کہ شادی کرے گا تو صرف اور ضرور زئی سے' میں نے تو اپنی دانست میں اسے ہر طرح سمجھا بجھا کر دیکھ لیا ہے۔ مگر وہ تو اڑ گیا ہے' کہ اس کو اپنی جیون ساتھی کے روپ میں دیکھنے کا خواہش مند ہے' اماں اب آج کے دور میں ہم بچوں کے مرہون منت ہوگئے ہیں' ہم چاہیں نہ چاہیں بچوں کی خوشی کی خاطر ہی ہمیں اپنی ذات کو ان کی پسند ناپسند میں ڈھالنا پڑتا ہے۔" وہ دل گرفتگی سے گویا ہوئی تھیں۔

"بٹی کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو مگر یہ معاملہ تم زویا کی جانب سے بھی تو سوچو...... اس کی ماں بھی تو اس کی مرضی معلوم کرنا چاہے گی۔ پھر زویا جس قدر نازوں میں پلی بڑھی ہے یقیناً اس کی منشا شادی میں لازمی گردانی جائے گی۔ وہ آج تک ایک کپڑا بھی کسی کی پسند کا نہیں پہنتی اوڑھتی اور یہ تو پھر جیون بھر کا معاملہ ہے' تم دیکھ لو شہیر سے مجھے اتنی جذباتیت کی ہرگز توقع نہ تھی۔ اسے تو کرن کے حوالے سے پہلے فکرمندی سے سوچنا چاہیے تھا' خیر اب کیا ہوسکتا ہے؟" دادی نے بھی آنسہ کی فکرمندی کے اصل سبب کو سمجھ لیا تھا۔

"اماں یہی تو دکھ ہے اور کرن کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بھائی کیا سوچ رہا ہے کیا چاہ رہا ہے تو کیا ہوگا آپ جانتی ہیں وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں سے اسے سارے مسکراتے چہرے کرب سے دوچار کرجاتے ہیں' پھر میں ایک ماں ہوں اپنے بیٹے کی خوشی بھی تو دیکھنے کو ترس

رہی ہوں' مجھے تو زویا میں کوئی برائی محسوس نہیں ہوئی' بس سائرہ بھابی کی بات ہے وہ انکار نہ کردیں یا پھر زویا؟" وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوئیں۔

"تم ایسا کرو یہ معاملہ تم مجھ پر چھوڑ دو میں اپنے طریقے سے بات کرتی ہوں اور ہاں میں نے سلمٰی سے بات کی تھی' وہ تو تھے سے ہی اکھڑ گئی تھی' اس نے ظفری سے پہلے ہی منہ بھر کر انکار کردیا تھا' کیا کروں میرا بھی جی دکھتا ہے مگر مجبور ہوں بے بس ہوں' اس بڑھاپے میں اپنی اولاد کے سامنے مجبوری سے جینا پڑتا ہے' ان کی پسند ناپسند میں خود کو مدغم کرنا پڑتا ہے۔" دادی کی بات اپنی جگہ بالکل درست تھی۔

"اماں کیا میری کرن ساری عمر شادی کے لیے ترستی رہ جائے گی۔"

وہ کرب سے بولی تھیں اور دادی جان ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھیں' اولاد کی اولاد بھی تو ان کو اسی طرح عزیز تھی' وہ اس کی خوشی اور درد کو اتنی شدت سے محسوس کررہی تھیں جیسے انہیں آنسہ کی خوشی اور درد کا احساس تھا' وہ دل گرفتگی سے اپنی بیٹی کے مرجھائے مضمحل وجود کو دیکھ کر رہ گئی تھیں' جی ہی جی میں کئی ارادے باندھتی توڑتی گہری سوچ میں تھیں۔

⟡......O......⟡
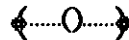
وہ یونیورسٹی میں آخری پیریڈ لے کر فارغ ہوئی تھی جب مخصوص روش پر وہ اسے اپنا منتظر ملا تھا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے دیوار سے ٹیک لگائے' اس کے قدموں پر اپنے دل کی ردھم اور دھڑکنیں گن رہا تھا۔ اس کے قریب آتے ہی سیدھا ہوگیا تھا۔

"میں کچھ عرصے کے لیے گاؤں جارہا ہوں' سوچ رہا ہوں گھر والوں کو تمہارے بارے میں بتادوں۔"

اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا تو وہ اس کی فریفتہ نگاہوں سے بری طرح جھینپ گئی تھی۔

وہ اسے اسی طرح شدتوں سے دیکھتا تھا' وہ محبت پاش نگاہیں قلب جاں میں جاگزیں ہوجایا کرتی تھیں۔

اس کے جانے کا سن کر وہ اداسی میں گھر گئی تھی۔ محبت کی راہ گزر میں ایک دن بھی ہمراہی ساتھ نہ ہو تو وہ سفر دشوار ترین لگنے لگتا ہے' وہ کھوئے ہوئے انداز میں زریاب کے ہم قدم ہوکر چلنے لگی تھی۔ اس کا جھکا سر اداسی کا سبب تھا' ورنہ اس وقت وہ زوروشور سے دن بھر ہونے والی روداد اسے سنارہی ہوتی' ان دونوں میں ایسا ہی انوکھا رشتہ استوار تھا۔

زریاب سے وہ دل کی ہر بات کہہ جاتی تھی اسے گھر کی اپنی دوستوں کی ہر بات بتا کر پرسکون ہوجاتی تھی۔ اگر کچھ نہیں کہہ پاتی تھی تو یہ کہ وہ کس قدر شدتوں کی انتہاؤں پر اسے چاہنے لگی ہے' اسے کھونے کے خدشات دل میں سر اٹھانے لگتے ہیں۔ اندرونی خلفشات اسے بے قرار کردیتا ہے' اس کے سنگ جینے کے خواب اس کی آنکھوں میں بھر گئے ہیں اور ان خوابوں میں جینا اسے بے حد اچھا لگتا ہے۔ جب وہ بند آنکھوں سے کسی اور ہی جہاں میں زریاب کی ہمراہی میں کشاں کشاں طویل سفر طے کرتی ہے تو اس کے دل کی دھڑکنیں برف بار ہوجاتی ہیں' وہ لمحہ وصل اسے نشاط جاں سے روشناس کردیتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی اپنے دامن دل کو اس کی یادوں کے بھنور سے نکال نہیں پاتی ہے' اور اس گہرائی میں رہنا اسے بھلا لگنے لگا ہے' یہ ساری باتیں ابھی تک ان کہی تھیں' اگر ان باتوں کی روزانہ تکرار ہوتی تو وہ فقط نگاہوں ہی نگاہوں میں تجدید محبت تھی' وہ اقرار وفا تھا جو آنکھوں سے عیاں ہوا کرتا تھا۔ محبت کے الوہی جذبے تھے جو نظروں کی زبان سے بیاں ہوتے تھے۔ "کب تک واپس آئیں گے؟"

اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اسے اپنی ہی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی ہو۔

"بہت جلد تمہارے لیے آؤں گا اور ساتھ خوشی کی نوید بھی لاؤں گا' تم میرا انتظار کرنا۔" وہ مسکرایا تھا' دل اس کا بھی اس جدائی پر ملول تھا مگر وہ مرد تھا جس میں ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ ہوا کرتا ہے' اور محبت انسان کو اتنا مضبوط بنادیتی ہے کہ کسی چٹان کی مانند وہ زمانے سے ٹکرانے کے فن سے واقف ہوجاتا ہے۔ فصیل محبت کو عبور کرنا کسی بھی سرپھرے کے بس کی بات نہیں' یہ تو دلوں

سے دلوں تک کا راستہ ہوا کرتا ہے جسے فقط محبت کے راہی ہی عبور کر پاتے ہیں۔ وہ اسے خوب صورت انتظار کی گھڑیوں میں مبتلا کر کے لوٹ گیا تھا وہ اس کے جانے کے بعد اسے ہر طرف بے تابانہ ہو کر تلاشنے لگتی تھی' حالانکہ اسے علم تھا کہ وہ یہاں کہیں نہیں ہے مگر اس کے وجود کی خوشبو اسے اپنے اطراف میں محسوس ہونے لگتی جو محبت کی معراج تھی۔

٭……٭……٭
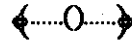
وہ کئی دنوں بعد کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اتنی دنوں کی بیماری کے بعد وہ خاصا کمزور ہو گیا تھا' اس کا مرجھایا ہوا وجود اس کی اداسی کا سبب بھی تھا۔

کئی مرتبہ زیبا نے اس سے پوچھنا چاہا تھا مگر پھر اس نے کچھ سوچ کر ہر مرتبہ اپنے لبوں پر قفل لگا لیا تھا۔

اسے ڈاکٹر صاحب کی نصیحت یاد تھی کہ بار بار ذہنی کوفت اور پریشانی میں مبتلا ہونے والی بات کا اعادہ نہ کیا جائے۔ سلمٰی بیگم آج کڑھی چاول پکا رہی تھیں۔ وہ کڑھی شوق سے کھاتا تھا' دادی نے محبت سے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا اور سیب کی قاشیں کاٹ کاٹ کر اسے کھلا رہی تھیں۔ اس خوب صورت منظر میں محض کرن اور آنسہ پھوپو ہی ایسی تھیں جو خاصی بددلی سے ریحان کی ناز برداریاں اٹھاتے دیکھ رہی تھیں۔

"میں نے فون کر دیا تھا آج تمہارے گھر والے آ رہے ہیں۔" دادی جان نے جیسے دھماکہ سا کیا تھا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں کب کیسے فون کیا؟" وہ صدمے سے بولا تھا۔

"بیٹا میں ماں ہوں اور جانتی ہوں کہ بچے ماں کے بنا اداس ہو جاتے ہیں' ہمارے گھر کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں نہ ہی ہم تنگ دل ہیں' تمہاری اماں باوا کو ہی سندیسہ بھیجا ہے آ کیں مل لیں تم سے' تم کہاں اتنی دور اس بیماری میں جاتے' پہلے ہی تمہاری تعلیم کا اتنے دنوں میں بہت حرج ہوا ہے۔" دادی کی بات پر وہ ان کی بے لوث محبتوں کا جیسے مقروض ہو گیا تھا۔ بنا کہے وہ اس کی ہر بات سمجھ بھی رہی تھیں اور اس کی فکرمندی میں گھل بھی رہی تھیں۔

وہ عجیب سی ادھیڑبن میں گرفتار تھا' ایک طرف وہ دل سے خوش تھا کہ ماں سے ملے گا مگر ان کی فکرمندی کے خیال سے ہی پریشان تھا۔ ماں اسے ان حالوں میں دیکھ کر دل گرفتہ ہی نہ ہو جائے' تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

اس نے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا' سامنے ہی عابد صاحب اور ذکیہ آپا تھیں' اس کا تو خیال تھا کہ اماں ہوں گی مگر ابا کے ہمراہ ذکیہ آپا کو دیکھ کر اسے اچنبھا ہوا تھا۔ جوش و خروش جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا۔

"کیسے ہو' راستہ تو چھوڑو اتنا لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں۔"

ذکیہ آپا نے چھوٹتے ساتھ ہی کرخت لہجے میں کہا تھا۔ وہ ٹپٹا کر ایک جانب ہوا تھا اور ذکیہ آپا اندر داخل ہوئی تھیں' بابا جان بھی ہمراہ تھے۔

"ماشاء اللہ عابد پتر ادھر آ جا" دادی جان نے عابد صاحب کو محبت سے بلایا تھا' عابد ان کے بچوں میں پلا بڑھا تھا' ان کے بیٹے کا دوست بھی تھا پھر وقت کے بیچ دوریاں آ گئیں جو فاصلوں کا موجب تھیں۔

عابد صاحب نے آگے بڑھ کر عقیدت سے دادی جان کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ سلمٰی بیگم نے بھی ادب سے عابد صاحب کو سلام کیا تھا۔

وہ شام بہت خوب صورت تھی کیونکہ اس نے بابا جان کو ایک جانب لے جا کر اپنے دل کی بات کر دی تھی۔ وہ اور عابد صاحب ہمیشہ سے ہی باپ بیٹے سے زیادہ دوستی کے رشتے میں پیوستہ رہے تھے۔ اگرچہ ریحان نے عابد صاحب کی عزت و توقیر میں کبھی رتی برابر کمی نہ کی تھی۔ مگر یہ رعایت خود عابد صاحب کی دی ہوئی تھی۔ جب وہ بہت چھوٹا سا تھا تب سے ہی اسکول کی ہر بات گھر لوٹ کر بابا جان کے گوش گزار کیا کرتا تھا اور بابا جان ہمہ تن گوش ہو کر اس کی دن بھر کی روداد بے حد محویت سے سنا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی عادت ویسی ہی تھی اس نے مبہم لفظوں میں زیبا کے حوالے سے اپنے جذبات باپ کی عدالت میں پیش کر دیئے تھے۔

"ارے میرا پتر جوان ہو گیا ہے ماشاء اللہ اور اس سے

بڑھ کر مجھے اس بات کی خوشی وانبساط ہے کہ میرے بیٹے نے میرا ارمان سے اونچا کردیا ہے۔ اپنی خواہش سامنے رکھ کر فیصلہ میرے اختیار میں سونپ دیا ہے اب تم بے فکر ہوجاؤ' میں باقی کے معاملات ازخود حل کردوں گا بس بیٹا تو ایک بات کا خاص خیال رکھنا' تیری آپا کو کانوں کان اس بات کی خبر نہ ہو کہ تو نے زیبا کے معاملے میں اپنی پسند کا ذکر میرے سامنے کیا ہے' وہ انا کی ماری ہے' ایک بات کی ضد کرلے تو پھر جاتی نہیں ہے' کچھ زیادتی تو مجھ سے بھی ہوئی تھی میں اس کا رشتہ اس کی پسند سے کردیتا تو مجھے ہر روز یوں کڑھنا نہ پڑتا' مگر اب کیا ہوسکتا ہے اور وہی میرا مان رکھ لیتی اور اس گھر کو اپنا سمجھ کر اس میں جینے اور بسنے کی سعی کرتی تو میرا سر بھی فخر سے بلند ہوجاتا' مگر وہ تو مجھے ذلیل وخوار کرنے کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھوں سے جانے نہیں دیتی ہے۔'' وہ اتنی تفصیل سے ایک عرصے بعد اس سے بات چیت کررہے تھے۔ اور دل ہلکا کررہے تھے۔ باپ اور بیٹا اس وقت کمرے میں تنہا تھے جانتے تھے کہ ذکیہ باہر خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی حالات حاضرہ کے متعلق سن گن لینے میں محو ہوگی یہی وہ قیمتی وقت تھا جب وہ ایک دوسرے سے اپنے دکھ سکھ بانٹ سکتے تھے۔

''اماں کیسی ہیں میں ہر وقت اماں کو یاد کرتا رہتا ہوں' زیادہ فون نہیں کرتا کہ کسی کمزور لمحہ میں میری ماں میری اداسی کو بھانپ نہ لے۔'' وہ ماں کے متعلق بے حد محبت اور عقیدت سے پوچھ رہا تھا۔ ماں کے ذکر پر روشنی کا مینار اس کے چہرے کو نور عطا کررہا تھا' وہ اس کے چہرے پر ماں کی تشنگی کے سائے دیکھ کر خاموش ہوگئے تھے۔

''بیٹا ہم نے جو کیا تیرے بھلے کے لیے کیا تھا' اب تو جلد بہت اچھی پوسٹ پر کسی بھی جگہ جاب کے لیے اپلائی کرسکتا ہے' تیرا دیرینہ خواب بھی پورا ہوجائے گا۔'' عابد صاحب نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''اچھا بابا' رات کے کھانے کا وقت ہورہا ہے وہاں سبھی اہل خانہ ہوں گے آپ پھر سوچ کر بتایئے گا' میری درخواست ہے اسے نظر انداز نہ کیجیے گا۔'' نجانے ریحان کے دل میں کون کون سے خدشات سر ابھار رہے تھے' وہ اس کی بے کلی کو ملاحظہ کررہے تھے۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ ملاحظہ کررہے تھے۔ اور اس کی تمام کیفیات کو بخوبی سمجھ بھی رہے تھے۔ پھر رات کے کھانے پر سب اہل خانہ اکٹھے تھے۔ عابد صاحب نے نفیس سی لڑکی زیبا کو دیکھتے ہی دل میں ریحان کی پسند کو سراہا تھا۔ زیبا بے حد جانفشانی سے سب کو کھانا پیش کررہی تھی۔ جہاں کسی کو کسی بھی شے کی حاجت ہوتی لپک کر وہ اس کے پاس جاکر اس ضرورت کو پورا کرتی تھی۔ کسی کو پانی کا گلاس بھر کے دے رہی ہے کسی کے سامنے رائتہ رکھ رہی ہے' کسی کو کباب کی پلیٹ تھمارہی ہے تو کسی کو بیٹھے کی ڈش آگے بڑھا کر پیش کررہی ہے۔

اس کی مستعدی دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ وہ امور خانہ داری میں کس قدر طاق ہے اور صرف یہی نہیں گداز دل کی مالک بھی ہے۔

''بیٹی اب تو بھی بیٹھ جا ہمارے ساتھ۔'' دادی جان نے جب زبردستی اسے اپنے پاس بٹھایا تو وہ جھینپ کر سر جھکائے بیٹھ گئی تھی۔ عابد صاحب نے دیکھا کہ اس کی ہم عمر لڑکیاں کرن اور زویا بھی تھیں مگر کان لپیٹے خاموشی سے کھانے میں جتی ہوئی تھیں اور کھانے سے انصاف کررہی تھیں۔ کون کیا کھارہا ہے' کس کو کیا نہیں ملا؟ کس کو کس چیز کی طلب ہے وہ دونوں قطعی بے خبر لاتعلق سی تھیں' بس عابد صاحب کو اپنا فیصلہ مزید پختہ ہوتا دکھائی دیا تھا۔ ہر گھر کو ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہوتی ہے جو بطور بہو گھر کو جوڑنے کا موجب ہو۔

گھر میں دراڑ ڈالنے کی بجائے اس گھر کی عمارت کو مسمار کرنے کی بجائے اسے مضبوطی عطا کرنے والی ہو' اپنی محبت خلوص اور اپنائیت کی مہک سے اہل خانہ کے دل جیت لے۔ تمام رشتوں کو ساتھ لے کر اس خوب صورت سے چلے کہ ہر کوئی اس کے گن گائے' صرف ایک شخص سے منسلک ہوجانے کا نام شادی نہیں ہوا کرتا ہے یہ دو خاندانوں کا بھی ملن ہوا کرتا ہے' دو اجنبی خاندان محض دو اجنبیوں کے باہم ملن اور جوڑ سے جسے عرف عام میں رشتہ ازدواج کہا جاتا ہے باہم منسلک ہوجاتے ہیں' پھر خوشی غمی ہر تقریب ہر تہوار ہر موقع پر

ان کا باہم میل جول اس رشتے کو مضبوطی عطا کرتا ہے۔
کھانے سے فراغت کے فوراً بعد وہ سب کے لیے قہوہ اور چائے پکالائی تھی۔ سب اپنی پسند کے مطابق پی رہے تھے اتنے میں وہ کھانے کے برتن چن چکی تھی اور کچن میں برتنوں کے انبار سے نبرد آزما تھی۔ برتن دھو دھو کر رکھتی جارہی تھی بنا ماتھے پر شکن لائے وہ جانفشانی سے اپنا فرض ادا کررہی تھی۔
ایسا نہیں تھا کہ زیبا کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق نہ تھا مگر نجانے کیوں وہ ہر معاملے میں طاق ہونے کے باوجود تعلیمی لحاظ میں کوئی نمایاں کامیابی نہ لے سکی تھی۔
میٹرک کے بعد اس نے رو دھو کر انٹر کیا تھا' اس کا دل گھر اور گھر ہستی میں لگتا تھا' گھر کی سجاوٹ میں ہمہ وقت جتی رہتی تھی' مگر باوجود کوشش کے بھی وہ تعلیمی لحاظ میں کوئی نمایاں کارکردگی نہ دکھا سکی تھی' جو بھی اس کے رشتے کے لیے آتا وہ اس کی کم تعلیم کے سبب ہی انکار کر جاتا تھا' کچھ اس کو پسند تو کرلیتے مگر ان کے تقاضے حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔
کوئی بھی والدین اپنی اولاد کو اندھا دھند دوسرے گھر نہیں بیاہ دیتے اسی لیے زیبا بھی کسی اچھے رشتے کے انتظار میں تھی' ورنہ اس کی خوب صورتی شائستگی اور سلیقہ مندی اپنی مثال آپ تھی۔ پھر وہ امور خانہ داری میں بھی ماہر تھی اور اس کا انتظار اب ختم ہورہا تھا' کیونکہ ریحان نے اس کو دل و جان سے چاہا تھا' کمرے میں آتے ہی ریحان نے عابد صاحب کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھا تھا اور عابد صاحب نے اسے گلے لگالیا تھا' اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ انہیں اپنے بیٹے کی پسند پر ناز تھا۔ تبھی ذکیہ آپا کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
''عجیب ہی لوگ ہیں اتنی لگاوٹ کا مظاہرہ میں تو ان میں گھری بیٹھی تھکن سے چور ہوگئی ہوں۔'' ذکیہ آپا نے منہ بسور کر کہا تھا وہ چاہ کر بھی اہل خانہ کے حسن سلوک کو رد نہ کرسکی تھیں' اس لیے یہ نیا جواز تلاش لیا تھا۔
''ارے بیٹا یہ تو ان کا حسن سلوک ہے محبت ہے کہ وہ تم سے اتنی لگاوٹ کا مظاہرہ کررہے ہیں ان کی چاہت اور خلوص میں کسی قسم کا کھوٹ نہیں ہے ناں۔'' عابد صاحب نے ہنس کر کہا تھا۔
''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر وہ دادی جان تو مجھے اتنی بار گلے لگا چکی ہیں کہ میرا انجر پنجر ہل کر رہ گیا ہے۔'' ذکیہ آپا نے کچھ اس پیرائے میں کہا تھا کہ ایک بھرپور مسکراہٹ نے عابد اور خود ریحان کے لبوں کا احاطہ کرلیا تھا۔
پھر علی الصبح عابد صاحب اور ذکیہ واپس لوٹ گئے تھے۔
کیونکہ چند دنوں بعد تو پیپرز کے بعد ریحان نے ہی ہمیشہ کے لیے واپس گھر لوٹ جانا تھا' اس کا تعلیمی سلسلہ اب ختم ہونے کو تھا' اس لیے یہاں مزید رہائش کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔
جاتے وقت دادی جان نے خالص دیسی گھی کی تیار کردہ مٹھائیاں ساتھ روانہ کی تھیں۔ یہ سب ان کے خلوص کا شاخسانہ تھا۔
ان کے جانے کے چند دن بعد ہی ریحان کے ایگزامز شروع ہوگئے تھے بیماری میں بھی اچھا خاصا وقت ضائع ہوچکا تھا اس لیے اب وہ تندہی سے اپنی پڑھائی میں مشغول ہوچکا تھا۔
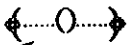
٭٭٭

''ارے رانو دیکھ لگتا ہے چولہے پر کچھ جل رہا ہے؟''
عذرا نے رانو سے کہا اور نتھنوں سے ٹکراتی ہوئی بو سے وہ ایک دم ہی چونک سی گئی تھیں۔ رانو نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔
''لوئی ماں میں تو چولہے پر کھیر رکھ کر ہی بھول گئی تھی ہائے ساری جل گئی ہوگی۔'' رانو لپکتی جھپکتی باورچی خانے میں داخل ہوئی تھی۔ باورچی خانہ بھی کیا تھا تھوڑی سی بنا رکھی تھی اب بھی وہ لوگ لکڑیوں پر کھانا پکاتے تھے یہ قصبہ تھا' یہاں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر نہیں تھی۔ ان کی زندگی ویسی ہی تھی جیسی عموماً کسی بھی دیہات میں ہوا کرتی ہے۔
علی الصبح جاگ کر مویشیوں کے باڑے میں جا کر وہ ان کو چارہ دیا کرتی تھیں۔
حامد صاحب بھینسوں کا دودھ دوہتے تھے۔ رانو ماں

کو مصروف دیکھ کر مرغیوں کے ڈربے میں کھول دیتی تھی' قطار در قطار مرغیاں باہر نکل کر خوشی سے قلقاریاں مارتی ہوئی بھاگم بھاگ اپنے راستے پہ رواں دواں ہوجایا کرتی تھیں۔ وہ احتیاط سے ڈربے سے تمام انڈے نکال کر رسوئی گھر میں لاتی تھی' جہاں اب ناشتے کی تیاری کا آغاز ہوچکا ہوتا تھا' خستہ دیسی گھی میں تر بتر پراٹھے ساتھ میں دیسی انڈے ہی عموماً روزانہ کا ناشتہ ہوا کرتا تھا' ناشتے کے فوری بعد مرد حضرات کھیتوں کی طرف چل دیتے تھے' حامد صاحب کی اپنی زمین کا کچھ ٹکڑا تھا اور وہ ان پر کام کرتے تھے۔ ہل جوتتے تھے انہوں نے محنت مزدوری سے ہمیشہ رزق حلال کا لقمہ ہی کھایا تھا۔

ابھی رانو نے کھیر کی دیگچی چولہے سے ہٹائی ہی تھی کہ دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی۔ وہ بری طرح چونک گئی تھی' کیونکہ اس وقت بھلا کون ہوسکتا تھا' اس نے دیگچی ایک طرف رکھ کر دوپٹہ پھیلا کر دروازہ کو کھولا تھا' سامنے ہی زریاب کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

"ہائے میرا ابھرا آگیا میں صدقے۔" وہ والہانہ انداز میں زریاب سے لپٹ گئی تھی۔ زریاب نے بھی اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اکلوتا تھا اس سے بڑا بھی تھا' اس گھر کا بیٹا تھا' وارث تھا' اس نے دل میں مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو اس محنت مشقت بھری زندگی میں آرام دے گا' اس کے لیے اس نے باپ کی طرح اسی ایک چلتی ہوئی زندگی میں یکسانیت کو نہیں اپنایا تھا' اس نے شہر جاکر اعلیٰ تعلیم کے حصول کو اپنایا تھا' اس کی اس بات کی اصل وجہ اس کا تعلیمی ریکارڈ اور پس منظر بھی تھا' وہ میٹرک تک دیہات کے اسکول میں ہی تعلیم حاصل کرتا رہا تھا' زیر تعلیم تھا' تو اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب اس کی خوب حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

ٹاٹ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والے زریاب کا ذہن زرخیز تھا۔ سوچ اعلیٰ تھی' اس کا ہر سال اول آنے کا تعلیمی سلسلہ جاری وساری تھا' اگرچہ اسکول میں پڑھنے والے طارق کو زریاب کے ہر سال اول آنے پر سخت اعتراض ہوا کرتا تھا اعتراض تو بنتا بھی تھا' کیونکہ وہ تو ایک جاگیردار کا بیٹا تھا' اور خوب چاؤ چونچلوں میں پروان چڑھا تھا اور جب ہر معاملے میں سب اس کے سامنے ہیچ تھے کمی کمین تھے' تو یہ دو ٹکے کا زریاب کیا شے تھا کہ اس سے تعلیمی لحاظ سے ہی سہی اعلیٰ کارکردگی دکھا کر تعریفوں کے ڈونگرے وصولتا۔

ایک دن جب استاد صاحب نے پورے کمرہ جماعت کے سامنے زریاب کی تعریف کی اور سب تالیاں بجا بجا کر اس کے چہرے پر شادمانی کا سبب بن رہے تھے' زریاب کا سیروں خون بڑھ رہا تھا ایسے میں طارق کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

یہ کمی کمین مزارعے جوان کے ہی کھیتوں میں ہل جوتتے تھے اب ان کی برابری کریں گے۔ یہ کب اسے گوارا ہوسکتا تھا اور یہ وہ سوچ تھی جو اس کو اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی تھی۔ وہ اسی سوچ کی ساتھ ہر گزرتے دن میں پروان چڑھتا گیا تھا۔ اس کے بابا چودھری حشمت نے اسے ہمیشہ ان دو ٹکے کے لوگوں کو منہ لگانے سے روکا تھا اور اب یہ دو ٹکے کے لوگ اس کی برابری کرنے لگے تھے' اور آج تو حد ہی ہوگئی تھی۔

زریاب کی تعریف کے بعد ماسٹر صاحب نے اس کا مذاق اڑایا تھا' یہ کب طارق کو برداشت ہوسکتا تھا۔ واپسی پر راستے میں اس نے پتھر اٹھا کر زریاب کے سر پر دے مارا تھا۔

جب رستے ہوئے خون کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوا تھا تو اعذرا بیگم نے اپنا کلیجہ تھام لیا تھا۔

"ہائے میرا پتر' رب خیر کرے۔" اور پھر ماں نے اپنے دوپٹے کا پلو پھاڑ کر اس کے ماتھے پر باندھ کر رستے ہوئے خون کو روکا تھا اور پھر بھاگم بھاگ حکیم صاحب کو بلا لائی تھی' انہوں نے اسے دوا پلا کر آرام کرنے کی تاکید کی تھی ساتھ ہی ماتھے پر پٹی بھی کردی تھی۔

جب ماں نے بہت اصرار کرکے پوچھا تو اس نے ڈرتے ڈرتے سارا واقعہ کہہ سنایا تھا اور عذرا جو غصے میں تھی' اور پتھر مارنے والے کا سر پھوڑنے کی باتیں کررہی تھی۔ طارق

کا نام سن کر وہیں پتھر کی ہوگئی تھی اور اس نے بالکل ٹھنڈے ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''بس پتر ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں' تو شہر چلا جا' وہاں جا کر اپنی تعلیم مکمل کر لے..... اس طرح تو اتنا پڑھ لکھ کر جب واپس لوٹے گا تو میرا سر فخر سے بلند ہو جائے گا۔ اور اس نمانے طارق سے بھی خلاصی ہو جائے گی۔

یہ ہم لوگوں کو حقیر جانتے ہیں اور اپنی بڑائی اور زعم میں جیتے ہیں۔ کوئی ان سے ریس میں جیت جائے اور مسابقت میں آگے نکل جائے یہ کب گوارا کرتے ہیں۔ وہ دکھی دل سے بول رہی تھی' اور وہ بڑے دھیان سے ماں کی باتیں سن رہا تھا اور پھر ماں کی بے شمار نصیحتیں تھیں کہ وہ بعد کے لیے بہت محتاط ہو گیا تھا' وہ کوشش کرتا تھا کہ کبھی اکیلے گھر نہ جائے اور اس سے بھی بڑھ کر اسے نصیحت مل گئی تھی کہ اگلے ہی دن اس کے استاد صاحب کلاس میں نہ آ سکے تھے۔ کسی نے انہیں مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا تھا اور وہ نہتے مار کھاتے رہے تھے' اور ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اگلے دن اسکول جا پاتے' یہ سب طارق نے چودھری حشمت صاحب کو بتایا تھا اور یہ اس کی کارستانی تھی' انہی کے ایما پر استاد صاحب کی یہ درگت بنائی گئی تھی۔ اور ان کی یہ حالت ہوئی تھی' وہ ان کی اس حالت کا ذمہ دار کہیں نہ کہیں خود کو سمجھتا تھا۔ اسی کی محبت میں انہوں نے طارق کو ڈانٹا تھا' اس کی تعریف ان کے گلے کا پھندا بن گئی تھی۔ اس واقعے کے دس روز بعد زخمی وجود کے ساتھ جب استاد صاحب کلاس میں آئے اور انہوں نے زریاب کو دیکھا تو اس نے نظریں چرا لی تھیں۔ اور اس دن کے بعد سے وہ زریاب سے فاصلہ رکھ کر بات کیا کرتے تھے۔ اس کی نمایاں کامیابی پر بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے' اور بالخصوص طارق کی برائی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کمرہ جماعت کی فضا میں حبس در آیا تھا' جب دلوں میں عناد ہو اور فضا کشیدہ ہو تو پھر ایسا ہی ہوا کرتا ہے' طوعاً کرہاً ہی استاد صاحب اپنا تعلیمی فریضہ ادا کر رہے تھے۔

پھر وہ میٹرک کے بعد شہر آ گیا تھا' اگرچہ بہ ظاہر وہ اب طارق کے سامنے نہ تھا' مگر ان دونوں کی بچپن میں رکھی گئی ازلی دشمنی اب تک برقرار تھی۔ اس لیے وہ جب بھی آتا تو ماں اسے زیادہ دیر تک باہر نہ جانے دیتی تھی' کہیں اندر ہی اندر وہ اب تک خائف تھی' اور بیٹے سے دوری میں بھی پرسکون سی رہتی تھی کہ اکلوتا بیٹا نظروں سے دور سہی مگر جہاں ہے آباد و شاد ہے۔

رانو کی چیخ کی آواز پر وہ ہنس دیا تھا اور اندر بیٹھی ہوئی عذرا بھی چونک گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ باہر شاید ان کا لخت جگر آیا ہے تبھی وہ ننگے پاؤں باہر کی جانب لپکی تھی اور اپنے خوبرو وجیہہ بیٹے کو دیکھ کر تشنہ روح اور تشنہ آنکھیں سیراب ہو گئی تھیں۔

انہوں نے بڑھ کر اپنے بیٹے کو کلیجے سے لگا کر اپنی پیاسی ماتا کو بھرپور طریقے سے سیراب کیا تھا' پھر اس کا ماتھا چوم کر نہال ہی تو ہو گئی تھیں۔

''یوں اچانک کیسے آ گیا تو سب خیر تو ہے ناں؟''

عذرا بیگم نے پریشان ہو کر پوچھا تھا۔ کیونکہ وہ ماں تھیں او رایک ایک دن گنا کرتی تھیں' ان کی گنتی کے حساب سے تو ابھی پورے دو ماہ باقی تھے' یوں اچانک اس کی آمد کا کوئی نہ کوئی سبب تو رہا ہی ہو گا۔

''ارے اماں بھی ابھی تو بھرا لوٹا ہے تو نے آتے ساتھ ہی سوال کرنا شروع کر دیے۔''

رانو اس وقت ماں سے زیادہ سیانی ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔ بیٹی کی بات میں وزن تھا تبھی انہوں نے بعد کے لیے اس سوال کو رکھ لیا تھا اور اپنے بیٹے کو لے کر کمرے میں آ گئی تھیں۔

''تو منہ ہاتھ دھو لے میں کھانا لاتی ہوں۔'' عذرا بیگم نے اسے محبت سے کہا تھا۔ وہ اپنے کمرے کا طائرانہ نگاہوں سے جائزہ لے رہا تھا' کچا کمرہ سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ ہر شے اسی طرح رکھی تھی جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ بستر پر نئی نکور صاف ستھری چادر بچھی تھی۔ سائیڈ پر اس کی کتابیں جو گزشتہ سال اس نے شہر سے وقت گزاری کے لیے خریدی تھیں' قرینے سے ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ ماں جانتی تھی کہ اسے اپنی کتابوں سے کس قدر لگاؤ ہے۔ کتنی محبت ہے تبھی ساری

کتابیں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔

وہ منہ ہاتھ دھونے باہر آ گیا تھا۔ نلکے سے منہ ہاتھ دھو کر وہ ایک دم تازہ دم ہو گیا تھا۔ کی ساری تھکان اور کلفت جاتی رہی تھی۔ نجانے کیوں ایک دم سے زوبی کا خیال کسی حسین یاد کی طرح ذہن کے دریچے پر دستک دیتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اتنا لمبا سفر باندھ کر وہ محض اسی کی خاطر تو آیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ تعلیمی سلسلہ ختم ہونے سے قبل وہ اپنی ماں کو اور باپ کو اس بات پر آمادہ کر لے کہ وہ جا کر اس کے ساتھ زوبی کا ہاتھ مانگ لیں۔ اسے امید تھی کہ اس کا مستقبل بے حد سنہرا اور شاندار ہے اور زریاب کو بھی دیکھا جاتا تو وہ ایک بھرپور مرد تھا اور تعلیمی لحاظ میں بھی اعلیٰ کارکردگی سے نمایاں تھا۔ اس کی شخصیت بھی بے مثال تھی۔ کوئی ایک ایسی بات نہ تھی کہ اسے رد کر دیا جاتا' مگر ایک خوف حائل تھا' اس کا پس منظر اس کی غربت اس کو مایوسی کی اتھاہ گہرائی میں دھکیل دیا کرتی تھی۔ مگر اسے اپنی محبت پر یقین تھا۔ اسے بھروسہ تھا کہ وہ اپنی محبت کو ایک دن پالے گا۔ اسے اپنی زوبیا کی نگاہوں میں محبت کے وہی دیپ جلتے دکھائی دیتے تھے جو اس کے دل میں بھی آگ بھڑکا رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کی محبت میں سچی ہے' اور وہ بھی تو اس کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوب چکا تھا۔ تبھی تو اس نے اس کی خاطر یہ فیصلہ کیا تھا کہ ماں باپ کو کسی طرح منا لے گا کہ وہ سب اس کے ساتھ جا کر شہر میں گھر لے لیں۔ یہاں کب تک وہ سب لکیر کے فقیر رہیں گے۔ زندگی کی رعنائیوں پر اس کا بھی تو حق تھا اور ترقی کا زینہ عبور کرنے کے لیے ان سب کو نئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان ہی میں ڈھل جانے کی ضرورت تھی۔

تبھی عذرا بیگم نے مٹی کی ہانڈی میں سے سرسوں کا ساگ نکالا تھا۔ مکئی کی روٹی پر مکھن رکھ کر انہوں نے اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اپنے سامنے بٹھا کر وہ اسے کھاتا دیکھ رہی تھیں' ساتھ ساتھ رہی تھیں۔ زریاب نے بھی ایک مدت کے بعد ماں کے ہاتھ کی پکی روٹی خوب سیر ہو کر کھائی' پانی پیا اور پھر رانو نے اس کے سامنے سے برتن اٹھا لیے تھے۔

"جا بھرا کے لیے کھیر لے کر آ۔" وہ اس کے ساتھ کمرے میں آ گئی تھیں۔ راز و نیاز کی ساری باتیں اسی کمرے میں وہ کیا کرتی تھیں۔ اب انہیں اپنے مجازی خدا کے آنے سے پہلے پہلے اپنے بیٹے کا دل بھی تو ٹٹولنا تھا۔

"بتا کیا نام ہے اس کا؟"

عذرا بیگم نے رازداری سے اس کے کان کے پاس آ کر پوچھا تو وہ تحیر سے ماں کو دیکھتا ہی چلا گیا تھا۔

"مگر ماں تجھے کیسے پتہ کہ یہ بات ہے؟" بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکل گیا تھا اور پھر کھسیانی ہنسی ہنس دیا تھا۔

"ارے ماں کوئی بھی نہیں کیا پوچھ رہی ہے میں کچھ سمجھا ہی نہیں۔" وہ اب بوکھلا کر آئیں بائیں شائیں کرنے لگا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اب بات کو ٹال رہا ہے اور عذرا بیگم ہنس دی تھیں' بے ساختہ ہنسی تھی۔

"تو بہت چھوٹا سا تھا جب تجھے کوئی شے چاہیے ہوتی تھی تو میری گود میں آ کر اپنا سر رکھ دیتا تھا' بالکل ایسے ہی جیسے آج تو نے اپنا سر میری گود میں رکھ دیا ہے۔"

عذرا بیگم گاؤں کی ایک ان پڑھ عورت ضرور تھی مگر اولاد کے چہرے کو پڑھنے کے لیے کسی بھی کتاب اور کسی بھی سند کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ہے' اس کے لیے تو صرف دل کی زبان سمجھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے' اور اب اپنے بیٹے کا بار بار چونک جانا' گہری سوچ میں گم ہو جانا' سب ان کو بہت کچھ باور کروا گیا تھا' آخری مرتبہ جب وہ شہر سے لوٹا تھا تو اس کی ایسی حالت نہ تھی' اس مرتبہ اس کے انداز ہی چونکا دینے والے تھے۔ جو اس کی کسی نہ کسی سے اٹوٹ محبت پر دلالت کر رہے تھے۔

"ماں میں تو اداس تھا ناں اس لیے سر گود میں رکھ لیا۔" وہ اب گود سے سر اٹھا کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھر لیے تھے' وہ اس ممتا بھرے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔

"بیٹا بتا دے میں ماں ہی تو ہوں جو تیری ہر بات بنا کہے جان جاتی ہوں۔" عذرا بیگم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے براہ راست پوچھا تھا۔

"زویا نام ہے اس کا اماں وہ بہت ہی خوب صورت ہے میری آنکھوں کو اس کی تلاش بے چین رکھتی ہے۔ جب میں اسے دیکھتا ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میرے دل کو قرار مل گیا ہو۔ اماں میں چاہتا ہوں تو بھی اس سے مل لے۔ اسے دیکھے اسے یوں ہی اپنا لے جیسے میرے دل نے اسے اپنا لیا ہے۔"

اس نے اتنی خوب صورتی سے دل کا معاملہ ماں کی عدالت میں رکھا تھا کہ عذرا بیگم ہولے سے مسکرادی تھیں۔

"میں نے اسے دیکھ لیا ہے' تیری آنکھوں میں' تیری مدھر مسکان میں' تیری خوشی میں اور بار بار تیری ان بھٹکتی ہوئی نظروں میں۔" عذرا بیگم نے قدرے توقف سے کہا تھا' تبھی رانو کی آمد پر معاملہ رفع دفع ہو گیا تھا۔ بات جہاں تھی وہیں رہ گئی تھی۔

"لے اب میرے ہاتھوں کی کھیر بھی کھالے' ماں کے ہاتھ کا ساگ تو کھالیا۔"

رانو شوق سے ہی پاس موڑھے پر بیٹھ گئی تھی اور اپنے بھائی کو چمچ چمچ کھاتے دیکھتی رہی تھی۔

"بیٹا ضد کیوں کرتی ہو' شہیر ہر لحاظ سے تمہارے لیے موزوں ہے۔ میں مانتی ہوں کہ آنسہ آپا کا مزاج برہم رہتا ہے اور کرن کا بھی مسئلہ ہے' اس سب کے باوجود اگر میں صرف شہیر کو دیکھتی ہوں تو مجھے یہ رشتہ ہر لحاظ سے قابل تحسین لگتا ہے پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ تمہیں بہت چاہتا ہے' دل سے طلب گار ہے' شادی تو ہر صورت بہر کیف کرنا ہی ہوتی ہے' بہتر نہیں ایک ایسے انسان کا ہاتھ تھام لیا جائے جو دل سے تمہارے ساتھ کا طلب گار ہو۔"

سارہ بیگم نے آج زویا کو گھیر ہی لیا تھا۔ وہ جیسے ہی یونیورسٹی سے لوٹی اس کو سامنے بٹھا کر نصیحت کرنے لگی تھیں۔ چند دنوں سے گھر میں اس رشتے کی بابت چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اور آج باقاعدہ آنسہ نے بھی ان سے براہ راست بات کرلی تھی۔

"ویسے تو میرے بیٹے میں کوئی کمی نہیں ہے' سچ پوچھیں تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی مل سکتی ہے مگر میں اس کی ضد سے مجبور ہو گئی ہوں۔"

اس لیے آج سارہ بیگم نے بھی زویا سے دوٹوک انداز میں بات کرنے کی ٹھان لی تھی پھر وہ ماں ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے رشتوں سے بھی منسلک تھیں اور طلال صاحب نے بھی زور دیا تو انہوں نے بھی سنجیدگی سے اس رشتے پر غور کیا اور انہیں شہیر ہر لحاظ سے اچھا لگا تھا' وہ سب اپنی طرف سے مطمئن ہو گئے تھے صرف زویا کو مطمئن کرنا باقی تھا۔

وہ اتنے دنوں سے زریاب کی دید سے محروم تھی۔ اس کی خلوتوں میں وہ پھول' خوشبو' گیت' ستارے بن کر انہیں منور کردیتا تھا' مہکا دیتا تھا' رنگ بھر دیتا تھا' مگر راحت دید نے تو اسے بے چین و مضطرب قلب کرر کھا تھا۔ اب اس کلفت بھری حالت میں یہ نئی افتاد اس پر آن وارد ہوئی تھی۔

"میں شہیر سے تو کیا کسی سے بھی شادی نہیں کرسکتی ہوں۔" نجانے کیسے یہ جملہ اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔

"کیوں کیوں نہیں کرسکتی شادی' کیا ساری عمر ہم تمہیں اپنے سر پر بٹھا کر رکھیں گے' بیٹیاں پرائی امانت ہوتی ہیں اور ایک نہ ایک دن انہیں رخصت ہو کر دوسرے گھر جانا ہوتا ہے' شہیر کے رشتے پر میں اور تمہارے بابا راضی ہیں' اب میں زیادہ اصرار نہیں کروں گی' بتانا تھا سو بتادیا' یہ تو کوئی جواز ہی نہیں کہ تم شادی نہیں کرنا چاہتی ہو' اس جمعے کو ہی تمہارا سادگی سے شہیر کے ساتھ نکاح ہوگا اور پھر اگلے ماہ رخصتی ہوگی۔"

سارہ بیگم نے دوٹوک واشگاف الفاظ میں اسے اپنا فیصلہ سنادیا تھا۔ وہ بالکل ساکت صدمے کی کیفیت سے دوچار ہو گئی تھی' لب بھنچ گئے تھے اور چہرہ شدید تناؤ لیے تھا۔ جو اس کی اندرونی خلفشار کے گواہ تھے۔ اس نے تحیر سے ماں کو دیکھا تھا' یہ وہ والدین تھے جو ساری عمر لاڈ اور کو پالتے پوستے ہر لحظہ ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھتے اور اب زندگی کے اتنے اہم اور بڑے فیصلے میں ہی اسے اکیلا کردیا تھا۔ وہ اپنی رائے اپنی ترجیح اپنی پسند بھی سامنے نہ رکھ سکی تھی' یہاں تو جیسے سارے معاملات پہلے سے ہی طے کر لیے گئے تھے۔ صرف

خانہ پری کے لیے اسے سامنے بٹھا کر اطلاع دی جارہی تھی۔
"جب سب کچھ طے ہی کر چکی ہیں تو اب کیا پوچھنے آئی ہیں آپ؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ درشتی لیے تھا' ابھی تو اس نے محبت کے تاج محل میں رنگ بھرنا شروع کیے تھے۔ وہ ابھی سے مسمار کردیا گیا تھا' زمین بوس ہوگیا اس کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔ وہ لہورنگ آنکھیں لیے ماں کو دیکھ رہی تھی جو اس کے لحہ لحہ بدلتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی متغیر ہوتی رنگت سے وہ ہولنے لگی تھیں۔

"دیکھو زویا کوئی ایسا ویسا خیال بھی ہے تو فوراً سے پیشتر اپنے دماغ سے نکال دینا' والدین بھی اپنی اولاد کا برا نہیں سوچتے اور ہم نے تمہارے لیے شہیر کو چنا ہے اور تم بھی خوشدلی سے اس رشتے پر ہاں کہہ دو کیونکہ شادی تو تمہاری اب شہیر سے ہی ہوگی۔" وہ کہہ کر رکی نہیں واپس اپنے کمرے میں پلٹ گئی تھیں۔ اسے سوچوں کے گرداب میں تنہا چھوڑ کر' وہ یک لخت پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ ابھی تو وعدے ایفا کرنے کا وقت آیا تھا اور زریاب وہ گھر صرف اس کی خاطر گیا تھا' اپنے والدین کو منانے اسے کوئی اچھی خبر سنانے کے لیے۔ وہ متفکر سی رو رہی تھی' اب جب وہ لوٹ کر آئے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گی' کیا میں یہ سانحہ بھرا نوحہ اس کے گوش گزار کرسکوں گی' وہ بستر پر نڈھال مضمحل وجود لیے زاروقطار رونے لگی تھی۔ زریاب تو اس کی جلترنگ ہنسی پر فریفتہ تھا' جب اس کی مترنم جھرنوں جیسی ہنسی اس کے عارض کو گلنار کرجاتی تھی تو وہ بھی اس کے ڈمپل میں پڑنے والے بھنور میں ڈوب ڈوب جاتا تھا۔

اس کی ملکوتی حسن سے لبریز آنکھیں اسے نہال کردیا کرتی تھیں' اور اس کا دلکش سراپا اس کے دل میں آتش فشاں کی مانند ایک انتشار برپا کیے رکھتا تھا...... مگر اب وہ کملائی ہوئی تھی کسی پھول کی مانند جس سے اس کی تمام رعنائی چھین لی جائے اور وہ مرجھا کر نیم جان ہوجائے۔

وہ روتی رہی اور اداسی میں شام کے ملگجے سائے میں اپنی چڑیوں کے پنجرے کے پاس آگئی تھی۔ ان کو دانہ ڈال کر نجانے کیا کچھ سوچ رہی تھی متورم آنکھیں اور مضمحل وجود۔ وہ پنجرے کی چڑیوں اور اپنی ذات میں قدرے مماثلت پارہی تھی' وہ بھی دانہ چگتی ایک عالیشان گھر کی قیدی تھیں' ہر شے میسر تھی' مگر آزادی نہ تھی' پر کاٹ دیے گئے تھے' پرواز کی سہولت تو آزادی میسر نہ تھی۔

"کیا بات ہے آج بہت خاموش ہیں' ہر وقت کمرے میں بند رہتی ہیں' میں تمہاری خاطر اتنی دور سے آیا ہوں اور تم ہو کہ کمرہ بند کیے رکھتی ہو اب تو تمہیں دیکھنے کے لیے باقاعدہ تمہیں اپنے نام سے منسوب کرنا پڑے گا۔"

شہیر نجانے کب اس کے عقب میں آکر خوشگوار انداز میں بولا تھا۔ شعوری لاشعوری طور پر وہ ہمہ وقت اس کا منتظر رہتا تھا اور آج اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر اس کا موڈ خود بخود ہی خوشگوار سا ہوگیا تھا۔ جبکہ وہ سپاٹ چہرہ لیے مڑی تھی۔

"میں پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی اور کوئی کام تھا مجھ سے؟" وہ کرخت لہجے میں پلٹ کر بولی تھی۔ وہ اس کی بے نیازی' کج خلقی اور کج ادائی کو اپنے دل پر سہہ گیا تھا۔ کھلتے ہونٹوں کی مسکراہٹ سمٹ سی گئی تھی۔

اس نے بغور اس کے چہرے پر بکھری اداسی کو ملاحظہ کیا تھا وہ کوئی فیصلہ نہ کرپارہا تھا' اس کے اس اداس چہرے کا اصل سبب جاننے سے قاصر تھا۔ اس کا تو خیال تھا کہ وہ بھی خوش ہوگی' اور یوں زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہوگا' جہاں مسرتیں اور خوشیاں ہوں گی لیکن' اس کی لاتعلقی پر اس کا دل کڑھ رہا تھا جو مسلسل سر جھکائے اب چڑیوں کی جانب متوجہ تھی۔

"کیا بات ہے کیا تم سے ممانی جان نے کچھ نہیں کہا ہے؟"

شہیر کا اشارہ سارہ بیگم کی جانب تھا وہ یک بارگی پلٹ کر گھومی تھی۔

"جی حکم نامہ صادر فرمایا ہے اپنا اور آپ کا...... جسے ہر صورت مجھے قبول کرنا ہے۔ آپ کو اپنے ساتھ گھر بسانے کی آرزو ان کے دل میں مچلی ہے تو سزاوار میں کیوں بنوں؟" وہ دم بخود اس کے چہرے پر پھیلی نفرت کو ملاحظہ کررہا تھا'

انانیت جاگ اٹھی تھی اس کی خودداری اور محبت کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ وہ تو اسے پالینے کا متمنی تھا' مگر وہ تو محض سراب تھی' جو سامنے کھڑی تھی' مگر وہ اسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔

"کیا تمہاری اس قدر خفگی کی اصل وجہ جان سکتا ہوں میں۔" شہیر کو لگا کہ جیسے اس کی آواز گہری کھائی سے آئی ہو۔

"سننا چاہتے ہیں تو سنیں' میں ایک سراب ہوں جس کے پیچھے آپ بھاگ کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں' ایک ایسا نوکیلے کانٹوں سے اٹا درخت ہوں جس کو چھو کر آپ خود کو اذیت کے نئے جہان میں پائیں گے' لہولہان ہوجائیں گے۔ ایک ایسا صحرا میرے اندر آباد ہے جو آپ کو کبھی بھی سیراب نہ کرسکے گا' اس کی تشنگی آپ کو بھی بے کل رکھے گی' کیونکہ جانتے ہیں محبت کا خانہ پر ہوچکا ہے میرے دل کے تمام گلاب میری تمام شگفتگی اور میری تمام محبت کا حق دار محض وہ ایک شخص ہے جسے میں نے چاہا ہے' اٹوٹ محبت کی ہے اس سے' اور وہ آپ نہیں ہیں شہیر' فیصلہ آپ نے سنایا ہے تو میرا بھی فیصلہ سن لیں۔" پھر وہ اس کو یک ٹک دیکھ کر رکا نہیں تھا۔ آندھی طوفان کی طرح پورچ سے سفید گاڑی نکال کر جھٹکے سے گاڑی کو باہر بھگا لے گیا تھا۔ وہ فق چہرہ لیے اس کو اس جنونی کیفیت میں جاتا دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل ہولنے لگا' شاید اسے یہ سب شہیر سے نہیں کہنا چاہیے تھا' اور وہ خود کو موردِ الزام ٹھہرا رہی تھی۔ شہیر نے سب کو بتادیا تو کیا ہوگا اور اس کا اس قدر تیز رفتاری سے گاڑی کو بھگا کر لے جانا اسے دل ہی دل میں کھٹکنے لگا تھا۔

"کہاں گیا ہے شہیر' اتنے غصے میں کیا بکواس کی ہے تم نے اس سے؟" یہ کرن تھی جو اس وقت اچانک بھپرتی شیرنی کی طرح عین اس کے مقابل آگئی تھی اور وہ لب بستہ' فق چہرہ لیے کھڑی رہی۔ دعا گو تھی کہ شہیر خیریت سے لوٹ آئے۔

◆.....O.....◆

آنسہ بیگم ہراساں سی کوریڈور میں کھڑی دعا گو تھیں' شہیر کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا' اس وقت سبھی اہل خانہ ہاسپٹل میں جمع تھے اور رو رو کر شہیر کی سلامتی کے لیے دعا گو تھے آنسہ نے ایک نفرت بھری نگاہ زوئی پر ڈالی تھی۔ جس کا بکھرا حلیہ' ملگجا لباس' مضمحل وجود' متورم آنکھیں اس کی شکستگی کی گواہ تھیں۔

مگر پھر بھی آنسہ بیگم کو وہ ایک نظر بھی گوارا نہ تھی۔ کرن نے سب اہل خانہ کو بتادیا تھا کہ آخری بار زویا اور شہیر کی آپس میں سخت تکرار ہوئی تھی اور اسی وجہ سے شہیر دلبرداشتہ ہوکر گھر سے نکلا تھا' غصے میں اس نے تیز اور ریش ڈرائیونگ کی تھی جس کی بنا پر وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سامنے سے آنے والے ٹرک سے ٹکرا گیا۔ اس وقت وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں تھا اور ڈاکٹرز اس کے سر پر آنے والی چوٹوں کا معائنہ کررہے تھے۔ فوری طور پر خون کی اشد ضرورت تھی' اس کے لیے ظفری اور خود بلال صاحب کوشش میں مصروف تھے۔ سب دل گرفتگی سے ایک دوسرے کو ڈھارس بندھا رہے تھے' ایسے میں وہ ایک جانب ٹھنڈے بینچ پر بیٹھی ہوئی اپنی قسمت پر ماتم کناں تھی۔

اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کے کہے ہوئے الفاظ کا شہیر اس قدر اثر لے گا' اس نے تو اسے جھوٹے وعدوں کی گٹھڑی کا بوجھ لادنے سے منع کیا تھا' آس کی ڈور نہ باندھی تھی اور سچ کی گرہیں کھول دی تھیں' مگر شاید یہی اس کا المیہ تھا کہ وہ دو رخی تلوار نہ تھی' صاف واشگاف دوٹوک بات کرنے والی تھی۔

شام کے سائے ڈھل رہے تھے آج دوسرا دن تھا جب شہیر بے ہوش تھا اور اب آج اس لمحہ ڈاکٹرز نے آپریشن تھیٹر سے باہر آکر شہیر کی زندگی کی نوید دی تھی' سب نے تو شکر ادا کیا سو کیا' مگر زویا کو لگ رہا تھا کہ اس کے برف جیسے وجود میں نئی زندگی نے رمق لی ہو۔ وہ روئی اور پھر روتی ہی چلی گئی تھی۔ سلمٰی بیگم نے اسے دلاسہ دیا تھا۔

"اب رونا دھونا بند کرو' گھر جاؤ اور ہاں اب جب تک فائنل ایگزامز نہ ہوں' تم پڑھنے نہیں جاؤ گی یہ میرا نہیں خود تمہاری ماں کا فیصلہ ہے وہ تم سے وقتی طور پر خفا ہے' ہم کلام بھی نہیں ہونا چاہتی' مگر بیٹا جلد حالات بدل جائیں گے سب ایسے تھوڑی رہے گا' والدین ہیں کب تک خفا رہیں

گے۔"

اس وقت سلمٰی بیگم کی دلجوئی پاکروہ خود میں حوصلے کی اٹھان دیکھ رہی تھی۔

زیبا نے اس کا ہاتھ محبت سے تھاما تھا۔ پھر وہ ظفری اور زیبا کے ساتھ گھر آ گئی تھی' کار میں سارہ بیگم بھی موجود تھیں مگر دوسری جانب منہ پھیرے اس سے شاید اپنی خفگی کا اظہار کررہی تھیں۔ وہ اب اس وقت تھکن سے چور تھی' اتنے دن کی سخت ذہنی کشمکش سے دوچار رہنے کے بعد وہ اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ کر مطمئن سی ہوگئی تھی۔ گھر آ کر اس نے زیبا کے ساتھ مل کر کھانا پکایا تھا۔ سارہ بیگم آرام کرنے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں اور وہ سوپ پکانے لگی تھی' جو بھی تھا شہیر اس کا کزن تھا اور اس ناطے وہ اس کی دلجوئی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ شہیر سے معذرت کرلے گی فی الحال تو آنسہ پھوپو اس کا سایہ بھی شہیر سے دور رکھنا چاہتی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ ایک ہفتے مسلسل شہیر ہاسپٹل میں رہنے اور سب کی محبتوں میں گھرا ہو کر بھی بار بار کمرے کے دروازے کو تکتا رہتا تھا۔ شاید لاشعوری طور پر اسے کسی کی آمد کا انتظار تھا' جو شاید انتظار ہی رہتا مگر ایک دن اس کی مراد برآئی تھی۔

وہ اداس سا لیٹا تھا۔ اس وقت ہاسپٹل میں اس کے پاس بلال صاحب اور سلمٰی تھے۔ جب زیبا ہاسپٹل کے لیے نکلنے لگی تو اس نے ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا' زیبا بن کہے اس کی ہر بات مان جاتی اور سمجھ جاتی تھی۔

"دیکھو زویا تم ہاسپٹل نہ جاؤ' خدا خدا کرکے شہیر کی طبیعت سنبھلی ہے' تم جانتی ہو کہ پھوپو شہیر کے معاملے میں کس قدر پوزیسو ہیں اور اب تم جاؤ گی تو کوئی نیا مسئلہ نہ اٹھ کھڑا ہو اور میں تو یہی مشورہ دوں گی کہ اب تم شہیر کا سامنا نہ ہی کرو تو بہتر ہوگا' اس کی ایک وجہ اور بھی ہے' تم اس کو اپنانا نہیں چاہتی ہو اور جس کی محبت میں اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے انکار کردیا ہے' اس کا نام بتانا نہیں چاہتی ہو' کہانی تو جوں کی توں ہے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔"

زیبا نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا تھا' وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ہی پڑھتا ہے' بہت بہت اچھا ہے میں کیا بتاؤں؟" ایک دم اس کے ذکر پر زویا کے چہرے پر گلاب سے کھل گئے تھے۔

اتنے دنوں کی بے خوابی پریشانی اور رتجگے سے اس کے چہرے پر جو زردی بکھر گئی تھی اس میں زریاب کے ذکر نے گلابی رنگ بکھیر دیا تھا' زریاب اس کی چاہت تھا' اس کا اولین خواب تھا۔

"تم نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی؟" زیبا نے تحیر سے پوچھا تھا۔

"اس نے کہا تھا وہ پہلے اپنے والدین کو راضی کرلے' اسی لیے میں بھی چپ تھی۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر اب تم ہاسپٹل جا کر شہیر سے کہو گی کیا؟" وہ ابھی تک زویا کے ہاسپٹل جانے کے لیے دل سے خوش نہ تھی۔

"دیکھو آپی اس وقت سب سوئے ہوئے ہیں' میں صرف شہیر سے مل کر آ جاؤں گی' کسی کو معلوم نہ ہوگا اور پھر مجھے اس سے معافی مانگنی ہے۔" وہ بے حد ندامت محسوس کررہی تھی۔

اس کے چہرے پر بھی تاسف بکھرا تھا۔

"شہیر کو تمہاری معافی کی نہیں تمہاری محبت کی ضرورت ہے زویا' وہ تم اسے نہیں دے سکتی ہو اور پھر یہ زبردستی کے فیصلے نہیں ہوتے ہیں' اب چلو مگر اس سب میں میری قطعی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔"

وہ زیبا کی منت سماجت کرکے اس کے ساتھ ہاسپٹل میں آ گئی تھی' اور یہاں جب زیبا کے عقب میں شہیر نے زویا کو دیکھا تو اس کی بجھی ہوئی آنکھوں میں جیسے روشنیوں کا جہان آن بسا تھا۔

وہ ایک دم سے سیدھا ہو بیٹھا تھا۔ اس کی اس قدر وارفتگی دیکھ کر زویا واقعی خود کو نہ صرف اس کا مجرم بلکہ اس کے شکستہ خوابوں کی مجرم سمجھ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر شہیر کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر بوکے اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ سرخ

گلابوں کی مہک کمرے میں رچ بس گئی تھی۔ وہ اس خوشبو کے حصار میں اور زویا کی محبت کی قید میں خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

"میں معذرت کرنے آئی ہوں شہیر میری وجہ سے آپ کو ذہنی کوفت اٹھانی پڑی' میں اس سب کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔" وہ واقعی سر جھکائے نم ناک آنکھوں سے مجرموں کی طرح سامنے کھڑی تھی۔

"پریشان نہ ہو میں خود تمہارے لیے لڑوں گا' میں جانتا ہوں جس طرح میں اپنے دل کے نہاں خانوں سے تمہارا نام نہیں کھرچ سکتا ہوں تم بھی اس ایک شخص کے لیے مجھے نہیں اپنا سکتی ہو' اس کی محبت تمہارے قدموں کی روک بن گئی ہے' جانتی ہو میں تو ایک مدت سے تمہیں پسند کرتا تھا صرف بتانے میں ہی دیر کردی۔ یہی سوچا کہ میرے سامنے رہتی ہو' میری کزن ہو' جب چاہوں گا کوئی گلاب کا لمحہ اپنی قید میں لاکر اس کی خوشبو سے معطر ہو جاؤں گا مگر یہ میری سوچ تھی۔ بعض اوقات ہم جو کچھ سوچتے ہیں من وعن ویسا نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جہاں سے ہمیں اپنے رب کی منشاء کا ادراک ہوتا ہے' کل میں ڈسچارج ہو کر ویسے ہی واپس آنے والا تھا' تم نے ناحق آج تکلیف کی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی شہیر کے لبوں سے شکوہ پھسل ہی گیا' جس نے زویا کو مزید شرمندہ کردیا تھا۔

"ارے یہ تو آنا چاہتی تھی آتی بھی رہی مگر اندر آنے پر پابندی تھی' تم سمجھ سکتے ہو کہ آنسہ پھوپو بھی ماں ہیں' پھر تمہارے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے اس کے بعد ڈاکٹرز نے بھی سختی سے کہا ہے کہ تمہارے لیے جہاں تک ممکن ہو آسودگی کا سامان کیا جائے' ذہنی پریشانی سے دور رکھا جائے' اس لیے اب اس کی آمد تمہارے لیے دوبارہ پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔" زیبا نے زویا کی جانب سے وضاحت کی تھی تو وہ مبہم سا مسکرا دیا تھا۔

پھر اگلے دن وہ واقعی ڈسچارج ہو کر گھر لوٹ آیا۔ زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی اور نجانے اس نے آنسہ پھوپو سے کرن سے کیا کہا تھا کہ اب ان کا رویہ زویا کے ساتھ بالکل نارمل سا ہو گیا تھا۔ البتہ لیے دیے رہنے والا انداز برقرار تھا۔ رشتوں میں وہ پہلی جیسی بات نہ رہی تھی۔ اس کے ایگزامز اسٹارٹ ہونے میں چند دن باقی تھے' اس لیے وہ بھی اطراف کی فکروں کو ذہن سے جھٹک کر پڑھائی میں منہمک ہو گئی تھی اور پھوپو بھی چند دن بعد واپس گھر لوٹ گئی تھیں اور کرن اور ساتھ میں شہیر بھی چلے گئے تھے۔ گھر کے معمولات زندگی پہلے کے طور پر چلنے لگے تھے۔

⟡......()......⟡

ریحان اپنا آخری پرچہ دے کر اب گھر جانے کے لیے تیار کھڑا تھا' سارے ہی گھر والے اس سے اتنے عرصے میں بے حد لگاؤ محسوس کرنے لگے تھے اور زیبا کا تو جیسے دل ہی بیٹھا جا رہا تھا' اس شخص کو دن رات اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنے کی عادت ہو گئی تھی۔ محبت اس کے اندر جیسے نوحہ کناں تھی۔ جدائی محبت میں ضرور قدم رنجہ ہو کر دل کو کھرے درد واذیت کے دور سے گزارتی ہے۔

اس کی بیکراں خواہشوں کی صلیب اب اس کے گلے کا طوق بن گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد بادل جو سرمئی رنگ لیے تھے اب ٹوٹ کر برسے تھے۔ گھٹائیں اس کے دل میں اٹھتے طوفان کا جیسے پیش خیمہ ہوں' انتظار کی صلیب اب اس کی آنکھوں میں منجمد ہو گئی تھی۔ ریحان گھر لوٹا تھا اور جلد ہی اس نے رزلٹ کے ساتھ جاب کے لیے اپلائی کردیا تھا۔ اور اس کے اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہونے کی بدولت اسے ایک ملٹی نیشنل جاب مل گئی تھی۔

جاب لگتے ہی اس نے فون پر دادی کو اپنی جاب لگنے کی نوید سنائی تھی۔ دادی اس کے جانے کے بعد دوبارہ تنہائی کا شکار ہو گئی تھیں۔ ظفری کی وہی دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگانے کی عادتیں' زیبا کے گھریلو جھنجٹ اب تو خیر سے محبت کی روگی بھی ہو گئی تھی۔ زویا کے امتحانات اور سب کی اپنی اپنی مصروفیات صرف وہی تھا جو دادی کے پاس بیٹھا ان کے ماضی گم گشتہ کے قصے اتنے والہانہ انداز میں سنا کرتا تھا کہ وہ اس پر فدا ہو جاتی تھیں۔ وہ جاب سے فارغ ہو کر گھر

لوٹا تو سامنے ہی امبر آٹا گوندھنے میں جتی تھی۔

آج نجانے کیوں اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا' شاید اب اس اکیلے پن کی تکلیف دل میں چبھن کا باعث بن رہی تھی۔

جوان بہن کی وجہ سے وہ فی الوقت گھر میں کسی سے اپنی محبت کا دوبارہ تذکرہ بھی نہ کرپا رہا تھا' سب اس کے اس فعل کو نجانے کس نظر سے دیکھیں گے' امبر کے لیے تواتر سے آنے والے رشتوں میں اب تسلسل باقی نہ رہا تھا۔

رشتے والی خالہ بھی اب روز روز کے انکار اور جگ ہنسائی سے تنگ آ گئی تھی۔

"لے لو میں اتنے اچھے اچھے رشتے ڈھونڈ ڈھانڈ کر لاتی ہوں اور ایک تم اپنی بیٹی کی ناک میں نکیل نہیں ڈال سکتی ہو۔ ہر رشتے میں مین میخ نکال دیتی ہے۔ میں کہتی ہوں کب تک بیٹی کو یونہی بٹھائے رکھنے کا ارادہ ہے۔"

اور یہ بات ان کی بالکل ٹھیک تھی اور سب اس بات سے متفق بھی تھے مگر سب ذکیہ آپا کی گز بھر لمبی زبان سے خائف تھے۔ وہ فریش ہوکر کمرے میں آ کر لیٹ گیا تھا۔

زیبا کا خیال اس کے دل کو ہمیشہ ہی ٹیس دینے لگا تھا۔ اس نے اداسی سے اس خیال کو دل سے جھٹکنا چاہا تھا' مگر زیبا پوری آب وتاب کے ساتھ شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی' جیسے کہہ رہی ہو کہ کب آ ؤ گے۔

پریشان رات ساری ہے ستارو تم تو سوجاؤ
سکوت مرگ طاری ہے ستارو تم تو سوجاؤ
ہنسو اور ہنستے ہنستے ڈوبتے جاؤ' خلاؤں میں
ہمیں یہ رات بھاری ہے ستارو تم تو سوجاؤ
ہمیں تو آج کی شب پو پھٹنے تک جاگنا ہوگا
یہی قسمت ہماری ہے ستارو تم تو سوجاؤ
تمہیں کیا آج بھی کوئی اگر ملنے نہیں آیا
یہ بازی ہم نے ہاری ہے ستارو تم تو سوجاؤ
ہمیں بھی نیند آجائے گی ہم بھی سوجائیں گے
ابھی کچھ بے قراری ہے' ستارو تم تو سوجاؤ

وہ اداسی کی گہرائی میں ڈوبا تھا جب امبر اس کے لیے چائے کا مگ تھامے آن پہنچی تھی۔

"کیا بات ہے بھیا' میں دیکھ رہی ہوں کافی دنوں سے آپ اداس ہیں' جانتے ہیں ابا نے اماں کو زیبا آپی کی تصویر دکھائی تھی' نجانے کہاں سے لائے تھے' خیر میں نے بھی چپکے سے اماں سے لے کر دیکھی ہے مجھے وہ بہت پسند آ ئی ہیں۔ تو کب بنا رہے ہیں آپ انہیں ہماری بھابی۔" امبر نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ جو ست الوجود سا لیٹا ہوا تھا ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کیا کہا تم نے؟"

اس کی آنکھوں میں اتنا تحیر' خوشی اور جوش وخروش تھا کہ اس وقت ساری اداسی' ساری کلفت جیسے پل بھر میں رفو ہوگئی ہو۔

"آ گیا میرا بیٹا؟" عقب سے فائزہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔

"آج امبر کو رشتے والے پسند کر گئے ہیں اور میں نے بات پکی کردی ہے' ذکیہ کو کچھ علم نہیں اور نہ ہی بتانے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس جمعے کو نکاح ہے اور اس سے اگلے ہی ہفتے رخصتی ہے' ان لوگوں کو بس شادی کی جلدی ہے' امبر خوش رہے گی ان شاءاللہ۔" فائزہ بیگم اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی تھیں کئی برسوں کے بعد بڑا سا سے جھلکے مل رہے تھے۔

وہ جو اتنا سوگوار ہو رہا تھا' اس نئی خبر پر شاد و مسرور تھا۔

"تمہارے ابا نے کہا تھا کہ اب پانی سر سے اونچا ہوچکا ہے' اس لیے ہم نے ذکیہ کے پیچھے ہی سارے معاملات طے کرلیے ہیں' اور ہاں بھلا ہو دردانہ آپا کا' انہوں نے کہا ہے کہ اگلے جمعے کو وہ سب لوگ ذکیہ کو لے کر دوسرے شہر چلے جائیں گے' کیونکہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ ذکیہ کی نند کی ساس بیمار ہے حال احوال دریافت کرنا ہے' قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ شفق کی ساس واقعی بیمار ہے اور پھر وہ دردانہ کی بات رد نہیں کرسکتی ہے' اس لیے اب یہ معاملہ تو حل ہوگیا' جمعے کی صبح ہی صبح وہ لوگ نکل جائیں گے اور پھر اگلے دو دن بعد ہی لوٹیں گے اور میں رب کی اس عطا پر خوش ہوں۔" ان کے چہرے پر دیدنی خوشی ہلکورے لے رہی تھی۔

"اماں یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے میں بھی اس کے لیے بہت خوش ہوں۔" وہ واقعی مسرت سے بولا تھا۔
اس وقت اس کا دل بھی خوشی سے ہلکورے لے رہا تھا۔
"بس اب دعا کرو سارے معاملات خوش اسلوبی سے حل ہوجائیں اور ہاں میں نے وہاں فون کردیا ہے۔"
اب کے وہ قدرے رازداری سے بولی تھیں۔
"کہاں اماں؟" اس کا دل ایک دم سے جیسے دھڑکا تھا۔ کسی انہونی کے خیال سے کسی اچھے خوشگوار احساس کے زیر سایہ ہوکر۔
"میں نے تیرے لیے زیبا کو مانگ لیا ہے ان لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور ہاں بلال بھائی تو اتنے خوش ہو رہے تھے اور وہ لوگ اب جمعے کو نکاح میں بھی شریک ہونے آرہے ہیں۔ میں نے تو کہا ہے کہ وہ لوگ زیبا کو بھی ساتھ لے آئیں ہم لوگ یہاں تمہاری منگنی کی رسم بھی اسی دن کردیں گے اور اسی دن تمہاری اور زیبا کی شادی کی تاریخ بھی رکھ لیں گے۔" وہ انتہائی مسرت سے بولی تھیں اور وہ تو جیسے اچھل ہی پڑا تھا۔
"پگلے اس محبت کے مظاہرے چھوڑ اور اب چند دن کی مہلت کو غنیمت سمجھ۔ چپکے چپکے سے ساری شاپنگ کرلو اور ہاں ایک دن امبر کو بھی ساتھ لے جانا' کچھ مدد کروادے گی اور اپنی مرضی کی بھی کچھ چیزیں لے لے گی اور میرا تو گھر پر رہنا ضروری ہے۔"
ذکیہ بیگم نے اسے کہا تو وہ حسین خیالات میں کھوسا گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت ابھی زیبا کا دیدار حسن کرے اس کے چہرے پر کھلنے والے گلاب رنگ سے محظوظ ہو۔
مگر یہ فراق اور جدائی کے دن ابھی باقی تھے..... جواب محض چند روزہ تھے۔ وہ ان رنگین خیالات کی رو میں بہک رہا تھا اور نئے سپنے دیکھ رہا تھا۔

☆......☆☆......☆

ہر طرف قدرتی حسن بکھرا ہوا تھا ہریالی' سبزہ' پھول درخت' پہاڑ اس کی قنوطیت کو ختم کرنے کا جواز تھے۔ پرندوں کی چہچہاہٹ پھولوں کی بھینی خوشبو اور فطری حسن اس کی نگاہوں کو خیرہ کررہے تھے۔ نفسانفسی کے اس دور میں یہاں قصبے میں سب ایک دوسرے سے منسلک حال واحوال دریافت کیا کرتے تھے وہ لبا کو کھیتوں میں کھانا دینے آیا تھا' راستے میں اونچی نیچی پگڈنڈیوں سے گزرتے ہوئے سب نے ہی اس کا حال احوال دریافت کیا تھا۔ کئی اس کے اٹھتے ہوئے قد کاٹھ کو توصیفی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ تعلیم نے اس کے چہرے پہ گہرے شائستہ اطوار چھوڑے تھے وہ تصنع سے پاک مہذب گفتگو سے اپنے مقابل کو تسخیر کرنے کے فن سے واقف تھا۔ کہیں نہ کہیں مزارعے اور چھوٹے حیثیت کے تمام لوگوں کو دل میں گوناگوں خوشی محسوس ہوئی تھی' زریاب کی اتنی اچھی اٹھان اس کا یوں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا' ان سب کو ایک غریب انسان کی فتح لگا کرتی تھی۔ یہ ایک شخص کی انفرادی طور پر فتح نہ تھی یہ فرد واحد کی فتح نہ تھی' یہ سب کی فتح تھی' طبقاتی کشمکش میں اس کا اس طرح نمایاں طور پر کامیابی سمیٹنا ان سب کے لیے سربلندی کا سبب بنتا تھا۔
وہ درختوں کے جھنڈ کے پار اپنے لبا کو کام میں مبتلا دیکھ رہا تھا' اس نے بہت چھوٹے ہونے سے لے کر اب تک لبا کو انتھک محنت کرتے دیکھا تھا' خون پسینے کی کمائی ان کا نصب العین رہا کرتی تھی۔
وہ لبا کو کھانا دیتے ہی وہاں ایک کونے میں ایستادہ چبوترے کے پاس بیٹھ گیا تھا' حامد صاحب نے نل سے آتے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھویا تھا۔
تبھی مسلح گارڈ کے ساتھ طارق کا وہاں سے گزر ہوا تھا۔ گاڑی ان کے عین سامنے سے گزرتی ہوئی رک سی گئی تھی۔ طارق کی کروفر بھری چال تھی' وہ کار سے اتر کر اکڑ کر اسی جانب آرہا تھا۔ برسوں کی کدورت اب بھی کہیں باقی تھی۔ اسے دیکھ کر لبا سے محو گفتگو زریاب کی ساری مسکراہٹ جیسے اڑن چھو ہوگئی تھی۔
"ارے بھئی صاحب بہادر آئے ہیں شہر سے۔ شہری بابو جی۔" طارق نے عقب میں موجود رائفل لیے کھڑے چیلے سے کہا تھا۔

وہ طارق کی تمسخرانہ ہنسی میں شامل ہوگیا تھا اور طارق کے چہرے پر استہزاء کے رنگ بکھر گئے تھے۔
طارق کو دیکھ کر زریاب نے سختی سے اپنے جبڑے بھینچ لیے تھے۔ غصے کی ایک تیز لہر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔
یہ تنفر اور تحقیر اسے کسی طور گوارا نہ تھی کیونکہ بچپن سے زریاب کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ تمام انسان برابر ہیں اور انسانیت کی معراج محض تقویٰ کی برتری پر منحصر ہے اور وہ اس کے سامنے محض دولت کے عوض دولت کے بل پر اچھل رہا تھا۔ اس نے غصے سے ایک نظر اسے دیکھا مگر اس کی خاموشی کے سبب حامد صاحب نے لپک کر کھانا چھوڑ کر آگے بڑھ کر ماتھے تک لے جا کر سلام کیا تھا۔
"سلام چودھری صاحب! آج ہی لوٹا ہے ابھی چند دن ادھر رہے گا پردیسی ہے لوٹ جائے گا۔" حامد صاحب نے نجانے کیوں اتنا ملتجی انداز اپنایا تھا۔
"ہاں ہے تو پردیسی بابو ہی! اپنی مٹی کو چھوڑ چھاڑ کر جانے والے کو تو پردیسی ہی بولتے ہیں۔" وہ ہنسا تھا۔
وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔
"حاضری لگوانے آجانا ڈیرے پر! بابا جان کو بھی اطلاع مل گئی ہوگی۔ آئے ہو تو لنگر خانے سے کھانا کھا کر جانا۔" بہ ظاہر چودھری حشمت کے ڈیرے پر لنگر خانہ چوبیس گھنٹے ہر خاص و عام کے لیے کھلا ہی رہتا تھا مگر در پردہ حالات بہت ہی تلخ تھے اتنے تلخ و ترش کلمات ادا کیے جاتے تھے دوسرے کی تحقیر کو اپنا ازلی حق سمجھا جاتا تھا پھر تعصب کی بنا پر دوسرے کو کیڑے مکوڑے کی طرح کچل دیا جاتا تھا۔
کتنی ہی لڑکیاں در پردہ خاموشی سے اس عفریت کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں خود چودھری حشمت کی چار بیویاں تھیں نجانے کیوں ہر شادی پر پہلی بیوی کا اچانک ہی انتقال ہو جایا کرتا تھا اور یہی نہیں خود طارق بھی باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔ اس عمر میں طارق خود تین تین بیویاں رکھتا تھا۔
تعلیم کا تو اسے سرے سے شوق ہی نہ تھا نہ ہی وہ کوئی ملازمت پیشہ انسان تھا جسے محنت کرنی ہو۔
محنت کش نہ تھا محنت مزدوری کے لیے یہ کمی کمین مزارعے موجود تھے جن کو وہ اپنے پاؤں کی جوتی شمار کرتے تھے۔
چودھری حشمت کا شملہ اونچا تھا نخوت تھی اور اب کروفر بھری انا کا در آشنا طارق میں منتقل ہو جانا ذرا بھی اچنبھے کا سبب نہ تھا۔
باپ کی طرح وہ بھی دل پھینک واقع ہوا تھا۔ حسن کو دیکھ کر اپنا حق جتانا اپنا عین حق گردانتا تھا اور اب اس سے گاؤں کی ہر جوان لڑکی چھپتی پھرتی تھی۔
"اور ہاں بھئی چاچا ہم تجھے مان دے رہے ہیں جلد سوچ بچار کر لینا اچھا ہے تیرا پتر بھی شہر سے آیا ہوا ہے اس کے سامنے ہی بات ہو جائے تو بہتر ہے دو بول ہی تو پڑھانے ہیں۔ اور ہم تجھے فرش سے عرش پر بٹھا رہے ہیں زیادہ سوچ بچار کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"
طارق کی باتوں کا کوئی سرا بھی زریاب کے ہاتھ نہ لگ رہا تھا وہ نا سمجھی سے اپنے بوڑھے باپ کو دیکھ رہا تھا جس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور وہ مضمحل آزردہ دکھائی دینے لگا تھا۔
"جی چھوٹے چودھری صاحب میں اپنی بیوی سے مشورہ کرتا ہوں۔"
وہ سر جھکائے ادب سے بولا تھا۔ جانتا تھا کہ ذرا سی بے ادبی پر جان سے مار ڈالنا ان امیر زادوں کی تو پرانی خاندانی روایت رہی ہے اور وہ ان کے سامنے ہمیشہ سر جھکا کر ہی بات کرتے تھے اور سر اٹھا نہیں کہ سلامت گردن تن سے جدا ہو جاتی تھی۔
"ہونہہ نرا پاگل پن ہے عورت ذات سے پوچھنا۔ ارے ہوئے ناں ذات کے کمی ہی اس لیے تو اپنی بیوی سے پوچھنے کی بات کرتے ہو۔ ارے چاچا یہ عورت ذات تو پاؤں کی جوتی ہوتی ہے ایک پہنی اور جب تنگ کرنے لگی تو اتار پھینکی اور دوسری جوتی پہن لی جو سکون بھی دے اور خوشنما بھی ہو سمجھ آئی کہ نہیں۔" طارق ہنسا تھا وہ اب کیا جواب دیتا حامد سر ہلا رہا تھا جبکہ اس سارے قصے سے قطعی طور پر ناواقف

زریاب الجھا کھڑا تھا۔

تحیر اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا' اور اضطراب کی کیفیت سے دوچار بھی تھا۔

طارق کی ہنسی گونجی تھی۔

اور پھر اسی طرح ٹھٹکا کر وہ واپس لوٹ گیا تھا۔

اس کے دور جاتے اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے اپنے باپ کے سامنے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے بابا یہ کس مسئلے کی بات کررہا تھا' کیا ہوا ہے؟" وہ پریشان ہوگیا تھا' دور رہنے کے سبب وہ یہاں کے سارے حالات سے قطعی طور پر ناواقف تھا۔

"بیٹا تو تھکا ہارا آج ہی لوٹا ہے' ابھی آرام کر بعد میں آرام سے بات کرتے ہیں ناں اور بتا تو نے وہاں دل لگا کر تو پڑھائی کی ہے ناں۔" صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے ٹال رہے تھے اور وہ تھا کہ لحہ بھر نہ لگے سب جان لے۔ اس نے اچانک لپک کر باپ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ابا بتائیں کیا بات ہے؟" اس نے اس قدر سنجیدگی سے پوچھا کہ وہ بوکھلا سے گئے تھے۔

"بیٹا کیا بتاؤں؟ اس مردود کی نگاہ ہماری رانو پر ہے' اس نے کسی جگہ رانو کو کسی سہیلی کی شادی میں سجا سنورا دیکھ لیا ہے' تب سے رانو کے لیے طلب گار ہے۔ میں نے تیری ماں سے پوچھا تھا' وہ تو یہ سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی۔ میں تو معاشرے کی زنجیر میں لپٹا مجبور ہوں شاید کسی وقت اس رشتے کے لیے ہاں بھی کردیتا مگر تیری ماں تو آگ بگولہ ہوگئی۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ ہرگز اپنی رانو کو اس اندھے کنوئیں میں نہیں دھکیل سکتی ہے۔" بابا یہ کہہ کر چپ ہوگئے تھے جیسے کہنے کے لیے اب مزید کچھ نہ رہ گیا ہو۔

اور وہ گم صم اپنے باپ کے تھکن زدہ وجود اور جھکے سر کو دیکھ رہا تھا۔

"بابا آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں' آپ لوگ اس قدر پریشانی میں گھرے تھے ایک فون کردیتے' میں کیا پرایا ہوگیا ہوں؟" وہ رندھے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ارے پتر تو تو ہمارا سب کچھ ہے ہمارا آسرا ہے بڑھاپے کی آس ہے۔ بیٹا میں تو بتا ہی دیتا مگر تیری ماں نے سختی سے منع کیا تھا کہ تجھے پریشان نہیں کرنا تیرے پکے امتحان ہیں ناں' اگر وہ پریشان ہوگیا تو پھر اچھے نمبر لاکر اپنا خواب کیسے پورا کرے گا۔" یہ سن کر اس کے آنسو ایک تواتر سے بہنے لگے تھے۔

"پتر کیا تو خفا ہوگیا ہے۔" حامد صاحب بوکھلا سے گئے تھے جوان بیٹے کی آنکھوں میں آنسو تھے' پریشانی تو تھی ناں۔

"ابا میں ان محبتوں کا مقروض ہوں' ابا میں سمجھ گیا وہ ماں ہیں اور ماں تو اپنی اولاد کی محبت میں ہر غم سہہ لیتی ہے' مگر ابا یہ معاملہ میری بہن کا ہے' غیرت اور اس کی عصمت کا ہے' میں نے اب اسی وقت جانا ہے جب آپ سب لوگ میرے ساتھ شہر روانہ ہوں۔"

اب اس نے ایک نئی بات کی تھی' جس پر حامد صاحب کی پریشانی دوچند ہوگئی تھی۔

"ناپتر ہم کیسے شہر جاسکتے ہیں' یہاں ہماری جڑیں ہیں' ہمارا اصل ہے' ہم یہ سب چھوڑ چھاڑ کر تیرے ساتھ تیرے کہنے پر کیسے شہر میں جاکر آباد ہوجائیں۔"

حامد صاحب نے صاف انکار کردیا تھا' اور وہ کلس کررہ گیا۔

"بابا پھر آپ ہی بتائیں اس مسئلے کا کیا حل ہوگا۔" وہ اب واقعی بے حد متفکر سا تھا۔

"بیٹا اللہ مالک ہے کچھ سوچتے ہیں۔" وقتی طور پر تو معاملہ رفع دفع ہوگیا تھا مگر یہ معاملہ حل طلب تھا اس کے لیے گہری سوچ بچار کی ضرورت تھی۔ اور سب ہی اپنی اپنی جگہ پریشان تھے۔

پھر اس نے گھر آتے ساتھ ہی ماں کو گھیر لیا تھا۔

"پتر ہم نے سوچا تو جوان خون ہے کر جائے گا بس یہی سوچ کر چپ رہے ہیں۔ پھر بیٹا ہم شریف لوگ اور غریب بھی ہیں' ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں مگر پتر نجانے کیوں میں اس رشتے کے لیے راضی نہیں ہو پارہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بہت بدنصیبی کا دن تھا جب اس طارق کی نگاہ رانو پر اٹھی تھی۔ رانو کو میں مر کر بھی باہر نہ نکالتی اگر میرے وہم

وگمان میں بھی ہوتا کہ اس دن وہ اس کی گندی میلی نگاہ میں آ جائے گی اب کیا ہوسکتا ہے مگر بیٹا میں اس رشتے کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں کیونکہ وہ پہلے سے ہی تین تین بیویوں کا شوہر ہے اور سننے میں آیا ہے کہ طلاق اور بیوی کو چھوڑنا بھی ان کی شان کے خلاف ہے بیوی کو طلاق وہ دیتے نہیں اور ہر ماہ دو ماہ بعد بیوی کا شوق پورا کرتے رہتے ہیں۔ طلاق دینے کی صورت میں ان کی انا پر کاری ضرب پڑتی ہے ان کی چھوڑی ہوئی عورت جھوٹی اترن کے مانند ہے وہ پھر بھی اپنی چھوڑی ہوئی شے پر کسی کو قابض نہیں دیکھ سکتے ہیں اب اس کا ایک ہی حل رہ جاتا ہے کہ وہ اس کو سرے سے غائب کردیتے ہیں کبھی کھیتوں کے کنارے کسی عورت کو سانپ ڈس جاتا ہے یا کوئی پانی میں ڈوب مرتی ہے اور نہیں تو پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہر جاتی ہے چودھری صاحب کے ساتھ اور واپس ہی نہیں لوٹ کر آتی۔ اب کس کی جرأت ہے کہ چودھری سے سوال کرے۔

یہ سارے قانون اور سارے اصول وضوابط تو ان کے اپنے گھر کی رکھیل کی مانند ہیں جب چاہا اپنالیا اور اپنی من پسند شوق کو اپنالیا اور جب چاہا قانون کو مذاق بنالیا۔" نہ جانے کب کا غبار تھا جواب کا نکلتا جارہا تھا۔ غصے سے ان کا سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا اور جو حالات اب عذرا بیگم بتارہی تھیں وہ واقعی سخت پریشان کن تھے۔

"اماں ہم کو انکار کا حق حاصل ہے اور میں ہوں ناں آپ فکر کرنا چھوڑ دیں اب ہم کسی کے دست نگر نہیں رہے ہیں میں اب بہت جلد خود کفیل ہوجاؤں گا میرا شہر جاکر تعلیم حاصل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آپ کو بابا جان کو اس ذلت بھری زندگی سے نکال لوں۔" وہ پختہ عزم لیے بولا تھا۔

"بیٹا تمہاری ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر تمہارے بابا نہیں مانیں گے اتنا آسان تھوڑی ہے ساری حیاتی جس جگہ رہے ایک دم وہاں سے چل دینا آسان نہیں ہوتا۔" وہ اپنے تئیں اسے سمجھارہی تھیں مگر وہ دل ہی دل میں مصمم ارادہ باندھ چکا تھا اس لیے فی الوقت تو چپ ہوگیا مگر اگلے دن اس نے سورج نکلتے کے ساتھ ہی کھیتوں کا رخ کیا تھا جب ماں ناشتے سے فراغت کے بعد گھر گرہستی کے کاموں میں لگ گئی تھی اور اس کا بابا کھیتوں میں کام کرنے جاچکا تھا' رانو تعلیم سے فراغت کے بعد گھر میں ہی رہتی تھی۔ یہاں لڑکیوں کی مڈل تک تعلیم کو کافی شمار کیا جاتا تھا' بہت ہوا تو پرائیویٹ ہی میٹرک کے امتحان دے دیئے جاتے تھے۔ مگر اس سے زیادہ نہ تو کوئی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوسکی تھی اور نہ ہی یہاں کے لوگ چودھری حشمت کے ڈر سے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے بچیوں کو پڑھاتے تھے ان کے دلوں میں خوف تھا اور یہ ڈر خود چودھری حشمت اور ان کے کارندوں نے ڈالا تھا۔ جسے کمزور طبقے نے وصولا تھا' یہ شاید دولت کی فراوانی کا رعب تھا جس کے نیچے ماتحت عملہ تھا۔

اس کا رخ اس وقت سیدھا چودھری حشمت صاحب کے ڈیرے کی طرف تھا' وہ اب منہ چھپا کر نہیں جی سکتا تھا' اب ساری رات کے رتجگے کے بعد اس نے آر یا پار جانے کا تہیہ کرلیا تھا۔

اس نے ڈیرے پر چودھری حشمت کو رعونت کے ساتھ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے دیکھا تھا' وہ مونچھوں کو مروڑتا ہوا کسی منشی سے حساب کتاب میں مصروف تھا اور ایک ایک پائی کا حساب لے رہا تھا۔

منشی خوف سے تھر تھر کانپتا ہوا حساب دے رہا تھا۔ یہ وہی منشی تھا جو خود عوام الناس سے حساب لیتے وقت ایک ظالم جابر حکمران بن جاتا تھا اور ان سے سود خوری لیتے اسے رتی برابر شرم نہ آتی تھی۔ زمینوں کی اچھی فصل پر پہلا حق چودھری حشمت کا ہوا کرتا تھا' فصل کی پہلی کٹائی بھی ہر مرتبہ چودھری حشمت کے چیلے کارندے لے جاتے تھے' بطور تحفہ بطور نذرانہ......اور یہ ریت سالوں سے چلی جارہی تھی اس کے اپنے بابا حامد کی اپنی چھوٹی سی اراضی کا خطہ تھا' یہ قطعہ ان کا اپنا تھا اور اسی پر وہ ہل جوت کر فصل اگاتے تھے مگر اپنی زمین پر محنت ومشقت کرنے کے باوجود اس فصل پر پہلا حق تو پھر بھی چودھری حشمت کا ہی تصور کیا جاتا تھا' وہ زمیندار تھا' اور اس سارے قصبے پر اس کی ہی بولی چلتی تھی۔ دور از گاؤں

والے بھی آتے تو اس کو نذرانے کے طور پر تحائف دیتے تھے کیونکہ دوسرے گاؤں کے چودھری کی اراضی اتنی وسیع نہ تھی جتنی چودھری حشمت کی تھی' اور چودھری حشمت نے یہ اراضی یونہی نہ بنالی تھی اپنی بہن کی تاعمر شادی نہ کی تھی کہ کہیں بہنوئی نہ بیچ میں حصے دار بن بیٹھے' اپنے اکلوتے چھوٹے بھائی عظمت کو مروا کر اس کی ساری جائیداد ہتھیالی تھی' یہ ساری کہانی تو زبان زدعام تھی مگر چودھری حشمت کے سامنے یہ کہانی زبان پر لانا تو درکنار ایسے کسی خیال کا ذکر بھی اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

وہ ظالم اور جابر تھا' حکم دیتا تھا اور اس کے حکم کے آگے سب سر جھکا دیتے تھے جان کی امان تو سب کا پہلا خواب پہلی ترجیح' پہلا حق ہوا کرتا تھا اس لیے کوئی بھی کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ نہ ہوتا تھا۔

اگرچہ دل ہی دل میں کئی گھر جو چودھری حشمت کی وجہ سے برباد ہوگئے تھے ان کی مسرتیں آنسو میں بھرتی چلی گئی تھیں' ان کے گھروں میں گونجنے والی شہنائیاں نوحوں میں بدل گئی تھیں' یہ سارے گھرانے دل میں سرگوشیوں میں چودھری حشمت کو بددعائیں دیتے رہتے تھے اور ان کی آہ وبکاہ راتوں کو رب خداوند کے سامنے سربسجود ہوکر جاری وساری رہتی تھی' کتنی ہی مائیں تھیں جو اپنی گود اس چودھری حشمت کی اکڑ اور انا کی بھینٹ چڑھا چکی تھیں۔

"کہاں کی سیر کررہے ہو؟"

چودھری حشمت اس کو دیکھ کر چونک گئے تھے۔ کچھ ایسا ہی تو انداز تھا زریاب کا' سینہ تانے سر اٹھائے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا وہ ان کو سراسر چیلنج کرتا ہوا تھا۔

"سیر پر تو نہیں نکلا آپ کے صاحبزادے نے آپ کے درشن کرنے کو کہا تھا' سوچا واقعی صبح سویرے درشن ہو ہی جائیں۔"

نجانے اس کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ بری طرح تلملا گیا تھا۔ جبکہ لفظوں میں ایسا کوئی تاثر نہ تھا جو قابل اعتراض گردانا جاتا' یا قابل گرفت ہوتا۔

"ہونہہ......" چودھری حشمت نے ایک تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ بھی سر اٹھائے آنکھیں مقابل کی آنکھوں میں گاڑھے کھڑا تھا۔

"جاؤ بھئی منشی کوئی ٹھنڈا شربت لاؤ' جوان آیا ہے۔"

چودھری حشمت نے بہ ظاہر مسکرا کر کہا جبکہ آنکھوں میں تندی اور سرد مہری کا تاثر جھلک رہا تھا اور آنکھیں عجیب درشتی لیے ہوئے تھیں۔

"اس سب تکلفات میں پڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے چودھری صاحب' میں کچھ اور عرض کرنے آیا ہوں۔"

اس نے سنبھل کر بات کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ایک عدد جوان' بہن کا بھائی ہے' بھائیوں کو اپنی بہنوں کے لیے ہر قدم سنبھل کر سوچ کر اٹھانا پڑتا ہے کہ بہنوں کی عصمتیں کہیں قدموں تلے نہ روندی جائیں۔

"میں آج تو خالی ہاتھ آیا ہوں بہت جلد مٹھائی کے ساتھ آؤں گا' میں نے اپنی بہن کا رشتہ اپنے خالہ زاد زاہد سے طے کردیا ہے۔" زریاب نے بیے تلے انداز میں کہا تھا' چودھری حشمت کی بھنویں تن گئی تھیں' یقیناً وہ اپنے بیٹے کی دلچسپی سے واقف تھا' تبھی اس کو زریاب کی یہ جسارت بے حد گراں گزری تھی۔

"ارے کون زاہد' اچھا اچھا راشد کا پتر ہونہہ اچھا بھئی۔"

چودھری حشمت نے پرسوچ انداز میں کہا تھا اور وہ یہ کہہ کر رکا بھی نہیں' لمبے لمبے ڈگ بھرتا واپس پلٹ آیا تھا' اب مزید رکنا یوں بھی عبث تھا' اس کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔

☆......☆☆......☆

زریاب نے یہ بات یونہی نہیں کہہ دی تھی' زاہد اور رانو کی بات کسی حد تک بچپن سے ہی طے تھی' زاہد اور رانو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور یہ پسندیدگی ان کو خاندانی رشتے میں منسلک ہونے کی بدولت ملی تھی' بچپن سے دل کے کورے کاغذ پر سجا زاہد کا نام وہ سنتی چلی آرہی تھی' اور اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ زاہد کے ہی خواب بننے لگی تھی' اسے اپنی خوش قسمتی پہ بھی ناز تھا' دوسری الہڑ مٹیاروں کی طرح اسے رشتے کی تلخیوں اور سختیوں سے گزرنے کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ زاہد اس کا خواب تھا تو وہ بھی زاہد کی زندگی تھی۔ اس کی

منگ تھی۔

زاہد ایک بیوہ ماں کا سہارا تھا' اس کا باپ ایک دن سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہوگیا تھا اس کے بعد اس کی ماں بشیراں ہی اس کا کل اثاثہ تھی۔ بشیراں اپنے بیٹے سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ اس بیٹے کی خاطر اس نے بیوگی کی چادر اوڑھے زیست کے ماہ وسال بتا دیے تھے اور اب ثمر کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ زاہد کے سہرے کے پھول کھلانے کا وقت تھا مگر وہ جانتی تھی کہ زاہد کے باپ کی ترکے میں چھوڑی ہوئی تھوڑی سی اراضی پر ابھی کام ہونا باقی تھا' زاہد ایک محنتی جوان تھا' اس نے بنجر زدہ زمین کو اپنی محنت اور جانفشانی سے سرسبز کر دیا تھا۔ فصل اگنے لگی تھی' حالات بدلنے لگے تھے۔ اب زاہد کو بھی اپنے تشنہ خوابوں کی تعبیر ملنے والی تھی۔ اب ایسی کوئی روک ٹوک بھی نہ تھی۔

ایک دن زریاب نے اپنے سوچے ہوئے فیصلے پر عمل بھی کر ڈالا تھا' سیدھا زاہد کے گھر کا رخ کیا تھا۔

"ارے زاہد دیکھ تو کون آیا ہے؟" دروازہ بشیراں خالہ نے کھولا تھا۔ زریاب نے سر جھکا دیا تھا' اور بشیراں خالہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دی تھیں۔

"جیتا رہ میرا بچہ شہر کی آب وہوا تجھے خوب راس آ گئی ہے پلٹ کر خبر ہی نہیں لیتا ہے ہماری۔"

بشیراں بیگم اسے دیکھ کر آبدیدہ سی ہوگئی تھیں۔ تبھی شکوہ کناں تھیں۔

"نہیں خالہ ایسی کوئی بات نہیں ہے' تعلیم کا بہت زور ہے وقت نہیں ملتا ہے اب چند دن کی چھٹی پر آیا ہوں گھر' تو دیکھ لو سیدھا ادھر کا رخ کیا ہے اور زاہد کیسا ہے اس کا کھیتی باڑی کا کام کیسا چل رہا ہے سب خیریت ہے ناں؟"

وہ ایک ہی سانس میں ساری تفصیل بتانے کے بعد گھر کا جائزہ لینے لگا تھا۔

مٹی کا بنا یہ گھر دو کمروں پر مشتمل تھا' ایک کمرے میں زاہد اور بشیراں سوتے تھے' دوسرے کمرے کو کسی قدر آرائشی سامان سے سجاوٹ کے بعد مہمان خانے کی شکل دے دی گئی تھی۔ کچے آنگن پر مشتمل یہ گھر کل اتنے ہی اثاثہ پر مشتمل تھا۔ یہ بشیراں بیگم کے مرحوم شوہر کا چھوڑا ہوا گھر تھا' جس میں بشیراں بیگم نے کئی ماہ وسال بیوگی کے تنہا ہی کاٹے تھے۔

"تم لوگ باتیں کرو میں لسی بنا کر لاتی ہوں۔" وہ ان دونوں کو بٹھا کر اندر باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

"کیسے ہو زاہد؟"

وہ دیکھ رہا تھا کہ زاہد اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا مگر جیسے کچھ کہنا چاہتا تھا' لیکن کوئی جھجک مانع آ رہی تھی' کہنا تو زریاب کو بھی بہت کچھ تھا' اور اس کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کن لفظوں میں اپنے دل کا مدعا بیان کرے۔ ایک بات تو طے تھی کہ اس نے دل میں مصمم ارادہ باندھ لیا تھا کہ زاہد کو طارق اور چوہدری حشمت کے ارادوں کی بابت بالکل کچھ بھی نہیں بتائے گا' اسے یہ خطرہ لاحق تھا کہ یہ حقیقت جان کر شاید وہ اس رشتے سے انکار کر دے' اور منکر ہو جائے کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بہن ایک خوشگوار من پسند زندگی بسر کرے' حالانکہ یہ محض اس کی خام خیالی تھی' کیونکہ زاہد تو خود رانو کی محبت میں گوڑے گوڑے ڈوبا ہوا تھا' اور رانو سے علیحدگی کا تصور بھی اس کے لیے سوہان روح تھا۔

"میں خود آپ کے پاس آنے والا تھا' مجھے خبر ہوگئی تھی کہ آپ شہر سے آ گئے ہیں' ہوسکتا ہے آپ کو برا لگے مگر اب یہ بات مجھے خالہ سے کہتے شرم آ رہی تھی' میں اب کمانے لگا ہوں' اور دو وقت کی عزت کی روٹی میں رانو کو کھلا سکتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اب گھر بسا لوں' امی بھی میرے جانے کے بعد بہت اکیلی ہو جاتی ہیں' دوسرا اب ان کی آرزو ہے کہ میں بس اپنا گھر بسا لوں اور میں نے تو صرف رانو کو ہی اس معاملے میں ہمیشہ سوچا ہے' اس کے علاوہ تو کسی اور سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ اب آپ اس معاملے میں میری مدد کریں اس بات کو اپنے تک ہی رکھیں آپ کب تک ہیں؟ اگر ہو سکے تو میں سادگی کے ساتھ ہی پندرہ بیس دن میں رخصتی چاہتا ہوں' اب آپ بتائیں؟"

زاہد نے طریقے سے اپنے دل کا فیصلہ اس کی عدالت میں پیش کر دیا زریاب نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا تھا

کہ اسے ازخود زاہد کے سامنے سرنگوں نہیں ہونا پڑا تھا اور زاہد نے ہی ازخود اپنی محبت کا اقرار کرلیا تھا اور اب وہ رانو کا تمنائی بھی تھا' وہ مطمئن سا ہوگیا تھا' اس نے لمبی سانس کھینچی تھی اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''میں خود بھی اس معاملے میں سوچ رہا تھا' اچھا ہے تم نے بھی ذکر چھیڑ دیا' واقعی اس معاملے میں فضول قسم کی تاخیر کا اب کوئی جواز باقی نہیں رہا ہے۔'' وہ زاہد کو دیکھ کر اس کی حوصلہ افزائی کررہا تھا' زاہد سے کافی دیر تک باتیں ہوتی رہی تھیں۔

اور پھر شادی کے منصوبے طے ہوتے رہے اور ساری بات کرکے وہ مطمئن سا گھر لوٹا تھا' شام سے ذرا پہلے ہی اس کی واپسی ہوئی تھی۔ باقی دن وہ نجانے کیوں سارے قصبے میں گھومتا رہا تھا' اس کا دل اچانک ہی بے قرار ہوگیا تھا' ہرنی جیسی آنکھوں والی زونی اچانک ہی اس کے خیالات میں گردش کرنے لگی تھی۔

شام سے قبل ہی وہ گھر لوٹا تو اس کی ماں عذرا بیگم دروازے پر ہی کھڑی اس کی راہ میں نگاہیں بچھائے ہوئے تھی۔

''اتنی دیر کردی دوپہر کو بھی بھوکا رہا ہے کیا' آ جلدی سے منہ ہاتھ دھولے پھر کھانا دوں۔''

عذرا بیگم اس کے بنا کچھ بولے ہی جان گئی تھیں کہ اسے بھوک ستا رہی ہوگی۔

اور پھر واقعی اس نے عذرا بیگم کے سامنے چوکڑی مار کر دسترخوان سجا دیکھ کر سیر ہوکر کھانا کھایا تھا۔

''اماں میں آج خالہ بشیراں کی طرف گیا تھا۔'' کھانے کے دوران اس نے ماں کو بتایا تھا۔

''اچھا کیسے ہیں وہ لوگ...... اب اس گھٹنے کے درد نے تو کسی کام کا نہیں چھوڑا ہے مجھے اب تو گھر سے یوں بھی میں نہیں نکلتی' لڑکی ذات کی ذمہ داری ہے' مجھ پر ایک لمحہ کے لیے اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی ہوں۔'' بات کا رخ دوبارہ رانو کی طرف مڑ گیا تھا۔

''رانو دکھائی نہیں دے رہی کہاں ہے؟'' اس نے رانو کی بابت پوچھا تھا۔

''میں نے ہی کہا دو گھڑی آرام کرلے' صبح سویرے کاموں میں لگ جاتی ہے اور پھر آج اس کے سر میں درد بھی تھا' میں نے ہی دوا دے کر لٹا دیا ہے۔'' وہ وضاحتی لہجے میں گویا ہوئی تھیں۔

''اماں زاہد سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے اور وہ لوگ جلد ہی شادی کرنا چاہتے ہیں زاہد اور رانو کی بات تو طے ہی تھی اب میں نے اسے پکا کردیا ہے۔ اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے تفصیل سے ماں کو بتایا تو لمحہ بھر کے لیے تو عذرا بیگم کے چہرے پر خوشی رقصاں ہوئی تھی۔

''مگر پتر وہ لوگ خفا نہ ہوں' کوئی نقصان نہ پہنچادیں' میر ادل ہولتا رہتا ہے۔'' وہ واقعی دل تھامے بولی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں ہوگا اماں' اور ہاں میں نے چودھری حشمت کے ڈیرے پر جاکر ان کو یہ سندیسہ دے دیا ہے کہ رانو کی شادی جلد ہوگی وہ بھی زاہد سے۔''

اس نے اپنی دانست میں ایک اچھا کام کیا تھا' جس کی توصیف اس نے ماں سے چاہی تھی مگر عذرا بیگم نے تو دو ہتھڑ اپنے سینے پر مارے تھے۔

''ہائے زریاب یہ تو نے کیا کردیا' اب وہ لوگ زاہد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچادیں' ارے بے وقوف' کیا ہم نے بھی یہ بات زبان پر لائی تھی' اور شادی کرنی ہی تھی تو چپ چاپ لڑکی کو ٹور دینا تھا' یہ کھڑاک کرنے کی کیا لوڑ تھی۔''

عذرا بیگم اس وقت غصے سے بولی تھیں۔

''اماں میں نے سوچ سمجھ کر ہی یہ قدم اٹھایا ہے۔ میں ابھی یہیں ہوں رانو کی شادی تک' تو فکر کیوں کرتی ہے۔''

وہ ماں کو تسلی دیتا رہا تھا اور وہ ماں بیٹا اس حقیقت سے قطعی نابلند تھے کہ دوسرے کمرے میں رانو جاگ رہی تھی اور وہ من و عن ساری بات سن چکی ہے' اس کا دل کسی پرندے کی مانند کانپ رہا تھا' وہ دل سے زاہد کی سلامتی کے لیے دعا گو تھی کہ زاہد کو رب اپنی امان میں رکھے۔ محبت کے دیپ تو ادھر بھی جلے تھے اور ادھر زاہد کے من میں بھی جل اٹھے تھے۔

☆......☆☆......☆

سارا گھر آرائشی پھولوں سے جگمگا رہا تھا' مصنوعی پھولوں کے ساتھ حقیقی پھولوں کی مہک بھی تھی۔ جو دل کو مہکا رہی تھی' آج گھر میں خوشیوں کا سماں تھا' عابد صاحب بے حد خوش تھے اور اس خوشی میں فائزہ بیگم بھی برابر کی شریک تھیں۔ آج ان کا دلی ارمان پورا ہونے والا تھا آج امبر کا نکاح تھا۔ امبر کو سرخ آتشی کلر کے جوڑے میں دلہن بنایا گیا تھا اور وہ اپنی ہی سوچوں میں گھری سر جھکائے بیٹھی تھی۔ مہمان آرہے تھے اور مبارکباد دے رہے تھے۔ عابد صاحب اور فائزہ بیگم نے بہت سوں کو نہیں بلایا تھا' صرف لڑکے کی طرف سے مدعو کیے گئے مہمان تھے اور چند قریبی عزیز تھے۔

جب بلال صاحب کی آمد ہوئی اس وقت عابد صاحب نے آگے بڑھ کر پرجوش انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔ والہانہ انداز میں گلے لگایا تھا۔

"ماشاء اللہ زیبا بیٹی آئی ہے۔" عابد صاحب نے زیبا کے سر پر ہاتھ رکھا تھا' سلمٰی اور بلال صاحب کے ساتھ دادی اور زونی بھی تھے۔

"سارہ بھابی نہیں آئیں طلال بھائی۔" عابد صاحب نے اچنبھے سے پوچھا تھا۔

"یار گھر میں کسی کا رہنا ضروری تھا' ہم بھی گاڑی میں آئے ہیں رات تک واپسی کا سفر ہوگا۔" عابد صاحب کی بات پر وہ مسکرا دیئے تھے۔

سلمٰی بیگم کے گھرانے کو دیکھ کر قدرے مطمئن سی ہوگئی تھیں۔ وہ ماں تھیں اور انہیں اپنی بیٹی کی خوشی عزیز تھی۔ اتنا تو بطور ماں سمجھ گئی تھیں کہ ان کی بیٹی کو ریحان پسند ہے اور پھر ریحان نے بھی جاتے کے ساتھ ہی اپنے والدین کے توسط سے رشتے کی بات کی تھی۔ جتنے عرصے یہ لڑکا وہاں رہا تھا سب اس کے اطوار اور چلن کی تعریف کرتے رہتے تھے' سب اب اہل خانہ سے مل کر تو سلمٰی بیگم بالکل ہی مطمئن سی ہوگئی تھیں۔

"ذکیہ بیٹی دکھائی نہیں دے رہی ہے؟" دادی جان نے ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھ' وہ بزرگ تھیں اور ہر معاملے کا جائزہ لے رہی تھیں' تمام معاملات پر ان کی دور رس نگاہ تھی۔

"ہاں جی وہ اپنی ساس کے ساتھ دوسرے شہر گئی ہے مجبوری تھی کوئی بات نہیں اب شادی میں تو ضرور ہی شریک ہوگی۔" آپ تو جانتی ہیں کہ شادی شدہ بیٹیوں کو پہلی ترجیح اپنے سسرال کو دینا چاہیے۔ میں نے یہی تربیت دی ہے اپنی بیٹیوں کو۔" انہوں نے بڑے ہی سبھاؤ سے بات سنبھال لی تھی۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ۔"

دادی مطمئن سی ہوگئی تھیں' گھر بھی کشادہ تھا اور صاف ستھرا تھا اور اگرچہ ان کے عالیشان گھر سے کچھ کم ہی تھا' مگر نئے رشتے استوار کرتے وقت گھر کی کشادگی سے زیادہ خلوص کی چاشنی اور ملنساری میں فراخی کو شمار کیا جاتا ہے' اور اس معاملے میں تو سلمٰی بیگم اور دادی دونوں مطمئن سی تھیں۔

زیبا کملائی شرمائی سی تھی' اسے معلوم تھا کہ سب اس کو ہی دیکھ رہے ہیں' خاص طور پر دلہن بنی امبر بھی کن انکھیوں سے زیبا کو ہی دیکھ رہی تھی۔ پھر جب زیبا اور زونیا اس کے اطراف میں آ کر بیٹھی تھیں اور مبارکباد دی تھی تو امبر نے بے ساختہ گرم جوشی سے زیبا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"آپ تو اپنی تصویر سے بھی زیادہ پیاری ہیں بھابی۔"

لفظ بھابی پر زیبا بری طرح شرماسی گئی تھی۔ اس نے جھینپ کر قدرے فاصلے پر محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک نظر ریحان پر ڈالی تھی۔ ریحان کو کتنے عرصے کے بعد انہوں نے دیکھا تھا اور ریحان اور وہ دونوں اپنی اپنی تشنہ نگاہوں کو سیراب کر رہے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے دل کو قرار مل گیا ہو اور آنکھوں کی راحت کا سامان ہو گیا ہو۔ محبت کی کھلتی ہوئی کونپل دونوں طرف اپنی مہک سے آسودہ کر رہی تھی۔ یہ خوب صورت لمحات جیسے تھم سے گئے تھے۔ بڑوں کی بیٹھک ایک جانب تھی۔

"بھابی میں نے آپ سے ایک گزارش کرنی تھی' زیبا ہماری امانت ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ آج جب امبر کا نکاح ہے تو کیوں نہ ہم منگنی کی بجائے براہ راست زیبا اور ریحان کا بھی نکاح ہی کر دیں۔ دراصل میں منگنی کی رسم

کو بہت بودا تصور کرتا ہوں۔ میرے نزدیک ساری اہمیت نکاح کی ہوا کرتی ہے' دراصل ہم چاہتے ہیں کہ زیبا اور ریحان دونوں کا نکاح آج ہی ہوا۔ ساتھ ہی ہفتے بعد رخصتی بھی۔"

عابد صاحب نے صاف لفظوں میں کہا تھا تو سلمیٰ بیگم نے حیرت سے اپنے مجازی خدا بلال کی جانب دیکھا تھا۔

جبکہ اس ساری صورتحال میں فقط دادی ہی تھیں جو پرسکون مسکراہٹ لیے بیٹھی تھیں۔

"رخصتی اتنی جلدی کیا ہم لڑکی کو خالی ہاتھ ہی رخصت کردیں..... ہمیں مہلت تو دیں' ہم بھی اس کے شایان شان جہیز دے کر رخصت کریں گے۔ یوں اتنا آناً فاناً سب کیسے ممکن ہے۔"

سلمیٰ بیگم نے گھبرا کر کہا تھا۔ بلال صاحب نے بھی اپنی بیگم کی بات پر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"ارے مجھ نمانی کو پھر کیوں بلایا تھا اگر سارے کے سارے فیصلے تم لوگوں نے ہی کر لینے تھے؟" دادی نے خفگی سے کہا تو سب دادی جان کی جانب متوجہ ہوگئے تھے۔ جواب نروٹھے پن سے بیٹھی ہوئی تھیں اور ناراض سی تھیں۔

"ارے اماں' آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر ایسا کیوں کہا آپ نے۔"

بلال نے تابعداری سے کہا تھا اور یہ بھی واقعی ایک سچ تھا کہ بلال اپنی والدہ کی بہت اطاعت کرتے تھے' فرماں برداری میں اپنی مثال آپ تھے۔

وہ بڑی آسودہ ہنسی ہنس دی تھی۔ ایک ایسی ہنسی جس میں بزرگوں کا مان شامل ہوتا ہے۔

"تو بچوں' میری بات سنو' ہرج ہی کیا ہے نکاح کرنے میں' اور رہی بات رخصتی کی تو یہ بھی بالکل اچھا ہوگیا' سنو نکاح کے بعد تو یوں بھی لڑکی والدین پر بھاری ہوجایا کرتی ہے خدانخواستہ لقمے کی صورت نہیں کہ رزق تنگ ہورہا ہے بلکہ وہ ایک پرائی امانت ہوتی ہے جسے جلد از جلد رخصت کردینا چاہیے۔ اور مجھے عابد بیٹے کی سوچ بہت ہی پسند آئی ہے' اب منگنی کرو گے' سال بعد نکاح اور پھر کہیں شادی کی بات ہوگی' اس سے بہتر نہیں کہ اب صاف سیدھا نکاح ہو اور رخصتی بھی ساتھ ہی ہوجائے' جہاں تک لڑکی کو دینے دلانے کی بات ہے تو سلمیٰ تم بھی حد کرتی ہو' نجانے کیا کچھ الم غلم جوڑے بیٹھی ہو' پہلے رشتے کی طلب تھی' اب رشتہ جڑ رہا ہے تو پھر ناشکری کررہی ہو' ان چیزوں کا کیا ہے ساری عمر انسان اپنی بچیوں کو دیتا دلاتا ہی رہتا ہے۔ سو اب میری مانو بسمہ اللہ کرو۔"

دادی نے خوشی سے کہا تو سب کے دل واقعی مطمئن ہوگئے تھے۔ فائزہ بیگم نے آگے بڑھ کر سلمیٰ کو اپنے گلے سے لگالیا تھا۔ اب یہ رشتہ مضبوط ہونے جارہا تھا۔ اس رشتے میں محبت کے رنگ گھل رہے تھے۔ باہر بیٹھی زیبا کو آکر زونی نے یہ نوید دی تھی تو وہ تو شرم سے دوہری ہوئی جارہی تھی۔

پہلی مرتبہ اپنی سسرال آنا اور آتے ساتھ ہی نکاح کے بندھن میں بندھ جانے کی نوید اسے اتنی ساری خوشیاں آج کے آج ہی مل گئی تھیں۔

اور ریحان آج کسی قدر بدلے ہوئے انداز میں تھا' وہ جھجک اب نہ رہی تھی' پورے حق سے اس کے حسن پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ پھر دلہن بنی امبر نے زویا کے ساتھ زیبا کو کمرے میں لے جا کر سنوارنا شروع کردیا تھا اور گھر میں مزید چہل پہل اور جوش وخروش در آیا تھا۔ دو دو خوشیاں اب گھر کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھیں۔

پہلے امبر کے سسرال والوں کے آنے کے بعد نکاح ہوا..... مبارک سلامت کی صدا گونج اٹھی تھی۔ سب خوش تھے اس کے بعد ہی ریحان اور زیبا کا نکاح ہوا تھا۔ زیبا کا دل اتھل پتھل کررہا تھا۔ یک بارگی دل بھر آیا تھا۔ خوشی بھی تھی تو اپنوں سے اتنی جلدی بچھڑ جانے کا غم بھی تھا۔

(جاری ہے)

خواب و خیال تیرے

سمیہ عثمان

اس کا نام دلشاد تھا۔ جب کہ اس کو دیکھ کر کبھی میرا دل شاد نہیں ہوا بلکہ حلق تک کڑوا ہو کر رہ جاتا تھا۔ صورت تو اللہ نے اچھی ہی بنائی تھی مگر جو کمزوری سے گال پچکے تھے وہ ہونٹوں کو مچھلی کے ہونٹوں سے مشابہت دے گئے تھے۔ رنگ بھی صاف تھا مگر حسد و جلن سے کافی نما لگتا وہ بھی سیاہ۔ باقی آنکھیں اور ناک ٹھیک ہی تھا یعنی جگہ پر۔ ان سے مجھے بھی اعتراض نہیں ہوا البتہ صحت ایسی کہ اگر بانس کے ساتھ کھڑی ہو تو دوسری طرف سے نظر ہی نہ آئے اور ساتھ نزاکت بھی ختم تھی ان پر۔ دوسرے معنوں میں گھر کے کسی بھی کام کو ہاتھ لگاتے انہیں چکر آ جاتا یا پھر طبیعت پر گراں گزرتا۔ گو کہ ہر لحاظ سے اکلوتی تھی میری پھوپو کی بیٹی اور میرے گھر دو بیاہی بہنیں شائستہ آپا اور رابعہ باجی اور پھر میں دلبر۔ نام کی طرح شخصیت بھی دیکھنے پر سچ میں دل دھڑکتا۔ انگلش میں ماسٹرز کیا اور پرسنیلٹی بھی ایسی ہی اونچا لمبا قد چوڑی چھاتی کھڑا ناک نقشہ اور گھنے سیاہ بال میری وجاہت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ میں خود نہیں کہہ رہا سب کہتے ہیں۔ اب تو میری نوکری بھی لگے دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے اور ایسے میں میرے گھر والے میری شادی کے شادیانے بجانے کو بے تاب ہیں اور جولڑکی نظر میں ٹھہری وہ دلشاد۔

"آخر برائی کیا ہے دلشاد میں؟" بڑی آپا صبح سے اپنے بچوں کے ساتھ آئی ہوئی تھیں اور وہ ہی موضوع جو میری نوکری کے ساتھ ہی شروع ہوا تھا۔ اسی پر بحث جاری تھی۔

"آپ دلشاد کے علاوہ کوئی اور کیوں نہیں دیکھتیں۔"

"اور کہاں دیکھیں؟" انہوں نے اپنے چھ ماہ کے بیٹے کو میری گود میں دیتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے سسرال میں رابعہ باجی کے سسرال میں۔" میں ان کے روتے ہوئے بچے کو چپ کروانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" امی سالن میں چمچ چلاتی ہوئی میری طرف مڑیں۔

"کل کو خدانخواستہ کوئی بات ہو گی تو پہلے بہن پر بات آئے گی۔"

"ان پر کیوں بات آئے گی اور بات ہو گی بھی کیوں۔"

"یعنی تمہیں لڑکی سجاوٹ کے لیے چاہیے۔" آپا منے کو فیڈر دیتے ہوئے مجھے دیکھنے لگیں۔ "بات سے بات جو نکلے گی تو دور تک جائے گی۔"

ایسی بات نہیں ہو گی جو دور تک جائے۔" میں نے منے کو کاٹ میں لٹا دیا اور ساتھ ساتھ کاٹ ہلانے لگا جب کہ اب میں اس موضوع سے بھی بے زار ہو گیا تھا۔

"اس کا مطلب ہے تم نے ہمارے سسرال میں کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے۔"

"کاش۔ ایسی نظر ہوتی میری تو آج دلشاد نامہ آپ لوگ نہ پڑھ رہے ہوتے۔" دلشاد کا نام آتے ہی بات کا رخ ایک بار پھر اس کی ذات کی طرف مڑ گیا۔

"تو پھر تمہیں دلشاد سے مسئلہ کیا ہے۔" امی نے کڑے تیوروں سے مجھے دیکھا تو میں ایک لمحے کو گڑبڑا گیا اور بغلیں جھانکنے لگا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔

"وہ سراپا مسئلہ ہے۔ کوئی چیز اس میں ایسی ہے جو اٹریکٹ کرتی ہو۔ رہی سہی کسر اس نے دانتوں پر تار لگا کر پوری کر لی جب کہ اسے شاک کی ضرورت ہے۔" میں نے تلملا کر کاٹ کو قدرے تیز ہلا دیا جس سے ننھا دانیال خوفزدہ ہو کر اونچے سروں میں رونے لگا تھا۔

"ارے......ارے دھیان سے۔ بچہ پر کیوں غصہ نکال رہے ہو۔" آپا نے اسے گود میں اٹھا لیا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" امی کہتی ہوئیں تسلے میں آٹا نکالنے لگیں جب کہ میں میز پر رکھی پانی کی بوتل سے چند گھونٹ بھر کر گھر سے ہی نکل گیا تھا۔

اتوار کی شام تھی۔ رابعہ باجی بھی اپنے میاں کے ساتھ

نمودار ہوگئیں جب کہ میں جودن بھر گھر سے غصہ میں نکلا تھا ان کی آمد سے چند گھنٹے پہلے ہی گھر آیا تھا اور آپا کے بڑے بچوں احسن عمر کے ساتھ چھت پر کرکٹ کھیل رہا تھا کہ امی نے سیڑھیوں سے ہی آوازیں دینا شروع کردیں۔ کرکٹ میرا پسندیدہ کھیل اور کافی عرصے بعد بچوں کے ساتھ کھیلنے کو ملا تو مزہ بھی آرہا تھا۔ امی کی پکار پر میرے ساتھ وہ دونوں بھی بدمزہ ہوگئے اور کھیل چھوڑ کر میرے پیچھے ہی نیچے چلے آئے۔ رابعہ باجی اور ان کی بیٹی صالحہ کو دیکھ کر وہ دونوں ہی خوش ہوگئے جب کہ میں بہن و بہنوئی کو دیکھ کر کوفت کا شکار ہوگیا لیکن اوپری دل سے مسکرا کر ملنا پڑا۔

گو کہ رابعہ باجی کے شوہر کمال صرف نام کے ہی نہیں حرکات میں بھی کمال تھے۔ جب ہی رابعہ باجی بھی صرف کمال کی ہی باتیں کیا کرتی تھی۔ ابھی بھی ابوجی کے ساتھ بیٹھیں سسرال سے میکے تک آنے کا سفر بیان کررہی تھیں جب کہ دو اسٹاپ سے زیادہ ان کے سسرال کا سفر نہیں تھا لیکن وہ ابوجی کو گھر سے نکلنے سے لے کر پیٹرول پمپ تک کا احوال گوش گزار ضرور کرتیں۔

"ہاں تو ابوجی میں یہ کہہ رہی تھی..... تم نے دلشاد کے بارے میں کیا سوچا؟" وہ ابوجی سے کوئی اہم بات کررہی تھیں کہ اچانک مجھ پر نظر پڑتے ہی دلشاد نامہ کھل گیا اور میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا کیونکہ ابوجی کے سامنے انکار کی ہمت نہیں تھی۔ امی نے آنکھوں کے اشارے سے خاموش رہنے کا کہا اور موضوع کمال کی طرف کرتیں مجھے سموسے اور جلیبی لانے کے لیے بھیج دیا۔ یہ مائیں بھی بھی کبھی مشکل سے نکالنے میں کمال تو کبھی مشکل میں ڈالنے میں بھی حد سے زیادہ کمال کردیتی ہیں۔ میں منہ بناتا مجبوراً اٹھ کر گھر سے نکل گیا۔

جب سموسے اور جلیبیاں لے کر گھر میں داخل ہوا تو تمام افراد پکوڑے اور چائے نوش فرمارہے تھے۔ میں اپنی جگہ ٹھٹک گیا۔ جب ابوجی کے پہلو میں بیٹھی دلشاد پر نظر گئی تو تمام معاملہ سمجھ آیا۔ یعنی پھوپو نے پکوڑے بنا کر بھیجے اور آپا نے چائے تیار کرنے میں منٹ نہیں لگایا ہوگا۔

"ارے آؤ میاں۔ تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" کمال صاحب منہ میں پکوڑا رکھتے ہوئے پرتپاک لہجے میں بولے اور اس سے پہلے کہ میں وہاں پہنچتا دلشاد اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"میں چلوں گی ماموں۔ امی نے چٹنی بنائی ہوگی پودینے اور مرچوں کی۔"

"ہاں دلبر کو بہت پسند ہے چٹنی۔" ابوجی فوراً بولے۔ پھوپو اور ہمارا گھر ایک ہی محلے میں ہونے کی وجہ سے دلشاد اکثر و بیشتر یہیں نظر آتی تھی اور رابعہ باجی کی شادی سے پہلے تو وہ اسی گھر میں ہی صبح سے شام تک پائی جاتی تھی۔ صرف سونے کے لیے اپنے گھر کا رخ کرتی۔ ابھی بھی اسے اپنے آنے کی اطلاع رابعہ باجی نے بذریعہ موبائل ایس ایم ایس دی ہوگی جب ہی تو وہ پلیٹ بھر کر پکوڑے لے کر آئی تھی۔

"دلبر دل کے پیارے....." ہمیشہ کی طرح میرے پاس سے گزرتی ہوئی وہ ہلکے سروں میں گنگنائی تھی۔ لحوں میں میرے تلووں میں لگی سر پر بجھی تھی۔

"چھچھوری۔" میں نے خود کلامی کی لیکن دوسری بات میں نے قدرے اونچی آواز میں کہی۔ "گلا دبا دوں گا میں۔"

"کس کا؟" ابوجی کو اچنبھا ہوا۔

"تنا مکیشکر کا۔" اس نے ناک پر سے مکھی اڑانے والے انداز میں برجستگی سے کہا۔

"ہاہاہا.....اس کو کہتے ہیں اوندھی کھوپڑی کا۔" قہقہے کے دوران کمال صاحب کی بات پر ابوجی بھی مسکرائے تھے۔ جب کہ میں بہنوں کی ہنسی اور آنکھوں میں ناچتی شرارت وسوال کو نظر انداز کرتا ہوا دو دو اسٹیپ پھلانگتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں بند ہوگیا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

دوسرے دن کی صبح حسب معمول تھی۔ وہی روٹین کے کام۔ ناشتہ کرنا ساتھ اخبار کی سرخیوں کو سرسری دیکھنا اس کے بعد آفس کی راہ لیتا۔ لیکن آفس میں ایک

نئی بات تھی اور وہ یہ کہ باس نے نئی سیکریٹری اپائنٹ کی تھی۔ جس کا آج آفس میں پہلا دن تھا۔ اسے دیکھتے ہی میری آنکھیں اور منہ کھلا رہ گیا تھا۔

"صرف تمہارا ہی نہیں اس نازلی کو دیکھ کر تمام آفس اسٹاف کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔" میرے آفس کولیگ شجاعت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو میں بری طرح چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"محترمہ کا نام نازلی ہے لیکن فی الحال صرف باس سے بات کرنے پر اکتفا کرتی ہیں۔ باقی کسی کی طرف دیکھنا بھی ان پر حرام ہے۔ تم آج تھوڑا لیٹ ہوگئے ہو ورنہ تماشا تم بھی دیکھتے۔" وہ ساری معلومات مجھے دے کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھا تھا اور میری سیٹ چونکہ اس نازلی کے ساتھ تھی۔ اس لیے میں تقریباً اسے نظر انداز کرتا ہوا اپنی سیٹ پر جا بیٹھا جب کہ دل کئی بار اس سے ہم کلام ہونے کو مچلا تھا۔

کتنے ہی کولیگ نے اپنے کیبن سے سر نکال کر کئی بار مجھے دیکھا تھا۔ شاید انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں نے اس نازلی سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی جس سے سب ربط بڑھانے کی ناکام کوشش کر چکے تھے۔ اس کے پاس سے آتی پرفیوم کی خوشبو مجھے بار بار اسے کن اکھیوں سے دیکھنے پر مجبور ضرور کر رہی تھی۔ وہ خوب صورتی میں شاید اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی اور اس بات کا اسے اندازہ تھا جب ہی وہ صرف اپنے کام میں مصروف تھی۔

شام میں آفس سے نکلتے وقت بھی کتنے لوگوں نے اسے لفٹ دینے کی آفر کی تھی مگر وہ معذرت کرنے کے بجائے ان سنی کرتی ہر ایک کی آفر کو اپنی سینڈل کی نذر کرتی ہوئی آگے بڑھتی گئی تھی اور وہ اپنی تمام تر خوب صورتی وخاصیت کے ساتھ اول روز ہی میرے دل میں آ سمائی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں صدیوں سے اسے جانتا ہوں۔ وہ یہیں تھی میرے آس پاس اس روز میں گھر اکیلا نہیں آیا بلکہ وہ بھی میرے حواسوں پر سوار ہو کر میرے گھر میں داخل ہوگئی تھی۔ مجھے پہلی نظر کی محبت نے اندھا کر دیا تھا۔ اس لیے وہ رات میں نے جاگ کر ذہن میں اس کا خاکہ تراشتے اس سے باتیں کرتے گزاری تھی۔

"نہ ہوئی ہم سے شب بسر نہ ہوئی۔" دوسرے دن آفس میں شجاعت نے مجھے دیکھتے ہی غزل کا پہلا مصرعہ پڑھا تو میں نظریں چرا گیا اور وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مسکراتا ہوا بولا۔

"پہلی نظر کی محبت چیز ہی ایسی ہے یا تو جینے نہیں دیتی یا پھر جینے کا ڈھب سکھا دیتی ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"رات اگر سو جاتے تو سمجھ آ جاتا۔" وہ معنی خیزی سے کہتا ہوا اپنی سیٹ پر جا بیٹھا اور میں ایک نظر نازلی کو دیکھ کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔

قسمت اگر مہربان ہو تو کیا کچھ نہیں ہوتا اور دعائیں بھی تو رنگ لاتی ہیں۔ رات تنہائی میں مانگی دعا کچھ یوں پوری ہوئی کہ اس روز لائٹ اچانک چلی گئی اور جب واپس آئی تو محترمہ نازلی صاحبہ کا کمپیوٹر آن نا ہوا۔ تب برابر سیٹ ہونے کی وجہ سے اس نے میری ہی مدد طلب کی۔

میں نے ایک نظر کمپیوٹر کو دیکھنے کے بعد اندازہ لگالیا کہ اس کی ونڈو اڑ گئی ہے۔ دوبارہ انسٹال کرنا پڑے گی۔ تب میں اپنا کام چھوڑ کر اس کا کمپیوٹر ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگیا۔ کچھ لوگوں نے مجھے شک اور کچھ نے حسد کی نظر سے دیکھا تھا۔

"آپ کی ڈیسک ٹاپ پر تو کوئی فائل نہیں تھی؟" میں نے انسٹالیشن کے درمیان پوچھا۔

"کچھ فائل موجود تھیں۔"

"وہ سب تو ضائع ہوگئیں آپ کو نئے سرے سے کام کرنا ہوگا۔"

"کوشش" اس نے ہلکے سے کہا۔ میں ایک نظر اسے دیکھ کر مسکرادیا۔ یہ اس روز کی ہماری پہلی گفتگو تھی جو کام کے حوالے سے رہی۔ ناں میں نے حدود پھلانگنے کی کوشش کی اور نہ وہ زیادہ فری ہوئی۔ اس کی باتوں اور انداز سے میں نے یہ تو اندازہ لگالیا تھا کہ وہ خود پسندی اور تکبر میں گھری ہوئی لڑکی نہیں ہے بلکہ وہ ہر قدم بہت محتاط انداز سے اٹھاتی ہے۔

اس واقعہ کے بعد ہم دونوں میں دعا سلام ہونے لگی۔ اور میرے لیے یہ بھی بہت تھا کیونکہ میں کوئی جلد باز اور دل پھینک قسم کا شخص نہیں تھا۔ توازن کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

ادھر میری نازلی کے ساتھ تھوڑی بات چیت شروع ہوئی ادھر گھر میں دلشاد سے میری باقاعدہ منگنی کرنے کا پرچم سر بلند ہوا۔ مائیں صرف بیٹیوں کے ہی نہیں بیٹوں کے بھی رنگ ڈھنگ دیکھ کر اندر کا حال جان لیتی ہیں۔ امی کتنے دن سے میری غائب دماغی کے ساتھ آفس جلدی جانے کے معاملات بھی بغور دیکھ رہی تھیں۔ جب ہی ابو جی تک یہ باتیں پہنچ گئیں اور اس معاملے کو بذات خود انہوں نے میرے سامنے رکھا تو میں جز بز ہوگیا۔

''نظروں کے سامنے رہی ہے دلشاد اور پھر خاندان کی لڑکی ہے تمہاری پھوپو کی اکلوتی بیٹی۔ مجھے تو وہ ہر لحاظ سے تمہارے لیے پرفیکٹ لگتی ہے۔ بچپن میں تمہاری پھوپو سے میری بات ہوئی تھی اس رشتے کے حوالے سے۔''

''آپ کے بچپن میں؟'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ خفگی سے مجھے دیکھنے لگے۔

''نامعقول تمہارے بچپن میں۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم تم دونوں کی رائے معلوم کر کے رشتہ باقاعدہ طے کر دیں۔'' ابو جی نے اپنی بات کا سلسلہ مجھے ڈانٹنے کے بعد وہیں سے جاری رکھا۔

''باپ ہوں تمہارا۔ بچپن سے تمہاری ہر ضد خواہش پوری کی۔ اس لیے اس فیصلے کا اختیار میں اگر چاہوں تو اپنے پاس رکھوں اور تمہاری رضامندی جانے بغیر دلشاد کو بہو بنا کر لے آؤں مگر شرعی طور پر میں نے تمہاری رائے معلوم کرنے کو اہمیت دی۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے مجھے جواب طلب نظروں سے دیکھنے لگے اور میں تو اول روز سے ہی انکاری تھا۔ لیکن ابو جی کے غصہ اور ادب کا لحاظ کرتے ہوئے سر جھکائے بیٹھا تھا اور ہمارے درمیان خاموشی طول پکڑنے لگی۔ اس خاموشی میں میں اپنے اندر ہمت پیدا کرنے کے ساتھ وہ وجہ بھی تلاش کرنے لگا جس کی بناء پر دلشاد کے پروپوزل کو مسترد کر سکوں۔ اس سے پہلے کہ میرے ہاتھ کوئی پہلو آتا ابو جی کی کرخت آواز میری سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''برخوردار تمہاری خاموشی کو کیا میں رضامندی میں شمار کروں۔''

''نہیں۔'' چونکنے کے ساتھ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ساتھ ہی ابو جی کے چہرے پر نظر بھی ٹھہر گئی تھی۔ جہاں خفگی کے نشان واضح تھے اور میرے لیے گھر بدر کا حکم ان کی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔

''کیا نہیں؟''

''میرا مطلب ہے مجھے سوچنے کا وقت دیں پوری زندگی کا معاملہ ہے۔''

''بچپن سے تم دونوں ساتھ ہو ایک ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا ہے اب کیا سوچنا ہے۔'' وہ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر مجھے دیکھ رہے تھے اور میرے پاس اب کوئی عذر نہیں بچا تھا۔ جو پیش کرتا لیکن دلشاد سے شادی پر دل سکڑتا جا رہا تھا اور ذہن تاویلیں پیش کرنے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔

''اس وقت پھوپا زندہ تھے اب وہ یتیم ہے اور اگر شادی کے بعد مجھ سے کوئی گستاخی ہوگئی تو گناہ گار ٹھہروں گا۔''

''اول تو شادی کے بعد وہ تمہاری بیوی ہوگی۔ ایک طرح سے یتیمی کا پورشن فل ہو جائے گا اور اگر پھر بھی گستاخی ہوئی تو میں جو بیٹھا ہوں۔'' انہوں نے میں پر زور دیتے ہوئے کہا تو میں گڑبڑا گیا۔ دماغ میں کوئی اور سوچ آ کر نہیں دے رہی تھی اور دل دھڑکنا بھول کر معصوم بچے کی طرح چیخ و پکار سے رونا شروع ہوگیا تھا۔ تمام مہرے دلشاد کے حق میں اور میں اپنی طرف سے کھیلی بازی ہار بیٹھا تھا۔

''میں دو دن بعد سوچ کر امی کو جواب دوں گا۔'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا اور میں نے کمرے سے باہر بھاگنے میں عافیت جانی تھی۔

❁......❁......❁......❁

میری تربیت میں ہی یہ چیز شامل نہیں تھی کہ میں ابوجی کے سامنے زبان کھولوں یا ان کی کھلم کھلا مخالفت پر اتر آؤں یا دبے لفظوں میں ہی سہی دلشاد سے نفرت کا اظہار کرتے نازلی سے محبت کا اعتراف میں ابوجی یا امی کے سامنے ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔ گو کہ میں گھر میں سب سے چھوٹا اور لاڈلا بھی تھا لیکن اس کے باوجود ابوجی کا رعب ودبدبہ بھی برقرار تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی ان کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے دو دن کا وقت تو کسی ناں کسی طرح لے لیا تھا لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ پہلے نازلی سے بھی تو اس کے دل کا حال جانتا اور ساتھ یہ بھی کہ وہ کہیں ان گیجڈ تو نہیں ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ہمارے درمیان اتنی بے تکلفی تو پیدا ہو ہی چکی تھی۔

''تمہاری نظر میں میں کیسا ہوں؟'' میں نے آفس لنچ ٹائم میں اس سے پوچھا تو وہ بے ساختگی سے بولی۔

''انتہائی فضول......'' وہ اپنی ہی بات پر گڑبڑا کر ہنسنے لگی۔

''میرا مطلب تھا کہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''کیونکہ میں تمہیں پرپوز کرنے لگا ہوں۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' میں نے لمحوں کی تاخیر کے بغیر پوچھا تو وہ حیران ہوکر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں کتنے ہی سوال جگمگا رہے تھے اور میں ہر سوال کا جواب لیے اعتماد سے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''دیکھو دلبر۔ میری فیملی میں بابا اور بھائی کے علاوہ کوئی نہیں گو کہ دونوں ہی اپنی زندگی میں بے حد مصروف ہیں۔ بابا نے مما کی ڈیتھ کے چند ماہ بعد ہی دوسری شادی کرلی اور بھائی نے اپنی ایجوکیشن مکمل کرنے کے بعد بابا سے بزنس میں اپنا حصہ مانگا جو انہوں نے بخوشی دے دیا۔ اس کے بعد بھائی بزنس میں مصروف ہوگئے اور چند دن پہلے ہی انہوں نے مجھے فون پر اپنی شادی کی اطلاع دی۔'' وہ معصومیت سے مجھے اپنے حالات بتا رہی تھی اور میرے دل میں اس کے لیے محبت کے ساتھ نرم گوشہ بھی پیدا ہوگیا تھا۔

''اگر میں چاہوں تو ان سے پوچھے بغیر ہی اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ بھی کرسکتی ہوں یہ سوچ کر کہ اگر انہیں میری پروا نہیں تو میں کیوں کروں۔ لیکن میں خود غرض نہیں ہوں۔ اس لیے میں اپنے بابا اور بھائی سے بات کرکے تمہیں کوئی جواب دوں گی۔''

''کب؟'' میں نے بے صبری سے اس کے خاموش ہوتے ہی پوچھا تو وہ ذرا سا مسکرادی۔

''کچھ وقت تو لگے گا۔'' اس نے بے نیازی دکھائی اور میرے صبر کا پیمانہ لبریز تھا۔ بس نہیں چل رہا تھا کہ اس سے ابھی قبولیت کی سند پر دستخط کروا کر اپنے نام کرلوں۔

''کتنا وقت؟''

''ایک دو دن ایک مہینہ ایک سال۔''

''ایک دو دن تک بات ٹھیک ہے۔ اس سے زیادہ صبر مت آزماؤ۔'' میں نے محبت سے چور لہجے کو عاجزی میں سمویا تھا۔

''کوشش کروں گی۔'' اس نے مجھ پر احسان کرتے ہوئے کہا اور پھر ہم اپنے اپنے کام میں مصروف ہوگئے تھے۔

شام کو میں جب گھر میں داخل ہوا تو آپا کے بچوں کو صحن میں کھیلتا دیکھ کر میں جہاں ٹھٹکا وہاں حیران بھی ہوا۔ کیونکہ آپا عام دنوں میں آنے کے بجائے ہفتہ کی رات یا اتوار کی صبح سے آنا پسند کرتی تھیں اور ابھی تو بچوں کے اسکول بھی کھلے ہوئے تھے پھر ان کا اس وقت آنا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

''سمرنا تو کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں۔'' اس نے کھیل میں مصروف رہ کر جواب دیا۔ میں نے مزید کوئی سوال کرنے سے بہتر اندر امی کے کمرے میں جانا مناسب سمجھا ابھی برآمدہ عبور کیا ہی تھا کہ ابوجی کی موجودگی کے احساس کے ساتھ پھوپو اور دلشاد کے بھی گھر میں موجود ہونے کے آثار نظر آئے۔ میرے اندر کھدبدری ہونے لگی۔ میں نے ہزار خدشات میں گھر آ کر امی کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ اندر سے لاک تھا اب خدشات کو راستے ملنے لگے۔

"یعنی پھوپو امی سے واضح بات کرنے آئیں ہیں۔"
میں نے طنز سے مسکرا کر سوچا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے آپا سے بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ ذہن میں ترتیب دینے لگا۔

اوائل دسمبر کی شامیں خنکی لیے ہوئے تھیں۔ کمرے کی کھڑکی سے آتی قدرے ٹھنڈی ہوا نے میری تھکاوٹ کو دوچند کرتے ہوئے جھپکی دینی شروع کی تو آنکھیں بوجھل ہونے کے ساتھ بند ہونے لگی اور چند لمحوں میں ہی میں نازلی کا ہاتھ تھام کر خوابوں کی سیر کو نکل گیا تھا۔ لیکن ابھی گہری نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لیا ہی تھا کہ کھلکھلانے کی آواز کے ساتھ چوڑیوں کی کھنک پر میری آنکھ کھل گئی اور میں چونک کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"کون؟" میرے پوچھنے پر پھر سے ہنسی کی جلترنگ سنائی دی۔ ساتھ ہی دھانی آنچل ہوا سے لہرایا تھا اور اس سے پہلے کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس تک پہنچتا وہ بھاگ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

"نازلی۔" میرے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی۔

میں چونکہ خواب کی کیفیت میں تھا۔ اس لیے کوئی اور نام سوچا ہی نہیں جب کہ پھوپو اور دلشاد کی موجودگی بھی میرے ذہن سے محو ہوگئی تھی۔ میں اٹھ کر واش روم میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ ذہن مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ نازلی میرے گھر میں کیا کررہی ہے اب جا کر اسے دیکھنا تھا اور گھر والوں کو بھی اپنی پسند سے متعارف کروانا تھا۔ اس لیے جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کرتے میں آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ احاطہ کیے ہوئے تھی۔ میں برش رکھ کر جیسے ہی پلٹا آپا دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر چلی آئیں اور چائے کا کپ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"تم کہیں جارہے ہو؟"

"نہیں بلکہ میں نیچے ہی آرہا تھا آپ لوگوں کے پاس۔"

"ہوں۔" آپا کا لہجہ سپاٹ جب کہ نظریں مجھ پر ہی جمی تھیں۔

"بیٹھو تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

اس موقع کی تلاش میں میں بھی تھا۔ لیکن ابھی دل جو نازلی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اسے جب تک اس کی جھلک نظر نہ آتی دو چار باتیں نہ کرلیتا قرار نہ آتا۔ گوکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو آفس سے رخصت ہوتے وقت الوداعی کلمات کہے تھے لیکن یہی تو محبت ہے۔ میں بے قرار دل لیے تکلف سے بیڈ کی ایک سائیڈ پر بیٹھ گیا۔

"گھر میں کوئی آیا ہے کیا؟"

"پھوپو آئیں تھیں۔"

"ان کے علاوہ؟"

"دلشاد۔" جس طرح سوال فوراً ہوا اسی طرح جواب بھی فوراً ہی آیا لیکن مجھے سلگا گیا اور میں جز بز ہوتا پہلو بدل گیا۔

"آپا بات مجھے بھی آپ سے کرنی ہے اور میری زندگی کے متعلق ہی ہے۔"

"تو پھر پہلے تم کہو۔" وہ اسٹڈی ٹیبل کی کرسی میرے سامنے رکھ کر بیٹھ گئیں اور میں موقع سے فائدہ اٹھاتا ہوا دوسروں کے احساسات کو اپنے لفظوں کی مٹی میں دبلتا ہوا ان کو اپنی محبت کے قصے سنانے لگا۔

"نازلی سے مجھے پہلی نظر میں محبت ہوگئی۔ وہ خوب صورت و سمجھ دار ہے۔ ہم ایک ساتھ ہی آفس میں کام کرتے ہیں اور اب شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم کوئی ٹین ایج تو ہو نہیں جو میں تمہیں سمجھاؤں اور جب کہ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہیں سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تو بھی میں صرف ایک ہی بات کہوں گی کہ یہ جو لڑکیاں شوقیہ نوکری کرتی ہیں۔ وہ شوقیہ رشتے بھی بناتی ہیں۔ ان کی نظر میں انسان و پیسہ برابر ہوتے ہیں۔ آج تم ہو کل کوئی اور ہوگا چاہے کوئی عام سی شکل وصورت کا بندہ ہی کیوں نہ ہو۔ انہیں صرف شوق پورا کرنا ہوتا ہے دوستی بنانا ہوتی ہے۔ گھر نہیں بسانا چاہتی۔"

"نازلی ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے۔"

"جو لڑکی چند دن میں تمہارے حواس پر سوار ہوگئی اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ بہتر تم جانتے ہوگے۔ رہی تمہاری خواہش و محبت کی بات تو میں امی' ابو تک پہنچادوں گی۔" وہ کہہ کر کمرے سے چلی گئیں اور میں نازلی کے بارے میں سوچنے لگا۔ نجانے اس نے اپنے بھائی وبابا سے بات کی ہوگی یا وہ کسی مناسب وقت کی تلاش میں ہوگی۔ میں خود غرض بنا اپنی خوشی کے حوالے سے اپنی سوچ کی بساط بچھائے ہر مہرے کو اپنی خواہش کے مطابق رکھنے لگا۔ میں نے آپا کی باتوں کو فراموش کردیا۔ میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت وحقیقت ہی نہیں تھی۔ اس لیے میں بستر پر نیم دراز مستقبل کی پلاننگ کرنے لگا تھا۔

❁......❁......❁......❁

کافی سارے دن یونہی بے مقصد گزر گئے۔ میں آپا سے اپنی محبت ونازلی سے شادی کی خواہش ظاہر کرکے بے فکر ہوکر نازلی کے ساتھ گھومنے لگا تھا۔ یہ تقریباً ہمارا روز کا معمول بن گیا تھا کہ آفس ٹائم کے بعد ہم کہیں کا بھی رخ کرلیتے اور پھر دنیا سے بے نیاز ہوکر محبت کے لمحوں کو قید کرتے آنے والے وقت کے خواب سجاتے تھے۔

"ہم روایتی میاں بیوی کی طرح جھگڑا نہیں کریں گے بلکہ ایک دوسرے کی بات کو سمجھ کر اس مسئلے کا حل نکالیں گے۔" ساحل سمندر کی ٹھنڈی ریت پر چہل قدمی کرتے ہوئے میں نے نازلی کا ہاتھ تھام کر کہا تو وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرادی۔

"میاں بیوی کے جھگڑے محبت کی علامت ہیں۔ جن کے درمیان یہ جھگڑے نہیں ہوتے ان کی زندگی ایک سمجھوتے کے درمیان گزر رہی ہوتی ہے۔ اب خود سوچو کہ جہاں چار برتن ہوں وہاں آواز نہ ہو اس کا مطلب وہ برتن استعمال نہیں ہوتے۔"

"اچھا ٹھیک ہے ہم زیادہ نہیں لڑیں گے اور نہ ہی تم مجھے میکے جانے کی دھمکی دینا۔"

"میکا تو ماں باپ کے دم سے ہوتا ہے مما رہی نہیں اور بابا اپنی مصروف زندگی میں الجھے ہوئے ہیں۔" وہ ایک دم افسردہ ہوگئی تو میں خود پر جھنجلانے لگا۔ کیا ضرورت تھی مجھے اس سے یہ بات کرنے کی۔ کتنی رومینٹک شام تھی۔ سرمئی شام کو الوداع کہتی سورج کی نارنجی کرنیں اس کی آنکھوں کی اداسی میں ٹھہر کر اسے مزید خوب صورت کرگئی تھیں۔ اور اب سے کچھ دیر پہلے جب وہ کھلکھلا رہی تھی تو سورج نے بھی جیسے غروب ہونے سے انکار کیا تھا۔ لیکن اب اسے اداس دیکھ کر سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب رہا تھا۔

"آئی ایم سوری نازلی۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر فوراً بولی۔ جب کہ میں اس کی آنکھوں میں نامحرومی کی قندیلیں روشن دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ میری ہمت نہیں ہوئی کہ میں مزید اس سے کوئی بات کہوں کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"زندگی بھی ان موجوں کی طرح ہے ہر لمحہ منزل کی طرف جوش وخروش سے بڑھتی ہوئی اور پھر منزل پر پہنچ کر کیسے ان میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ ایسے ہی تمہیں پاکر میرے اندر بھی ٹھہراؤ آگیا ہے۔ جو رشتے تم سے جڑے ہیں میرے لیے وہ اہم ہیں۔" اس کے لہجے میں سچائی تھی محبت کا ایک مان تھا۔ میں ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

"اور میرے لیے تم اہم ہو۔ تمہاری خوشی اولیت رکھتی ہے۔ میں نے شاید ہی زندگی میں کسی سے اتنی محبت کی ہو جتنی میں تم سے کرتا ہوں۔ میں ایک پل بھی تمہاری اداسی برداشت نہیں کرسکتا۔" میں محبت سے چور لہجے میں بولا تو وہ مسکرادی اور اس کی مسکراہٹ سے میرے اندر کا سکون لوٹ آیا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ نازلی میری زندگی میں آنے والی پہلی خوب صورت لڑکی تھی یا میں کوئی دل پھینک قسم کا انسان تھا۔ میں نے تعلیم "کو ایجوکیشن" میں حاصل کی تھی اور تعلیم کے دوران میں لڑکیوں سے ریزرو ہی رہا اس کی ایک وجہ کہ مجھے اپنا مستقبل بنانا تھا اور اب جب میں اپنے پیروں پر کھڑا تھا تو زندگی کی ہم سفر کے روپ میں میرا انتخاب دلشاد نہیں نازلی ٹھہری تھی۔ اس کے ساتھ نے ابھی میری زندگی کو خوب صورت بنا دیا تھا تو آگے بھی راہیں

ہموار ہونے کے ساتھ سکھ وچین ہی زندگی میں شامل رہتے۔

وہ کچھ کھوئی کھوئی اور اداس سی تھی۔ اس لیے میں سمندر کی ہواؤں کو پیچھے چھوڑ کر نازلی کو شاپنگ کروانے لے آیا تھا۔ اور اس نے میرے بے حد اصرار پر ایک سوٹ پسند کیا تھا۔ میری سیلری کا آدھا حصہ اس سوٹ کے ساتھ اس کی میچنگ کی چیزوں پر خرچ ہوا تھا۔ میں اپنے خاندان وگھر میں انتہا درجے کا کنجوس مشہور ہوں لیکن اس وقت پیسے خرچ کرتا فخر سے چل رہا تھا۔

''ایک بات کہوں دلبر۔'' میں شاپنگ کے بعد جب اسے ڈنر کے لیے ایک ہوٹل میں لایا تو وہ مجھے دیکھتے ہوئے اجازت طلب انداز میں بولی۔

''ضرور......'' میں نے کہا اور ساتھ ہی اشارے سے ویٹر کو بلا کر آرڈر بھی دے دیا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''زندگی میں ہم بہت سی توقعات دوسروں سے باندھ لیتے ہیں اور پھر ہمیں مایوسی بھی ہوتی ہے یہ بات میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں واضح فرق ہے۔ میرے بھائی اور بابا اس رشتے کے حوالے سے اعتراض ضرور اٹھائیں گے۔ تم مجھے اپنے گھر والوں سے ملوا دو پھر ہم سادگی سے نکاح کرلیں گے۔'' اس کی بات نے مجھے گڑبڑا دیا کیونکہ ابھی تک تو میں بھی اس بات سے ناواقف تھا کہ میرے گھر والے راضی بھی ہوتے ہیں کہ نہیں۔

''تم پہلے اپنے گھر میں بات کرکے تو دیکھو پھر جو صورت حال ہوگی اس حساب سے ہم کوئی قدم اٹھائیں گے۔ ورنہ کوئی فیصلہ لے کر ہم نے خود سے قدم اٹھالیا تو برے بننے کے ساتھ ایک طرح سے اپنی خوشیوں کے دروازے بھی بند کرلیں گے۔'' میں نے سنبھل کر اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''اس حوالے سے میں نے سوچا نہیں تھا۔ محبت کرنا گناہ نہیں لیکن اگر ہم غلط طریقے سے اپنی منزل پالیں تو شاید خوشیاں ہم سے منہ موڑ لیں۔'' اس نے کھل کر میری بات کی وضاحت دی۔ ''میں جلد ہی اپنے بابا اور بھائی سے بات کرتی ہوں۔''

''صرف بات ہی نہیں انہیں قائل کرنے کی کوشش بھی کرو۔'' ویٹر کے کھانا رکھ کے جانے اور پھر کھانا کھانے کے دوران ہم دونوں کے درمیان ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔ ڈنر کے بعد ہم دونوں ہی گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس روز پہلی بار میں نے اسے اس کے گھر کے قریب اتارا تھا۔ ایک عالیشان بنگلہ جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا وہ اس کے اندر داخل ہوگئی تھی۔

''بڑے گھروں کے لوگ اندر سے تنہا و خود غرض ہوتے ہیں۔ انہیں صرف اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک رشتہ کی اہمیت سے زیادہ پیسہ اہم ہوتا ہے اس لیے وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ دوسروں کے احساسات وجذبات بھی پیسوں میں تولتے ہیں۔'' میں جب جاب کے لیے خوار ہورہا تھا اور ہر جگہ رشوت وسفارش درکار تھی تب امی نے یہ بات کی تھی ان کی بات کی حقیقت آج مجھ پر واضح ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

میں گھر میں داخل ہوا تو پہلے ہی مرحلے پر بڑی آپا اور رابعہ باجی کو دیکھ کر بے زار ہوا تھا مجھے اب ان کی آمد خطرے سے خالی نہیں لگتی تھی اور اس وقت بھی ان کی آمد غیر متوقع تھی۔ اچانک ابوجی کے کھانسنے کی آواز آئی تو دونوں بہنوں کی آمد سمجھ میں آئی تھی۔ انہیں ذرا سے موسمی بخار میں گھر بھر کو اکٹھا کرنے اور خدمت کروانے کی عادت تھی۔ امی کے ساتھ آپا کچن میں مصروف جب کہ باجی پھوپو کے ساتھ برآمدے میں بیٹھی اپنے میاں کمال کی تعریف کررہی تھیں۔ میں سلام کرتا ابوجی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دلشاد ابوجی کا سر دبانے میں مصروف تھی۔ مجھے ایک نظر دیکھ کر نظریں ہٹانا بھول گئی جب کہ میں اسے نظر انداز کرتا ابوجی کے سرہانے بیٹھ گیا۔

''ماموں میں آپ کے لیے سوپ لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی جب کہ باقی بچے جو ابوجی کے ہاتھ پیر دبا رہے تھے انہیں ابو نے خود باہر بھیج

دیا۔

"دیکھو دلبر ایسا نہیں ہے کہ تمہیں لڑکیوں کی کوئی کمی ہوگی یا شہر میں لڑکیوں کا کال پڑ گیا ہو۔لیکن میری بہن اور دلشاد کے ذہن میں روز اول سے تم ہو۔تمہاری خوشی کی خاطر ہم نے تم سے پوچھا تھا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم اپنا محبت نامہ ہمارے سامنے رکھ دو......" ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ انہیں کھانسی شروع ہوئی۔ اور اس سے پہلے کہ میں کوئی حرکت کرتا دلشاد کمرے کے دروازے پر آ کر ٹھہری اور ایک نظر مجھے بے حس و حرکت دیکھ کر تیزی سے ابو جی کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ نے صبح سے صرف دو سلائس لیے ہوئے ہیں۔" وہ ان کی پیٹھ سہلانے کے ساتھ بولی۔

"سوپ بس تیار ہے میں ابھی وہ لے کر آتی ہوں اپنے ہاتھوں سے آپ کو پلاؤں گی۔"

"اچھا تو اس نوٹنکی نے ان پر یہ جھوٹی محبت کا جادو کیا ہے ہوں۔" میں نے نخوت سے سوچتے ہوئے چہرہ موڑ لیا۔

"اور آپا نے بات ابو جی تک پہنچا دی۔یعنی سب دلشاد کے حق میں ہوتے ہوئے میرے لیے محاذ تیار کر رہے ہیں لیکن میں بھی اپنی محبت سے دستبردار ہونے والا نہیں۔" میں نے سفاکی سے سوچا۔اس سے پہلے کہ میں اٹھ کر کمرے سے نکل جاتا امی کمرے میں آ گئیں۔ میں پہلو بدل کر رہ گیا تھا امی مجھے نظر انداز کرتی دلشاد سے مخاطب ہوئیں۔

"دیکھو شائستہ نے سوپ بنالیا ہے تو لے آؤ۔ ویسے بھی یہ تمہارے ہاتھ سے ہی پئیں گے۔"

"تم بھی منہ ہاتھ دھولو تو ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔" ابو جی نے مجھ سے کہا تو میں ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر ہی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

رات کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی دونوں بہنیں میرے کمرے میں ہی آ گئیں۔ میں جو اس وقت نازلی سے موبائل پر باتیں کرنے کے موڈ میں تھا بہنوں کو دیکھتے ہی خود بخود نیند مجھ پر طاری ہونے لگی۔ وہ دونوں میرے چہرے کے بگڑتے زاویے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں۔

"ابو جی کا کہنا ہے کہ تمہاری زندگی میں نازلی سے لے کر نازو تک کوئی بھی لڑکی ہو انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس گھر کی بہو صرف دلشاد بنے گی۔" آپا نے بغیر کسی تمہید کے نپے تلے الفاظ میں ابو جی کی بات ہی مجھ تک نہیں پہنچائی بلکہ میری نیند بھی چھین لی تھی۔

"لیکن آپا مجھے دلشاد اچھی نہیں لگتی۔" میں تکیہ گود میں رکھتا سیدھا ہو بیٹھا۔

"زندگی گزارنے کے لیے صرف ایک پہلو کو سامنے نہیں رکھا جاتا۔" رابعہ باجی فوراً بولیں۔

"دلشاد کو ہم بچپن سے دیکھ رہے ہیں۔کوئی ایسی بات نہیں جس پر ہم انگلی اٹھائیں۔اچھی سلجھی ہوئی لڑکی ہے اور پھر وقت انسان کو سب کچھ سکھا دیتا ہے۔اب کمال کو ہی دیکھ لو مجھ سے شادی کرنے کے بعد ہی کمال کے ہوئے۔ ورنہ ان کے گھر والے تو انہیں ناکارہ و نکھٹو سمجھتے تھے اور والدین نے نام کمال رکھ کر سوچا تو یہی ہوگا کہ کمال کا اثر ہوگا۔"

"اور دلشاد کا نام رکھتے ہوئے پھوپو نے بھی کچھ ایسا ہی سوچا ہوگا۔" میں نے اپنی تمام تر کڑواہٹ لہجے و الفاظ میں پر دی تھی۔

"تمہیں اس کے نام سے پرابلم ہے تو نام چینج کر لیتے ہیں۔"

"کہا تو ہے صرف نام ہی نہیں وجود بھی نازلی......"

"تو تم اس نام کی مالا جپتے رہو۔ابو جی اپنا فیصلہ سنا چکے ہیں۔" رابعہ باجی کہتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔" آپا اسے مزید سمجھانے کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ وہ لڑکی کسی بنگالی بابا سے مرید لگتی ہے جب ہی تو ہمارے سامنے بھی یہ اسی کا نام لے رہا ہے۔اب یہ جانے اور ابو جی۔ ہماری اہمیت ہی نہیں کل کو وہ نازلی آ کر ہمارا داخلہ بھی اس گھر میں بند کر دے گی۔ تب بھی اسے پرواہ

نہیں ہوگی۔" رابعہ باجی کہہ کر کمرے سے نکل گئیں۔تب آپا نے تاسف سے مجھے دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں اور خاموشی سے وہ بھی کمرے سے چلی گئیں تو میں جز بز سا ہو کر رہ گیا۔

جس لڑکی کو انہوں نے ابھی دیکھا ہی نہیں تھا۔اس کے خلاف محاذ بنانے میں لگی ہوئی تھی۔ کتنی جلدی اپنی سوچ کا رخ نازلی کی طرف غلط انداز میں موڑ لیا تھا ورنہ جو لڑکی رشتوں کو ترسی ہوئی ہو۔وہ بھلا ایسے کام کیونکر کرے گی۔

نازلی معاشرے کو سمجھنے والی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔اس نے دنیا چار دیواری کے اندر اور باہر کی بھی دیکھی تھی۔جب ہی حالات کو سمجھتے ہوئے اس نے کورٹ میرج کی بات کی ہوگی ورنہ لڑکیاں تو خود سے کیا اپنے محبوب سے بھی یہ الفاظ سننے کی روادار نہیں ہوتیں۔ان کے نزدیک سب سے بڑا دھوکہ ہی کورٹ میرج کی شکل میں ہے۔بہت کم لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔جو حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے یہ قدم اٹھاتی ہیں۔ان میں ایک نازلی بھی ہوگی۔میں جو پور پور نازلی کی محبت میں ڈوبا ہوا تھا اس کے حق میں خود ہی سے مقدمہ لڑ رہا تھا۔

میں تیزی سے بیڈ سے اتر کر کمرے سے نکلتا آپا کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

"آپا مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" وہ اس وقت میاں کے ساتھ اپنے گھر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"کہو......" وہ سر پر چادر ٹھیک کرتی ہوئی بولیں جب کہ میں نے ایک نظر علی "دولہا بھائی" کو دیکھا جو ابو جی سے ان کی طبیعت پوچھنے کے ساتھ مفید مشوروں سے بھی نواز رہے تھے۔

"یہاں نہیں۔آپ کچن میں آئیں۔" میں کہنے کے ساتھ کچن کی طرف بڑھ گیا اور آپا کا انتظار کرنے کے بجائے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی تاکہ اپنے جذباتی پن پر کسی حد تک کنٹرول کرسکوں اور پھر آدھی خالی بوتل واپس رکھ کر ڈائننگ ٹیبل کی چیئر کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

"ہاں کہو کیا بات ہے؟" آپا نے میرے قریب آ کر پوچھا تو میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"دیکھیں آپا۔میں کوئی بچہ تو ہوں نہیں کہ آپ سب مل کر اپنی خوشی و خواہش میرے سر پر تھوپ دیں اور نا ہی میں اتنا خود غرض ہوں کہ آپ سب کی خوشی کو خاطر میں نا لا کر خاموشی سے اپنے سر پر محبت کا سہرا باندھ لوں۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ سب ایک بار نازلی سے ضرور مل لیں اور ایک بار دلشاد کے پلڑے میں میری محبت کو بٹھا کر ضرور دیکھیں۔"

"ٹھیک ہے میں ابو جی سے بات کرتی ہوں۔"

"دیکھیں آپا۔میں محبت کرتا ہوں اس سے۔" میں بات آپا سے کر رہا تھا جب کہ وہ کچن کے دروازے پر نظریں جمائے ساکن کھڑی تھیں۔

"نازلی کے بغیر میں ایک پل نہیں رہ سکتا۔میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں ایسا موڑ بھی آئے گا پلیز آپا......"

"پھوپو۔" اس سے پہلے کہ میں مزید بات کرتا اور آپا کو اپنی محبت کا یقین دلاتا وہ پھوپو کہتی ہوئیں تیزی سے کچن سے نکل گئیں تھیں۔میں کچھ دیر ان کے پیچھے دیکھتا رہا پھر کچن سے نکل کر باہر برآمدے میں آیا تو امی آپا اور رابعہ باجی پھوپو کو روکنے کی کوشش کررہی تھیں جب کہ وہ اپنے غصے پر ضبط کرتیں دلشاد کو تقریباً کھینچتی ہوئیں گھر سے نکل گئیں تھیں۔دلشاد کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو و سوال نے مجھے وہیں منجمد کردیا تھا۔مجھے پہلی بار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا لیکن لمحہ بھر کو اس کے بعد نازلی کی محبت مہکنے لگی تھی۔

کمرے میں آئے مجھے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ اچانک شام میں ہونے والی ہلکی پھوار نے تیز بارش کا روپ دھار کر موسم کا مزاج بدل دیا تھا۔میرے کمرے کی کھڑکی سے بارش کے پانی کے ساتھ یخ بستہ ہوا اندر آنے لگی تو میں نے کھڑکی بند کردی۔تب ہی امی آپا اور رابعہ

باجی آگے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں تو میں حیران ہوکر انہیں دیکھنے لگا۔ تینوں کے چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔

"ناک کٹوادی تم نے ہماری۔ کسی کو منہ دکھانے کو نہیں چھوڑا۔ کتنا مان تھا ہمیں تم پر اور تم نے ایک لمحے میں ہماری عزت مٹی میں ملا دی۔ ارے وہ تو شکر کرو کہ تمہارے ابو دواؤں کے زیر اثر سو رہے تھے ورنہ ایک ہنگامہ کھڑا کردیتے۔ اپنے کسی رشتہ دار کے خلاف تو وہ کچھ سن ہی نہیں سکتے۔ اور کہاں تم نے ان کی اکلوتی بہن کو رلا دیا شرم نہ آئی تمہیں۔" امی اپنے مخصوص انداز میں ہاتھ بلند کرتی ہوئی بول رہی تھیں جب کہ میں حیران تھا کہ ابو جی اتنی جلدی کیسے سو گئے ابھی آپا سے بات کرنے کے لیے جب میں ان کے کمرے میں گیا تھا تو دولہا بھائی اور ابو جی باتیں کررہے تھے۔

"ارے یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ کے داماد صاحب نے کچھ نہیں سنا۔ یہ بھی شکر ہے خدا کا کہ ان کی کال آ گئی اور وہ کسی کام سے گھر سے باہر چلے گئے ورنہ سسرال میں میاں کے علاوہ اوروں کی بھی سننے کو ملتی۔" آپا فوراً بولیں۔ وہ ویسے بھی اپنی سسرال سے بہت دبتی تھیں۔

"یہ نوکری کرنے والی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ چڑیل...... کب کیا کردیں کچھ خبر نہیں۔ دیکھ لو کیسے اس کے سر پر سوار ہے اور مجال ہے جو یہ......"

"بس۔" میری برداشت جواب دے گئی۔ ہاتھ اٹھا کر مزید بولنے سے سب کو روک دیا۔

"وہ میری محبت ہے اور آپ لوگ اگر چاہتے ہیں کہ میں کوئی ایسا ویسا قدم نہ اٹھاؤں تو جا کر اس کا ہاتھ میرے لیے مانگ لیں ورنہ......"

"ورنہ کیا کرو گے۔ خودکشی کرلوگے یا گھر چھوڑ دو گے۔" آپا کو میری بات ناگوار گزری تھی جب ہی کمر پر ہاتھ جمائے میری آنکھوں میں غصہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"گھر چھوڑ کر اپنی محبت حاصل کرلوں گا۔"

"ٹھیک ہے کرکے دکھاؤ۔" آپا نے مجھے چیلنج کیا اور امی کا ہاتھ پکڑے کمرے سے چلی گئیں تھیں۔ رابعہ باجی نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔ کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ میں بیڈ پر اداسی کی تصویر بنا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ میں نے جتنا آرام سے اپنا پلان بنایا تھا وہ اس قدر آسان نہیں تھا۔ لیکن اب اس مشکل مرحلے کو آسان کرنا تھا کیونکہ اب تک سب مجھے سمجھانے اور دلشاد کے لیے قائل کرنے کی کوشش کررہے تھے اب میری محبت کے لیے ایک محاذ کھڑا ہوگیا تھا اور گھر کے تمام افراد ایک طرف اور میں اپنی محبت کے لیے لڑنے والا تنہا تھا۔

صبح جب میں کمرے سے فریش ہوکر آفس جانے کے لیے نکلا تو رابعہ باجی ابو کے کمرے سے نکلتی ہوئی مجھے ایک نظر دیکھ کر تیوریوں پر بل لیے سر جھٹکتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ میں رات کا واقعہ تقریباً بھول چکا تھا۔ ان کی اس حرکت سے سارا منظر ذہن کے پردے پر ابھر گیا اور میں بغیر ناشتہ کیے گھر سے نکل گیا۔ میں نے بھی سوچا تھا کہ زندگی کی سب سے اہم خوشی و خواہش کے لیے مجھے اپنے ہی گھر والوں سے بغاوت کرنی پڑے گی۔ زندگی میں نے بسر کرنی تھی اب اگر دلشاد کے ساتھ میرا دماغ نہیں ملتا مجھے اس کی عادات و بے وجہ کا مذاق اگر پسند نہیں تھا تو میرے ساتھ زبردستی کیونکر کی جارہی تھی۔ اب میں نے امی سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

❁......❁......❁......❁
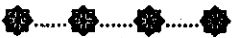
"دلبر۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" میں اپنی سیٹ پر جیسے ہی بیٹھا نازلی فوراً ہی میری طرف گردن موڑ کر سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"کہو......" میں نے کمپیوٹر آن کرتے ہوئے خود کو مصروف ظاہر کیا۔ ایک تو گھر سے بغیر ناشتے کے نکلا تھا اوپر سے رات والی باتیں ذہن میں گردش کررہی تھیں۔ اس لیے سرے سے میں اس کی بات سننے کے موڈ میں فی الوقت نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے تمہارا موڈ ٹھیک نہیں ہے؟" وہ مجھے بغور

دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"ہوں۔" میں نے اسی پر اکتفا کیا اور کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگا جب کہ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی تھی۔
"چلو لنچ ٹائم میں بات کرتے ہیں۔" وہ کہہ کر مصروف ہوگئی جب کہ میں اندر ہی اندر جھنجلاتا رہا۔ میں بھوک کے معاملے میں زیادہ ہی کچا تھا اور میری خود غرضی بھی کہ میں صرف اپنے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ایک طرف میں نازلی سے محبت کا دعوٰی دار بھی تھا اور دوسری طرف اس کی بات سننے کا روادار بھی نہیں تھا۔
"سوری۔" تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں نے معذرت خواہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بجائے نخرے دکھانے کے ذرا سا مسکرا دی۔
"تم کچھ کہہ رہی تھی؟"
"تمہارا موڈ کیوں آف تھا؟" اس نے بات کا رخ میری طرف موڑ دیا۔
"بس ویسے ہی گھر میں کچھ مسئلے مسائل چل رہے ہیں۔"
"میری وجہ سے؟" اس نے فوراً پوچھا تو میں نے کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جما کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں اس سے جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔
"میرے گھر میں بھی تمہارے حوالے سے....." اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے بعد ہم دونوں کے درمیان طویل خاموشی حائل ہوگئی یا پھر ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے سے بات کرنے کے لیے الفاظ نہیں تھے۔

ہم دونوں ایک جیسے دوراہے پر آ کھڑا ہوئے تھے۔ محبت کا اظہار وہ بھی کر چکی تھی جسے معاشرہ تسلیم کرنے سے عاری تھا۔ کتنی ہی کہانیاں محبت سے شروع ہوئیں جس میں سے کچھ ہی منزل پاسکیں لیکن ان کا ذکر کتابوں میں بہت کم ہے یا نہ ہونے کے برابر۔ مجھے بھی محبت کی منزل چاہیے تھی۔
"اب کیا کرنا ہوگا۔" لنچ ٹائم میں میں نے اس سے پوچھا تو وہ جیسے اسی بات کی منتظر تھی فوراً بولی۔
"میں تو پہلے ہی بتا چکی ہوں کورٹ میرج کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔"
"میں نے اب تک اپنی آپا سے بات کی تھی۔ اب آخر کار امی سے بات کرکے دیکھ لوں پھر ہی کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے مگر جلدی۔" اس نے اضطرابی کیفیت سے اپنے ہاتھوں کو آپس میں ملایا تو نجانے کیوں اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ہماری قسمت میں ملاپ نہیں۔
"بس کل کا دن اور....." میں نے اس کے ساتھ خود کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

❁......❁......❁......❁

"امی آپ ایک بار نازلی سے مل لیں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" آفس سے آ کر مجھے جیسے ہی موقع ملا۔ میں نے امی کو گھیر لیا لیکن شاید دونوں بہنیں انہیں پٹی پڑھا گئیں تھیں۔ جب ہی وہ مجھے مجبور نظر آئیں۔
"میں اپنے لیے جیسی شریک سفر چاہتا ہوں وہ بالکل ویسی ہی ہے اور آپ کو وہ بہت پسند آئے گی ایک بار میری خاطر اس سے مل لیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں اس کے بغیر مر جاؤں گا لیکن زندگی میرے لیے مشکل ضرور ہوجائے گی اور آپ تو ماں ہیں کیسے دیکھیں گی مجھے مشکل میں۔" میں نے انہیں ایموشنل بلیک میل کرنے کی کوشش کی اور میں کامیاب بھی رہا۔
"میں تو کیا کوئی بھی ماں اپنے بچے کو مشکل میں نہیں دیکھ سکتی۔" انہوں نے اپنی خاموشی توڑی۔
"لیکن کوئی بھی ماں اپنے بچے کو انگارہ نہیں تھما سکتی۔ پھر بھی میں تمہاری خاطر اس سے مل لیتی ہوں۔" وہ کہہ کر مجھے دیکھنے لگیں اور میری خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ آنکھوں میں بے یقینی لیے میں انہیں دیکھ رہا تھا۔
"لیکن میری ایک شرط ہے۔"
"مجھے منظور ہے۔" میں نے فوراً کہا۔
"پہلے سن لو پھر منظوری بھی دینا۔" وہ افسردگی سے

مسکرائیں تو میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"پہلے تو ایک وعدہ کرو مجھ سے کہ اگر تم شرط ہار گئے تو پھر جو میں کہوں گی وہ کرو گے۔" ان کی اس بات پر میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ بعض دفعہ قسمتیں دعاؤں سے بھی نہیں بدلتیں۔ اس بات پر مجھے یقین تھا کہ نازلی کا دل بھی میرے لیے دھڑکتا ہے۔ اس لیے میں ہر شرط جیت جاؤں گا۔

"اگر وہ کل آفس نہیں آئی تو تم اسے بھول جاؤ گے اور اگر وہ آ گئی تو ہم باقاعدہ تمہارا رشتہ اس کے گھر لے کر جائیں گے۔ اب وہ دو دن کے اندر اپنے گھر والوں کو تمہارے لیے راضی کرے کیونکہ ہمارے خاندان میں کسی نے بھی کورٹ میرج نہیں کی اور نہ ہی یہ بات سننا پسند کرتے ہیں۔" امی اپنی بات کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئیں جب کہ میری نظریں دروازے پر ایستادہ ابو جی پر ٹھہر گئی تھیں۔ ان کی آنکھیں غصہ ضبط کرتی لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ امی کی ان کی طرف پیٹھ تھی جب ہی وہ انہیں نہیں دیکھ سکیں۔ میں تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ امی جانے کے لیے مڑی تھیں کہ دروازے میں کھڑے ابو جی کو دیکھ کر چونک کر رک گئیں۔

"یہ بات دلشاد کی ماں کو پتہ ہے؟"

"جی......" امی نے مختصر جواب کے ساتھ سر جھکا لیا تھا اور میں اپنی جگہ چور سا بن گیا۔ بات اب ابو جی کے سامنے کھل چکی تھی۔

"شاید اسی دن کے لیے میں نے اسے پروان چڑھایا تھا۔ اس کی ہر ضد و خواہش پوری کی لیکن رشتوں کا احساس دل میں جگانا بھول گیا۔ اگر میں اسے رشتوں کی اہمیت بتا دیتا تو یقیناً آج ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہ ہوتا۔" وہ دکھ کی گہرائیوں میں گھرے تھے۔ اس لیے آواز کا بوجھل پن بھی محسوس ہو رہا تھا اور ساتھ ہی تھکاوٹ بھی۔ اس کے باوجود بھی میں اپنی محبت سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

"اس کو یہ بھی بتا دو صالحہ بیگم کہ یہ اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد ہمارے ساتھ اس چھت کے نیچے نہیں رہے گا۔" وہ امی سے مخاطب ہوتے پلٹ گئے تھے اور امی میری طرف دیکھے بغیر ہی ابو کے پیچھے چلی گئیں تھیں۔

میں جو نازلی کو پانے کی خوشی سے سرشار ہوا تھا وہیں میرے اندر رشتوں کو کھونے کا دکھ بھی جڑ پکڑ رہا تھا۔ پہلی بار مجھے یوں لگ رہا تھا کہ تمام رشتے خود غرض ہو گئے ہوں۔ پھوپو کو بھائی کا حق ادا کرنا یاد تھا۔ امی کو شوہر کا اور بہنیں صرف بیٹیاں بن کر اپنے محاذ پر مجھے غلط قرار دیتیں سمجھانے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔ میری اور میرے جذبات کی میرے اپنوں کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں نے محبت نہیں کوئی جرم سرزد کیا تھا اور اب ہر ایک کو صفائیاں دیتا اپنے حق میں قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ مجھے دلشاد سے کوئی عداوت تھی بس میرا دل کبھی اس کی طرف مائل نہیں ہوا۔ چاہنے کے باوجود میں کبھی اس کے بارے میں سوچ نہیں سکا اور اب آنکھیں بند ہوں یا کھلی نازلی کا تصور ہر وقت مجھے اپنے حصار میں رکھتا۔ یہی بات میرے گھر والے سمجھ نہیں رہے تھے۔

صبح امی کے چہرے پر عجب سا سکون و اطمینان تھا۔ کل ہونے والی گفتگو کا عکس ان کے چہرے پر موجود نہیں تھا بلکہ وہ ایسے پوز کر رہی تھیں جیسے ہمارے درمیان بھی نازلی کے متعلق کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے۔ ابو جی شاید ناشتہ کر چکے تھے یا ابھی سو کر اٹھے ہی نہیں تھے۔ میں نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا صرف امی کے اطمینان و سکون کو برقرار رکھنے کے لیے۔ ورنہ بات سے بات نکلتی اور رخ نازلی کی طرف چلا جاتا۔ میں نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور امی کچن کے کام کرتی رہیں جیسے ہی میں نے ناشتہ ختم کیا امی اپنے کام چھوڑ کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

"تمہیں شرط یاد ہے ناں۔"

"جی......" میں نے مختصر جواب دیا کیونکہ اب میں آفس سے لیٹ ہو رہا تھا۔

"اور مجھے امید ہے کہ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گے۔"

"محبت میں اگر جھوٹ بولوں گا تو گناہ گار ہو جاؤں گا آپ کا بھی اور محبت کا بھی اور جھوٹ بول کر میں محبت کو پانا

نہیں چاہتا۔" امی مجھ پر شک کررہی تھیں۔ انہیں مختصر جواب دے کر اپنے قدم بیرونی دروازے کی طرف موڑ لیے اور بائیک اسٹارٹ کرتا میں گھر سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

کبھی کبھی یقین ٹوٹ جاتے ہیں امیدیں ہار جاتی ہیں دعائیں مسترد ہوجاتی ہیں اور ہم انسان جو نہیں سوچتے وہ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد ہم سوچتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ کمی کہاں تھی۔ جواب نہیں ملتا اور مایوسی دامن تھام کر ہر چیز دھندلا دیتی ہے۔ چڑھتا سورج دیکھنے کو دل نہیں چاہتا اور ڈوبتے سورج کے ساتھ ڈوب مرنے کو دل چاہتا ہے۔

میں آفس لیٹ پہنچا تھا۔ ایک تو گھر سے ہی دیر سے نکلا۔ اوپر سے ٹریفک نے رہی سہی کسر نکال دی تھی۔ مجھے جو یہ امید تھی کہ دیر ہونے پر نازلی میرے انتظار میں بے چینی سے پہلو بدل رہی ہوگی اور مجھے دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح کھل اٹھے گی۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی سیٹ خالی تھی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ وہ باس کے آفس میں یا پھر کسی کام سے اٹھ کر کہیں گئی ہوگی۔ میں اس کا انتظار کرنے کے ساتھ کمپیوٹر آن کرتے کام بھی کرنے لگا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اسے آنا تھا نہ ہی وہ آئی۔ میرے اندر کی بے چینی سر اٹھانے لگی۔ تب میں نے کام سے ہاتھ کھینچ کر ادھر ادھر دیکھا۔ ہر شخص آج اپنے کام میں مصروف تھا۔ کسی کے لیے بھی آج نازلی کی غیر حاضری توجہ کا باعث نہیں تھی اور یہ ہی بات میرے لیے تو تشویش کا سبب بنی۔ کہاں ہر روز کوئی نہ کوئی اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا اور اب سب یوں اپنے کام میں مصروف تھے جیسے وہ کبھی یہاں تھی ہی نہیں۔

"آج نازلی نہیں آئی؟" میں نے آفس کولیگ شجاعت سے پوچھا تو وہ طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھنے لگا۔

"وہ آج استعفیٰ دے کر جاچکی ہے۔"

"کیا کب اور کیوں؟" میرے لہجے میں حیرت کے ساتھ بے یقینی تھی۔ اگر ایسی کوئی بات تھی تو اس نے کل مجھے کیوں نہیں بتایا یا پھر رات ہی کوئی ٹیکسٹ کردیتی۔

"کوئی اور نوکری مل گئی ہوگی اور یہ بات تو تم زیادہ بہتر جانتے ہوگے۔" اس نے معنی خیزی سے میری طرف دیکھا۔ "تم دونوں کی دوستی کسی سے ڈھکی چھپی تو نہیں۔"

"ہاں...... مگر" مجھ سے کوئی بات نہ بن پڑی تو میں اپنی سیٹ پر آبیٹھا۔ مجھے اپنی محبت، اپنی خوشی خود سے دور ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ مجھ سے کام کرنا مشکل ہورہا تھا۔ موبائل پر کال بھی کی مگر اس نے ریسیو نہیں کی اور میں مزید مایوس ہوگیا۔

لنچ ٹائم میں کچھ لوگوں نے مجھے استہزائیہ انداز میں دیکھا تو کچھ کی نظروں میں تاسف تھا۔ اور میں سب کو نظر انداز کرتا نازلی کا موبائل مسلسل ٹرائی کررہا تھا۔ جواب پاور ڈ آف ہونے کا سگنل دے رہا تھا۔ میرا دل بدگمانی کے سمندر میں غوطے لگانے لگا۔ میں لنچ ادھورا چھوڑ کر اپنی سیٹ پر واپس آیا تو بلا ارادہ یونہی سرسری سی نظر نازلی کے کیبن میں گئی۔ کمپیوٹر کے پاس ایک کاغذ جیسے میری ہی توجہ کا منتظر تھا۔ میں نے اسے فوراً اٹھا کر دیکھا نازلی نے میرے نام ایک مختصر خط چھوڑا تھا۔ میں اسے پینٹ کی جیب میں سنبھالتا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ خط نے میرے اندر عجیب سی بے چینی بھر دی تھی۔

"آج وہ آفس نہیں آئی تھی؟" شام اپنی تمام تر اداسیوں کے ساتھ آسمان پر دور تک پھیلی تھی اور میں کسی کھیل کے شکست خوردہ کھلاڑی کی طرح صحن کے بیچوں بیچ کھڑا تھا تب امی نے مجھ سے پوچھا تو میں صرف انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

"وہ آئی تھی لیکن میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ استعفیٰ دے گئی ہے۔"

"اس کا مطلب تم شرط ہار گئے۔" امی کے چہرے کا اطمینان و رونق واضح تھی میں کچھ الجھ سا گیا۔

"شرط میں اس کے آنے یا نہ آنے کی بات تھی ہماری ملاقات کی وضاحت نہیں تھی اور ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔" میں نے آخری الفاظ پر زور دیتے ہوئے اپنے

کمرے کی طرف قدم بڑھائے لیکن معاً کچھ یاد آنے پر میں پلٹ کر انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب تو آپ کو اس کے گھر رشتہ لے کر جانا ہے۔" میں کہہ کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ دوست یاروں سے سنا تھا کہ محبت میں الٹے استرے سے سر منڈوانا پڑتا ہے اور اب اس بات کا مفہوم مجھ پر واضح ہو رہا تھا۔ میں نے ایک بار پھر تنہائی پا کر نازلی کا خط جیب سے نکالا اور اس پر نظریں جما دیں۔

"دلبر عزیز! بہت مجبوری میں نوکری سے استعفیٰ دے رہی ہوں۔ شاید کاتب تقدیر نے ہماری قسمت میں یہ مختصر ساتھ لکھا تھا۔ زندگی بھر کا ساتھ نہیں۔ ممکن تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو بھول جائیں لیکن کوشش کریں تو کیا نہیں ہو سکتا۔ خوب صورت لمحات کو کون بھول سکتا ہے۔ بھول جائیں تو اچھا ہے۔ میں بھی کوشش کروں گی اور آپ بھی۔" بے وفا نازلی۔

"نہیں تم بے وفا نہیں ہو۔" میں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور اپنے موبائل سے نازلی کے موبائل کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا کیونکہ میرا دل کسی بھی صورت اسے بے وفا ماننے کو تیار نہیں تھا۔

✿......✿......✿......✿

دو دن بڑی مشکل سے گزرے تھے۔ جیسے کسی پہاڑ کی بلندی پر چڑھتے ہوئے یا پھر ننگے پاؤں تپتی ہوئی ریت پر چلنے کے برابر مجھ پر بھاری تھے۔ بے چینی و اکتاہٹ میری طبیعت کا حصہ بن کر رہ گئی تھی۔

میں نے نازلی کو فون و میسجز بھی کیے لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے اس کے گھر کے باہر چوکیدار سے اس سے ملنے کی خواہش بھی ظاہر کی اور وہ جواب میں میرے ہاتھ میں مایوسی تھما گیا تھا۔

سرمئی شام رات کی تاریکی اوڑھ کر آسمان کی وسعتوں میں پناہ لے رہی تھی۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں کرسی پر نیم دراز تھا۔ جب چوڑیوں کی کھنک پر میں دلشاد کو سامنے دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"سوری! میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔" وہ معمول سے ہٹ کر آج بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کو اوپر سے لے کر نیچے تک ایک نظر دیکھا لیمن کلر کی فراک کے ساتھ وائٹ کلر کا چوڑی دار پاجامہ اور ان دونوں کے کنٹراسٹ کا دوپٹہ دو سر پر جمائے کچھ جاذب نظر لگ رہی تھی۔ میں اپنی نظریں ہی ہٹا سکا جب کہ دھیان اس کی طرف تھا۔ وہ بیڈ پر تکلف سے بیٹھ کر اپنی چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

"امی کہتی تھیں کہ چوڑیاں لڑکوں کے دل کے تار چھیڑتی ہیں زیادہ تیار ہو کر نہ سہی چوڑیاں پہن کر ماموں کے گھر جایا کرو لیکن میں نے کب کس کی سنی۔" وہ کہہ کر افسردہ سی مسکرا دی۔

"ایسا نہیں ہے کہ مجھے بننے سنورنے کا شوق نہیں۔ بس یہ سوچا جو بچپن سے میرا ہے اسے کیا ادائیں دکھاؤں۔ تھوڑا ستالوں بعد میں معافی مانگ لوں گی اور یہ ہی تو دن ہوتے ہیں۔ بعد میں تو روٹین لائف شروع ہو جاتی ہے۔ میں وقت کو کھونا نہیں چاہتی تھی لیکن وقت تو ہمارے درمیان تھا ہی نہیں۔ ورنہ شاید ہم ایک دوسرے کو سمجھتے۔" وہ کہہ کر مجھے دیکھنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اس کی تنہائی و دکھ مجھ پر واضح ہوا تھا شاید اس لیے کہ اس کرب میں، میں خود مبتلا تھا۔

"میں یہاں اپنی محبت کا اظہار کرنے یا محبت کی بھیک مانگنے نہیں آئی دلبر۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"صرف یہ بتانے آئی ہوں کہ اگر کمی مجھ میں تھی تو مکمل تو تم بھی نہیں آج نہ کل۔"

"ہاں کمی ہے مجھ میں، اس سے انکار نہیں مجھے کیونکہ میں ایک عام انسان ہوں دلشاد۔" میں ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "محبت بھیک میں نہیں دی جاتی۔ اسے سمجھا جاتا ہے اور میں تمہاری محبت سمجھ نہیں سکا۔ یا یوں سمجھ لو کہ میں تمہاری محبت کے لیے کسی بت کی طرح ہوں اور اسے پوجنے سے تمہیں کچھ نہیں ملے

گا۔ یہاں تک کہ تمہاری مراد بھی پوری نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو دلبر۔ کیونکہ تم دل کے پیارے نہیں ہو۔" اس کی آواز اب اس کے جملوں کا ساتھ دینے سے عاری تھی۔

"اگر دل کے پیارے ہوتے تو میری برسوں کی محبت تمہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔"

"ہاں کیونکہ تمہاری محبت خود غرض تھی۔" میں اب اسے آئینہ دکھانے پر تیار ہوا۔ "تم نے ہمیشہ اپنی بات کی۔ اپنے آپ کو اہم رکھا لیکن کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ کبھی میری پسند معلوم کی۔" اسے امید نہیں تھی کہ میں اسے سچائی بتاتے ہوئے تلخ بھی ہو جاؤں گا۔ اس لیے وہ اپنے آنسو پیتی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے میرے دل پر وار کیا تھا۔ جہاں نازلی کسی ملکہ کی طرح حکمرانی کر رہی تھی۔ تو میں اس کی باتیں اپنے دل کی حوالے سے کیسے برداشت کرتا۔

"محبت کا دعویٰ کر رہی ہو۔ اس میں تو اپنے آپ کو مارا جاتا ہے جب کہ تم نے تو سراسر خود کو چاہے جانے کی خواہش رکھی۔" "تم تو مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ مجھے تو یہ خوش فہمی تھی تم نے کبھی مجھے جاننے کی کوشش نہیں کی لیکن میں غلط تھی۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"تم تو مجھے مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو۔ اس کا مطلب ہے میری محبت کا علم بھی تم کو ہوگا اور نازلی کا ڈھونگ بھی جھوٹا ہے اس نام کی کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں آئی ہی نہیں ہوگی۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔ نازلی سچ ہے ایک حقیقت ہے۔"

"دیکھتے ہیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ اور میں اس کے پیچھے دیکھتا اس کے انداز والفاظ پر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کے انداز میں ایسا کچھ ضرور تھا جس نے مجھے کچھ غلط ہونے کا اشارہ دیا تھا۔ وہ جیسے کوئی شرط لگا کر گئی تھی اور ہار جیت دیکھتے ہیں پر چھوڑ گئی تھی۔

❁......❁......❁......❁

اس روز اتوار تھا۔ نازلی کی یادوں نے مجھے کمرے تک ہی محدود کر کے رکھ دیا تھا۔ عموماً میرا چھٹی والا دن تقریباً آدھا سو کر گزرتا تھا لیکن اب نیند اپنی نہیں رہی تھی۔ رات میں پہروں دور کھڑی ہو کر میرا مذاق اڑاتی اور میں رات کا آدھا پہر جاگ کر کبھی بستر پر کروٹ بدلتا تو کبھی کمرے میں ٹہل کر سگریٹ نوشی کرتا تھا اور اگر اتفاق سے نیند مہربان ہو جاتی تو سو جاتا لیکن صبح معمول کے مطابق ہوتی اور اس وقت یوں محسوس ہوتا جیسے کانٹوں بھرے بستر پر سویا ہوں۔

زندگی بہت خوب صورت تھی۔ نازلی کی سنگت میں۔ اس کی زلفوں کی چھاؤں میں، میں اپنی عمر تمام کرنا چاہتا تھا اور اب اس کے جاتے ہی میرے دل پر ایک بوجھ پڑنے کے ساتھ میں ہر چیز سے اکتا گیا تھا۔ زندگی کی ساری خوب صورتی بدصورتی میں بدل گئی تھی۔ میں تنہا اور تھکا ہوا خود کو محسوس کر رہا تھا۔ کوئی سوچ ہی نہیں رہی تھی میرے پاس۔ نجانے کتنا وقت گزر گیا اور میں یونہی چھت پر نظریں جمائے لیٹا تھا۔ تب امی دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ میں نے نظروں کا زاویہ نہیں بدلا لیکن ان کی آمد کا احساس ہو گیا تھا۔

"دلبر بیٹا۔" وہ میرے قریب آ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"کیا حالت بنالی ہے اپنی کیوں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اذیت دے رہے ہو۔ ٹھیک سے کچھ کھاتے ہو نہ بات کرتے ہو۔ اب بھی دیکھو آدھا دن چڑھ آیا ہے اور تم بستر چھوڑنے کا نام نہیں لے رہے۔" ان کے لہجے میں دکھ و تاسف تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے وہ کتنی پریشان تھیں میں نے آنکھیں موند لیں۔

"تم ایک دل کو لیے بیٹھے ہو۔ محبت نے تو کئی دل اجاڑ دیئے ہیں۔ ایک تمہاری محبت ہے اور ایک طرف دلشاد کی۔ وہ بھی کسی اور کا نام نہیں سننا چاہتی اور تم اس کا۔"

"بس کر دیں امی۔" میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "آپ نے کیا صبح صبح دلشاد نامہ کھول لیا ہے۔ نہیں کرنی مجھے اس سے

شادی نہیں پسند مجھے وہ بس کردیں اب آپ لوگ۔" مجھے محسوس ہوا تھا جیسے دروازے کے باہر کوئی ہے پھر بھی میں نے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھا اور ہر بار کی طرح اب بھی دلشاد کے لیے انکار تھما دیا تھا۔

"تو کیا اس چڑیل سے شادی کرو گے جو نوکری کے ساتھ تمہیں بھی چھوڑ گئی۔"

"ہاں اسی سے اور وہی آپ کی بہو بنے گی۔"

"دیکھتے ہیں۔" امی اور دلشاد کا انداز ایک جیسا تھا۔ میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ دل و دماغ میں گھنٹی سی بجی تھی۔ جسے میں اب بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ امی کچھ اور بھی کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں تھیں۔ میں سن نہیں پایا کیونکہ ذہن وہیں اٹک گیا تھا کچھ تو ہوا جو نازلی کو مجھ سے دور کرنے کا باعث تھا لیکن میں ابھی اس تک پہنچ نہیں پا رہا تھا۔

شام میں آپا بھی آ گئیں۔ امی ابو جی سے ملنے کے بعد وہ سیدھا میرے کمرے میں چلی آئی تھیں۔ میں جو کھڑکی کے پاس کھڑا باہر گلی کی چہل پہل دیکھ رہا تھا آپا کی آواز پر چونکا تھا۔

"حد ہوگئی ہے دلبر کم سے کم بوڑھے ماں باپ کا ہی خیال کرلو۔ کیوں اس عمر میں ان کے لیے زندگی مزید تنگ کر رہے ہو۔"

"ان کے لیے زندگی کیسے تنگ ہوگی۔ زندگی تو میری اذیت میں ہے اور مزید آپ لوگ اپنی ضد مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضد نہیں خواہش ہے ہماری۔" آپا میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تصحیح کرتی ہوئی بولیں۔

"اور پھر اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو وہ تمہیں یوں چھوڑ کر نہیں جاتی۔ تمہاری دو دن کی محبت نے تمہیں ہی سب کی نظروں میں مشکوک کر کے رکھ دیا ہے بھول جاؤ اسے۔"

"بھولا ان کو جاتا ہے جن کی یادیں کمزور ہوں یا جو جڑ نہ رکھتے ہوں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے وہ میرے ساتھ ہے ہر وقت۔ ہر پل۔ یہاں وہاں ہر جگہ۔" میں ہذیانی کیفیت میں بولتا کمرے میں مختلف جگہوں پر اشارہ کرنے لگا۔ آپا کی نظریں مجھ پر تھیں جن میں میرے لیے تاسف ہی تاسف تھا۔

"تم ایسے تو نہ تھے دلبر۔ تم مجنوں کی پوشاک پہنے کوئی بہروپیے ہو ورنہ محبت میں تو انسان پہلے اپنوں کو ترجیح دیتا ہے جب کہ تم اس لڑکی کے لیے اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے ہو۔ تمہارے نزدیک کسی اور کی خوشی و غم کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔" وہ دکھ سے کہتی ہوئی بیڈ کے ایک سائیڈ پر دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کیسے سمجھائیں اور میں اپنے گھر والوں کو اپنی محبت نہیں سمجھا پا رہا تھا۔ میں اپنے احساسات الفاظ کے ذریعے ان پر واضح نہیں کر پا رہا تھا میں دکھ سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تم نے کہا تھا کہ ہم تمہارا رشتہ لے کر اس کے گھر جائیں تو بتاؤ کب جائیں؟" آپا کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں اور اپنے سابقہ انداز میں بولیں تو میں انہیں دیکھنے لگا۔ نازلی سے اگر میرا کوئی رابطہ ہوتا تو میں ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر کہتا "ابھی......" لیکن میں مجبور تھا۔

"میں تمہیں دو دن دیتی ہوں دلبر۔ یا تو تم ہمیں نازلی کے گھر لے چلو یا پھر اسے بھول کر دلشاد سے شادی کرلو۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کرسکتی۔" ان کی بات کے اختتام پر میں نے سر جھکا لیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اپنے گھر والوں کو نازلی کے گھر لے کر نہیں جانا چاہتا تھا مسئلہ یہ تھا کہ اس نے رابطے بحال نہیں رکھے تھے اور میری مسلسل فون کالز و میسجز کا ریسپانس نہیں دے رہی تھی۔ نجانے اس کے ساتھ کیا مجبوری تھی۔

آپا کمرے سے چلی گئیں تھیں اور میں سر جھکائے وہیں کھڑا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ دل و دماغ کسی صورت گھر والوں کی بات ماننے محبت کی قربانی دینے پر آمادہ نہیں تھے جب کہ دوسری طرف نازلی کے کسی مصیبت میں گھرے ہونے کی طرف اشارہ بھی کر رہے

تھے۔ میں چاہ کے بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

❁......❁......❁......❁

فطرت انسانی میں شامل ہے کہ وہ موازنہ کرتا ہے۔ کپڑوں سے لے کر استعمال کی ہر چیز کا یہاں تک کہ انسانوں کا بھی۔ اس کی بیوی ایسی ہے میری ایسی۔ اس کا گھر ایسا ہے اور میرا ایسا۔ اسی لیے طبقات بھی انسان نے خود بنا لیے ورنہ اللہ نے انسانوں کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ فرق صرف مذہب کا آ گیا ورنہ دو آنکھیں، دو کان، ہاتھ پیر سب کے ایک جیسے ہی تو ہیں۔ یہاں تک کہ دماغ بھی۔ بس استعمال کا طریقہ الگ کر دیا۔ اگر سب ایک طرح سے سوچتے تو جھگڑے ہی نہ ہوتے۔ اس لیے ہر ایک کی رائے بھی الگ۔

دلشاد کے حوالے سے جو رائے میری تھی۔ اس سے میرے گھر والوں کا متفق ہونا ضروری نہیں تھا اور نہ ہی میں زبردستی ان کے ذہنوں میں نازلی کو بٹھا سکتا تھا۔ اس لیے میں تحمل سے رات کے آدھے پہر اپنے نیم تاریک کمرے میں بیٹھا نازلی اور دلشاد کا موازنہ کرنے لگا۔ گو کہ نازلی میری محبت تھی زندگی میں کسی کو چاہ کر اسے حاصل کرنے کی پہلی خواہش میں شامل تھی۔ لیکن اس کے اور میرے درمیان میرے اپنوں کی ضد کی دیوار آ کھڑی ہوئی تھی۔ جسے اب میں گرانے میں کمزور پڑ رہا تھا۔ اور وجہ بھی نازلی بن رہی تھی کیونکہ اس کے اور میرے درمیان فی الحال کوئی رابطہ نہیں تھا۔ وہ میرے اکیلے کی محبت تھی جب کہ دلشاد کے حق میں فیصلہ دیتے گھر کے سارے افراد شامل تھے۔ سوائے میرے۔ اس لحاظ سے دلشاد کا پلڑا بھاری تھا اور میری محبت کے حساب سے نازلی کا جو مقام میرے دل میں تھا وہ میں کسی اور کو دینے کا روادار نہیں تھا۔ میرے اندر بے چینی بڑھنے کے ساتھ سوچیں مفلوج ہو کر رہ گئیں تھیں۔

”نازلی کہاں چلی گئی ہو۔ مجھے اس حال میں چھوڑ کر کہ زندگی تنگ ہو گئی اور موت آ کر نہیں دیتی۔ کسی کروٹ چین نہیں ہے۔ ایک بار کہیں مل جاؤ۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں تم سے کہ آ خرتم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔“ میں خود کلامی میں کہتا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی کی بیک سے ٹیک لگاتا آنکھیں موند گیا۔

ہر کوئی مجھے ہی موقع دے رہا تھا جب کہ نازلی سے ہٹ کر میں کچھ اور سوچ ہی نہیں پا رہا تھا لیکن اب مجھے سمجھوتے کے تحت کوئی قدم اٹھانا تھا اور موقع کی یہ بال نازلی کے بجائے دلشاد کے کورٹ میں پھینکنی تھی۔ اپنے لیے نہیں گھر والوں کے لیے ہی سہی۔ مجھے یہ قدم تو اٹھانا ہی تھا۔ یہ اس رات کی آخری سوچ و فیصلہ تھا۔ جس کے بعد میں نے اپنی بے چینی مزید بڑھا لی تھی۔ دل و دماغ ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش میں جھگڑ پڑے تھے اور بستر پر کروٹ بدلتے میری رات تمام ہو گئی تھی۔ فجر کی اذان کے ساتھ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زندگی اتنی تلخ نہیں جتنی محبت کرنے کے بعد ہو گئی تھی۔

اذان فجر کی آواز اب قریب کی مسجد سے آ رہی تھی اور مجھے اپنے سکون کے لیے ایک امید کی کرن نظر آئی تھی۔ کتنا خود غرض تھا میں اپنے سکون کے لیے اپنی خوشی کی تلاش میں وضو کرتا اپنے اللہ کے گھر کی طرف چند لمحوں کی عبادت کے لیے موجود تھا۔ وہی لمحے جو مجھ پر گراں گزرتے تھے اور آج وہاں میرا سکون موجود تھا۔ میرا دل مسجد سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اپنی ہر بات اللہ سے کرتا اپنے دل و دماغ کو قدرے پرسکون محسوس کرتا اپنا معاملہ اس کے سپرد کر آیا تھا۔

یہاں بھی میری خود غرضی شامل تھی۔ یعنی اپنے لیے ہی آیا تھا اور اپنا معاملہ اس پر چھوڑ کر اسے ہی بہتر کرنے کو کہا تھا جب کہ اس کے احکامات تو شاذ و نادر ہی مانتا تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا گھر کی جانب رواں تھا اور اب مجھے خود کو تبدیل کرنا تھا صرف اپنے اللہ پاک کے لیے تاکہ میری مشکلات کم ہو جائیں اور جو خطائیں مجھ سے ہوئیں انہیں وہ معاف فرما دے۔ زندگی کی ایک نئی صبح میری منتظر تھی۔

❁......❁......❁......❁

زندگی کو بہتر کرنے کے لیے میں نے امی ابو جی سے

بھی معافی مانگ لی۔ یہ ضروری اس لیے بھی تھا کیونکہ اپنے آپ کو بدلنے کے لیے میرا پہلا قدم تھا اور شروعات اپنوں سے ہی کرنی تھی۔ میں نے ان کا دل دکھایا تھا تو میرے دل کی دنیا کیسے آباد رہتی۔

واحد نرینہ اولاد تھا۔ اس لیے امی ابو نے کچھ ناراضگی و خفگی کے بعد مجھے معاف کر دیا تھا۔ میرے دل سے ایک بوجھ سرک گیا۔ کچھ حد تک میں سب بھلائے مطمئن زندگی کی طرف لوٹتا اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

اسی شام پھوپو مٹھائی کا ڈبہ لیے خوشی سے چہکتی ہوئیں گھر میں داخل ہوتی سب کو حیران کر گئیں تھیں۔

"ارے صبوحی تم نے بتایا ہی نہیں اور آناً فاناً دلشاد کی بات طے کر دی۔" امی حیرت سے بولیں۔ "یہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات ہوئی۔"

"دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ تو پھر میں کیوں اپنی بیٹی کو جلتے تنور میں پھونک دیتی۔ جب دلبر ہی راضی نہیں تو پھر کاہے کی ضد۔"

"صبوحی تھوڑا صبر کر لیتی۔ ہم اس کو منا ہی لیتے۔" میں جو آفس سے ابھی گھر لوٹا تھا اور امی ابو کو سلام کرنے کی غرض سے ان کے کمرے میں ہی آ رہا تھا۔ ان سب کی آواز پر کمرے کے باہر ہی رک گیا۔ ابو جی کی آواز میں تاسف تھا۔

"کس بات پر صبر کرتی بھائی۔ بچوں کی خوشی جس بات میں ہو ہمیں وہ کرنا چاہیے۔ میں نے بہت سوچ کر یہ قدم اٹھایا ہے۔ زندگی بھر کی رنجش سے یہ بہتر ہے کہ ہم بچوں کی مرضی کے ساتھ چلیں۔"

"دلشاد خوش ہے؟" امی نے پھوپو کی چلتی زبان کو بریک لگائے تھے یا ان کی خود اعتمادی کو مٹی میں ملا دیا تھا میں سمجھ نہیں پایا لیکن امی کا یہ سوال میرے اپنے اندر بھی کہیں تھا۔

"خوشی نصیب سے ملے گی۔ بس نصیب اچھا ہو میری بیٹی کا۔ یہ دعا کرنا بھائی۔ باقی سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ زندگی بھر رونے سے کچھ وقت کا رونا بہتر ہے۔" پھوپو شاید پوری تیاری کے ساتھ آئیں تھیں۔ اس لیے ہر بات بہت وضاحت اور ٹھنڈے لہجے میں کر رہی تھیں۔ میرے لیے موقع اچھا تھا کہ میں ان سے بھی معافی مانگ کر ان کا دل اپنی طرف سے صاف کر لیتا۔ اس لیے میں کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ ابو جی نے ایک نظر مجھے دیکھا جب کہ پھوپو مسکرا اٹھیں۔

"ارے دلبر بیٹا کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں پھوپو آپ کیسی ہیں۔ کافی دنوں بعد آئیں۔"

"بس بیٹا خوشیوں کی تلاش میں تھی۔ امید بھر لائی اور تمنا پوری ہوئی کہ دلشاد کا رشتہ طے ہو گیا۔ اگلے ماہ اس کی شادی ہے۔"

"کیا اتنی جلدی؟" امی کے ساتھ ابو جی بھی چونکے تھے۔ جب کہ میں نے مٹھائی کا چھوٹا ٹکڑا پھوپو کے منہ میں رکھ دیا۔

"مبارک ہو۔"

"خیر مبارک بیٹا۔" وہ مجھ سے مبارک باد وصول کرتیں امی ابو جی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"جلدی کہاں ہے۔ پورے تیس دن ہیں۔ میں تو پندرہ دس دن کی رخصتی سوچے بیٹھی تھی مگر شکر ہے اللہ پاک کا کہ انہوں نے اتنا وقت دے دیا۔"

"پھوپو اس خوشی کے موقع پر مجھے بھی معاف کر دیں۔ میں نے آپ کا دل دکھایا۔" میں پھوپو کے پاس زمین پر بیٹھتے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ گیا۔ ایک لمحے کو ان کی خوشی ماند پڑی تھی لیکن دوسرے لمحے وہ سنبھل کر بولیں۔

"معافی کس بات کی بیٹا تم نے تو بروقت مجھ سے بہتر فیصلہ کروا لیا۔ رشتے بے شک اپنوں میں کرنے چاہئیں تاکہ دل جڑے رہیں لیکن اگر دل کہیں اور جڑ جائے تو پھر اپنا رشتہ بچا لو اور میں نے اپنا رشتہ بچانا ہے جو تمہارے باپ کے ساتھ میرا ہے۔"

"یہ کیسا رشتہ بچایا ہے صبوحی کہ بیٹی کا رشتہ کہیں اور طے

کرآئی ہو۔ وصول کرنے آئی ہو تو مبارک۔ غیر کردیا تم نے۔" ابو جی کے لہجے میں دکھ کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔
"غیر نہیں کیا بھائی۔" پھوپو نے تڑپ کر ابو جی کا ہاتھ تھام لیا۔
"اگر زبردستی بچوں کی شادی کردیتے تو دونوں خوش نہ رہتے میں بیٹی کی محبت میں تڑپتی اور آپ بیٹے کی...... ہم بہن بھائی کی آپس کی محبت تو ان کے آنسوؤں کی نذر ہوجاتی۔ بہتر یہ ہی ہے کہ ہم بچوں کے راستے الگ کردیں۔ دلشاد آپ ہی کی بچی ہے جیسے شائستہ اور رابعہ ہیں۔ اس کے لیے بھی آپ نے ہی کرنا ہے۔ اس لیے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ اب آپ اسے میرا مطلب سمجھیں یا محبت کہ میں امید لے کر آئی ہوں۔"
"کیا غیروں جیسی باتیں کررہی ہو اللہ مبارک کرے۔" امی فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"آپ بھی شکایتیں چھوڑ کر بہن کو اور دلشاد کو دعائیں دیں۔ خوشی کا موقع ہے پرانی باتیں چھوڑیں۔" امی نے آگے بڑھ کر پھوپو کو گلے لگالیا تو ابو جی بھی پھوپو کے سر پر ہاتھ رکھتے انہیں دعاؤں کے ساتھ شادی کے حوالے سے باتیں کرنے لگے تھے۔ میں نے ماحول کو خوشگوار دیکھا تو خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ اللہ کے فضل سے سب کام ٹھیک ہورہے تھے۔ بس اب میرے دل کا معاملہ تھا۔ اسے بھی کچھ وقت بعد قرار مل ہی جانا تھا۔ باقی سب باتیں ماضی کی یاد بن کررہ جانی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

گھر میں دلشاد کی شادی کے ہنگامے شروع ہوئے تو میری مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔ پھوپو کی خواہش تھی کہ دلشاد ہمارے گھر سے ہی رخصت ہو اور پھر ابو جی نے بھی یہ چاہا تھا کہ جس طرح ان کی بیٹیوں کی شادی ہوئی اسی طرح دلشاد کی بھی ہو۔ کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ اس وجہ سے میں آفس سے مارکیٹ اور پھر گھر اور گھر سے پھر مارکیٹ کے چکر لگانے میں گھن چکر بنا ہوا تھا۔ ایسے میں میں تھک کر جب بستر پر لیٹتا تو کب نیند آتی پتا ہی نہیں چلتا تھا۔

اس وقت میں آفس سے ذرا جلدی گھر آ گیا تھا۔ آپا اور امی کو بازار لے کر جانا تھا۔ میں کچھ دیر ستانے کی غرض سے کمرے میں آیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے دلشاد کو کرسی پر بیٹھا دیکھ کر میں دروازے ہی میں رک گیا۔ وہ مایوں کا جوڑا پہنے ہوئے تھی۔
"تم...... یہاں کیا کررہی ہو؟"
"تمہارا انتظار......" میرے پوچھنے پر وہ بڑے آرام سے بولی۔ "دیکھو لو وقت نے تمہارے ساتھ کیسا مذاق کیا کہ تمہاری بچپن کی منگیتر کسی اور کا مایوں کا جوڑا پہن کر بیٹھی ہے اور تمہاری اپنی محبت کا کچھ پتا نہیں۔"
"اس سے تمہیں کیا تم جاؤ یہاں سے۔"
"چلی جاؤں گی۔ ڈرتے کیوں ہو۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اطمینان سے بولی۔ "میں کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کروں گی جس سے تمہاری بدنامی ہو۔ میں تو بس یہ بتانے آئی ہوں کہ میری شادی جس سے ہورہی ہے وہ تمہارا کولیگ ہے اور شاید نازلی کو بھی جانتا ہے۔"
"اچھا پھر۔" میں نے خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ جب کہ اس وقت اس کی موجودگی اور اس کی باتیں زہر سے زیادہ زہریلی لگ رہی تھیں۔
"مفت کی انفارمیشن دے رہی ہوں۔ کزن بھی تو ہوں تمہاری۔"
"شکریہ رشتہ بتانے اور یاد رکھنے کا۔ آئندہ اسی رشتے سے مجھ سے ملنا۔" میرا ضبط جواب دے گیا۔ میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر کی طرف دھکیلا تھا۔
"اب جاؤ یہاں سے۔"
"جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا تمہیں چین سے نہیں رہنے دوں گی۔" وہ شہادت کی انگلی سے مجھے وارن کرتی ہوئی نخوت سے سر جھٹکتی چلی گئی تھی جب کہ میں کتنی دیر اس کے انداز کو سوچتا رہا تھا۔ نجانے وہ کیا کرنے والی تھی۔ میں نے اس کے ساتھ کچھ برا تو نہیں کیا تھا۔ میرا دل ہی اس کی طرف کبھی مائل نہیں ہوا اور جس کی طرف رہا تھا وہ نجانے کہاں تھی۔ میں جو کچھ پل کے سکون کے لیے کمرے میں

آیا تھا وہ خواہش غارت ہوگئی اور اس کی جگہ بے نام سی اذیت نے لے لی تھی۔ میں تھکا تھکا سا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

موسم ابر آلود ہوگیا صبح سے جو سورج آسمان کے سینے پر کسی قمقمے کی طرح روشن تھا۔ وہ اب سیاہ بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا اور لمحے بھر میں تیز بارش کی بوندیں زمین پر مستی سے اچھلنے کودنے لگی تھیں۔ ساتھ ہی تیز ہوا نے موسم کو سرد بنا دیا اور ہر چہرہ خوشی سے مسکرانے لگا سوائے میرے کیونکہ دل کے اندر نازلی کی یادوں کا موسم آ کر ٹھہر گیا تھا اور باہر اداسی ہی اداسی تھی۔ ایک بار پھر میرا ضبط کھو گیا اور اپنے کمرے تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرنا اور سوال کے جواب میں ہوں ہاں کر کے رہ جانا ایک طرح سے میری ناراضگی و غیر تعلقی کا اظہار تھا۔

دلشاد کی شادی کے فنکشن میں بھی میں مختصر سے وقت کے لیے رہا۔ دل ہی نہیں چاہتا تھا شور ہنگاموں میں رہنے کو اور ایسے میں دلشاد کے ہونٹوں پر سجی دھیمی سی مسکراہٹ مجھے نجانے کیا کچھ جتا رہی تھی۔ پھوپو کا بار بار مجھے مخاطب کرنا زبردستی ابو جی کا نام لے کر مجھے کمرے سے بلانا مجھے اندر ہی اندر سلگا رہا تھا۔ وہ زبردستی مجھے کام میں الجھانے کی کوشش کرتے۔ بہانے بہانے سے مجھے دولہا دلہن کے پاس اسٹیج پر لے آتی تھیں۔ مجھ سے اب مزید برداشت کرنا مشکل ہوگیا تھا۔

”آپا“ میں نے آپا کو مخاطب کیا جو مہمان خواتین سے باتوں میں مصروف تھیں۔ مہمان خواتین سے معذرت کرتا میں آپا کو ایک طرف لے آیا۔

”میں بہت تھک گیا ہوں۔ اب اپنے کمرے میں جا رہا ہوں آپ پلیز پھوپو کو سمجھالیں۔“

”کیوں انہیں کیا ہوا؟“ ان کے لہجے میں تشویش در آئی اور میں جز بز ہو کر بولا۔

”وہ مجھے بہانے بہانے سے بلا رہی ہیں اور زبردستی دلشاد و شجاعت کے قریب لے جاتی ہیں۔“

”انہیں کوئی کام ہوگا۔ تم بلاوجہ کا وہم کرتے اپنا موڈ خراب مت کرو۔ ویسے بھی تمہاری جان چھوٹ گئی دلشاد سے۔ اب تمہیں کس بات کی ٹینشن انجوائے کرو۔“ وہ گرم و نرم لہجے میں اپنی بات کے اختتام پر مسکرائیں اور مزید میری کوئی بھی بات سنے بغیر ہی آگے بڑھ گئیں تھیں۔ اب میں انہیں کس طرح بتاتا کہ اس بلا نے جو دھمکی مجھے دی تھی اسی نے میرا موڈ خراب کر رکھا تھا۔ میں دلشاد کی رخصتی تک مجبوراً رکا پھر فوراً ہی اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

اگر امید و یقین سچی ہو اور مانگنے کا سلیقہ آ جائے تو دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ ویسے بھی میری قسمت میں دلشاد نہیں تھی اور اب جب اس کی شادی ہوگئی تھی تو میں مزید مطمئن ہوگیا تھا۔ لیکن نازلی کے جانے سے جو خلا زندگی میں آ گیا تھا وہ ابھی تک موجود تھا کیونکہ میں نے اسے فل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی جب کہ دوسری طرف ایک بار پھر جوش و خروش سے گھر میں میری شادی کا ذکر چھڑ گیا تھا اور اب پھوپو بھی پیش پیش تھیں وہ بھی دلشاد کے سسرال میں کوئی لڑکی میرے لیے پسند کیے بیٹھی تھیں لیکن میں ابھی اس موضوع پر بات کرنے سے انکاری تھا۔ اس سے پہلے کہ مجھ پر زور زبردستی کر کے اپنی بات منوائی جاتی کہ میرے دل کی مراد بر آئی یا میری دعاؤں و صبر کا نتیجہ تھا کہ اس سرمئی شام دھانی آنچل سنبھالتی نازلی میرے سامنے آ گئی۔ میں اس وقت ابو کی دوائیں لینے میڈیکل اسٹور کی طرف بڑھتے ہوئے اچانک اس سے ٹکرایا تھا۔

”سوری“ اسے گرنے سے سنبھالتے ہوئے جیسے ہی میری نظر اس پر پڑی میں چند لمحوں کو ساکت ہوگیا تھا۔ پھر یکلخت میں نے اسے اپنے مقابل کھڑا کرلیا۔

”نازلی...... یہ تم ہی ہو نا ناز......!“ اس کا سر بہت آہستہ سے اثبات میں ہلا تھا کہ میں اسے کھینچتے ہوئے سائیڈ پر لے آیا۔

”کہاں چلی گئی تھیں تم۔ مجھے بتائے بنا اور پھر سارے رابطے بھی توڑ ڈالے کیوں کیا تم نے ایسا بتاؤ؟“ میں مٹھیاں بھینچے بہت ضبط سے بول رہا تھا ورنہ دل چاہ رہا تھا اسے پوری قوت سے جھنجھوڑ ڈالوں۔

"پتا نہیں بس مجھے نہیں پتا۔" اس کی بے بسی پر میں یکدم دھیما پڑ گیا۔

"کتنا تڑپا ہوں میں تمہارے لیے اور تم تک پہنچنے کے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی مجبوری تھی تمہارے بابا اور بھائی نہیں مان رہے تھے تو کم از کم مجھے بتا تو دیتیں۔"

"نہیں بابا اور بھائی کو تو میں نے منالیا تھا۔" وہ بے اختیار کہہ کر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی تو میں نے اپنی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمادیں۔ بولا کچھ نہیں۔

"وہ ایسا ہے کہ......" خاصی تاخیر سے وہ غالباً خود کو لاچار محسوس کر کے گویا ہوئی تھی۔

"تمہاری کزن جو بچپن سے تمہارے ساتھ منسوب تھی اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم دونوں کے راستے سے ہٹ جاؤں کیونکہ تم دونوں کی شادی طے ہے۔"

"دلشاد" میرے اندر چنگاریاں بھر گئیں۔ "دلشاد نے۔"

"میں نام نہیں جانتی لیکن دلبر وہ بہت رو رہی تھی اور کیوں نہ روتی بچپن سے تمہارے خواب دیکھ رہی ہوگی۔ تمہیں اس کے خوابوں کی لاج رکھنی چاہیے۔" وہ نرم دل لڑکی مجھے دلشاد کی محبت کا احساس دلانے میں جانے کیا کچھ بولے چلی جارہی تھی کہ میں نے بھڑک کر ہاتھ اٹھادیا۔

"بس کرو ناز۔ وہ میری منگیتر نہیں تھی اور نہ ہی اسے مجھ سے محبت تھی۔ اگر ہوتی تو یوں کسی اور کا گھر نہ بسائے بیٹھی ہوتی۔"

"کیا؟" وہ ایک دم مجھے دیکھنے لگی۔

"ہاں لیکن اب میں اسے بسنے نہیں دوں گا۔ میری محبت چھین کر کیا سمجھتی ہے وہ کہ خود چین سے رہ لے گی۔ ہرگز نہیں اور تم...... تم نے بھی اس کا یقین کرلیا۔ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ چپ چاپ نکل گئیں میری زندگی سے۔" میں آخر میں جیسے ٹوٹ گیا تھا۔

"کہاں نکل گئی کھڑی تو ہوں تمہارے سامنے۔" اسے شاید مجھ پر ترس آیا تھا۔

"تم بہت ظالم ہو۔" میرے حلق میں گولا سا اٹک گیا تھا۔

"پتا نہیں۔ مجھے تو بس اتنا پتا ہے کہ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔" اس کی پلکوں سے دو موتی ٹوٹ کر گرے تھے جنہیں مٹی میں ملتے دیکھ کر میرے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

"دلشاد...... میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"پلیز دلبر تم ایسا کچھ مت سوچو۔ اگر تم سمجھتے ہو وہ تمہاری گناہ گار ہے تب بھی معاف کردو اسے۔" اس نے فوراً ٹوک کر کہا تو میں ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگا۔

"میری خاطر دلبر ہماری محبت کی خاطر۔" وہ بے اختیار میرا ہاتھ تھام کر منت سے گویا ہوئی تھی۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں اسے سزا دے کر تم خود چین سے نہیں رہ پاؤ گے اکثر نہیں تو کبھی کبھی پچھتاوا ضرور گھیرے گا جب کہ میں اپنی آئندہ زندگی تمہارے ساتھ مکمل سکون سے جینا چاہتی ہوں۔"

"ناز......" اس کے ہاتھ پر میری گرفت مضبوط ہوگی۔ ایک اچٹتی نظر اطراف میں ڈال کر میں پھر اسے دیکھنے لگا۔ جو مجھے نئی زندگی کی نوید دے رہی تھی۔ میرے دیکھنے پر بڑی آس سے پوچھنے لگی۔

"معاف کردو گے ناں اسے؟"

"ہوں۔ لیکن ایک بات ضرور کہوں گا اس سے۔" میں نے کہا تو اس کی نظریں بے چینی سے میرے چہرے پر بھٹکنے لگیں۔

"یہی کہ جب اللہ نے دلبر اور ناز لی کا جوڑ بنا دیا تھا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں توڑ سکتی تھی۔ ہے ناں۔" میں نے تصدیق چاہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پلکیں جھکالی تھیں۔

❁

آخری کنارہ

نورین مسکان

شام سرخ ساڑھی لپیٹے روئے زمین کو اپنے پلو میں چھپانے کو بے تاب تھی۔ جس کی وجہ سے اندر کمرے میں ملگجا سا اندھیرا رفتہ رفتہ تاریکی میں بدلتا جارہا تھا۔ اندھیرا پھیلنے کے ساتھ اس کا دماغ روشن ہورہا تھا۔ یادوں کے کواڑ پچھتاوؤں کی سرد ہوا سے دھڑا دھڑ کھل گئے تھے اور زندگی کا ہر ایک لمحہ کسی فلم کے شوخ و چنچل سے کردار کی طرح اس کے دل کے نہاں خانوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ جس سے دل میں سوائے پرانے زخموں پر جمے کھرنڈ کھرچنے کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔ یہ کھرنڈ تو مسلسل دو تین سالوں سے اترتے چلے آرہے تھے اور ان کے بہاؤ کی اس شوریدہ سری سے وہ زخم ناسور بن کر بہنے لگے۔

ہر یاد پر اور ہر پچھتاوے پر درد کی ٹیسیں دل کی دنیا کو تہہ و بالا کردیتیں۔ اس کے دل میں ایک ہوک اٹھی اور آہ نے چند سیکنڈ سانس لے کر دم توڑ دیا۔ وہ اب ان سب چیزوں کا عادی ہوچکا تھا۔ تمام غلطیوں کا معترف تھا لیکن اس کے پاس ازالہ کرنے کا وقت تھا اور نہ ہی کوئی طریقہ۔ کبھی تو وہ معذوری کی حالت میں چھت پر لگے پنکھے کے تینوں پروں کو تکتے دن کے تینوں پہر گزار دیتا اور شام تک وہ اسی شغل میں مگن رہتا تھا۔ شام کو مغرب کی جانب لان میں کھلتی کھڑکی پر نگاہیں جما دیتا جس کے اس پار شفق کی لالی دن کے اجالے سے منہ بسورتی ہوئی افق کے پار کالے اندھیرے کی چادر کا حجاب اوڑھ لیتی اور رات کے نمودار ہوتے ہی اس کی آہیں بڑھ جاتیں، دل پر بوجھ بڑھ جاتا۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے تب وہ گریبان کے بٹن کھول کر گہری اور ٹھنڈی سانس لیتا مگر سکون کہیں بھی میسر نہ آتا۔

کبھی اسے رونے کی طلب ستاتی اور کبھی اس کا قہقہے لگانے کو دل چاہتا۔ لیکن سب سے کٹھن مرحلہ اس پر اس وقت آتا جب وہ اور اس کی ساتھی تنہائی ایک دوسرے سے تنگ آجاتے...... انہیں ایک دوسرے سے غافل رہنا اچھا لگتا وہ خود سے باتیں کرنا چاہتا تھا اور نہ اسے کسی کی باتوں میں دلچسپی محسوس ہوتی۔ ایسے میں وہ ساری دنیا سے روٹھ جاتا۔

اس کی ہم جولی...... اس کی سہیلی تنہائی بھی اس سے حد درجہ بدگمان سی ہوجاتی۔ جیسے وہ اپنا دکھ اس سے بانٹنے کے لیے اس پر اعتبار نہ کررہی ہو۔ ہم انسان کتنے عجیب ہوتے ہیں بھیڑ میں ہوں تو تنگ آکر تنہائی کی طرف بھاگتے ہیں اور تنہائی میں ہمیں کسی ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جسے اپنے سارے غم سونپ دینے کو دل کسی پنجرے میں قید پنچھی کی طرح پھڑ پھڑانے لگتا ہے۔

اس نے ایک بار پھر ٹھنڈی آہ بھری اور ملگجے سے اندھیرے میں ہی کمرے میں طائرانہ نگاہ دوڑائی۔ ہر چیز اسے میسر تھی۔ ہر چیز سے اعلیٰ ذوق اور معیار بخوبی ظاہر ہورہا تھا۔ اس کے اجلے لباس سے مہنگے کلیون کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ سب کچھ تھا...... مگر...... کوئی چیز تھی جو اس کے پاس نہیں تھی۔ ایسی کیا چیز تھی جس کے لیے وہ تڑپ رہا تھا۔ شاید یہ تڑپ برسوں سے اس کے دل میں لاوا بن رہی تھی اور اب اچانک ہی وہ لاوا پھٹ پڑا۔

اس کے چہرے کا غرور خوب صورتی سب ختم ہوچکی تھی۔ لہجے کی حلاوت میں چڑچڑاہٹ اور بیگانگی آسمائی تھی۔ تن پر جدید اور کلف زدہ کپڑوں کی جگہ اب سادہ لباس آگیا تھا اور سب سے زیادہ اس کے مضبوط ہاتھوں کی جگہ نازک اور جھریوں زدہ ہاتھ تھے جن میں

ہمہ وقت کپکپی طاری رہتی تھی اور اب ان کپکپاتے لرزتے اور سسکتے ہاتھوں میں ایک عدد تسبیح کا اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے بیڈ کے بالکل سامنے جنوب کی جانب ایک بڑا سا گھڑیال تھا۔

جس نے رات کے دس بجنے کا عندیہ دیا اور اس کی ساری حسیں بیدار ہوگئیں۔ سارے غم سارے دکھ اور سارے پچھتاوؤں کے راز کھل گئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر گھڑیال کی طرف دیکھا اور ہاتھ سے تسبیح چھوٹ گئی کیونکہ اس کو سارے راز مل چکے تھے۔ اور اب وہ نیم مردہ سا تہی دست تھا۔

☆☆☆......☆☆☆

محمد سعید نے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانے میں آنکھ کھولی اور ایف اے کے بعد اپنے باپ کا کاروبار سنبھال لیا کیونکہ اس کے باپ پر فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا۔ محمد سعید نے اس بزنس کو بڑھانے کے لیے اپنا آپ قربان کر دیا۔ وہ ساری دنیا و مافیہا سے بے خبر اس کاروبار کو بام عروج تک پہنچانے کی دھن میں ایسا مگن ہوا کہ یہ بھی نا جان سکا کہ کب اس کی اماں نے اس کا رشتہ دیکھ کر اس کے سر پر سہرا سجانے کی تیاریاں بھی کرلیں۔

کہتے ہیں جنون خطرناک ہوتا ہے کسی بھی چیز کا کیوں نہ ہو اور اس وقت اسے بڑا آدمی بننے کا جنون تھا۔ وہ ہر چیز میں پیسہ دیکھ رہا تھا۔ اسے گاڑی بنگلہ اور زندگی کی ہر سہولت حاصل کرنے کا جنون تھا۔ وہ اپنی ماں کو اپنے مستقبل میں اپنے بیوی بچوں کو دنیا کی ہر چیز دینا چاہتا تھا اور اسی جنون میں اس نے اپنا آپ تیاگ ڈالا تھا۔

اس کی شادی ایک سیدھی سادی لڑکی نگینہ سے ہوگئی۔ لیکن اس کی مصروفیات میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پھر ابا کے بعد اس کی ماں بھی دار فانی سے کوچ کر گئیں اور دو تین سال بعد محمد سعید ڈیفنس میں بنگلہ خریدنے کے قابل ہوگیا۔

خدا نے اسے ایک نعمت اور پھر رحمت سے نوازا۔ تو اس کی زندگی کی تمام خوشیاں پوری ہوگئیں لیکن وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اداس نظر آتا اسے خود میں کوئی کمی سی محسوس ہوتی۔ گاڑی' بنگلہ بیوی اور اولاد پر پیسہ پانی کی طرح بہا کر بھی تشنگی سی رہتی تھی۔ جیسے وہ کسی صحرا میں سفر کررہا ہو۔ کتنی ہی بار وہ اپنے دل کی پکار سن چکا تھا۔ اسے ایسے لگتا جیسے وہ کوئی جرم کررہا ہو۔ جیسے خود کے ساتھ کوئی زیادتی' کوئی ظلم کر گیا۔ یہی تو اس کو پتہ نہ چل سکا تھا۔

یہ خیال چند لمحوں کے لیے آتا پھر' ہنگامے پارٹیز اور اپنوں کی محفلوں میں کاروباری جھنجھٹ میں پھر سے دفن ہوجاتا اور فراغت میں ایک بار پھر کسی آوارہ پتنگے کی طرح اس کے دل کے گرد چکر کاٹنے لگتا۔ ایک ان جانی سی پریشانی اس پر قابض ہوجاتی اور وہ بے بسی سے کسی قیدی کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا رہ جاتا۔

یہ بے بسی اس وقت اور بھی بڑھ گئی جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے ہمیشہ کے لیے معذور ہوگیا۔ تب تو تنہائی کے پہر میں وہ انجانا دکھ کچوکے لگاتا رہتا اور اب وہ اس درد کا عادی ہونے کے ساتھ ساتھ اس درد سے نڈھال بھی ہونے لگا تھا مگر اب گھڑیال کی ٹن ٹن نے ساری حسیں بیدار کردیں کہ وہ وقت گنوا چکا ہے۔ وقت اس کے ہاتھوں سے پھسل چکا تھا۔ اب تو اس کے بچے کھچے ٹکڑے رہ گئے تھے جواب زندگی کی کٹتی ڈور سے ایک ایک کرکے ہوا میں تحلیل ہوتے جارہے تھے۔

اس کی زندگی کے قیمتی ماہ و سال قیمتی متاع جو لٹ چکے تھے۔ انسان سمجھتا ہے ساری زندگی میں چند سجدے کرکے گویا حق ادا کر دیا۔ دنیاوی گورکھ دھندوں سے فرصت ملتی ہے تو تھکن آ گھیرتی ہے۔ تھکن اترتی ہے تو بھوک ستانے لگتی ہے۔ بھوک مٹ

جائے تو اگلے وقت کی روٹی کی فکر ستانے آجاتی ہے۔ لیکن اپنی اصل چیز نماز خدا کی یاد کو بھلا دیتا ہے۔ دل اللہ کا گھر ہے اور جس دل میں اللہ کی یاد نہ ہو وہ دل مردہ ہوجاتا ہے۔ اس کے دل پر سکون چین اطمینان حرام ہوجاتا ہے۔ جس رزق پر اللہ کا شکر ادا نہ کیا جائے اس میں سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ اللہ بڑا غیور ہے۔ وہ کبھی طعنے نہیں دیتا۔ نہ ہی رزق چھینتا ہے۔ ہاں وہ برکت نہیں دیتا' ذائقہ اٹھالیتا ہے۔ دلوں کی دنیا میں غم کے زلزلے برپا کردیتا ہے اور یہی اس کا حق ہے کیونکہ ''اللہ ہر شے پر قادر ہے'' انسان کو یہ سب یاد تو آجاتا ہے اپنی ساری غلطیاں سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن زندگی کے آخری کنارے پر پہنچ کر جب ہر شخص ہاتھ ملتا ہے سب کو وقت کی قدر ہوجاتی ہے۔ سب کو سجدوں سے پیار ہوجاتا ہے۔ ہر کوئی خدا سے عشق کرنے لگتا ہے۔ ہر شخص کو دنیاوی زندگی مقام فنا نظر آتی ہے۔ اس وقت تو ہر کوئی موت کے اٹل فیصلے پر سر جھکا لیتا ہے۔ لیکن اس وقت بہت دیر ہوجاتی ہے زندگی بوڑھی ہوجاتی ہے اور اس کے جھری زدہ ہاتھوں سے موت کا قوی ہیکل دیو انسان کو جھپٹنے لگتا ہے اور زنجیریں جکڑ دی جاتی ہیں۔

پھر یہ ہر انسان کا مقدر کہ اسے کلمہ بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ آخر وقت میں زندگی کے لمحوں میں سے زہے نصیب کہ کوئی لمحہ اچھائی کا مل جائے تو......وہ اندھیرے میں روشنی کا کام دیتا ہے۔ ورنہ ہماری غفلت ہمارا غرور ہوس اور اکڑ کے طمطنے ہمیں لے ڈوبتے ہیں۔

وہ بھی اس وقت زندگی کے آخری کنارے پر تھا اور اسے دنیا سے محبت کا جرم یاد آگیا تھا۔ اسے معلوم ہوگیا تھا کہ دنیا فریب ہے۔ ایک سراب جس کے پیچھے وہ اندھا دھند بھاگتا آیا مگر وہ ہاتھ نہ آسکی۔ بلکہ بنا محسوس ہوئے ہاتھوں سے تیزی سے پھسلتی رہی کسی ریشم کے خوشنما دھاگے کی طرح۔ کسی صحرا میں موجود اس پیاسے کی طرح جس کے ہاتھ میں پانی کے چند قطرے ہوتے ہیں اور جنہیں نوش کرنے کی حسرت ہی رہ جاتی ہے بند مٹھی میں دب ریت کی طرح ہوتے ہیں جو پھسلتی جاتی ہے۔ اس کے سینے کا مسلسل درداب اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اسے لگا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہو' سانس اکھڑ رہی ہو۔ سینے پر پچھتاوؤں کا بوجھ تھا اپنی زندگی کے چالیس سال اس نے دھن دولت کی ہوس' جھوٹی انا اور عزت کے پیچھے بھاگ بھاگ کر نیلام کردیئے تھے اور پھر وقت نے اسے بستر سے لگا دیا۔ اس کے دل کو درد کے طوفانوں سے بھر دیا۔ دیوانگی کے بعد فرزانگی دے دی۔ حواس واپس کردیئے اور اب وقت اسے زندگی کی سرحد سے اس پار دھکیل کر آگے بڑھنا چاہتا تھا اس کے دامن میں اچھائیاں تھیں مگر شاید نیکیاں نہیں تھیں۔ فرض کے قرض تھے مگر شکر بھی موجود تھا۔ چند فرائض کی ادائیگی تھی لیکن عبادت نہیں تھی۔ المختصر توشۂ آخرت میں خلا نہیں تھا تو لبالب بھرا کاسہ بھی نہیں تھا۔ یا شاید اس کی نظروں سے پوشیدہ بہت سی نیکیاں تھیں۔

اب اس کی قسمت کہ اسے کلمہ بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں۔ یہ سوچ کر وہ درد سے تڑپنے لگا۔

''میرے اللہ مجھے معاف کردے'' اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی اور بے شک بنا سجدوں کو ادا کیے زندگی گزارنے والے کے اندر بسے مسلمان انسان نے توبہ کرلی تھی اور اس شخص کی زبان کے آخری الفاظ کل کائنات سے بھی زیادہ بھاری اور بڑے تھے اور یہ ہی اللہ کو پسند آگئے تھے۔ وہ آنکھیں موندے آخری کنارے سے آخری قدم بھی اٹھا گیا۔

میری ہمدم میری دوست

خدیجہ جلالی

''ہم اس شہر میں رہنے کے لیے آئے ہیں' جانے کے لیے نہیں ہمیں اپنے شہر میں رکھ لیں۔''

اس نے گنبد خضریٰ کے نیچے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے وہ قبولیت کی گھڑی تھی...... اس کی دلی تمنا آرزو اور خواہش کو پذیرائی ملی...... وہ تو سب سے بڑے مہمان نواز ہیں ان کے در سے خالی کوئی نہیں گیا...... وہ ان سے پناہ مانگ رہی تھی' جنہوں نے اپنے جانی دشمن کے گھر کو بھی دارلامان قرار دیا تھا۔

وہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی ان کی امتی ان کے شہر میں رہنا چاہتی تھی...... اس شہر میں رہنا کون نہیں چاہتا۔

میری عزیز دوست نصرت شاہین' مدینہ منورہ پہنچی تھی...... اس کے شوہر جن سے سال بھر قبل اس کا نکاح ہوا' بینک میں ملازم تھے اور سسر قیام پاکستان سے پہلے سعودی عرب آئے اور پھر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔

بیوی بچے راولپنڈی میں تھے...... جب بیٹے نے بی اے کیا تو سعودی عرب بلالیا اور بینک میں ملازم کرادیا۔

ان کا گھر حرم شریف کے پاس تھا۔ کچن کی کھڑکی گنبد خضریٰ کی طرف کھلتی وہ درود شریف پڑھتی دعائیں کرتی کام میں مگن رہتی...... کیا خوش نصیبی سی خوش نصیبی ہے۔

وہ بتا رہی تھی کہ اس نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر اصلی حالت میں دیکھا جو آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر قیام کرنے کا اعزاز پا گیا۔ حضرت ایوب انصاری کے اجداد اسی شہر میں تھے جب یہاں سے گزر ہوا تو کسی راہب نے بتایا آخری نبیؐ ہجرت کے بعد یہاں تشریف لائیں گے' ان کے خاندان کے بزرگ غائبانہ ایمان لائے اور اپنا پیغام آگے تک پہنچایا اور یہ امانت نسل در نسل اس خاندان میں منتقل ہوتی رہی اور جب قصویٰ پر سوار آپ ﷺ اس شہر میں تشریف لائے تو ہر فرد یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا کہ آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کرے لیکن آپ ﷺ نے فرمایا قصویٰ خود بخود جہاں رکے گی میرا قیام وہیں ہوگا' حکم ربی تھا اور فیصلہ ازل ہوچکا تھا۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

وہ بتا رہی تھی جس گھر کی کرایہ دار تھی اب وہ بھی حرم کی حدود میں شامل ہوگیا ہے۔

اتنی قربت نصیب والوں کو ملتی ہے مجھے اس کے بخت آور ہونے پر رشک آ رہا تھا' ساری نمازیں مسجد نبوی میں ادا کرتی۔ مواجہہ شریف پر دعائیں پڑھنا اس کا معمول بن گیا۔

وہ جب پاکستان سے جا رہی تھی سب اپنی دعائیں لکھ کر دے رہے تھے' میں نے کہا جب بھی حاضری دو درود شریف پڑھ کر میرا نام لے کر میرا سلام عرض کرنا...... میں جب عمرہ کے لیے گئی تو مجھے بتا رہی تھی سولہ سال قیام میں جو ڈیوٹی تم نے لگائی تھی میں باقاعدگی سے ادا کر رہی ہوں اور مجھے اپنی خوش نصیبی پر رشک آیا جہاں میں اتنے سالوں بعد پہنچی ہوں وہاں میرا نام اور سلام روزانہ پہنچ رہا ہے۔ اس نے مدینہ شریف کے چپہ چپہ کی جو ہماری تاریخ ہے زیارت کرائی۔ غزوہ احد کا وہ مقام جہاں جنگ ہوئی' ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

دندان مبارک شہید ہوئے' زخمی ہو کر جس پہاڑ کی کھوہ میں پناہ لی' پہاڑ شق ہوا ایک لمبا نشان شق ہونے کا گواہ ہے۔

پہاڑ موم ہوا...... پہاڑ رویا...... اور جس غار میں قیام فرمایا ایک بندے کے بیٹھنے کی جگہ ہے سر پر سر کے ناپ کا پیالہ اور رستہ پانی جب میں نے دیکھا تو تارکول سے اسے لیپا گیا تھا...... یہ تو ایمان کو تازہ کرنے والے معجزے ہیں۔

وہ درہ جہاں تیراندازوں کو کھڑا کیا گیا اور حکم ملا دشمن ہماری بوٹیاں بھی نوچ لیں تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا اور جب لڑائی ختم ہوئی مسلمان مال غنیمت اکھٹا کر رہے تھے تو انہوں نے اپنا حصہ لینے کے لیے درہ کو چھوڑا تو جیتی جنگ ہار میں بدل گئی۔

غزوہ خندق کے نشان بھی موجود اور ترکوں نے جہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ تھا مسجد بنائی جسے مسجد فتح کا نام دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور خاتون جنت کے خیمہ پر بھی چھوٹی سی مسجد ہے' اسی طرح باقی مسجدوں کے نشان ہیں جو اونچے ٹیلے پر ہیں۔

2011 میں جب عمرہ پر گئی تو ان کی جگہ نئی تعمیر ہو رہی تھی۔ جب پہلی دفعہ 1994 میں گئی تو اس باغ کو دیکھا جہاں یہودی کی غلامی سے نجات کے لیے تین سو کھجوروں کے درخت لگانے کی شرط تھی۔ آپ ﷺ نے باقی صحابہ کے ساتھ مل کر تعداد پوری کی اور اپنے ساتھی کو آزادی دلائی۔

میرے ہادی میرے رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ایک یہودی نے پیشگی شرط رکھی کہ کھجوریں لگائیں جو صبح پھل دے رہی ہوں تو میں ایمان لے آؤں گا...... آپ ﷺ نے اس کی شرط کی تکمیل کی...... رات گئے وہ گیا اور سارے بیج نکال دیئے...... مگر صبح دم دیکھا کہ اس جگہ کھجوروں کا ہرا بھرا باغ لہلہا رہا ہے اور کھجوروں کے خوشے لٹک رہے ہیں لیکن کھجوروں کے اندر گٹھلی نہیں وہ آپ ﷺ سے استفسار کرتا ہے' آپ ﷺ فرماتے ہیں گٹھلیاں رات تم نکال کر جو لے گئے تھے۔

ہر صبح نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ مسجد قبا تشریف لے جاتے اور فرمایا کہ دو نفلوں کا ثواب عمرہ کے برابر ہے' اپنا ایک پختون بھائی عمرہ کے لیے گیا اور جب اسے مسجد قبا کی فضیلت کے متعلق بتایا گیا تو کہنے لگا واہ مولا اپنے گھر میں دوڑا دوڑا کر مار دیا تو عمرہ ادا ہوا' اپنے حبیب ﷺ کے شہر کا معاملہ آیا تو دو رکعتوں پر عمرے کا ثواب دے دیا۔

بئیر عرس (مدینہ میں) ہے حضرت علیؓ کو وصیت کی تھی کہ اس کنویں کے پانی سے غسل دیا جائے...... بیری کے پتے ڈال کر آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

بیئر عثمان غنیؓ کو دیکھا ہجرت کے بعد پانی کا مسئلہ تھا یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا' کنویں کے اندر جگہ تھی جہاں یہودی بیٹھ کر پانی بیچتا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے منہ مانگے داموں وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

عثمانی خلافت نے قدم قدم کو محفوظ کیا...... بدھ کے دن عصر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرنے کے بعد احد کے دامن میں حضرت امیر حمزہ اور دیگر شہداء کے پاس تشریف لے جاتے راستے میں جہاں استراحت فرماتے وہاں بھی چھوٹی سی مسجد بنی ہے...... اسی راستے پر آپ ﷺ نے طویل ترین سجدہ دیا' آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

۱) میری امت میں نفاق نہ ہو۔

۲) چہرے مسخ نہ ہوں......

۳) میری امت غرق عام سے ہلاک نہ ہو۔

حضرت ابوبکر نے بہت انتظار کیا لیکن آپ ﷺ کا سجدہ طویل تر تھا اور واپس جا کر حضرت فاطمہؓ کو بتایا' ان کی تشریف آوری پر سر مبارک اٹھایا' اللہ تعالیٰ نے دو دعائیں قبول فرمائیں اور تیسری نہیں۔

میں نصرت شاہین کی شکر گزار تھی کہ انہوں نے مجھے اپنی گاڑی میں دن رات زیارتیں کروائیں۔ بہت سے ان لوگوں سے ملوایا جو صرف اس محبت کی وجہ سے وہاں سالوں سے رہ رہے ہیں...... ایک ایسی خاتون سے ملوایا جو فیصل آباد کی رہائشی ہے اور جب حاضر ہوتی ہے سلام عرض کرتی ہے تو اسے اس کا جواب ملتا ہے' اس کے قیام کا آخری دن تھا وہ بتا رہی تھی کہ قیام کے لیے گورنر کے سامنے پیش ہونے سے پہلے دعا کی کہ میں صرف یہاں رکنا چاہتی ہوں اور سب کو انکار ہو گیا سوائے میرے۔

عورتوں اور مردوں کی سرائیں دیکھیں جہاں یہ قیام پذیر ہیں۔

یہ کتنا مہمان نواز شہر ہے رمضان شریف میں ہر ایک کی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ اللہ کے مہمانوں کو کھانا کھلانے کی سعادت مل جائے ہر ایک صحن میں اپنا اپنا دستر خوان سجاتا ہے اور منتیں کر کے مہمان بناتا ہے' وہ دن بھر پکانے میں لگی رہتی اور سر شام ٹرالی گھسیٹتے حرم میں پہنچ جاتی وہ بتا رہی تھی کہ سعودی قہوہ تو اندر لے جانے کی اجازت ہے مگر پاکستانی چائے نہیں ...... اور میں پاکستانی چائے تھرماسز میں بھرتی سورہ یسین پڑھتی جاتی کوئی روکتا نہیں۔

یہ بامراد شہر ہے یہاں پر ہر ایک کی سنی جاتی ہے۔

میں نے اولاد کے لیے بہت دعائیں کیں اور کرائیں لیکن میں خالی دامن رہی...... یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کہ کس دعا کو کس طرح قبول فرماتا ہے اور کیا مصلحت ہے اس کے بھید وہ جانے۔

اور پھر اس کو کینسر ہو گیا' بہت علاج ہوا ٹھیک ہونے کے بعد دوبارہ ہوا۔ اس نے اپنے معاملات نمٹائے اور پھر موذی مرض سے لڑتی رہی ...... برطانیہ اور امریکہ میں عزیزوں نے اسے علاج کے لیے بلوایا' لیکن وہ مدینہ شریف کو چھوڑنے کو تیار نہ تھی اگر میں وہاں مرگئی تو مجھے کون یہاں آنے دے گا' میں اسی شہر میں مرنا اور دفن ہونا چاہتی ہوں۔

وہ جمعہ کا دن تھا طبیعت کئی دنوں سے بگڑ اور سنبھل رہی تھی' ڈاکٹر گھر آ یا دوائیاں دیں' اس کے جانے کے بعد عورتوں کا جم غفیر سورہ یسین اٹھائے ہمارے گھر آ گیا' کسی کمرہ میں جگہ نہ بچی' کسی نے اطلاع نہیں دی ہمارے دل نے کہا کہ ہمیں جانا چاہیے اور پھر اس نے جان جان آفرین کے سپرد کر دی بے شک سب کچھ اللہ کا ہے اور سب نے اسی کے پاس لوٹ جانا ہے۔

غسل دیا کفن پہنایا حرم میں نماز جنازہ ادا ہوئی اور اسے جنت البقیع میں لے جایا گیا...... اور لحد میں اتارا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی سنتا ہے' اس کی بھی کتنی دعائیں پوری ہوئیں تھیں۔

وہ اس شہر میں جب آئی تھی...... گنبد خضریٰ کے سائے تلے اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ''ہم اس شہر میں رہنے کے لیے آئے ہیں' جانے کے لیے نہیں' ہمیں اپنے شہر میں رکھ لیں۔''

اسے تو قیامت تک اس شہر میں قیام کا اجازت نامہ مل گیا۔

اس نبی ﷺ کے شہر میں کوئی رہتا نہیں رکھا جاتا ہے۔

●

رفاقت جاوید

وطن عزیز سے محبت

پروین نے امریکا سے ماسٹر کی ڈگری حاصل کی تو پھر پی ایچ ڈی کی خواہش سر ابھارنے لگی اس کی بھاگ دوڑ اور شب و روز کی محنت کو محسوس کرتے ہوئے میں نے ایک دن اس سے فکرمندی سے پوچھا کہ پروین مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم امریکا کی ہو کر نہ رہ جاؤ کیونکہ تمہیں اس ملک کے اپنوں نے ہی جو دکھ و اذیت دی ہے یہاں رہتے ہوئے ان کی تپش تمہیں ہر وقت بے چین رکھتی ہے کیا تم ایسا کرنے کا فیصلہ کر چکی ہو کہ یہ میرا وہم ہی ہے یہ سن کر وہ ذرا سا مسکرائی اور موضوع کو اور سمت لے گئی اپنے اس پیارے ملک اور لوگوں سے مجھے کوئی گلہ نہیں اسی ملک نے مجھے بہت نوازا ہے اور لوگوں نے سراہا ہے قصور تو ہمارا اپنا ہے کہ ہم نے اپنا مسکن پانیوں پر بنا لیا ہے ہمیں اپنے ملک کی قدر نہیں ہم اپنی آزادی میں بھی کھل کر سانس لینا بھول کر فقط اپنی جیبوں کو گرم کرنے پر تلے ہیں رف مجھے بہت افسوس ہوتا ہے نئی نسل کی تمام کریم تو باہر کے ملکوں کو فائدہ پہنچا رہی ہے کیونکہ انہیں یہاں اپنا فیوچر تاریک نظر آتا ہے تو اس عمل کے بعد ہمارے ملک میں ترقی و تابناکی کیسے آ سکتی ہے میں اس دھرتی کی پہچان ہوں اور یہ دھرتی میری اپنی ہے مرتے دم تک اس کی رہوں گی کبھی دھوکا نہیں دوں گی کبھی اس سے ناامید نہیں ہوں کہ معاشرہ خواتین کی یکجہتی سے بدلا جا سکتا ہے جس کی ہم میں بہت کمی ہے میں نے اس کا جواب سن کر اثبات میں سر ہلایا اور سوچنے لگی کہ اگر ہر پاکستانی امیر سے غریب، چھوٹے سے بڑے تک ایسی مثبت سوچ رکھیں تو ہمارا ملک بدنامی و رسوائی اور شرمندگی کے بجائے دنیا کے ہر خطے میں اپنے نام اور شہرت کا نقارہ بجانے میں دیر نہیں لگائے گا اسے کیا علم تھا کہ اس کا اپنا رول پرائی دنیا کا باسی بن جائے گا اور عورتوں کی یکجہتی اس کا انوکھا خواب تھا اس کی تعبیر بھی نظر نہیں آ رہی۔

ایک نظم حاضر خدمت ہے۔

چیلنج

حاکم شہر کے ہرکارے نے
آدھی رات کے سناٹے میں
میرے گھر کے دروازے پر
دستک دی ہے
اور فرمان سنایا ہے
آج کے بعد سے
ملک سے باہر جانے کے سب رستے خود پر بند سمجھنا
تم نے غلط نظمیں لکھی ہیں
اے ایس آئی سے کیا شکوہ
اس نے اپنا ذہن کرائے پر دے رکھا ہے
وہ کیا جانے
مٹی کی خوشبو کیا ہے
ارض وطن کے رخ سے بڑھ کر
آنکھوں کی راحت کیا ہے
حاکم وقت کی نظروں میں
میری وفاداری مشکوک ہی ٹھہری تو
مجھ کو کچھ پروا نہیں
جس مٹی نے مجھ کو جنم دیا ہے
میرے اندر شعر کے پھول کھلائے ہیں
وہ اس خوشبو سے واقف ہے
اس کو خبر ہے
فصل خزاں کو فصل خزاں کہنے کا مطلب
گلشن سے غداری نہیں ہے
اور اگر ایسا ٹھہرا تو
حاکم وقت کے ہرکارے
مجھ پر فرد جرم لگائیں
خاک وطن کو خلعت پہنائیں
(انکار)

مہمان اور میزبان

پروین ایسی مہمان تھی جو پھول سے بھی ہلکی تھی جسے اپنے میزبان سے کسی قسم کی توقع نہیں ہوتی تھی کہ اسے پروٹوکول دیا جائے ٹیبل پر پر تکلف کھانے سجائے جائیں اور اس کی مدح سرائی میں زمین و آسماں کے قلابے ملائے جائیں اس کی ایسی سوچ ہی نہیں تھی وہ ایک خوددار اور غیرت مند خاتون تھی وہ دوسروں سے خاطر مدارت کرانے میں ہتک محسوس کرتی تھی جہاں وہ تکلفات سے بھرپور، شو بازی اور پیسے کی نمائش میں ملوث میزبان کو دیکھتی تھی وہاں کی دعوت دوبارہ قبول نہ کرتی تھی۔
جن گھروں میں وہ بحیثیت اہل خانہ کے تصور کی جاتی تھی جہاں وہ دوسروں کے لیے زحمت نہیں بلکہ باعث رحمت بھی

جاتی تھی جس گھر کے مکین اس کی قربت سے لطف اندوز ہوتے ہوں اور اپنے گھریلو شیڈول میں اس کی وجہ سے تبدیلی لانے کو اہم نہیں سمجھتے ہوں بلکہ اسے اپنے ساتھ ہی شامل کر کے اپنے گھر کا فرد تصور کرنے لگیں پروین آپا کے گھر کی مثال آپ کے سامنے ہے یہ انہی کی ہو جاتی تھی پروین کو دوسرے کے گھر کو اپنا بنانے کا سلیقہ اور طریقہ آتا تھا اور دوسروں کے ذہن پر چھا جاتی تھی اور دلوں میں اپنا گھروندا بنا لیتی تھی طنز و مزاح، شریر لفظی اور چھیڑ چھاڑ کے باوجود اپنے وقار و عزت میں کمی نہ آنے دیتی تھی ان حدوں کو وہ بخوبی جانتی تھی دوسروں کی خلوت کا احترام کرتے ہوئے کبھی ان کی نجی زندگی میں دخل اندازی نہ کرتی میاں بیوی کے تعلقات کی جانچ پڑتال کرنے اور کن سوئیوں سے پرہیز کرتی اور جب دیکھتی کہ دونوں کسی اہم مسئلے کو ڈسکس کر رہے ہیں تو وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔

نیز اس وقت تک غائب رہتی جب تک دونوں اپنے مسائل سے باہر نہ نکل آئیں گھر میں رہتے ہوئے کبھی بھی کسی کی حرکات وسکنات اور انداز گفتگو کو تنقیدی اور منفی رنگ نہ دیتی تھی چاہے وہ کہیں پر غلط ہی کیوں نہ ہو، بہت صبر و تحمل سے کام لیتی کسی ملازم کو تحکمانہ انداز میں بات نہ کہتی تھی وہ ایسی خوب صورت شخصیت کی مالک تھی کہ گھر کے تمام ملازمین اس کے دل کی بات اور خواہش کو جان جایا کرتے تھے اور اس کے کہنے سے پہلے ہی آداب بجالاتے تھے ہمارا پیار تو بے اور ہمدردانہ رویہ اس کی اپنی خصلتوں کی وجہ سے نہ صرف برقرار تھا بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوا تھا یقین جانیے میں مبالغہ آرائی سے کام نہیں لے رہی ہمارے خاندان میں بھی اسے بے پناہ عزت و تکریم حاصل تھی کیونکہ وہ گھر میں آنے والے ہر مہمان سے تپاک سے ملتی اور انہیں اپنا قیمتی وقت دیا کرتی تھی اس کی باتوں میں ایک تجربہ بولتا تھا اس کی آواز میں سچائی کا سحر پنہاں ہوتا تھا اسے دوسروں کو عزت دینا اور اپنی عزت کرانے کا ڈھنگ آتا تھا۔

پروین اپنی پسند کے کھانے کا اظہار کر کے خاتون خانہ کو تکلیف نہ دینے سے بہت گھبراتی تھی اس سے جب بھی وہ پوچھا کرتی تھی کہ آج آپ کا اپنی پسند کا کھانا بتائیں ہم بھی وہی کھائیں گے تو مجھے ایک ہی فقرے سے مطمئن کرنے میں کامیاب ہو جایا کرتی تھی کہ رف مجھے ہر طرح کا کھانا پسند ہے میں نے وقت گزرنے کے ساتھ اس کی پسند کو پالیا تھا اسے ہر طرح کا سوپ، پلاؤ اور چائینز کھانے بہت پسند تھے دیسی مرغن کھانوں سے رغبت نہیں تھی چائے اور کافی بھی بہت پسند تھی جبکہ پان سے شدید نفرت تھی پنجابی اپنے دیسی مشروب کو ہمیشہ سے اولیت دیتا آیا ہے گرمیوں کی دوپہر میں اسے نوش کیے بغیر وقت گزارنا بہت مشکل لگتا ہے پروین پہلے تو مروتاً ہمارا ساتھ دیتی رہی بعد میں لسی اس کا پسندیدہ مشروب ثابت ہوئی ایک دن پروین آپا کے گھر میں اس نے لسی پینے کی خواہش کی تو ان کے شوہر آغا صاحب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر پنجابی میں کہا "آخر پنجابی دوستوں نے لسی پینا سکھا ہی دیا" یہ بات آغا صاحب نے ہمیں نہایت خوش دلی سے بتائی تھی۔

پروین ہمیشہ کھانا وقت پر تناول فرماتی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ کھانے کو فقط سونگھ لیا کرتی تھی ہمیشہ پہلے روٹی کھاتی اور پھر چاول کھایا کرتی تھی وہ بھی کانٹے اور چمچ کے بجائے اپنے ہاتھ سے کھانا پسند کرتی تھی ساتھ ہنس کر کہتی میں سنت کا احترام کر رہی ہوں لیکن بعد میں چمچ سے کھانے لگی تھی میں نے حیرت سے پوچھا تو کہنے لگی رف ہاتھ دھونے کے باوجود ہاتھوں سے کھانے کی مہک نہیں جاتی دل خراب ہونے لگتا ہے جب پیٹ خالی ہو تو وہی کھانے کی خوشبو بھوک چمکا دیتی ہے بات تو سچ تھی۔

جب وہ ہم سب کے ساتھ لاؤنج میں موجود ہوتی تھی تو بھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر نہیں بیٹھتی تھی ہمیشہ پاؤں صوفے پر رکھ کر نہایت اپنائیت سے بیٹھا کرتی تھی وہ ایسی بارونق شخصیت تھی کہ خاموشی میں بھی گھر کی گہما گہمی کا احساس ہوتا تھا اور اس کی مخصوص خوشبو گھر بھر میں اس کے ہونے کا خوش کن احساس دلاتی رہتی تھی۔

جب وہ میزبان بنتی تو ہر ایک کی پسند کا خیال رکھتی کہ سب کو سبکی محسوس ہونے لگتی تھی میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ میرے لیے گاجر کا حلوہ تیار کرالیا کرتی تھی اور میرے پہنچتے ہی کچن کی طرف چل پڑتی مجھے وہ اس روپ میں قطعاً اچھی نہیں لگتی تھی میں فوراً اسے پکڑ کر باہر لے آیا کرتی تھی اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ میرے لیے کیا کر دے اس کی میزبانی صرف مجھ تک ہی محدود نہیں تھی اس کے گھر میں آنے والا مہمان اس کے لیے خاص الخاص ہوتا تھا اور وہ اپنی خوشی کا اظہار کیے بنا نہیں رہتی تھی وہ مہمان کی صورت میں بے مثال اور میزبان کی روپ میں بھی لاجواب تھی قدرت کی یہ حسین تخلیق دیکھ کر سبحان اللہ کہنے کو دل چاہنے لگتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے ان گنت خوبیوں سے نوازا تھا اس لیے تو وہ دنیا والوں کی نظروں میں آ گئی تھی جو شخصیت دنیا والوں کی نظروں کا محور بن جائے اسے انہی کی نظریں کھا جاتی ہیں پروین کو پیار و عقیدت اور حسد و عناد کی نظروں نے بھری جوانی میں ہی ہڑپ کر لیا۔

فصیحہ آصف خان......ملتان

وہ آئے نہ یاد پھر مجھے
اے کاش دعا میں اتنا اثر ہو

سباس گل......رحیم یار خان

رو پڑے ہیں چراغ آنکھوں کے
اس قدر دکھ بھرا اندھیرا ہے

حمیرا قریشی......حیدرآباد، سندھ

مانا کہ نہیں بھرتا زخم جدائی کا اکثر
مگر کہہ دو کہ بھر گیا کہنے پر کیا جاتا ہے

ارم کمال......فیصل آباد

آنسو تیرے نکلیں تو آنکھیں میری ہوں
دل تیرا دھڑکے تو دھڑکن میری ہو
خدا کرے ہمارا پیار اتنا گہرا ہو کہ
سانسیں آپ کی رکیں تو موت میری ہو

گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس......مانسہرہ

زہے نصیب اسے بھی میرا خیال آیا
مگر یہ بات حقیقت نہیں تمنا ہے
کہاں وہ بام کہاں میں اور آج کا موسم
کہ جاؤں بھی تو وہ سمجھے ہوا کا جھونکا ہے

انعم زہرہ......ملتان

اسے اکثر یہ لگتا تھا مجھے انجام کا ڈر ہے
محبت میں رسوائی و الزام کا ڈر ہے
نا سمجھ تھا وہ نا سمجھا بنت حوا کو ازل سے
ابن آدم سے بے وفائی کے امکان کا ڈر ہے

نجم انجم اعوان......کراچی

شب کی تیرگی میں کس طرح نیند آئے گی
میری چوڑیوں کی کھنک تجھے ستائے گی
تم کیا بھولو گے اے بے وفا صنم
نجم انجم خود تیری زیست سے نکل جائے گی

کرن شہزادی......مانسہرہ

بصارت کچھ نہیں کرتی بصیرت کام کرتی ہے
نظر آتا نہیں لیکن خدا محسوس ہوتا ہے

علینہ کنول......چک جانو کلاں

اچھا تمہارے شہر کا دستور ہوگیا
جس کو گلے لگا لیا وہ دور ہوگیا
دادی سے کہنا اس کی کہانی سنائے
جو بادشاہ عشق میں مزدور ہوگیا

سائرہ مشال......کراچی

باغ عالم میں رہے شادی و ماتم کی طرح
پھول کی طرح ہنسے رو دیے شبنم کی طرح
شکوہ کرتے ہو خوشی تم سے منائی نہ گئی
ہم سے غم بھی تو منایا نہ گیا غم کی طرح

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

روز وہ خواب میں آتے ہیں گلے ملنے کو
میں جو سوتا ہوں تو جاگ اٹھتی ہے قسمت میری

شزا بلوچ......جھنگ صدر

چاہت کے کشکول اٹھا کر رنج والم کے ڈھول بجا کر
در در پھرنا ٹھیک نہیں ہے سنو محبت بھیک نہیں ہے

شازیہ اختر شازی......نور پور

کمال کا شخص تھا جس نے میری زندگی تباہ کردی
راز کی بات ہے کہ دل اس سے خفا آج بھی نہیں

جویریہ یمی......ڈنگہ بونگہ

سر طاق جاں، نہ چراغ ہے، پس بام شب نہ سحر کوئی
عجب ایک عرصہ درد ہے نہ گمان ہے نہ خبر کوئی
نہیں اب تو کوئی ملال بھی کسی واپسی کا خیال بھی
غم بے بسی نے مٹا دیا میرے دل میں تھا بھی اگر کوئی

نفیہ مائرہ جٹ......جنوبی سرگودھا

میں یہ نہیں کہتی میری نظروں کے سامنے رہو
جس جہاں بھی رہو خدا کی پناہ میں رہو

شانزے خان...... کراچی

یہ اور بات ہے کہ وہ دور ہوا ہے آج مگر
کل تک وہ میرا دوست تھا اسے برا نہ کہو
نہ جانے کون سی مجبوریوں کا قیدی ہو
وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو بے وفا نہ کہو

ذکا ذرگر...... جوڑہ

اک شخص کی ضد ہے مجھے کردار بنا کر
افسانہ لکھو اور میرا نام نہ آئے

ناز بلوچ...... حیدرآباد

آدمی کو خاک نے پیدا کیا
خاک کے ساتھ آدمی نے کیا کیا
ایک دنیا مجھ سے تھی روٹھی ہوئی
تو نے بھی ٹھکرا دیا اچھا کیا

ثناء...... صادق آباد

جو تجھے دیکھنے سے ملتا ہے
سارا مسئلہ اسی سکون کا ہے

شاہدہ ریاض چوہدری...... بوسال سکھا

چراغ دل کو ذرا سنبھال کے رکھنا
آج پھر چل رہی ہے ہوا اداسی کی بہت

عینی غزل...... ہری پور ہزارہ

وہ جو پہچان میرے اخلاص کی تھی
چھین کر لے گئے احباب وہ چہرہ میرا

ایس این شہزادی...... جڑانوالہ

صادق ہوں اپنے قول پر غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

زیب ثمرہ شبیر...... سیالکوٹ

کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارشوں میں
کبھی برسوں نہیں ملتے ہلکی سی رنجش میں
بہت سے زخم ہیں دل پر مگر ایک زخم ایسا ہے
جو جل اٹھتا ہے راتوں میں جو لو دیتا ہے بارش میں

لیلیٰ شکیلا...... اولکھ جٹاں

جس کی جھنکار میں دل کا آرام تھا وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پہ رقصاں جو نام تھا وہ تیرا نام تھا
مجھ پہ قدرت ہمیشہ رہی مہرباں دے دیا سارا جہاں
جو سب سے بڑا انعام تھا وہ تیرا نام تھا

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا

ہر چیز ایک حد میں اچھی لگتی ہے
بس ایک تم ہو جو بے حد اچھے لگتے ہو

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ

یہ آنکھیں تیری دید کے
فاقوں سے مر گئیں......!

طاہرہ منور...... کبیر والا

یوں تو اس شہر میں ہر اک سے محبت ہے تمہیں
جانے تنہائی میں کس کس کا برا مانگتے ہو
اس کو سب علم ہے شہزاد وہ سب جانتا ہے
کس لیے ہاتھ اٹھاتے ہو دعا مانگتے ہو

رابعہ مبارک...... چونکی

خواب میں دیکھا کہ تم بچھڑ گئے ہو
تعبیر بتاتی ہے ہم مر جائیں گے

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

در و دیوار پہ حسرت سی برستی ہے قتیل
جانے کس دیس گئے پیار نبھانے والے

روبینہ کوثر...... نامعلوم

دیار غیر میں تجھے صدا دیتے
تو مل بھی جاتا تو آخر تجھے گنوا دیتے
تمہی نے ہم کو سنایا نہ اپنا دکھ ورنہ
دعا وہ کرتے کہ آسمان ہلا دیتے

کچن کارنر

زہرہ جبیں

بہاری دم گوشت

اجزاء:-

گوشت	آدھا کلو
دہی	سو گرام
پپیتا پیسٹ	دو سے تین کھانے کے چمچ
پیاز (کٹی اور تلی ہوئی)	ایک عدد
ادرک لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
مسٹرڈ آئل	چار کھانے کے چمچ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
چنادال پاؤڈر	چار کھانے کے چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب:-

پیالے میں گوشت، دہی، پپیتا پیسٹ، تلی ہوئی پیاز، ادرک لہسن پیسٹ، مسٹرڈ آئل، ہلدی، گرم مصالحہ پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، پسی ہوئی چنے کی دال، سفید زیرہ اور نمک شامل کرکے ملا لیں۔ اچھی طرح ملا کر پندرہ منٹ کے لئے ایک طرف رکھ دیں۔ بیف کو گل جانے تک اسٹیم کرلیں اور کوئلے کا دھواں دیں۔ تیل گرم کرکے گوشت کو فرائنگ پین میں دو سے تین منٹ کے لئے فرائی کرلیں۔ اب اسے ڈش میں نکال کر لیموں، سلاد کے پتوں اور پیاز کے رنگز کے ساتھ گارنش کرکے سرو کریں۔

صبا ایشل...... بھاگوال

مٹن شینکس کباب

اجزاء:-

میدہ	تین کھانے کے چمچ
تیل	ایک چوتھائی کپ
لہسن کے جوئے	دو سے تین عدد
گاجر (کٹی ہوئی)	ایک عدد
پیاز (کٹی ہوئی)	ایک عدد
ٹماٹر کا پیسٹ	دو کھانے کا چمچ
تھائم	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
مکھن	ایک کھانے کا چمچ
مٹر (اُبلے ہوئے)	ایک ٹن
بکرے کا گوشت	ایک کلو

ترکیب:-

پہلے بکرے کے گوشت میں میدہ لگا کر ایک طرف رکھ دیں۔ اب ایک کڑاہی میں تیل گرم کرکے لہسن کے جوئے شامل کرکے تھوڑا سا پکائیں۔ پھر اس میں بکرے کا گوشت شامل کرکے اتنا بھونیں کہ اچھا سا گولڈن کلر آجائے۔ اب اس میں گاجر، پیاز، ٹماٹر کا پیسٹ، تھائم، نمک اور پسی کالی مرچ شامل کرکے ایک سے دو منٹ تک مزید پکائیں۔ پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کرکے ڈھک کر دم پر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ پچیس سے تیس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر خوب اچھی طرح خشک کرلیں۔ پھر اس میں مٹر اور مکھن شامل کرکے مکس کرلیں اور گرم گرم سرو کریں۔

جویریہ ضیاء...... کراچی

مٹن اسٹیم

اجزاء:-

بکرے کا گوشت	ایک کلو
نمک	حسب ذائقہ
سرکہ	دو کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
جائفل پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
دہی	ڈیڑھ پاؤ
چاٹ مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
تیل	فرائنگ کے لیے

ترکیب:-

بکرے کے گوشت میں نمک، سرکہ اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ایک پیالے میں پسی لال مرچ، پسا گرم مصالحہ، پسا زیرہ، جائفل پاؤڈر، دہی اور چاٹ مصالحہ اچھی طرح مکس کریں۔اس کے بعد گوشت کو فرائی کر لیں۔پھر دہی والے مصالحے میں کوٹنگ کرکے اسٹیمر میں رکھ دیں۔گوشت گل جائے تو سرو کریں۔

ماورا طلحہ......گجرات

چنیوٹی کُنہ

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
گھی	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز (کٹی ہوئی)	ایک عدد
یخنی	آدھا لیٹر
کالا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
جاوتری والا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
آٹا (بھنا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
ادرک (سلائس کی ہوئی)	گارنش کے لیے

ترکیب:۔

ہانڈی میں گھی گرم کرکے اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر بھون لیں۔اب اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، پسا دھنیا، ہلدی، پسی لال مرچ، نمک اور پیاز شامل کریں اور دو سے تین منٹ بھون لیں۔اب اس میں یخنی اور حسب ضرورت پانی شامل کرکے ڈھکن بند کردیں اور گلنے کے لیے چھوڑ دیں۔جب گوشت گل جائے تو اس میں کالا زیرہ، جاوتری والا گرم مصالحہ اور نمک شامل کرکے پانچ سے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔جب دم پورا ہوجائے تو آنچ تیز کردیں اور آٹے کو پانی میں گھول کر تھوڑا تھوڑا کرکے شامل کریں۔جب سالن میں اُبال آجائے اور آٹا پک جائے تو ڈش میں نکال لیں۔آخر میں ادرک کے سلائسز سے گارنش کرکے سرو کریں۔

عائشہ سلیم......کراچی

مغز مصالحہ

اجزاء:۔

مغز	چار عدد
دہی	آدھا کلو
پیاز	ایک کپ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	دو چائے کا چمچ
ہری مرچ	چھ سے آٹھ عدد
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک بڑے پین میں مغز، پانی اور ایک چائے کا چمچ ہلدی ڈال کر اُبال لیں۔اب ایک باؤل میں مغز پر دہی لگا کر میرینیٹ کرلیں۔پھر ایک پین میں تیل ڈال کر میتھی دانہ، لہسن پیسٹ، نمک، پیاز، لال مرچ پاؤڈر اور ایک کھانے کا چمچ ہلدی ڈال کر بھون لیں۔جب خوشبو آنے لگے تو اس میں مغز ڈال دیں اور بھون لیں۔اب ہری مرچ ڈال کر دم پر رکھ دیں اور آنچ دھیمی کرلیں۔جب تیل اوپر آجائے تو ڈش آؤٹ کرلیں۔ہرا دھنیا سے گارنش کرکے گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

کرن شہزادی......فیصل آباد

مدراسی چاول کباب

اجزاء:۔

آلو	تین سے چار عدد
چاول	ایک پیالی
قیمہ	دو سو گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	ایک عدد درمیانی
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	حسب ضرورت

انڈے	دوعدد
آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔
چاولوں کو دھو کر بیس منٹ بھگو کر رکھ دیں۔ آلوؤں کو ابال کر چھیل لیں اور قیمے کو دھو کر پین میں ڈال کر ابلنے رکھ دیں پھر اس میں کٹی ہوئی پیاز، ادرک لہسن، زیرہ اور کالی مرچ ڈال دیں قیمے کا اپنا پانی خشک ہونے پر اچھی طرح بھون کر چولہے سے اتار لیں ٹھنڈا ہونے پر چوپر میں گدرا پیس لیں اور نمک ملا لیں۔ چاولوں کو نمک ملے پانی میں پندرہ سے بیس منٹ ابال لیں اور چھلنی میں ڈال کر پانی نتھار لیں۔ تھوڑے سے ٹھنڈے ہونے پر ان میں نمک، کٹی ہوئی لال مرچ، ابلے ہوئے آلو اور لیموں کا رس شامل کرکے اچھی طرح میش کرلیں۔ قیمے کی ٹکیہ بنا لیں اور چاول کے مکسچر کی اس سے تھوڑی سی بڑے سائز کی ٹکیاں بنا لیں۔ فرائنگ پین میں تلنے کے لیے آئل کو درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں، دو چاول کی ٹکیہ لے کر ان کے درمیان میں قیمے کی ٹکیاں رکھیں اور ہلکا سا دبا دیں۔ ان کبابوں کو پہلے پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کریں پھر ڈبل روٹی کے چورے میں رول کرکے سنہرا فرائی کریں۔

ماریہ طفیل.....خانیوال

عریبین رائس

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
شملہ مرچ	دوعدد
چکن پیس	ایک کپ
نمک	ایک چائے کا چمچ
چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
سفید مرچ	ایک چائے کا چمچ
سرکہ	چار کھانے کے چمچ
پیلا رنگ	تھوڑا سا
کشمش	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:۔
چاول ابال لیں۔ اب ایک پین میں چار کھانے کے چمچ آئل لیں اور اس میں شملہ مرچ ابلی ہوئی چکن پیس نمک اور چکن پاؤڈر سفید مرچ سرکہ کشمش ڈال کر فرائی کریں اور پھر ابلے ہوئے چاول ڈال کر مکس کریں اور پیلا رنگ ڈال کر پانچ منٹ دم دیں۔

طیبہ سعید.....حیدرآباد

اچاری قورمہ

اجزاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
نمک	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
لال مرچ ثابت	آٹھ عدد
رائی	آدھا چائے کا چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
زیرہ	آدھا چائے کا چمچ
کلونجی	آدھا چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گڑ	دو کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔
ایک برتن میں گائے کا گوشت ڈال کر تین کپ پانی، نمک اور ہلدی کے ساتھ اتنا ابال لیں کہ گوشت گل جائے اور ایک کپ یخنی رہ جائے۔ ایک برتن میں آدھا کپ تیل گرم کریں۔ اس میں ثابت لال مرچ اور رائی ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں۔ پھر اس میں ابلا ہوا گوشت، تلی پیاز، پسی لال مرچ، زیرہ، کلونجی، ادرک لہسن کا پیسٹ اور گڑ ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ اس کے بعد بچی ہوئی یخنی، دہی اور لیموں کا رس ڈال کر دس منٹ تک ڈھک کر پکائیں۔ اس کے بعد ڈھکن ہٹا کر اتنا بھونیں کہ تیل اوپر آجائے۔ گرم نان کے ساتھ پیش کریں۔

انعم بتول.....جڑانوالہ

حدیقہ احمد

آئی شیڈ

عام طور پر پہلے آئی شیڈ لگایا جاتا ہے بعد میں آئی لائنر لگاتے ہیں۔ مگر ایک ماہر حسن کا کہنا ہے کہ پہلے آئی لائنر لگائیں۔ بعد میں آئی شیڈ استعمال کریں، جبکہ آئی شیڈ دو صورتوں میں دستیاب ہیں۔

۱۔ پاؤڈر آئی شیڈ

۲۔ کریم آئی شیڈ

موسم گرما میں پاؤڈر آئی شیڈ زیادہ مناسب رہتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اور شام کے استعمال کے لیے کریم آئی شیڈ بہتر ہے۔ آئی شیڈ عام طور پر تین رنگوں میں دستیاب ہیں مثلاً سفید، براؤن، اور فیروزی، شام کے وقت سنہری رنگ کا آئی شیڈ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ سفید آئی شیڈ آنکھ اور ابرو کے درمیان ابھری ہوئی ہڈی پر لگاتے ہیں۔ براؤن آئی شیڈ آنکھ کے اندرونی کونے سے لے کر پپوٹے اور ہڈی کے درمیانی حصے پر لگایا جاتا ہے اور سبز یا فیروزی رنگ کا آئی شیڈ پپوٹے پر لگاتے ہیں۔

مصنوعی پلکیں

پلکیں چھوٹی ہیں تو روغن زیتون یا کیسٹر آئل سے لمبی کی جاسکتی ہیں۔ اگر پھر بھی لمبی نہیں ہوتی تو یہ مسئلہ مصنوعی پلکوں سے حل کیا جاسکتا ہے مصنوعی پلکیں خریدتے وقت اپنی آنکھوں کی ہیئت اور بالوں کی رنگت کا خاص خیال رکھیں۔ عام استعمال کے لیے اسٹریٹ لیشز (

آنکھوں کو خوبصورت بنانے کے طریقے۔ اگر آپ کا جسم تندرست ہے لیکن آنکھیں کمزور یا چھوٹی ہیں تو وہ جسم خوبصورت نہیں کہلا سکتا۔ خوبصورت آنکھ کی لمبائی ایک کان سے دوسرے کان تک جتنا فاصلہ ہوتا ہے اس کا ساتواں حصہ ہونی چاہیے، آنکھوں کا سفید حصہ بالکل سفید ہونا چاہیے اس حصے میں میلا پن کی زیادتی اور معدے کی خرابی کی علامت ہے، اس کے لیے پانی میں تیرنا بہترین ورزش ہے۔ صبح کے وقت آنکھوں پر عرق گلاب کے چھینٹے مارنا بہت مفید ہے۔ اس سے آنکھیں حسین ہوجاتی ہیں۔ ترپھلا کے پانی سے آنکھوں کو دھونے سے بینائی بڑھتی ہے۔ خالص شہد کی سلائی آنکھوں میں ڈالنے سے آنکھوں میں چمک آتی ہیں۔ اور نظر تیز ہوتی ہیں اچھے سرمے اور کاجل کا استعمال بھی آنکھوں کی تندرستی کے لیے بہت مفید ہے۔ مدھم روشنی میں پڑھنا آنکھوں کے لیے مضر ہے۔ پڑھتے وقت کتاب کو آنکھوں کے بہت نزدیک نہیں رکھنا چاہیے۔ کم سے کم چودہ انچ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ آنکھوں کو دھوپ اور گرد سے بچانا چاہیے۔ کشیدہ کاڑھنے، موتی پرونے، سوئی میں دھاگہ ڈالنے یا اس قسم کا کوئی دوسرا مہین اور باریک کام بہت دیر تک نہیں کرنا چاہیے۔ چاند کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے سے آنکھوں کو بہت فائدہ پہنچتا ہے۔

ابروؤں کو سنوارنے کے چند مزید مشورے

۱۔ ابروؤں کے بالوں کو گہرا رنگ دینے یا ان کی رنگت ہلکی کرنے کے لیے کبھی سر کے بالوں کو رنگنے والا خضاب یا کلر کریم وغیرہ استعمال نہ کریں اور نہ کسی بلیچنگ لوشن کو ابروؤں پر لگائیں۔

۲۔ ابرو کے بال کبھی اوپر سے نہ نکالیں، ایسا کرنے سے ابرو مصنوعی لگتے ہیں۔ البتہ ابرو کے نیچے سے نکالیں تو آنکھ اور ابرو کا درمیانی فاصلہ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے آنکھیں بڑی اور پلکیں لمبی لگتی ہیں۔

۳۔ابرو کے بال کبھی قینچی یا ریزر سے نہ تراشیں بلکہ بہتر یہی ہے کہ ایک ایک کرکے موچنے سے نکالے جائیں۔بال نکالنے سے پہلے ابرو پر کولڈ کریم لگالیں تاکہ بال نکالتے وقت جلد کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

چشمہ اور آنکھیں: چشمہ آنکھوں کے لیے ایک خوبصورت نقاب ہیں اور اس کا استعمال کسی حد تک آنکھوں کے لیے مفید بھی ہے۔سیاہ چشمہ آنکھوں کو دھوپ اور تیز روشنی کی چمک سے بچاتا ہے۔انہیں گرد وغبار دھوپ اور تیز ہوا سے محفوظ رکھتا ہے۔

روشنی کی تیز شعاعوں سے بچاؤ کے لیے پولرائزڈ (Polarised) چشمے مفید ہیں۔ان میں ایک خاص طرح کا شیشہ لگایا جاتا ہے،جس کے استعمال سے سورج کی حدت اور تکلیف دہ روشنی کم ہوجاتی ہے،مگر کار چلاتے ہوئے پولرائزڈ چشموں کا استعمال روزانہ اور طویل عرصے کے لیے کیا جائے تو آنکھوں کی بینائی کو نقصان پہنچتا ہے۔

ہاتھ

جس طرح حسن میں بالوں، آنکھوں، ہونٹوں، دانتوں اور جسم کے دوسرے اعضا کو اہمیت حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح ہاتھ بھی فوقیت رکھتے ہیں،جس عورت کے ہاتھ خوبصورت ہوں، وہ خود بھی خوبصورت ہوتی ہے۔ خواتین عموماً اپنے ہاتھوں کی آرائش وزیبائش میں خاص دلچسپی لیتی ہیں۔موسم کا تغیر وتبدیل سب سے پہلے جلد پر اثر انداز ہوتا ہے۔اور چونکہ ہاتھوں میں کسی خاص قسم کا لباس نہیں ہوتا اور ان سے ہر وقت، کام لیا جاتا ہے،اس لیے موسم کا سب سے زیادہ اثر ہاتھوں پر ہوتا ہے۔اس سے ہاتھوں کی جلد متاثر ہوتی ہے اور نتیجے کے طور پر ہاتھ بدوضع اور کھردرے ہوجاتے ہیں،بعض خواتین جو موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہاتھوں پر توجہ نہیں دیتیں،ان کی جلد عموماً جگہ جگہ سے سکڑ جاتی ہے اور پھر یہی کٹی پھٹی جلد بعض اوقات ہاتھوں کی کسی بیماری کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔اس سائنسی دور میں ہاتھوں کو نرم و نازک اور خوبصورت رکھنے کے یوں تو کئی طریقے دریافت کیے جاچکے ہیں لیکن ان میں سے آسان ترین طریقہ ہینڈ کریم کا استعمال ہے،عموماً ایسی کریمیں اور لوشن وغیرہ کاسمیٹکس بیچنے والوں سے مل جاتے ہیں جن کے استعمال سے نہ صرف ہاتھوں کی زیب وزینت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ کئی قسم کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتے ہیں اور ان کی غذائی ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔ہاتھوں پر استعمال کی جانے والی کریمیں عموماً رات کو سوتے وقت استعمال کی جاتی ہیں،کیونکہ اس وقت ہاتھوں کو عموماً آرام میسر ہوتا ہے،اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی ہینڈ کریم استعمال کی جائے،مساج کے ذریعے ہاتھوں کی جلد میں جذب کردی جاتی ہے،جب کہ مساج کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کی پشت پر کریم،لوشن یا ویزلین لگا کر ہاتھ کی ہتھیلی سے اسے آہستہ آہستہ گولائی میں رگڑ لیں۔

یہ عمل اس وقت تک جاری رہنا چاہیے،جب تک کہ جو کچھ ہاتھ پر لگایا ہے،جلد میں جذب نہ ہوجائے،اس کے بعد ہاتھوں کی انگلیوں کی پوروں کا مساج کریں،اس کے لیے ایک ہاتھ کی انگلیوں کی پوروں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے گرد مساج کیا جاتا ہے۔اور جب ایک ہاتھ کی انگلیوں کا مساج مکمل ہوجائے تو پھر دوسرے ہاتھ کا مساج کریں۔

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

یُونہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے
جو آنے والے ہیں موسم، اُنہیں شمار میں رکھ
جو دن گزر گئے، اُن کو گنا نہیں کرتے
نہ دیکھا جان کے اُس نے، کوئی سبب ہوگا
اِسی خیال سے ہم دل بُرا نہیں کرتے
وہ مل گیا ہے تو کیا قصہ فراق کہیں
خُوشی کے لمحوں کو یُوں بے مزا نہیں کرتے
نشاطِ قُرب، غم ہجر کے عوض مت مانگ
دُعا کے نام پہ یُوں بددُعا نہیں کرتے
مُنافقت پہ جنہیں اِختیار حاصل ہے
وہ عرض کرتے ہیں، تجھ سے گلہ نہیں کرتے
ہمارے قتل پہ محسن یہ پیش و پس کیسی
ہم ایسے لوگ طلب خُون بہا نہیں کرتے

شاعر: محسن بھوپالی

انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

نظم

دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ
نہیں مُستقِل کوئی مَرحلہ
کوئی ایسا گھر بھی ہے شہر میں
جہاں ہر مکین ہو مطمئن
کوئی ایسا دن بھی کہیں پہ ہے
جسے خوفِ آمدِ شب نہیں
یہ جو گردبادِ زمان ہے
یہ ازل سے ہے کوئی اب نہیں
دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ
نہیں مُستقِل کوئی مَرحلہ
یہ جو خار ہیں تیرے پاؤں میں
یہ جو زخم ہیں تیرے ہاتھ میں
یہ جو خواب پھرتے ہیں دَربدَر
یہ جو بات اُلجھی ہے بات میں
یہ جو لوگ بیٹھے ہیں جابجا
کسی اَن بَنے سے دیار میں
سبھی ایک جیسے ہیں سرگراں
غمِ زندگی کے فشار میں
یہ سراب، یونہی سدا سے ہیں
اِسی ریگزارِ حیات میں
یہ جو رات ہے تیرے چار سُو
نہیں صرف تیری ہی گھات میں
دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ
نہیں مُستقِل کوئی مَرحلہ
تیرے سامنے وہ کتاب ہے
جو بکھر گئی ہے وَرق وَرق
ہمیں اپنے حصے کے وقت میں
اِسے جوڑنا ہے سَبق سَبق
ہیں عبارتیں ذرا مُختلف

مگر ایک اصلِ سوال ہے
جو سمجھ سکو تو یہ زندگی
کسی ہفت خواں کی مثال ہے
دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ
نہیں مُستقِل کوئی مَرحلہ
کیا عجب، کہ کل کو یقیں بنے
یہ جو مُضطرب سا خیال ہے
کسی روشنی میں ہو مُنقلب
کسی سرخوشی کا نقیب ہو
یہ جو شب نُما سی ہے بے دلی
یہ جو زرد رُو سا مَلال ہے۔
دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ
دلِ بے خبر، ذرا حوصلہ

شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: صبا ایشل...... بھاگوال

تجھے مات کریں

تُجھ سے ہاریں کہ، تجھے مات کریں
تجھ سے خوشبو کے مراسم ہیں، تجھے کیسے کہیں
میری سوچوں کا اُفق، تیری محبت کا فسوں
میرے جذبوں کا دل، تیری عنایت کی نظر
کیسے خوابوں کے جزیروں کو ہم تاراج کریں
تُجھ کو بھولیں کہ، تجھے یاد کریں
اب کوئی اور نہیں میری تمنا کا دل
اب تو باقی ہی نہیں کچھ، جسے برباد کریں
تیری تقسیم کسی طور ہمیں منظور نہ تھی
پھر سرِ بزم جو آئے تو، تہی داماں آئے
چُن لیا دردِ مسیحائی، تیری دلداری نگاہی کے عوض
ہم نے جی ہار دیئے، لُٹ بھی گئے
کیسے ممکن ہے بھلا، خود کو تیرے سحر سے آزاد کریں
تُجھ کو بھولیں کہ، تجھے یاد کریں
اِس قدر سہل نہیں میری چاہت کا سفر
ہم نے کانٹے بھی چُنے روح کے آزار بھی سہے
ہم سے جذبوں کی شرح ہو نہ سکی، کیا کرتے
بس تیری جیت کی خواہش نے کیا ہم کو نڈھال
اب اِسی سوچ میں گُزریں گے مہ و سال میرے
تُجھ سے ہاریں کہ، تجھے مات کریں

شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... گجرات

ردیف، قافیہ

ردیف ، قافیہ ، بندِش ، خیال ، لفظ گری
وہ حُور ، زینہ اُترتے ہُوئے سکھانے لگی
کتاب، باب، غزل، شعر، بیت، لفظ، حُروف
خفیف رَقص سے دِل پر اُبھارے مست پری
کلام ، عَرُوض ، تغزل ، خیال ، ذوق ، جمال
بدن کے جام نے الفاظ کی صراحی بھری
سلیس ، شستہ ، مُرصع ، نفیس ، نرم ، رَواں
دَبا کے دانتوں میں آنچل ، غزل اُٹھائی گئی
قصیدہ ، شعر ، مسدس ، رُباعی ، نظم ، غزل
مہکتے ہونٹوں کی تفسیر ہے بھلی سے بھلی
مجاز ، قید ، معمہ ، شبیہ ، اِستقبال
کسی سے آنکھ ملانے میں اَدبیات پڑھی

قرینہ، سَرقہ، اِشارہ، کِنایہ، رَمز، سوال
حیا سے جھکتی نگاہوں میں جھانکتے تھے سبھی
بیان، علمِ معانی، فصاحت، علمِ بلاغ
بیان کر نہیں سکتے کسی کی اِیک ہنسی
قیاس، قید، تناسب، شبیہ، سجع، نظیر
کلی کو چوما تو جیسے کلی، کلی سے ملی
ترنم، عرض، مکرر، ستایئے، اِرشاد
کسی نے کہا، بزم جھوم جھوم گئی
حُضور، قبلہ، جناب، آپ، دیکھیے، صاحب
کسی کی شان میں گویا لغت بنائی گئی
حریر، اَطلس و کمخواب، پنکھڑی، ریشم
کسی کے پھول سے تلووں سے شاہ مات سبھی
گلاب، عنبر و ریحان، موتیا، لوبان
کسی کی زُلفِ معطر میں سب کی خوشبو ملی

شاعر: شہزاد قیس

انتخاب: نادرا طلحہ...... گجرات

مزاج پتھر کا

روپ پتھر مزاج پتھر کا
اُگ رہا ہے اناج پتھر کا
سب ہی اک دوسرے سے نالاں ہیں
آدمی پر ہے راج پتھر کا
سرکشی ہے ستم کی پیمائش
ہے رعونت رواج پتھر کا
آدمی آدمی کا دشمن ہے
کون بدلے سماج پتھر کا
کل جو شیریں دہن تھا، خوش بو تھا
وہ بھی پیکر ہے آج پتھر کا
جس کو بھیجے تھے میں نے گل دستے
اس نے بھیجا خراج پتھر کا
کون شیشہ گری کرے اختر
سب کے سر پر ہے تاج پتھر کا

شاعر: سہیل اختر ہاشمی

انتخاب: کوثر خالد...... جڑانوالہ

غزل

یہ سماں بھی ہم نے دیکھا سرِ خاک رُل رہے ہیں
کل وآ بکین کے مالک مہ و کہکشاں کے پالے
ابھی رنگ آنسوؤں میں ہے تیری عقیدتوں کا
ابھی دل میں بس رہے ہیں تیری یاد کے شوالے
میری آنکھ نے سُنی ہے کئی زمزموں کی آہٹ
نہیں بربطوں سے کمتر مئے ناب کے پیالے
یہ تجلیوں کی محفل ہے اسی کے زیرِ سایہ
یہ جہاں کیف اس کا جسے وہ نظر سنبھالے
یہ حیات کی کہانی ہے فنا کا ایک ساغر
تو لبوں سے مسکرا کر اسی جام کو لگا لے

شاعر: ساغر صدیقی

انتخاب: وقاص عمر...... حافظ آباد

شاخِ امید

شاخِ امید جل گئی ہوگی
دل کی حالت سنبھل گئی ہوگی
جون اس آن تک بخیر ہوں میں
زندگی داؤ چل گئی ہوگی
اک جہنم ہے میرے سینے میں

آرزو کب کی گل گئی ہوگی

سوزشِ پرتوِ نگاہ نہ پوچھ
مردمک تو پگھل گئی ہوگی

ہم نے دیکھے تھے خواب شعلوں کے
نیند آنکھوں میں جل گئی ہوگی

اس نے مایوس کر دیا ہوگا
پھانس دل سے نکل گئی ہوگی

اب تو دل ہی بدل گیا اب تو
ساری دنیا بدل گئی ہوگی

دل گلی میں رقیبِ دل کا جلوس
واں تو تلوار چل گئی ہوگی

گھر سے جس روز میں چلا ہوں گا
دل کی دلی مچل گئی ہوگی

دھوپ یعنی کہ زرد زردی دھوپ
لال قلعے سے ڈھل گئی ہوگی

ہجر حدت میں یاد کی خوشبو
ایک پنکھا سا جھل گئی ہوگی

آئی تھی موجِ سبزِ بادِ شمال
یاد کی شاخ پھل گئی ہوگی

وہ دمِ صبح، غسل خانے میں
میرے پہلو سے ٹل گئی ہوگی

شام صبحِ فراق دائم ہے
اب طبیعت بہل گئی ہوگی

شاعر: جون ایلیا
انتخاب: شازیہ ہاشم صواتی

آپ یوں فاصلوں سے گزرتے رہے
دل سے قدموں کی آواز آتی رہی

آہٹوں سے اندھیرے چمکتے رہے
رات آتی رہی، رات جاتی رہی

گنگناتی رہیں میری تنہائیاں
دور بجتی رہیں کتنی شہنائیاں
زندگی زندگی کو بلاتی رہی

قطرہ قطرہ پگھلتا رہا آسمان
روح کی وادیوں میں نجانے کہاں
اک ندی دلربا گیت گاتی رہی

آپ کی گرم بانہوں میں کھو جائیں گے
آپ کے نرم زانو پہ سو جائیں گے
مدتوں رات نیند چراتی رہی

آپ یوں فاصلوں سے گزرتے رہے
دل سے قدموں کی آواز آتی رہی

شاعر: کیفی اعظمی
انتخاب: ماہ نور انصاری......حیدرآباد

بہاذوالفقار

صحابیات رسولﷺ

اب کچھ واقعات صنف نازک کے بھی سن لیجیے تاکہ یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین میں سے کیسی کیسی جاں نثار صحابیاتؓ آنحضرت ﷺ کو دی تھیں۔

غزوہ احد میں اکثر خواتین اسلام بشمول حضرت عائشہ صدیقہؓ مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں خالی ہونے کے بعد پھر جاتیں اور بھر کر لاتی تھیں۔

عین اس وقت جب کافروں کے ایک دستے نے ہجوم کر کے آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تو حضرت ام عمارہؓ آپ ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہوگئیں، جب کفار آپ ﷺ کی طرف بڑھتے تھے تو یہ تلوار سے روکتی تھیں حضرت صفیہ حضور ﷺ کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن شکست کی خبر سن کر میدان احد میں پہنچیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو تاکید کردی کہ یہ حضرت حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائیں کیونکہ سیدالشہداءؓ کا مشرکین کی خواتین نے بے دردی سے مثلہ کیا تھا آنحضرت ﷺ کا پیغام سن کر بولیں کہ ''میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن اللہ کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔'' آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی لاش پر گئیں اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے اناللہ و انا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں اور مغفرت کی دعا مانگی انصارؓ میں سے ایک عفیفہؓ کے باپ، بھائی اور شوہر سب معرکے میں شہید ہوئے تھے، باری باری ان سب حادثوں کی خبر سنتیں لیکن ہر بار یہ پوچھتیں رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟'' لوگوں نے کہا بخیر ہیں بے اختیار پکار اٹھیں کل مصیبۃ بعدک جلل ''آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

ڈاکٹر اسرار احمد

قیمتی آنسو

ایک لڑکی کے آنسو سے زیادہ قیمتی کوئی شے نہیں، جب اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپکتا ہے تو قیمتی آئی لینز، آئی لائنر، مہنگے مسکارے کے ساتھ مل کر رخسار تک پہنچتے پہنچتے ہی اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے اور پھر جب وہ بہت مہنگے بلش آن، فیس پاؤڈر کو بھگوتے ہوئے انتہائی قیمتی لپ اسٹک کو بھی ٹچ کرتا ہوا نیچے گرے تو گویا یہ ایک قطرہ ہزاروں کا پڑ جاتا ہے۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

انسانی زندگی

انسانی زندگی کٹھن اور دشواریوں سے لبریز ہے جو لوگ اس مسافت سے تھک جاتے ہیں انہیں منزل نہیں ملتی مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں اپنی کامیابیوں سے کام لینے کا ہنر آتا ہے وہی لوگ بالآخر اپنی منزل حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر مایوس لوگوں کے لیے ایک زندہ مثال قائم کر جاتے ہیں۔

طاہرہ منور...... کبیر والا

گولڈن ورڈز

- عبادت ایسے کرو کہ روح کو لطف دے جو عبادت دنیا میں مزہ نہ دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔
- نفس کو مال و دولت کے لیے ذلیل مت کرو۔
- قسمت وہ مارکیٹ ہے جہاں جدوجہد چیزوں کی قیمت بڑھاتی ہے اور کاہلی ان کی قیمت گھٹاتی ہے۔
- اگر ساتھ دو تو آئینے اور سایہ کی طرح دو کیونکہ آئینہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا اور سایہ کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔
- دوست چاہے کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اس سے دوستی کبھی نہ توڑو کیونکہ پانی چاہے کتنا ہی گندا کیوں نہ ہو آگ بجھانے کے کام آتا ہے۔
- اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو خود سے زیادہ خدا پر یقین رکھو۔

علیشبہ نور...... بھیر کنڈ

خواب

خواب ضرور دیکھیں مگر ایسے خواب کبھی مت دیکھیں
جن کی تعبیر آپ کے لیے تو روشن سویرا لائے مگر کسی اور کی
زندگی میں اندھیری رات چھوڑ جائے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

آکاش بیل

ہجر سے کی تپتی لوئیں
کھا جائیں گی روپ کا لشکر
کیا تکتے ہو
کھڑکی کھولے
سڑکیں تو ویران پڑی ہیں

وقاص عمر...... بنگڑ نو حافظ آباد

مسکراہٹ کے پھول

ایک صاحب بس میں ایک تھیلا لے کر سوار ہوئے تو
کنڈیکٹر نے کہا۔
''اس تھیلے کا بھی ٹکٹ لینا پڑے گا۔'' پہلے تو وہ صاحب
نہ مانے لیکن پھر نصف ٹکٹ لینے پر راضی ہو گئے مگر
کنڈیکٹر نے سختی سے کہا۔
''آپ کو پورا ٹکٹ لینا ہوگا۔'' ان صاحب نے تھیلا
کھولا اور بولے۔
''باہر نکل آؤ بیگم، جب ٹکٹ پورا ہی دینا ہے تو پھر تھیلے
میں سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

......☆......

پروفیسر صاحب کے بھانجے کے ہاں بیٹا پیدا ہوا بیوی
نے اصرار کیا کہ وہ مبارک باد دے آئیں، کئی ماہ بعد
پروفیسر صاحب مبارک باد دینے پہنچے اور بچے کو دیکھ کر خوش
ہوتے ہوئے بولے۔
''بھئی بالکل باپ پر گیا ہے اس کا باپ جب چھوٹا تھا
تو اسی طرح فیڈر منہ میں لیے چت پڑا رہتا تھا۔''

خدیجہ ایمان...... شیخوپورہ

ادھوری نظم

میرے آنسو
میرے ہیں بس
تم کو ان سے کیا لینا ہے؟

سباس گل...... رحیم یار خان

لو کر لو بات

دو لڑکیاں ایک پینڈو لڑکی کو دیکھ کر شیخی بگھارنے لگی اور
فیس بک کی بات کرنے لگی۔
پہلی لڑکی ''کل میں نے فیس بک پر بہت مزاحیہ
کمنٹ پڑھے۔''
دوسری لڑکی ''کل میں نے بھی فیس بک پر بہت سے
پیجز لائک کیے اور مزاحیہ کمنٹ بھی پڑھے۔
پینڈو لڑکی ''ارے تم لوگوں نے بس یہ کیا میں نے تو
کل فیس بک پر بیٹھ کر برتن بھی دھوئے اور صابن بھی بچ
گیا۔

بنت حوا...... نامعلوم

لڑکیاں

لڑکیاں رزق کی طرح ہوتی ہیں
اپنی ہوں تو ہمیشہ خوشی اور شکر کی نگاہ ڈالو
لفظوں سے مت کہو
نگاہوں اور دل سے
ان کی سلامتی چاہو
دوسروں کی ہوں تو نگاہوں کو جھکا لو بات کرو تو کوئی
گندا خیال دل اور نگاہوں کو آلودہ نہ کر دے
تمہاری موجودگی انہیں تحفظ کا احساس دلائے
یہ نہیں کہ سامنے والے کو اپنی عزت کی فکر پڑ جائے

طیبہ خاور سلطان...... عزیز چک، وزیر آباد

باتیں یاد رکھنے کی

○ کسی انسان میں خوبی دیکھو تو اسے بیان کرو لیکن
اگر خامی دیکھو تو وہاں تمہاری خوبی کا امتحان ہے۔
○ ہر انسان اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہے اگر اسے
سمجھنا ہے تو اسے بولنے دو۔
○ صرف جائے نماز وہ جگہ ہے جہاں رو لو تو سامنے

والا تماشا نہیں بنتا۔

حمیرا قریشی..... حیدرآباد، سندھ

خوب صورت باتیں

❁ رشتوں کو سنبھالنے کے لیے جھکنا پڑے تو جھک جائیں لیکن بار بار آپ ہی کو جھکنا پڑے تو رک جائیں۔

❁ اس دن پر رو جو تیری عمر کا گزر گیا اور تو نے اس میں نیکی نہیں کی۔

❁ خواہشوں کو بے لگام مت چھوڑو یہ باغی ہوجائیں تو حرام، حلال جائز، ناجائز کچھ بھی نہیں دیکھتیں۔

❁ کچھ خطائیں بخشی نہیں جاتیں دل سوچ کے توڑا کرو۔

❁ گزری ہوئی زندگی کو کبھی بھی یاد مت کرو کیونکہ جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے وہ ضرور ہو کر رہتا ہے۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

اقوال زریں

❖ عورت کا بہترین زیور اس کا شوہر پرست ہونا ہے۔

❖ محبت کا جواب محبت نہیں عزت ہوا کرتی ہے۔

❖ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔

❖ مصیبت کی جڑ انسان کی گفتگو ہے۔

❖ محبت روح کا گلاب ہے جو گناہ کی دھوپ سے مرجھاتا ہے۔

❖ جب سائل کو کچھ دو تو اس سے دعا کے لیے کہو۔

❖ کلام میں نرمی اختیار کیا کرو لہجے کا اثر الفاظ سے زیادہ ہوتا ہے۔

نفیسہ مائرہ جٹ..... سرگودھا

سنہری الفاظ

☐ دوسروں کے آنسوؤں کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے دامن میں سمیٹ لینا انسانیت کی معراج ہے۔

☐ کام کرو کیونکہ کام سے غلطی، غلطی سے تجربہ اور تجربے سے عقل آتی ہے۔

☐ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر کبھی اعتبار نہ کرو۔

☐ روٹھنے والے کو اتنا نہیں روٹھنا چاہیے کہ منانے والا خود ہی روٹھ جائے۔

عاصمہ عبدالملک..... گوجر خان، راولپنڈی

جب دھرتی ماں نے یاد کیا

جب دھرتی ماں نے یاد کیا 'لبیک' دیوانے چل نکلے
اس پاک وطن کی مٹی پر ہم جان لٹانے چل نکلے
ہے تیری امانت خون اپنا ہم خون بہانے چل نکلے
کھائی ہے تیری عزت کی قسم یہ عہد نبھانے چل نکلے
اے پاک وطن تو شان اپنی ہم شان بڑھانے چل نکلے
دیکھا ہے میلی آنکھ سے جب وہ آنکھ جھکانے چل نکلے
جو بم بڑھا مٹی کی طرف وہ بم جلانے چل نکلے
پرچم جو بڑھا دھرتی کی طرف پرچم وہ گرانے چل نکلے
ہیں موت سے ہم بے خوف وخطر، ہم جان لٹانے چل نکلے
ہے ماں کی دعا اللہ کی رضا وہ پوری کرنے چل نکلے
اور پیارے نبی کی امت کی حرمت کو بچانے چل نکلے
نعرہ ہے رد کفر اپنا تکبیر سنانے چل نکلے

علیشہ نور..... بھیرکنڈ

⌘

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے اس بار جس طرح آپ بہنوں نے شرکت کی یہ آمد ہمارے لیے خوشی کا باعث ہے امید ہے آئندہ بھی اسی طرح اپنے پن کے ساتھ تمام بہنیں حسن خیال کی محفل میں شامل رہیں گی مکمل تبصرے کے ساتھ اپنا مکمل پتا ضرور ارسال کیا کریں تاکہ انعام آپ تک باآسانی پہنچ سکے اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مانند گل مہکتے بزم کی شان بڑھا رہے ہیں۔

سودائی محمد سردار...... جڑانوالہ میری جوہی سمیت میرے قارئین اور لکھاریوں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سب سے پہلے قائد سے بات کرنا چاہوں گی کیونکہ آپ کی اطلاع سے پہلے ہم نیا نام اپنا چکے ہیں اپنے آقا ﷺ کی اجازت سے پہلے صالحہ کوثر خالد مقام پا چکیں اب دیکھیے سودائے محمد سردار کتنے عرصے میں نام پیدا کرتی ہے تو دوستو آج سے کوثر مرگئی۔ یہ پہلے سے طے تھا آپ چاہیں سودا کہیں یا سردار مرضی کیونکہ طویل نام سے پکارنا تو ہمیں خود بھی پسند نہیں مگر تحریر پر پورا نام ہونا چاہیے۔

تو آغاز ہے ایک دعا سے جو اپنے جیسے حساس لوگوں کے لیے عنایت ہوئی ہے خاص قرۃ العین سکندر جیسے دکھیوں کے لیے۔

ہم سادہ دلوں کو بھی دست راست چاہیے
خدایا کدھر؟ کردار کی قدر کرنے والے
حجاب عطا ہو ہم کو کہ بہت بڑھ گئے ہیں
تیرے نام پہ فیض اٹھا کر مکر کرنے والے
تیرہ شبی مایوسیوں کا سبب بن نہ پائے
اب تو سحر تو کردے او سحر کرنے والے
محبت کے گلستانوں سے طیور اڑ نہ جائیں
مٹ جائیں بلبلوں پہ جبر کرنے والے
ہم کو بنائے رکھا ہم کو بنائے رکھنا
ہر حال میں شیر و شکر کرنے والے
دل کے قصر پہ تیرا ہی راج ہو خدایا
ہستی کی ناؤ زیر و زبر کرنے والے

تبصرہ حاضر خدمت ہے ”بات چیت“ بھی ہم تو سب کو قریبی عزیز سمجھتے ہیں کیونکہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

رشتوں سے وفا کرنا اے جان وفا آئے
جائے جو کہیں مسلم اخوت کو جگا آئے

”حمد“ مشہور زمانہ نگر طرز دہم لگی اور شکریہ مولا جی میری بھی تقدیر بنانے کا سالوں پہلے صبح بیداری سے ہمارے منہ سے خود بخود الفاظ نکال رہے تھے۔

”صالحہ کوثر“ میری تقدیر بنتی ہے الحمدللہ نعت نبی اور منفرد طرز شاندار وجاندار لگی آخری شعر نے تھا ہم نے یوں بنا کر پڑھا۔

جب کوئی مشکل پیش آئی ہے ہم نے انہیں پکارا ہے انجم
اپنا تو یہ یقین ہے ان کا کرم ہوجاتا ہے ابر رحمت تن جاتا ہے
پوری ہوجاتی ہے دعا رب کی دید بھی ہوجاتی ہے
ہر سو نظر آئے رحمان نام محمد صلی علیٰ آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی جلا

”پری وش ہستی پر یہ خوش آمدید بھی ہم پڑھ پائے ہیں ہم یہاں کیسے آسکتے ہیں اقرار اپنا صرف خدا سے جو دنیا سے ڈرا وہ مرا کہ مرا۔ حجاب شاہ تمہارا نام فیملی سمیت اچھا اور ہنر بھی اچھے صابیٹی سے کہو ”پھول“ رسالہ لگوائے اور پینٹنگ بھیجے تاکہ ہم دیدار کر پائیں تم بھی کڑھائی سے کچھ لکھ کر پھول میں بھیجو۔ میں نے پرچم پاک اور روضہ انور کڑھائی سے تیار کیا ہے فوجیوں کے چہرے بھی بنائے تھے سمجھ عزیز بھی تو اتنے پیارے بنے تھے کہ کیا بتاؤں مگر کمبخت ڈسٹر بنگ میں تمام سارے ڈائریاں جلا کر سپرد خاک کردیں۔ اب نیا نام نیا کام نئی ڈائری نئی کتاب آئے گی ”جیا“ جیسی بھی ہو سچ بولنا اچھا لگا سانچ کو آنچ نہیں میں بھی ماں کی نافرمان ہوں باپ کی نہیں

باپ جیسی ہوں۔ توکل من اللہ۔ دنیاداری رتی بھر نہیں آتی بچوں میں خوش رہتی ننھی منی معصوم کلیاں دلپسند مشغلہ پڑھانا ثنا نازاں ہوں مایوس نہیں لاتقنطو من رحمتہ اللہ تمہارے لیے فوراً ایک آمد ہوئی ملاحظہ ہو۔

بڑے ناز سے ثنا کرتی ہوں
ہر کسی سے وفا کرتی ہوں
دعا دیتی ہوں خدا کے نام پہ
گلہ کرتی ہوں نہ جفا کرتی ہوں
وفا والوں پہ سو جاں سے نثار
بے وفائی کو سزا کرتی ہوں
جتنا اچھا ہے کوئی جتنا برا ہے
میں اسے برملا کہا کرتی ہوں
اپنی غلطی میں مان لیتی ہوں
الزام لگتے ہیں سنا کرتی ہوں
رب کی رضا پہ راضی رہنا ہے
سزائیں ہنس ہنس سہا کرتی ہوں

''رح سخن'' ارے یہ تو ہم نے بھی خوب گایا چھوٹا سا ایک لڑکا ہوں پر کام کروں گا بڑے بڑے اسامہ بن لادن سے اسامہ اعجاز تک سب زندہ باد دیا جلائے رکھنا میرا دیا جلائے رکھنا آمین۔ ''ملاقات'' قرۃ العین سکندر یا قرۃ العین حیدر کون ہے بھئی بہت سو رہے بے ضرر، سنجیدہ متین حساس ہو کھیا عجز کا پیکر اور یہ تو بتاؤ تم کو کیا معلوم کہ تم پہلے مرو گی اور بھیا بعد میں تمہیں پڑھیں گے یہ تو ہم نے بھی چاہا تھا مگر خالد چلے گئے اور خواب میں ہمارے شوق پورے کرا رہے ہیں ارے بھیا زندگی میں ہی پڑھ لو بیگم کی کہانیاں اور خوش کردو ورنہ مرضی تمہاری یار شاعری نے مجھے رلا دیا حالانکہ خود تو قبر سے پار کی باتیں شادی کے دن ہی کرلی تھیں یعنی آپ کی نذر چند شعر برائے حسن کار کردگی۔

نام سے لگتا ہے مقدر کا سکندر ہو گویا
تم بھی سب کی طرح دکھیا نکلے
دکھ نہ ہو تو حساس دل بھی نظر نہ آئیں
حساسیت میں تم تو ہم سے بھی سچا نکلے
ہم پہلی سیڑھی پہ تم آخری پہ ہو جاناں
دوست تم تو کردار کے ایسے رسیا نکلے
نایاب لفظوں کی بارش میں بھیگتے رہنا
دعا ہے آپ کی تحریر سے فرحت کا سریا نکلے

''میرے خواب زندہ ہیں'' کوئی مار کر دکھائے تو بھلا ''عشق دی بازی'' لگا بیٹھے انجام جو ہو سو ہو۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' جتنے اسیر ہوئے دلگیر ہوئے ''محبت بھیگا جنگل'' جس کے کانٹے بھی مانند پھول لگیں۔ ''محبت گزیدہ'' سانپ گزیدہ برابر ''میری تکمیل تم سے ہے'' بے شک بلا شبہ اے مرے ہمدم مونس و غم خوار میرے سردار جنت زادہ ہمارے بیٹے نے ہماری فرمائش پر ایک شعر بنا کر احسان عظیم کیا تھا۔

یوں تو گناہگار ہوں اگر جنت میں ہوا جانا
سب سے پہلی اور آخری خواہش تمہاری ہوگی

''سوال'' صرف اللہ سے کرتے ہیں۔
''نامحرم'' میرے تو محرم نکلے ''میرا گھر'' میرا گھر ساری دنیا ہے دنیا کا خدا حافظ۔ ''شاعری کلاسز'' صرف اقبال سے لیں گے ویسے کیا تھا نا ئمہ غزل ایک غزل ہمیں بھی سنا دیتی یہ حجاب تھا تمہارے سارے عیب ڈھک لیتا۔
دل خوش کرنے کا شکریہ آئندہ بھی جاری رکھنا الیی کوشش نا ہم تو نظروں میں آ گیا ہے ''بانو باجی'' پاگل تم نے میری بانو باجی سے اچھا نہیں کیا۔
محبت کے جگنو جلد کر جلا کستر کر دیے۔ انہوں نے ابھی تک شادی نہیں کی میں تمہیں اپنی ٹیچر کی بے حرمتی پر معاف نہ کروں گی ہر پانچ سال بعد تمہیں ڈپریشن کا دورہ ضرور پڑے گا کمبخت مذاق اڑانا ہو تو صرف اپنا اڑا یا کرو لوگوں سے روز حشر ہوگا اور آگ کی لپیٹ ہر کوئی ہم جیسا نہیں کہ معاف کردے۔ ''وجود زن''

عورت کے دم سے یہ دنیا حسین ہے
عورت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے

عورت اگر واقعی عورت ہے تو مرد کبھی خراب نہیں ہوسکتا عورت مرد کی کامیابی کا دوسرا نام ہے عورت قربان کرتی ہے اپنی ہستی کو اپنی خوشی سے خدمت کرتی ہے نہ

صرف گھر بلکہ پورے معاشرہ کی اس کا جسم تو غلام ہے گھر بھر کا مگر روح ہرگز نہیں وہ خدمت کرے گی بے وفاؤں کی مگر انہیں با وفا بنا کر چھوڑے گی ورنہ وہ عورت نہیں۔ عورت ذمہ داری ہے نہ صرف اولاد بلکہ ہر ملنے والے کے کردار کی اگر وہ عورت ہے تو عورت ایسی چٹان ہے جس کے پاؤں میں لغزش نہیں آتی عورت ایسا باغ دین ہے جو دنیا کے بے راہ رو جنگل کو جنت نما بنا سکتا ہے عنقریب حوا کی بیٹی شیطانی مردوں کا قلع قمع کرے گی ان شاءاللہ۔ قرآن نماز اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر۔ عورت ہو تو رضیہ سلطانہ۔ مرد ہو تو قطب الدین ایبک عورت تو وہی ہے جا قرا نے دکھائی اقرا حنیف زندہ باد۔

چلو چلو کارواں بنائیں
مردوں کے سگریٹ چھڑائیں
مسجدوں میں نمازی بلائیں
کلیوں اور پھولوں کو بچائیں
خون جگر خوب بہائیں
آنسوؤں میں آئینے سجائیں
بانگ رسا کی صدا لگائیں
نیا بت کا حق نبھائیں
چلو چلو کارواں بنائیں

"جیسا میں نے دیکھا" دیکھتی رہو پڑھتی رہو آگے بڑھتی رہو ایسا سب دیکھیں۔

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

"بزم سخن" نئے لوگ نیا سخن اچھا سخن "کچن کارنر" دم گوشت پسند آیا۔ "آرائش حسن" محنت کر کے تھکا تھکا آدمی خدمت کر کے دھواں دھواں عورت جب ملتے ہیں تو حسن ہی حسن ہوتا ہے کیونکہ محنت میں ہی زندگی ہے نہانا اور تیل لگانا کافی ہے حسن کے لیے۔ "عالم میں انتخاب" اس بار تمام کا تمام نہایت عمدہ ہمارا تو پہلا شائع ہو گا تو دوبارہ بھیجیں گے ورنہ......

"شوخی تحریر" ایک سے بڑھ کر ایک مگر پروین افضل تمہارے لطیفوں کا جواب نہیں ویسے واقعی ہر عورت مرد کو اسیر کر سکتی ہے۔

اے جذبہ دل گر تو چاہے
ہر چیز مقابل آ جائے

"حسن خیال" سب کا اپنا اپنا شازیہ تبصرون کاش زیادہ لوگ شامل ہوا کریں نئے پرانے ملے جلیں بہت لوگ غیر حاضر یاد آ رہے ہیں بوجھو تو جانیں دوست کا پیغام دل کے نہاں خانوں میں قید کر لیتے ہیں دوستو آنچل میں نیا نمبر بھیج دیا ہے یہاں بھی لکھ دیتی ہوں ادارہ سے التماس ہے جو میرا نمبر مانگے دے دیں رابعہ شاہ تمہارا خط ابھی نہیں پہنچا ورنہ تمہاری نعتیں نہیں ملیں۔
اس طرح کے کاموں میں اس طرح تو ہوتا ہے
صبر کرنا پڑتا ہے صبر کرنا پڑتا ہے
حنا میں نے تمہیں فون کیا وہ تو وقاص عمر کا نمبر ہے میں نے تمہاری کتاب خرید کر پڑھ لی ہے۔ تمہاری شاعری کچھ تصحیح کی ہے اگلی بار خط میں یا پیغام میں تمہیں سناؤں گی ما آنچل و حجاب کا کروڑوں بار شکریہ آتی کلی دوستیاں بنانے کا اور آتی حوصلہ افزائیوں کا قیصر آرا مشتاق بھائی کو سلام ادب آداب فریدہ کیا مکمل ہو پار کشف الیاس رب الناس الہ الناس۔ الف سے لے کر ے تک انشاء (عبرنیساں بنجابن) سے لے کر زاہد ولا ہدہ مائرہ، کہکشاں ارم حرا، ملالہ، دلکش، سمیعہ، نجم، وقاص، ثناء فرحان، عائشہ ہنی، ماریہ کنول، ماہم ہر ایک کو دعائیں ماقرا جانو مٹھائی جس نے کھائی ہے گھر آ جاؤ سوہن حلوہ تیار کھا ہے ہر تسنیم تو پانچ ہزار میں مجھے صرف ایک ملی ہے باقی آٹھ استاد لوگوں کو کل تو بتائیں ادارہ کے لیے بھی فراہم نہیں ہے ہم تو خالی ہاتھ ہیں کوئی صاحب حیثیت اگر چاہے تو 2000 میں دس کتب بنوا کر بانٹ دے میری دوست شاہدہ نے دس بنوا کر اپنے حلقے میں بانٹی ہیں اگر وہ چار مجھے دیں تو ادارہ کو ضرور دوں گی باقی آسان حل تو یہ ہے کہ اگر ادارہ خصوصی اجازت مرحمت کرے تو ہر بار ترتیب وار ایک نعت ہر ماہ خط میں لکھنے کی اجازت دے دے ہزاروں لوگوں کی بچت، ثواب حاصل ہو گا اور 2019ء میں جو کتاب بنے گی وہ شاید اس سے بھی کم بناؤں، باقی کی خدا جانے مجھے تو لکھنے کی اجازت ملی رہے یہی غنیمت ہے اب بھی لائٹ بند کرنے کا آرڈر ملا تھا تو ہم صحن میں آ گئے ہیں اب اگر صبح ناشتہ ٹائم پر نہ تیار ہو تو بچے بھوکے جائیں گے تو ہمارے لکھنے پر پابندی تو بنتی ہے ناں چار بج گئے بارہ بجے لکھنے بیٹھے تھے۔ کاش سب کو لکھنے کا شوق ہو کھانے کا نہیں جو مل جائے وہی کھا لیں باسی واسی بچ مزہ آ جائے۔ یار زندہ صحبت باقی اللہ حافظ۔

☆سودائے محمد سردار آپ کی آمد ہمارے لیے مسرت کا باعث بنی۔ ہم پر امید ہیں کہ آپ آئندہ بھی رونق محفل رہیں گی۔ اول انعام آپ کو سرپرائز کی صورت میں مبارک ہو۔

شازیہ ہاشم میمونی...... کہنیاں خاص قصور۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ ڈیئر مدیرہ اسٹاف اینڈ حجاب ریڈرز امید واثق ہے بفضل باری تعالیٰ خیریت سے ہوں گے۔ ڈیئر جوہی آپی سب سے پہلے تو جزاک اللہ آپ نے میرے تبصرے کو انعامی تبصرہ قرار دیا پھر مجھے حجاب ہائے پوسٹ 7 تاریخ کو مل گیا

مگر ہاتھ میں بوجہ تکلیف کچھ نہ لکھ سکی اب ہاتھ تھوڑا سا ٹھیک ہوا ہے تو لکھنے بیٹھ گئی بلکہ ہاتھ میں اب بھی بہت درد ہو رہا ہے چلو خیر وہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ڈھیٹ ہوتے ہیں تکلیف کے باوجود اپنے کاموں کو نہیں چھوڑتے ان میں ہی میرا شمار ہے آپ نے کہا کہ میں کوئی کہانی وغیرہ لکھوں نہیں ڈیئر مدیرہ ابھی میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتی کہ کوئی کہانی لکھوں اگر لکھوں گی تو ان شاء اللہ شادی کے بعد لکھا کروں گی سب سے پہلے "بات چیت" میں حاضری دی تاکہ قیصر آرا آپی کی گفتگو سے فیض یاب ہو سکوں الحمدللہ ان سے گفتگو کی اور ڈیئر آنی آپ کے لیے قسمت کا لکھا تو اسے مل ہی جائے گا پر مددگار۔

"میرے سائیں کو وہ عطا کر جس کی اسے خواہش ہے"

حمد کی طرف پہنچی پتے میں اکثر پڑھتی ہوں خاص طور پر پہلے دو شعر پر میری عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے دل چاہتا ہے کہ اڑ کر پہنچ جاؤں مکۃ المکرمہ میں اور چوم لوں باب حرم کر لوں طواف کعبہ اور اسی مجذوبانہ کیفیت میں چلتی چلی جاؤں روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور چوم لوں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی سنہری جالیوں کو اور ایسے ہی روح کر جائے میری پرواز بس یہی خواہش ہے یااللہ جلد از جلد اپنا گھر دکھا دے پیارے قارئین دعا کرنا.....آہ۔

قدم چوم لوں گی قدم چوم لوں گی
گر مل گئی مجھ کو راہ مدینہ
محمد ﷺ کا نقش قدم چوم لوں گی
عقیدت سے کعبے میں سر کو جھکا کر
نگاہوں سے باب حرم چوم لوں گی
جو طے کر کے آئیں گے راہِ مدینہ
ملاؤں گی میں ان کے سینے سے سینہ
جن آنکھوں نے دیکھا ہے طیبہ کا منظر
وہ آنکھیں خدا کی قسم چوم لوں گی

ان شعروں کے سحر میں غرق ہوتے ہوئے نعت کی طرف بڑھی سب اشعار ہی زبردست تھے کیونکہ نبی ﷺ کی تعریف تھی۔ نبی ﷺ سے عشق ہی تو کامیابی کا زینہ ہے اور رضائے الٰہی ہے اور ویسے بھی

میری زندگی صرف عشق نبی ﷺ ہے
جو غم مجھ کو اس میں ملا وہ خوشی ہے
اس غم کی راہوں میں آنکھیں بچھا کر
میں پلکوں سے خاک حرم چوم لوں گی

"دو کراس پری وش کا" اقرا افضل جی آپ یا نوں ڈیئر سادہ لباس ہی بہتر ہے فیشن کے نت نئے عریانیت کا مظاہرہ کرنے والے لباس سے۔ ویسے بھی سادگی میں حسن ہے ڈرنا نہیں اب لکھنا ہے کیونکہ میں حجاب کے اسٹیشن پر جتنی مرتبہ بھی گئی ہوں مجھے الحمدللہ حوصلہ افزائی کا ٹکٹ ملا ہے یہی وجہ ہے میرا قلم بھی لکھتا ہے ایسا بھی تم بھی کہہ رہی ہوگی او ہو میں بھی تبصرہ بھیج دیتی شاہ ناز کیا آپ وہی ہیں جس نے عورت کے حوالے سے خوب صورت سا آرٹیکل لکھا تھا یار مایوس نہ ہونا کیونکہ مایوسی گناہ ہے اور لاتقنطو پر عمل کرنا کیونکہ غصہ زندگی کی خوشگواریت کو ختم کر دیتا ہے۔ بہنوں کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوتی ڈیئر شاہ لو جی آ گئے مہتاب شاہ تشریف فرما ہیں جو میری آمد کا انتظار کر رہی ہیں یار فورت سے تے سگرز اللہ سے دعا کرو گانے جیسی وبا سے آپ کی جان چھوٹ جائے کیونکہ یہی تو گانوں کا جنون ہے جس نے مسلم کو قرآن پاک کی تلاوت سے دور کر دیا ہے آ رہی ہوں جیا تھوڑا سا ویٹ مدرے آ ہی گئی جی ماشاءاللہ دو بچوں کی ماں ہوں آئی ایم سو ہیپی شاہ اقرا ابنہ جیا آپ کے انٹروڈکشن میں گانے کا دخل نہیں سو آپی میں آپ سے بہت ناراض ہوں کیونکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور آپ نے پوچھا بھی نہیں میں نہیں بولتی آپ سے حالانکہ روئے سخن آپ کی طرف کرتی ہوں چلے طبیعت کا نہیں پوچھا کم از کم مہمان نوازی کا حق تو ادا کریں آخر آپ کے روبرو ہوں تصورات کی دنیا میں اسامہ بن اعجاز کا تعارف اچھا لگا اس سے زیادہ اس کی ماں کو خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہا جس نے اپنے بیٹے کو میدان مقابلہ میں جذبہ ہمت کے ساتھ راہ کامیابی دکھائی اور اسامہ کا پیغام دل کو بھا گیا یقین مانیں سو آپی مجھے ایسا لگا جیسے میرے الفاظ لکھے ہوں ٹیچنگ میں ہمیشہ ایسا کا گرا ہی الفاظ کے ساتھ اپنی اسٹوڈنٹس کو سمجھاتی ہوں اللہ سے دعا ہے کہ اسامہ آپ کو اوج کمال کا راہی بنائے۔ "ملاقات" ہمیشہ کی طرح لاجواب رہی خاص طور پر شاعری جو شیئر کی خاص طور پر اس شعر نے تو لامتناہی سوچوں کے سمندر میں غوطہ لگانے پر مجبور کر دیا۔

میرا ڈوبی خدا خالی ہاتھ لوٹاتا نہیں
تو دعاؤں میں اپنی گریہ و زاری لا تو سہی

کہاں اب تو رب سے مانگنے کا وقت نہیں آج ہم تین گھنٹے کی مووی تو دیکھ سکتے ہیں مگر پانچ منٹ رب کے سامنے کاسہ دل پھیلائے مغفرت کی بھیک نہیں مانگ سکتے جب کوئی مصیبت آتی ہے تو رب یاد آ جاتا ہے "میرے خواب زندہ ہیں" مہرو کی زندگی نے ناول میں جان ڈال دی ڈیئر رائٹر حور عین کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ ریحان کے لیے ماہم کی مثال کچھ یوں ہے۔

لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے

زندہ رہیں تو پھر ملیں گے
مگر آپ سے مل کے ایسا لگا
ملتے رہے تو زندہ رہیں گے

"بیٹا" اشکوں کے دریا کی سیاہی سے لکھے گئے الفاظ آنکھوں میں بھی اشکوں کا موسم بھی لے آیا اتنی بے حسی، اتنی نافرمانی ہو، دل دکھ سے پھٹنے والا ہو گیا جیسا مونس نے اپنے والدین کے ساتھ کیا انہی والدین کی دکھی آہ کی وجہ سے وہ ایک غیر مسلم کمیونٹی میں غیر مسلموں کی طرح رہا اتنا بڑا نقصان مگر کامران کی فرمانبرداری دیکھ کر ہر بیٹے کے لیے فرمانبرداری کی دعا کی ویسے بھی آج سوسائٹی میں یہ بات اتنی عام ہو چکی ہے کہ لڑکا اگر ابروڈ چلا جائے تو وہیں شادی رچا لیتا ہے والدین کے خوابوں کی چادر کو تار تار کر دیتا ہے وقت سے پہلے ان کو بوڑھا کر دیتا ہے ویلڈن زرا آپی آپ نے معاشرے کے سنگین اور اہم نکتے پر توجہ دی واقعی آج ایسا ہے ایسی تحریریں لکھی جائیں تو معاشرے کو جھنجوڑا جاسکتا ہے کیونکہ بیٹا وہی کامران ہے جو اپنی جنت اور اس کی کنجی کی قدر کرے گا۔ "سوال" فرح طاہر غربت کی بھرپور عکاسی کرتی تحریر دل کی سرزمین کو نم کر کے آنکھوں میں اشکوں کے موتی لے آئی غربت نے انسان کو لاچار و بے بس کر دیا ہے آ واقبال تیرے اشعار میرے دل و دماغ پر چھا گئے۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے میسر نہ ہو دہقان کو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم جلا دو

یہی غربت ہے جو

دیکھے ضعیف کاندھوں پہ محنت کے جب نشاں
بچوں نے کچھ بھی باپ سے مانگا نہ پھر کبھی

ماضی میں کوئی ٹریجڈی ہوئی ہے شکر ہے کامیش کا دل بھی کچھ صاف ہوا فراز کی طرف سے کامیش لالہ کچھ ہوش کے ناخن لو ہیرے جیسے بھائی کی قدر کرو اور سونیا بی بی ذرا سنبھل کر بازی ہر دفعہ جیتی نہیں جاسکتی کیونکہ مکافات عمل بھی اسی دنیا میں ہوا کرتے ہیں کسی اور کے لیے بچھائے گئے جال میں انسان خود ہی صیاد بن جایا کرتا ہے آپی تھنک رائٹر کہ ابرام بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے گا "ذات محبت" مریم مرتضیٰ کا عجیب سے رشتوں کی بے حسی میں لپٹے وجودوں کا محبت کی طرف رخ پھیرتی تحریر اچھی لگی اور ساحر پر شروع میں بے حد غصہ آیا ایمانداری سے معاشرے میں نظر ڈالی جائے تو اکثریت مردوں کی ایسی ہی نظر آتی ہے جو عورت کو پاؤں کی جوتی کی نوک پر رکھنا پسند کرتے ہیں میں جب بھی مردوں پر نظر ڈالتی ہوں تو بلا ساختہ میری نگاہ اپنے عزیز از جان بابا جانی پر ٹھہرتی ہے جو ایک اچھے باپ ہی نہیں بلکہ ایک اچھے بیٹے اچھے شوہر اور اچھے انسان کی تمام خصوصیات کے حامل ہیں میرے بابا جانی اتنے اچھے ہیں میں لفظوں کی دنیا سے اپنے بابا کے بارے میں بتا نہیں سکتی۔ I Love U Dearest Baba Jan and May You Live Long Baba (Ameen) بہر حال یہی محبت تو ہے جو انسانوں کو جوڑ دیتی ہے یہی محبت تو ہے جس سے دو دل ایک تال پر دھڑکنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ

کسی کو ٹوٹ کر چاہنے سے کوئی محبت نہیں ہوتی
اسے پانے کی خواہش رکھنے سے محبت نہیں ہوتی
محبت تو اس دنیا کی وہ عظیم چیز ہے
جو کسی سے ایک بار ہو جائے تو پھر کسی سے نہیں ہوتی

"محبت بھیگتا جنگل" واؤ زبردست محبت کے چاشنی بھرے الفاظ ہوں پُرخلوص وفا کی جھلک ہو اور یہی نہیں ساتھ ہی عزم و ہمت کا جذبہ ہو منزل کو پانے کی جستجو بھی ہو تو پتھر میں سوراخ ہو جایا کرتے ہیں کچھ ایسا ہی معاملہ صہیب کے ساتھ ہوا جس نے پہلے پہل تو مانو کی محبت کو قابل قدر نہیں سمجھا ویسے بھی صہیب کے ساتھ کچھ یوں ہوا۔

اس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر
اس کے جانے کا رنج مجھے عمر بھر رہا ہے

اور مانو کا دل تو ایک ہی لے پر دھڑکتا نظر آیا

ہزاروں کا ہجوم ہے دل کے آس پاس
دل پھر بھی دھڑکتا ہے ایک ہی نام ہے

"احمر اور منال" کا معاملہ عجیب سا کیمیائی فارمولے کی طرح مشکل لگا اور حیدر تو بے چارہ۔

زبان خاموش ہو جائے تو چہرہ بات کرتا ہے
محبت کے مراحل میں عجب موسم گزرتا ہے

چلیے آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ "عشق دی بازی" آنی رسمانا آب زبردست طریقے سے لے کر چل رہی ہیں چوہدری جہانگیر کیسا انسان ہے جو صرف ایشان کے لیے ہی پوزیسو ہے حالانکہ تین بیٹیاں اور بھی موجود ہیں اس پیٹی ٹیوڈ سے تو پتا چل گیا ہے کہ چوہدری جہانگیر منزہ کا شوہر ہے شاید بے چاری پر ترس بھی آتا

ہے جو شاہ زر سے دل لگا بیٹھی پلیز سبحان کے ساتھ کچھ برا نہ کر یے شال کا دعائیں پڑھ کر پھونکنا بہت اچھا لگتا ہے یہی کمال ہے جو حویلی میں خوشگواریت کی فضا لائے گا چوہدری حشمت بھی اچھے انسان ہیں بس اپنے اصولوں کے پکے ہیں۔ "میری تکمیل تم سے ہے" سب سے پیارا کردار عمان کے بابا کا لگا جو بے حد زبردست تھا اور فرقان کا ماہم سے محبت کا انداز بے حد نائس تھا ایسا پیار بھائی بہن میں ہو تو رشتے کم ہی ٹوٹا کرتے ہیں بہرحال بدگمانیوں کے بادل چھٹتے ہی محبت کی قوس قزح ماہم اور ریحان کے دلوں پر چھا گئی ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا بدگمانی ایک ایسا پھول ہے جو اگر لگ جائے کسی پودے میں تو وہ بدنما لگتا ہے اور یہ پودے کو جڑ تک کھوکھلا کر دیتا ہے۔ "شب آرزو تیری چاہ میں" زنائشہ کا دل بھی کچھ نرم ہوا عرش کو دیکھ کر بہرحال جو بھی ہے عرش کا زنائشہ کی پاک دامنی کا یقین اور اپنی محبت پر یقین اچھا لگا ویسے بھی عرش اپنے حق میں بولا ٹھیک کیا اگر نہ بولتا تو زنائشہ کو یقین نہیں آنا تھا اب معاذ اور زرتاش کی بھی نیا پار لگا ہی دیں "نامحرم" ہانی ڈیئر معاشرتی برائی کو اپنے انداز میں دریا کو کوزے میں بند کر کے آشنائی دلا کر آگاہ کر دیا محرم تو نامحرم ہے نجانے آج کتنی ہی مثال ایسی ہوں گی جن کو ایسے شیشے میں اتارا جاتا ہوگا "ثمرے تسلیم اینڈ اسما گل آپ کی انٹری اچھی لگی۔ "محبت گزیدہ" قرۃ العین سکندر زبردست تبصرہ پورا ہونے پر کروں گی مگر ایک نظم ضرور اس تحریر کے لیے کہوں گی۔

کچھ کہتے کہتے رہ جانا
اور رکتے رکتے کہہ جانا
یہ پیار تو ایسا ہوتا ہے
جو دل میں درد سموتا ہے
اب بھیگی بھیگی شاموں میں
اک چہرہ ہر پل آنکھوں میں
ہنستا بھی ہے روتا بھی ہے
دل میں درد پلتا بھی ہے
پھر نظروں سے کھو جاتا ہے
اور خوابوں کو مہکاتا ہے
کہ اک احساس مٹانے کو
کہ دل میں درد بسانے کو
ہر دھڑکن میں ہر آنگن میں
کہ چھنکتے ہاتھ کے کنگن میں
یہ رنگ نظر نہیں آتا ہے
ایسا اکثر ہو جاتا ہے
دل کا داغ انوکھا ہے
خانم یہ سب تو دھوکا ہے

"میرا گھر" رشک حبیب ویلڈن بیٹے کا گھناؤنا روپ دیکھنے کی لوا آنکھیں ہمیشہ کے لیے موند لیں ہائے کتنی مائیں ایسے دنیا سے رخصت ہوتی ہوں گی وہ واقعہ فوراً آنکھوں کے سامنے آ گیا جس میں بیٹا بیوی کے کہنے پر ماں کا کلیجہ نکال کر لاتا ہے اور جب لار ہاہوتا ہے تو ٹھوکر لگتی ہے تو کلیجے سے آواز آتی ہے بیٹا کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ کتنے بدبخت ہیں وہ بیٹے جو ماؤں کے سامنے بیویوں کی زبان بول کر ان کے شفاف شیشے جیسے دل کو چکنا چور کر دیتے ہیں ماں تو وہ ہوتی ہے جو اپنی آغوش میں اولاد کو سرد و گرم ہواؤں سے بچاتی ہے کیونکہ

مجھے جو بھی ملا فقط ذات خدا سے ملا
اے ماں خدا سے جو بھی ملا فقط تیری دعا سے ملا

"شاعری کلاسز" واقعی ہی فیس بک پر جھوٹ کی کثرت ہوتی ہے آگے اپریل فول آ رہا ہے جس دن جھوٹ بول کر نجانے کتنے حادثات رونما ہوتے ہیں اور ہماری مسلم نسل اس دن کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ انجوائے کرتی ہے افسوس صد افسوس اللہ حفاظت فرمائے آمین۔ "بانو باجی" تحریر سادہ مگر اچھی تھی "قلمی نام" بھی اچھی تھی" جیسا میں نے دیکھا" پروین شاکر کی ماں کے لیے لکھی گئی نظم دل کے ایوانوں میں براہ راست اتر گئی کیونکہ ماں تو ماں ہوتی ہے۔

یتیمی خون رلاتی ہے بدن بے جان لگتا ہے
نہ ہو جس گھر میں ماں وہ گھر ویران لگتا ہے
ہوئی جس دن رخصت میری ماں دنیائے فانی سے
میرا چہرہ بھی رشتے داروں کو انجان لگتا ہے

اس ماہ حجاب کی تمام تحریروں میں ٹاپ آف دی لسٹ "وجود زن" اقرا حفیظ کی تحریر رہی بڑی خوب صورتی اور دلکشی سے عورت کے اصل مقام سے واقفیت دلائی کیونکہ عربی کا مقولہ ہے

لا تحفظ المرأة الاّ فی بیتھا
"عورت صرف اپنے گھر میں ہی محفوظ ہوتی ہے۔"
عورت کا مقام بزبان اقبال یہ ہے۔

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں نہیں کرسکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں، مردان خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادی نسواں کہ زمرد کا گلوبند

"بزم سخن" میں سب کے اشعار اچھے تھے مگر شہناز، ناہید خان، زرینہ تبسم ہشام، سلمیٰ حمیرا صبا کے بہت اچھے لگے" کچن کارنر" بس خیالی پلاؤ پکاتے آگے بڑھے آرائش حسن سے ہاتھوں کے لیے ٹوٹکے لیے اور عالم انتخاب میں پہنچے تو سب کا انتخاب ہی اچھا تھا مگر رخسانہ اور طیبہ کا انتخاب قابل داد تھا "شوخی تحریر" ہمیشہ کی طرح لاجواب تھی "حسن خیال" کو سرسری سا پڑھا اور سائرہ راؤ کا تبصرہ بہت اچھا لگا "دوست کا پیغام آئے" حنا ارشد مبارک ہو کیا وقاص عمر پیپرز میں نگرانی وغیرہ بھی کرتے ہیں بتایئے گا ضرور ٹوٹکے فوجی کے لیے سنبھال کر اپنی زنبیل میں بھی رکھ لیے کہ مستقبل میں بشرط زندگی آزمائیں گے ان شاءاللہ ڈیئر جوہی آپی آپ کو الفاظ میں بے ربط سا انداز نظر آرہا ہوگا یا اس وجہ سے ہے کہ میرا سر درد ناقابل برداشت ہو رہا ہے اور میں نے ظہر کی نماز بھی ادا کرنی ہے آئندہ ماہ ان شاءاللہ کوئی افسانہ لے کر حاضر ہوں گی اب آپ بھی کہہ رہی ہوں گی جان نہیں چھوڑتی شازیہ چلو خیر آنٹی کوثر آنٹی نجم انجم آنٹی پروین افضل آنٹی ارم کمال آنٹی فریدہ، حافظہ رعنا، نبیلہ خان، چندا مثال، مسکان، میمز ب، عائشہ عبدالرحمان، ہنی سلمٰی اور باقی سب آنچل ریڈرز خوش رہو خوشیاں بانٹو ان الفاظ کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

تعارف روگ بن جائے تو اس کا بھولنا بہتر
تعلق بوجھ بن جائے تو اس کا توڑنا اچھا
وہ افسانہ جسے انجام تک لانا نہ ہو ممکن
اسے اک خوب صورت موڑ دے کر چھوڑنا اچھا

او کے فی امان اللہ۔

☆ ڈیئر شازیہ خوش رہو اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائے آمین۔ ادارہ حجاب کی جانب سے انعامی ڈائجسٹ اس بار بھی حاصل کرنے پر مبارک باد قبول کریں۔ ہم آئندہ بھی اس بزم میں آپ کی شمولیت کے منتظر رہیں گے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرانوالہ۔ اہل محفل کو میرا محبت بھرا آداب قبول ہو۔ کیسے مزاج ہیں سب کے؟ الحمدللہ میں تو بالکل ٹھیک ہوں اور امید ہے کہ باقی سب بھی ٹھیک ہوں گے۔ حجاب ملا بہت خوشی ہوئی گر یہ کیا سرورق کچھ خاص نہ تھا جیسے آج کل ملٹی رنگ پھول کھل رہے ہیں ویسا نہ تھا ایسے ڈل ڈل سا تھا اس لیے معذرت، حمد و نعت کا لفظ لفظ عقیدت سے بھرپور تھا ماشاءاللہ، بہت عمدہ "ذکر اس پری وش کا" سب کے بارے میں پڑھ کر جان کر اچھا لگا۔ "رخ سخن" اسامہ بن اعجاز کے متعلق پڑھ کر خوشی ہوئی کہ ہمارے ملک میں بہت سے کامیاب اور ذہین دماغ موجود ہیں۔ "آئینہ مثل" میں قرۃ العین سکندر کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا اللہ ان کو بہت سی کامیابیوں سے نوازے ہمیشہ آمین۔ "قلمی نام" فائقہ نے بہت اچھا لکھا نام چاہے قلمی ہو یا اصلی ہمارا نام ہی ہماری اصل پہچان ہے۔ "وجود زن" بالکل اقرا حفیظ وجود زن سے کائنات میں حسین رنگ ہیں عورت جس روپ میں ہو قابل احترام قابل محبت ہوتی ہے۔ "جیسا میں نے دیکھا" رفاقت جاوید نے شاید پروین شاکر کے بارے میں لکھا ہوا ہے مگر ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی کی آپ بیتی پڑھ رہے ہیں کبھی ایسے لگ رہا تھا کہ کوئی افسانہ ہے کوئی سمجھ نہیں آئی کہ ہم پڑھ کیا رہے ہیں۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا کہ پروین امریکا ایم اے کے لیے گئی ہوئی تھی کہ والد صاحب کی اچانک موت کی خبر ملی اور دوسری جگہ لکھتی ہیں کہ ماں اسے تنہا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی پھر والد صاحب پر بڑھاپا طاری ہو چکا تھا ان کے پاس ان کے ساتھی کا ہونا بہت ضروری تھا مجھے سمجھ نہیں آئی اس بات کی۔ "بزم سخن" میں سب کے اشعار بہت اعلیٰ تھے "عالم میں انتخاب" میں ماورا طلحہ، سدرہ شاہین، اریبہ منہاج کے انتخاب زبردست تھے۔ "شوخی تحریر" میں عائشہ رحمان ہنی، پروین افضل شاہین، ارم ریاض کے انتخاب اچھے تھے "حسن خیال" میں شازیہ ہاشم کا تبصرہ جاندار لگا اعلیٰ زبردست شازیہ آپ نے الفاظ کی بنت مجھے کہا ہے تو شکریہ اگر مجھے نہیں کسی اور کو کہا ہے تو بھی شکریہ (ہاہاہاہاہا) میری نگارشات پسند کرنے والوں کا بہت شکریہ۔ مشی خان سواتی آپ کے لیے بھی ڈھیروں دعائیں۔ "بانو باجی" ہلکا پھلکا سا افسانہ اچھا لگا۔ بھی کبھی یادوں کو دل کے اسٹور روم میں ہی بند کر دینا چاہیے۔ "شاعری کلاسز" نائمہ غزل کا یہ افسانہ پڑھا کچھ خاص تاثر نہیں چھوڑ پایا دل و دماغ پر معذرت کے ساتھ تحریر ضرور کہوں گی کہ پورا افسانہ پڑھنے کے بعد اس کا نام "شاعری کلاسز" نامناسب سا لگا پیلز ڈونٹ مائنڈ کیا شاعری کلاسز کے بجائے کوئی اور نام ہوتا تو ٹھیک تھا۔ "شاعرہ فیس بک" نام مجھے تو ٹھیک لگا افسانہ پڑھ کے "میرا گھر" رشک حبیبہ کا افسانہ جب بھی لکھتی ہیں کمال لکھتی ہیں ایسا لکھتی ہیں کہ اگلے شماروں میں ان کا انتظار شدت سے رہتا ہے بہت اچھا عنوان عورت کا گھر کون سا ہے یہ کھنے سے عقل قاصر ہے بہت اچھا لکھا ماشاءاللہ۔ "نامحرم" ناہید ملانی کا افسانہ بے شک

اس موضوع پر پہلے بے شمار تحاریر آچکی ہیں بالکل اسی انداز تحریر میں نگران کا افسانہ بھی اچھا تھا واقعی بھائی بھائی اپنا ہی بھائی ہوتا ہے مثال کو بعد میں ماں کی باتیں یاد آئیں افسوس۔ "سوال" فرح طاہر کا خوب صورت افسانہ میں صدقے جاؤں ان والد محترم پر جو اپنی بیٹیوں کو بوجھ کے بجائے رحمت سمجھتے ہیں چڑیوں کا چہ بہت کیوٹ سا نام سب کے لیے بہت اچھا لکھا خوش رہیے۔ "بیٹا" زارا رضوان کا افسانہ کمال کا تھا کبھی کبھی ہم ایسی غلطیاں کردیتے ہیں کہ جب وہ ہی غلطی کوئی اور کرنے لگتا ہے تو اسے ہم پورے حق سے منع بھی نہیں کرسکتے ہیں زارا رضوان میری دعا ہے کہ اللہ آپ کو یوں ہی اچھا لکھنے کی توفیق دے آمین۔ "ذات محبت" حریم مرتضٰی کا افسانہ بہت اچھا لگا عورت کی ذات محبت کے لائق ہے چاہے وہ جس روپ میں ہو ساحر اور اس کے والد کو یہ بات سمجھ آئی مگر دیر سے۔ باقی سب تحاریر بہت اعلیٰ تھیں بہت اچھی تھیں۔ پیاری اقرا جٹ مجھے تو کوئی انعام ملا ہی نہیں اب کیسے بتاؤں کہ کیا انعام ملا۔ تمام پڑھنے والوں کو سلام اور دعا ہے کہ سب یونہی ہنستے مسکراتے رہیں آمین۔

☆ ڈیئر مدیحہ اقساط وار کہانیوں پر بھی تبصرہ کرتیں تاکہ تمام مصنفین کے ساتھ انصاف بھی کرپاتیں آپ کا یہ تبصرہ بہت ادھورا اور نامکمل لگا۔

ماہم نور انصاری...... حیدر آباد آنکھوں سے دور مگر دل کے بے حد قریب رہنے والے حجاب و آنچل مدیرہ آنچل اسٹاف، مصنفین آنچل اور قارئین حجاب کو سلام اور قبول ہو امید بخیر ہے کہ آپ تمام خیریت سے ہوں گے زندگی میں پہلی بار حجاب وقت مقررہ پر دست نور میں آ پہنچا ورنہ بقول نیازی "ہمیشہ دیر کردیتا ہوں" کے مصداق حجاب کے ہم تک پہنچنے میں ہمیشہ دیر ہوہی جاتی تھی مگر صد شکر کہ اس بار تاخیر کا سامنا نہ کرنا پڑا سوہانہ حجاب کے لیے "حسن خیال" ارسال خدمت ہے ٹائٹل پر چونکہ "حجاب" "توروکنارہ" "آنچل" بھی ہمارا ہوتا ہے اسی لیے بغیر کسی لعن طعن کے ہم فہرست پر نگاہ ڈالتے ہیں اور پچھلے تین ماہ سے جس ناول کے لیے حجاب منگواتے ہیں اس کا نام دیکھ کر ہی سکون محسوس کرتے ہیں (یہ بات تو صیغہ راز میں ہی رہنے دیں کہ وہ ناول کون سا ہے حالانکہ اشارہ تو بخوبی سمجھ ہی گئے ہوں گے) قیصرآپا کی "بات چیت" سے متفق ہوں کیونکہ اتنا تو اعتماد ہے ہمارا مدیران پر کہ ان کی موجودگی میں ادارے میں "پرچی" تو کہیں چل سکتی عشرت کودھروی کی "حمد" کا یہ شعر میرا پسندیدہ اور اولین چاہت ہے۔

حوروں کی نہ غلماں کی نہ جنت کی طلب ہے
مدفن میرا سرکار کی بستی میں بنا دے آمین

نعت مصطفیٰ ﷺ، عشق مصطفیٰ ﷺ سے گندھی ہوئی دل کو ٹھنڈک پہنچاتی رہی۔ "ذکر اس پری وش کا" میں طاہرہ زیب قریشی کا تعارف پسند آیا باقی بہنیں بھی اپنی مثال آپ تھیں۔ "رخ سخن" میں انٹرویو اسماء اعجاز کا اچھا رہا جبکہ "فیس بک" پر قرۃ العین سکندر کا انٹرویو پڑھنے کے باوجود دوبارہ پڑھا بہت اچھی مصنفہ ہیں "قرۃ العین سکندر" کیپ اٹ اپ چونکہ حجاب کو پڑھتے ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں اسی لیے سلسلے وار ناول "میرے خواب زندہ ہیں" اور "شب آرزو تیری چاہ میں" نہیں پڑھ رہی ہیں امتحانات کے بعد ان شاءاللہ پچھلی اقساط سمیت پڑھوں گی اسی لیے تبصرہ محفوظ عادت سے مجبور ہوں اسی لیے پہلے افسانے ہی پڑھے نئی لکھاری بہنیں بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں مگر "بانو باجی" از یمنی نور ایسی تحریر رہی جو میں نے دوبارہ پڑھی وجہ یہ کہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آخر لکھاری کیا پیغام یا کیا سبق دنا تر دینا چاہ رہا ہے ایک لڑکی کو لڑکے نے دیکھا متعدد بار دیکھا نہ بدیکی بڑھی نہ ہی محبت ہوئی ایک بڑا سا چشمہ لگانے پر سورج مکھی کے پھول سے تشبیہ دینے پر بانو جی دل برداشت ہوگئیں اور بدکوئی شخص کچھ دیر اسے سوچتا رہا پھر ایک دن سب بھول کر میٹھا۔ بیان کرنے لگا مطلب کچھ سمجھ آیا کہ مصنفہ بتانا کیا چاہ رہی ہیں اس کہانی میں کہ اس طرح مذاق نہیں بنانا چاہیے کسی کا یا......؟ میں چونکہ طفل مکتب ہوں اسی لیے شاید سمجھ نہیں پارہی کہ آخر "بانو باجی" نامی اس تحریر میں بانو باجی کے خیالات کا اندازہ ہوا نہ ان کو واچ کرنے والے فرد کی سوچ کا بالآخر کہانی بس کہانی ہی رہی دل میں گھر نہ کرپائی خیر اس سے بہتر تو "شاعری کلاسز" از نائمہ غزل تھی جو کم از کم چہرے پر مسکراہٹ تو بکھیر پائی (!!!!!!!) (علم عروض) میرا گھر، بیٹا اور سوال موضوع اگرچہ کہ پرانا تھا مگر چونکہ انداز بیاں اچھا تھا تو پڑھنے میں اچھی لگی اور ویسے بھی لکھاری کی کامیابی تو اسی میں ہے کہ موضوع چاہے کوئی بھی چنے اپنے خیالات کو بیان اچھا کرے کیونکہ ہر انسان کے جانچنے اور بیان کرنے کا انداز مختلف ہوتا ہے بس اپنی "انفرادیت" قائم رکھنی چاہیے نامحرم از ماہ جبیں ملائی سبق آموز تحریر تھی کہانی میں بار بار اس حقیقت کا دہرانا کہ "بھائی ہمیشہ حقیقی بھائی ہی ہوتا ہے" بہت سچ تھا اس حقیقت سے تو میں دلی طور پر اتفاق کرتی ہوں کیونکہ رب تعالیٰ نے جب کسی کو ہمارا "بھائی" قرار نہیں دیا تو ہم کیسے ان "بھائی" جیسے نامحرموں سے میل ملاپ بڑھا سکتے ہیں دیور، جیٹھ، کزنز اور استاد اس کے ہر رشتے کا اپنا ایک وقار ہے تقدس ہے اور اس حد تک ہی بہتر ہے جو حد رب کی طرف سے مقرر ہے اللہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔ افسانوں کے بعد باری آئی ناولٹ کی "میری تکمیل تم سے ہے" اپنی ہم نام لڑکی کی خوب صورت سی کہانی اچھی لگی ویسے مجھے ایسے افراد بالکل پسند نہیں جو کسی فرد واحد سے دھوکا وصول کر اس فرد سے متعلق رشتے یا جنس سے متنفر ہو بیٹھتے ہیں کیونکہ یہ عقل مندی کی نشانی نہیں خیر ہیرو صاحب کو عقل آ ہی گئی (مگر سہرا تو ابا جان کے سر ہی جائے گا) اور کچھ کچھ اس غزل کو بھی جو ماہم سمیت ماہم اور کا بھی دل دھڑکا گئی۔

سنو جاناں
اگر میں یہ کہوں تم سے
کہ تم بن نامکمل ہوں
تو کیا تکمیل ممکن ہے؟

ہمم ویلڈن نظیر فاطمہ صاحبہ ویسے کیا یہ ناول نہیں کہ مکمل ناول دونوں ہی نامکمل تھے۔ قرۃ العین سکندر "محبت گزیدہ" آغاز تو اچھا رہا اور اختتام پر آگے جانے کی جلدی ہے اسی لیے تبصرہ مکمل ہونے تک محفوظ جبکہ "محبت بھیگا جنگل" از عابدہ سبین نام اچھا لگا اور کہانی بھی مکمل ہونے پر تبصرہ کروں گی ابھی کے لیے صرف اتنا کہ ماننا کہ انداز بیاں اچھا ہے مگر ناول کا روپ دینے کے لیے طوالت کچھ زیادہ ہی دے دی ہے آپ نے (برائے مہربانی اسے تنقید برائے اصلاح ہے یہ ڈیئر سبین) اب بڑھ سالے کی جان کی طرف بڑھتے ہیں "عشق دی بازی" ریحانہ آفتاب (قارئین حجاب کا ہر ماہ شدت سے انتظار کرنا دراصل اسی کہانی کی وجہ سے ہے) ریحانہ جی پچھلی دو

افسانہ جنتی شاندار رہی تیسری بالکل آپ ہی کی طرح دلکش، ہر کہانی میں ایک یا دو کردار پسندیدہ ہوتے ہیں مگر عشق دی بازی میں ہر کردار ہی کہانی کی جان محسوس ہوتا ہے بشمول چودھری حشمت کے اور بالخصوص "چودھری جہانگیر" کے سچ کہوں تو سبحان اور شاہ زرایوین ہیرو بننے پھر رہے ہیں اصل پاور تو ان کے چچا جان میں ہے (ہاہاہاہا) کیا تھے کرداروں پر کمنٹس اب پسندیدگی کی دوسری وجہ نہیں تو جناب کہانی میں برقرار تسلسل اور ہر صفحے پر بڑھتا تجسس بہت اچھا لگ رہا ہے بجھ نہیں آ رہا اور ا، ایشان اور عیشال کو کس طرح بہن بھائی سمجھوں خیر تکا لگا رہی ہوں کہ جہانگیر صاحب نے شادی تو دو ہی کی ہیں مگر عیشال کی ماں کون؟ اف ریحانہ جی اب آپ ہی جلدی سے گتھی سلجھا دیں ہمیں تو کرنا ہی "انتظار" ہے آرٹیکل میں اقرا حفیظ کا لکھا پسند آیا جبکہ قلمی نام از فاالفت جی بہت پسند آیا معلومات بھی حاصل ہوئی اور پڑھ کے مزہ بھی آیا ہاں تو قارئین حجاب و آنچل بتائیں پلیز آپ میں سے کون قلمی نام استعمال کرتا ہے بھلے اصل نام نہ بتائیں مگر یہ ضرور بتائیں کہ کون قلمی نام یوز کرتا ہے، سچ جان کر بہت اچھا لگے گا آغاز میں کرتی ہوں ساتھ آپ لوگ دیں کیونکہ جناب میں قلمی نام تو نہیں مگر نک نیم استعمال کرتی ہوں وجہ یہ کہ اول تو بچپن سے اپنا نام ہی سنا دوم یہ کہ یہ نام میری پہچان بھی ہے اور بے حد پسند بھی مدیحہ نورین، کوثر ناز، مائیلا طالب، شازیہ مواتی، نور الشال، کرن شہزادی، ہزمین سرمین، دلکش مریم، نجم انجم اور باقی سب پلیز ضرور بتایئے گا "جیسا میں نے دیکھا" پڑھ کر ہمیشہ پروین شاکر سے پسندیدگی بڑھتی ہے واقعی وہ بہترین شاعرہ عظیم انسان اور خاتون تھیں بزم سخن تمام اشعار اچھے تھے بالخصوص یہ

میرے جذبات سے واقف ہے میرا قلم
میں لکھوں عشق، کشمیر لکھا جاتا ہے
میرے اپنے جذبوں کی عکاسی تھی ماہ رخ......!

آرائش حسن میں چونکہ میک اپ پر زیادہ سوچ دوری ہے کیونکہ (بعض چیزیں بعض پر جچتی نہیں اور میں انہیں بعض لوگوں میں رہنا چاہتی ہوں) عالم میں انتخاب میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ریحانہ جی خوب صورت ناول لکھنے کے لیے شکریہ اور آپ کی غزل میری طرف سے آپ ہی کے لیے قبول کیجیے علاوہ ہال کراچی اور صبا ایشل کا انتخاب پسند آیا شوخی تحریر میں تمام دوستوں کی شرکت و انتخاب اچھے لگے "حسن خیال" تمام بہنوں کا اچھا لگا شازیہ ہاشم کا تبصرہ واقعی انعام کا حقدار تھا شازیہ مبارک ہو آخر میں "دوست کا پیغام آئے" میں حنا ارشد آپ کا پیغام پڑھا آپ سے دوستی اعزاز سمجھ کر قبول کی قلمی رابطہ قائم رکھیے گا آپ کا شعری مجموعہ کیا صرف لاہور میں دستیاب ہے حیدرآباد میں نہیں؟ کیونکہ نیٹ فون تک رابطے سے قاصر ہوں باقی تمام دوستوں کو پیار دوست کے پیغام میں مجھے بھی یاد رکھا کریں آپ سب کی محبت غم زندگی بھلا دیتی ہے خوش رہیں سب۔

جویریہ وسمی...... ٹونگہ ہونگہ

تلاش کروں گی تیرے سبھی سلسلوں میں نام جویریہ
جو مل گیا کبھی میں تو سمجھوں گی کہ رشتہ ہم سے بھی ہے

کیسی ہیں جوہی احمد آپ ابھی سے کتنی گرمی ہوگئی ہے ناں؟ جوہی سمیہ عثمان، حماد ذوالفقار میرے اشعار کو اپنے سلسلوں میں جگہ کیوں نہیں دیتیں ذرا ان سے پوچھ کے ہولے سے مجھے بتانا پلیز مصروفیات حیات نے قلت وقت کی ڈور کو تھام رکھا ہے کہ حجاب نگری میں حاضری لگوانا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف لگتا ہے کہانی کا مال پسند طبیعت کا بھی عمل دخل ہے دل کے دریچے کا خوشگوار اختتام لبوں پر بجلی سی مسکراہٹ بکھیر گیا صدف آصف اس قدر خوش اسلوبی کے پیرائے میں مقید کر کے دل کے دریچے کا اختتام یہ کہنے پہ مجبور کر سکا کب آ رہی ہو دوبارہ ایک سلسلہ وار ناول کے ساتھ حجاب نگری میں واپس میرے خواب زندہ ہیں نادیہ کا سبک رفتار سے چلتا ہوا ناول اپنے اختتام کی طرف تمام تر توجہ کو سیدول رکھتے ہوئے نہایت احسن اسلوب پر جاری و ساری ہے فراز کا ایٹی ٹیوڈ ماریہ کے ساتھ ہو یا اختر کی ماں ہے سونیا کی بدفطرت کو ساحرہ پر جلد عیاں کر کے فراز کی شخصیت کو سرخروئی کی سند سب کے سامنے عطا کرنے میں تعجیل سے کام لیا جائے حالات حاضرہ کہ زیادہ مناسب ہے یہ بات کائنش کی زندگی میں مہرو کو داخل جلد کر دیں تاکہ حورین اپنی بیٹی سے ایک طویل مدت انتظار جاں گسل کے بعد ملن کی تمام تر تازگی کو اپنے اندر سموتے ہوئے فٹ ہو جائیں "شب آرزو تیری چاہ میں" نائلہ طارق زنا تشہ کی بے رخی ایک عجب داستان سنا رہی ہے بس اتنی سی محبت تھی عرش سے اور یا اپنی دماغ تو ہے ہی پاگل یہ بنا کام بھی بگاڑ ڈالے گی اور یہ حارق اب حجاب سے کیا چاہتا ہے ایک دفعہ پھر میں ان کو ایک ساتھ دیکھنا ہرگز پسند نہیں کروں گی پلیز اسے حجاب سے تھوڑا دور ہی رکھیں آپ۔ "عشق دی بازی" جب مکمل ہوگی تب بھرپور تبصرہ ان شاء اللہ "جیسا میں نے دیکھا" رفاقت آپا کی ہمراہی میں یہ سفر اپنی تمام تر خوب صورتی کو سمیٹتے ہوئے ایک جان لیوا درد ہم اور قلب وجاں کے ساز کو دھن کی صورت میں چھیڑتے ہوئے کبھی آنسو تو کبھی اداسی بھری مسکان دان جاتا ہے باقی تمام سلسلے اپنی اپنی جگہ مسلم ہیں افادیت سے بھرپور۔ کوثر خالد دل گئے آنچل مجھے بہت شکریہ جناب آپ کا شمع خالد منگنی کی مبارک ڈھیروں نیک تمناؤں کے ساتھ۔ عائشہ پرویز کیسا جا رہا ہے زندگی کا نیا سفر اللہ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے فریدہ آنی مزاج بخیر؟ پروین افضل سلام محبت، گل مینا آپ واقعی حسینہ ہیں ماسمرہ کی؟ نگہت غفار آپ کو دوبارہ حجاب میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی بہت شکریہ آپ کا طویل وقت کے بعد یاد فرمانے کا اقرا جٹ میرے لیے بھی دعا کرو ہاں پلیز ماہ طلحہ مجھے آپ شرمیلی لگتی ہیں کیا یہ سچ ہے؟ صبا ایشل مجھے آپ کے خیالات بہت اچھے لگتے ہیں آپ کا اور ماہ طلحہ کا تعلق بس یہی کہوں گی امیزنگ، حرا قریشی کہاں ہیں جناب حرا آپی ایک بات کہوں؟ چلیں باذن حرا آپی تک تبرک تکلم ہی بہتر ہے پلیز میرا ہر لفظ صرف حجاب میں شائع کریں نہایت عاجزی سے درخواست جیا۔

کوئی تو بات ہے تجھ میں حجاب
تیری بیگانگی کے باوجود تیری محبت دل سے نہیں جاتی

اجازت دیجیے دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور کہ اب جانے بھی دو نا حجاب اور کہیں ناراض بس خوش رہو حجاب مسکراؤ اب جلدی سے وقت بہت ہو چکا ہے تاکہ میں

جاسکوں اور ہو یہ ہوئی نا بات حیات باقی ملاقات باقی سنو جگ دسے دینا خود میں پلیز ہر سلسلے میں ہو کے کہنا جا رہی ہوں فی امان اللہ آ ہوئی امان اللہ ان الفاظ کے ساتھ

"میرے ذوقِ طلب کا تذکرہ اب کم سے کم ہوگا حجاب"

☆ڈیئر جویریہ! آپ کی آمد اچھی لگی آئندہ بھی محفل میں شامل رہیےگا۔ نگارشات آئندہ ماہ شامل ہوں گی۔

سحر تبسم سحری...... السلام علیکم آنچل و حجاب ریڈرز اینڈ رائٹرز اینڈ جویریہ باجی کیسے ہیں آپ سب؟ امید ہے کہ سب خیر و عافیت سے ہی ہوں گے جویریہ باجی میں نے آپ سے ایک بات کہنی ہے کہ رسائل میں خط لکھا لیکن کسی نے حوصلہ افزائی نہیں کی پریشان ہوگئی ہوں میں تو نہ بلاوجہ بات کرتی ہوں نہ بے جا تنقید کرتی ہوں تو میری امی کہنے لگی کہ باقی رسائل چھوڑو تم وہ جو دو باقاعدہ پڑھتی ہو آنچل یا حجاب میں کیوں نہیں ٹرائی کرتی اب میں اپنی امی کی بات مان کر حجاب میں آئی ہوں اور کچھ یقین یہ بھی کہ آپ تو میرا نازک اور معصوم دل نہیں توڑیں گے پریشان نہ ہوں میں اپنا ٹوٹا پھوٹا تبصرہ لکھ رہی ہوں حجاب مجھے کافی انتظار کے بعد 9 کو ملا ٹائٹل پیارا تھا سرخ رنگ مجھے ویسے بھی پسند ہے بات چیت پڑھی قیصر آنٹی کی گفتگو بہت میٹھی ہوتی ہے اور تبصرہ لکھنے کی ہمت بڑھی اور سوچا کہ پسند نا پسند صاف صاف لکھی ہے عشرت گودھروی کی حمد لاجواب تھی میں نے اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کی جبکہ قمر الدین کی نعت بھی لاجواب تھی "ذکر اس پری وش کا" میں سب نے محفل لوٹ لی ویسے میں (لورنگ سی بندی آپ لوگوں سے دوستی کرنا چاہتی ہوں؟) کرن سخن میں پلیز سمیرا حمید کو لائیں ویسے اسامہ بن اعجاز سے مل کر اچھا لگا ویسے میں نے ان کو کبھی پڑھا نہیں ہے "ملاقات" یہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے میں بھی رائٹرز سے کچھ سوالات کرنا چاہتی ہوں۔ قرۃ العین سکندر ایک اچھی مصنفہ ہیں ان کو پڑھ کر ہمیشہ میں نے سیکھا ہے۔ (سلسلہ وار ناول) میں میری فیورٹ "شب آرزو تیری چاہ میں" پلیز عرش کے ساتھ سب کچھ اچھا کیجیے گا مجھے اس کا کردار بہت پسند ہے "عشق دی بازی" ریحانہ باجی کی اسٹوری بھی اچھی ہے سین زیادہ لمبے نہیں کیا کریں اور مجھے سبحان بہت پسند ہے اس قسط کا اینڈ پڑھ کر تو جان لرز گئی کہ سبحان کے ساتھ کیا ہوا؟ اگلی قسط کا شدت سے بھی زیادہ شدت سے انتظار ہے "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ آپی کا ناول بھی اچھا ہے لیکن زیادہ طویل نہ کھینچے پلیز پھر مزہ ختم ہو جاتا ہے مکمل ناول میں قرۃ العین کو دیکھ کر اچھا لگا محبت گزیدہ کی پہلی قسط نے خوب مزہ دلایا جبکہ اگلی قسط کا انتظار سولی پہ لٹکا گیا "محبت بھیگتا جنگل" بہت معذرت کہ یہ اسٹوری پسند نہیں آئی پتا نہیں کیوں لیکن سوری (ناولٹ) "میری تکمیل تم سے ہے" نظیر فاطمہ آپ اتنے وقفے کے بعد کیوں آتی ہیں لیکن جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں مجھے ہمیشہ آپ کا لکھا پسند آیا ہے۔ (افسانے) حجاب کے افسانے مختصر مگر ہمیشہ موثر رہے ہیں جیسا کہ میں نے کہا کہ بے جا تنقید نہیں کرتی تو کروں گی بھی نہیں "محبت ذات" (مریم) "بیٹا" (زارا) "سوال" (فرح طاہر) "نامحرم" (ہانیہ) "میرا گھر" (رشک حبیب) "شاعری کلاسز" (نائمہ غزل) "بانو باجی" (یمنیٰ نور) سب نے اچھا اور موثر لکھا ہے آ رینکنگز میں باقرا حفیظ نے اچھا لکھا مستقل سلسلوں میں حسن خیال سب سے پہلے جویریہ باجی سے مختصر بات چیت کی یہ جویریہ باجی آپ کی بات مان کر نہ کوئی شعر لکھا ہے نہ زیادہ طویل کیا ہے سب کے تبصرے لاجواب تھے خاص کر شازیہ ہاشم میوائی کا ویسے زیادہ طویل نہیں لکھا بزم سخن میں فاطمہ خان، خدیجہ نعمان، رضیہ احمد، صائمہ الیاس، ثمرین دایاب، سحر علی، زرینہ تبسم، ماہ رخ ماہرین، منیزہ، عروسہ نازش کنول، ام ہانی کے اشعار پسند آئے۔ کچن کارنر میں مٹر تہاری، کلیجی مصالحہ اور قیمے کی بریانی نے منہ میں پانی بھر دیا (عالم میں انتخاب) میں مشی خان، اریبہ منہاج، ماہ نور، شہزادی فرخندہ، ضوبار یہ ساحر، ہما طیبہ کا انتخاب لاجواب تھا (شوخئ تحریر) عائشہ رحمان، طاہرہ منور، کرن شہزادی، علیشہ نور، سارہ مریم، عائشہ رحمان، سمیرا اسحاق کا انتخاب لاجواب تھا ٹوٹکے اچھے اور مفید تھے یہ لیں میں جا رہی ہوں تبصرہ کیسا لگا ضرور بتایئے گا اور اگر اجازت ہو تو ہر ماہ نہیں تو کبھی کبھی آسکتی ہوں اور بتایئے گا ضرور اللہ حافظ جویریہ باجی اور قیصر آنٹی حجاب و آنچل ایسے ہی ترقی کرے آمین۔

☆ڈیئر سحر! آپ کا تبصرہ پسند آیا آئندہ اپنے شہر کا نام بھی لکھیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔

موسم خوشبو باد صبا چاند شفق اور تاروں میں
کون تمہارے جیسا ہے وقت ملا تو سوچیں گے

اس بار مارچ کا حجاب ہمیں دس تاریخ کو ملا منیزہ کے سرورق سے سجا ملاقات چیت میں آپی قیصر نے درست فرمایا ہے کہ تمام بہنوں کی قابل اشاعت کہانیاں شائع ضرور ہوتی ہیں چاہے وہ آنچل میں چھپیں یا حجاب میں بہت خوشی ہوئی کہ ہمارے شہر بہاولنگر کی ثنا ناز نے اپنے مختصر تعارف کے ساتھ ذکر اس پری وش کا میں حصہ لیا۔ کہانیوں میں بیٹا، نامحرم، سوال، فلمی نام، جوڑن سلسلے وار ناولز بھی خوب ہی جا رہے ہیں شازیہ ہاشم آپ آئیں تو سہی ہم آپ کو بونگ اسنو کھلا دیں گے۔ اقرا جنت ہم دونوں میاں بیوی خوش و خرم ہیں۔ مشی خان ہم دونوں بھی خوش ہیں اور آپ کو دعا دیتے ہیں۔ مدیحہ نورین، میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ ہماری دعا ہے حجاب اور ترقی کرے آمین اجازت خدا حافظ۔

اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ رب العزت وطن عزیز کو رہتی دنیا تک قائم رکھے اور اسے دشمن کی بدنظر سے محفوظ رکھے اور ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائے آمین۔

نا قابل اشاعت: محبت کے دھنک رنگ، تم ایسی محبت کرنا، خواہشوں کے دیئے جلے، اعتبار کا موسم، اسمارٹ فون۔

قابل اشاعت: دل بدگمان، صرف محبت۔

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

گردن توڑ بخار (سرسام)

Simple Meningitis

دماغ کے اوپر موجود جھلی جب سوزش میں مبتلا ہوجائے تو ایسی حالت کو Meningitis کہتے ہیں۔

اسباب مرض (Causes)

وہ بیکٹیریا جو ایسی بیماری کا سبب بنتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

Meningococci

Acute Pyogenic

Tubercele

اس کے علاوہ تمام Organisn جو دوسرے امراض پیدا کرتے ہیں اس بیماری کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں مثلاً یہ مرض Fungi سے بھی ہوجاتا ہے اس کے علاوہ دماغی سوزش کے مندرجہ ذیل اسباب بھی ہوسکتے ہیں مثلاً سر کو چوٹ لگ جانا سخت گرمی کا اثر، ناک اور کان کے ورم کا بعض اوقات دماغی پردوں کی طرف منتقل کر جانا آتشک، نقرس، چیچک یا جلدی امراض کے مادہ کا دماغ کی طرف منتقل ہوجانا۔ غصہ وغضب، کثرت مطالعہ، کثرت شراب نوشی، سخت ریاضت وغیرہ اس کے اسباب ہیں مگر بعض اوقات بلا کسی ظاہری سبب کے بھی لاحق ہوجاتا ہے مثلاً Small Pox یا دیگر امراض کے نتیجے میں ٹی بی کے مادہ کا دماغ میں موجود ہونا بھی اس کا بڑا سبب ہے۔

مرض کس طرح پیدا ہوتا ہے:۔

بیکٹیریا خوراک یا سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوکر خون میں شامل ہوجاتے ہیں اور دوران خون کے ساتھ (Cerebro Spinal Fluid) تک جا پہنچتے ہیں اس طرح اگلی رسائی دماغی پردوں تک ہوجاتی ہے وہاں پہنچ کر یہ بیکٹیریا سوزش پیدا کردیتے ہیں۔

اس طرح تپ دق کے جراثیم جسم کے دوسرے حصوں کو متاثر کرنے کے ساتھ دماغی جھلی تک پہنچ کر اسے بھی سوزش میں مبتلا کردیتے ہیں اگر حملہ آور جراثیم کی تعداد بہت بڑھ جائے تو اس کے نتیجے میں دماغ کے مرکز پر سبزی مائل کریم جیلی کی طرح کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور وہ خالی جگہوں کو آپس میں بھر دیتا ہے اس طرح دماغ کی مختلف سطحیں آپس میں جڑ جاتی ہیں۔

علامات مرض:۔ (Clinical Feature)

کبھی اصل مرض کے شروع ہونے سے پہلے طبیعت سست ہوجاتی ہے مزاج چڑچڑا ہوجاتا ہے، سردرد کی شکایت ہوتی ہے جوانوں میں جاڑے اور بچوں میں تشنج ہوجاتا ہے بخار چڑھ جاتا ہے جس کی حرارت 102 درجے سے زائد نہیں ہوتی مگر مریض کا چہرہ متفکر ہوجاتا ہے طبیعت بے چین ہوجاتی ہے نیند نہیں آتی شدت درد ہوتا ہے اور تواتر تشنج کے سبب مریض نڈھال ہوکر چیخنے لگتا ہے عضلات پھڑکنے لگتے ہیں شدت ہذیان سے ہر وقت بکواس کرتا ہے دانت پیستا ہے، آنکھیں سرخ اور پرآب مگر وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے ہاتھ پاؤں میں اکڑن ہوتی ہے قبض ہوجاتی ہے آخرکار بے ہوش پڑا رہتا ہے۔

عضلات مفلوج ہوکر ڈھیلے ہوجاتے ہیں بول و براز بے خبر خطا ہوجاتے ہیں اور چہرے پر موت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں نبض پہلے کی نسبت زیادہ تیز ہوجاتی ہے اور مریض خراٹے لیتا ہے۔

احتیاطی تدابیر:۔

مریض کو ہوادار مگر تاریک کمرے میں لٹانا چاہیے اس کے پاس کسی قسم کا شوروغل نہ ہو مریض کے سر کو کسی قدر اونچا رکھیں اگر مریض رسوی ہو یا کہ مرض صفراوی ہو جس میں بطور علامت بخار کا زیادہ تیز اور سر کا ہلکا ہونا منہ اور زبان کی خشکی، چہرے اور آنکھوں کی زردی، بے چینی و بے خوابی نمایاں ہوتی ہے۔

بیلا ڈونا:۔

ابتدائی مرض میں یہ دوائی بہت کارآمد ہوتی ہے جبکہ جسم خوب تپتا ہو نبض تیز، چہرہ چمکیلا، سرخ ہذیان بکتا ہو، سر میں سخت درد نیند سے چلا کر چونک اٹھنا اور دانت پیسنا وغیرہ کی علامات موجود ہوں یہ دوائی سادہ ورم پردہ دماغ کی دوائی ہے۔

ایکونائٹ:۔

جب یہ مرض بوجہ تمازت آفتاب یا دھوپ میں زیادہ دیر کھڑا رہنے سے ہو یا بوجہ غیظ وغضب یہ مرض پیدا ہوگیا ہو تو ابتدائے مرض میں یہ دوائی کارآمد ہوتی ہے۔

ورائٹرم ورائیڈ:۔

پردوں میں شدت کی ورم، نبض تیز اور تشنج کا ڈر اور نقاہت بہت زیادہ ہو، بے ہوش پتلیاں پھیلی ہوئی سست و بے قاعدہ نبض اس کی علامات ہیں۔

برائی اونیا:۔

مریض لگاتار منہ کو ہلاتا رہے گویا کچھ چبا رہا ہو ہلانے جلانے سے مریض چیخے چلائے، شکم تنا ہو اور زبان سفید، درد میں بہت تیز اور چبھن کرتی بخاری تیز اور پسینہ بکثرت آتا ہو۔

ایپس:۔ (Apis) مریض چیخے چلائے، چہرہ پھولا ہو، پیشاب تھوڑا آتا ہو اور پیاس نہ لگتی ہو چھوٹے بچوں کے لیے یہ دوائی نہایت موزوں ہوتی ہے اور خاص کر جب مادہ سل کی وجہ سے یہ مرض پیدا ہوا ہو۔

ہیلی بورس:۔ ترقی مرض میں یہ دوائی کام آتی ہے جبکہ سوزش میں سے مادہ نکلنا شروع ہوگیا ہو ماتھے پر شکن، پتلیاں پھیلی ہوں، جب مریض کے ایک طرف کی ٹانگ اور دوسری طرف کا بازو بے اختیار ہلتے رہتے ہوں تو یہ ہیلی بورس کی خاص علامت سمجھنی چاہیے سخت سردرد، یکایک چلا اٹھنا، سر ہلانے پر سر کو مارنا یہ سب اس کی خاص علامت ہے۔

زنکم میٹیلیکم:۔

جب مرض کا حملہ بہت تیز نہ ہو یعنی مدہم ہو تو یہ دوائی سودمند ہوتی ہے خصوصاً جبکہ مادہ سل کی وجہ سے ہو، بخار یا تو بالکل نہ ہو اگر ہو تو بالکل خفیف۔

آرنیکا:۔

جب مرض کا باعث چوٹ کا آنا یا صدمہ دماغ ہو مذکورہ بالا ادویات کے علاوہ سائی کیوٹا، سلفر، ٹیوبر کولائینم کیوپرم اور کلکریا کارب بھی اپنی اپنی علامات کی موجودگی میں کام آتی ہیں۔

شدید ورم دماغ

Acute Pyogenic Meningitis Causes

اسباب مرض:۔

سٹفلو کوکسی، سٹرپٹو کوکسی، لیموکوکسی یا جراثیم انفلوائنزا دماغ کے پردوں پر اثر انداز ہوکر اس مرض کو پیدا کرتے ہیں۔ دل، پھیپھڑوں، ہڈیوں وغیرہ کے امراض بھی اس مرض کا باعث ہوا کرتے ہیں۔

ضروری ہدایات:۔
مریض کو ہوادار اندھیرے کمرے میں رکھیں سر کے بال ترشوادیں اس کی ٹانگوں کو گرم رکھیں کمرے میں کسی قسم کا شور وغل نہ ہونے پائے دودھ اور سوڈا واٹر دیں لیکن کوئی ٹھوس غذا نہ دیں پینے کے لیے ٹھنڈا پانی بہ افراط دیں قبض کو دور کرنے کے لیے گرم پانی اور صابن کا انیما دیں۔

دماغی پردوں کا ورم سلی
Tuberculous Meningitis

اس مرض میں ٹی بی کے جراثیم کی وجہ سے دماغ کے پردوں میں ورم ہوجایا کرتا ہے۔

اسباب مرض:۔
اس مرض کا اصل سبب مادہ سل یعنی ٹی بی کا مادہ ہے خنازیری مزاج کے بچے جن کی عمر ایک سے پانچ سال کی ہوتی ہے اور بعض اوقات سلی مزاج کے نوجوان اشخاص بھی اس مرض میں مبتلا ہوجایا کرتے ہیں صدمہ دماغ دفعتاً خوف کھاجانا، بچہ کا تکلیف سے دانت نکالنا بھی اس کے اسباب ہیں۔

ابتدائی علامات:۔(Clinical Features)
ابتدائی علامات کے سوا اس مرض کی علامت کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

Symptoms Before Clinical Disease

آغاز مرض میں پہلے بچہ کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اور وہ لاغر ہوتا چلا جاتا ہے ذرا سی محنت سے تھک جاتا ہے سر چکراتا ہے دماغی اجتماع خون کے باعث بخار ہوجاتا ہے ہاتھ پاؤں میں درد رہتا ہے چلتے وقت بچہ پاؤں گھسیٹ کر چلتا ہے اچانک چیخ مار کر جاگ اٹھتا ہے۔

علامات درجہ اول
Clinical Features Of Stag-I

بخار رہتا ہے جس کی حرارت 102 درجہ ہوا کرتی ہے بچہ مغموم اور اس کا مزاج چڑچڑا ہوتا ہے کبھی کھیلتا ہے کبھی ڈر کر ماں کی گود میں جا چھپتا ہے ذرا بڑا ہو تو درد سر کی شکایت کرتا ہے سر کے چکرانے سے ایک آدھ منٹ ادھر ادھر دیکھ کر رونے لگتا ہے چلتے وقت پاؤں کو گھسیٹ کر چلتا ہے سبز رنگ کی قے آتی ہے قبض رہتی ہے اور ہاضمہ خراب ہوتا ہے بے چینی، بے خوابی اور غنودگی ہوتی ہے مگر ذرا سی آہٹ سے بچہ چونک کر جاگ اٹھتا ہے روشنی برداشت نہیں ہوتی۔

ایک ہفتہ تک یہ علامت رہ کر دوسرے درجے کی علامات شروع ہوجاتی ہے۔

علامات درجہ دوم
Clinical Feature of Stage -II

دماغ پریشان ہوتا ہے مریض چپ چاپ تیور چڑھائے پڑا رہتا ہے آواز کی برداشت نہیں ہوتی آنکھوں کے آگے شعلے سے اڑتے اور کانوں میں شور وغل کی آوازیں سنائی دیتی ہیں قے ہوتا ہے اور مریض بار بار چیخ مارتا ہے جو ایک خاص علامت ہے اگر بچہ ذرا بڑا ہو تو سخت درد وغیرہ کی شکایت کرتا ہے نبض تیز چلتی ہے قے ہوتا ہے مقامی فالج اور ہذیان وغیرہ علامات پیدا ہوجاتی ہے۔

اس کیفیت کے ہفتہ دو ہفتہ بعد تیسرا درجہ شروع ہوجاتا ہے علامات درجہ سوم Clinical Features Of Stage-III اس درجہ مرض میں مریض بالکل بے ہوش پڑا رہتا ہے عضلات بدن ڈھیلے پڑ جاتے ہیں بچوں میں اس کی میعاد ایک ہفتہ سے تین ہفتہ یا تئیس روز تک ہوتی ہے کبھی دفعتاً تشنج ہوکر مریض مرجاتا ہے اور کبھی صحت کاذب ہوکر مریض چند روز تک اچھا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے بعد اچانک حرکت تنفس بند ہوکر مرجاتا ہے۔

اس مرض کی تشخیص ہوتے ہی مکمل علاج شروع کردینا چاہیے مرض کی شدت وخفت کو سامنے رکھ کر ادویہ کی مقدار وخوراک کا تعین کرنا ہوگا اس مرض کا علاج بالکل اسی طرح کیا جاتا ہے جس طرح کہ پھیپھڑوں کی ٹی بی کا کیا جاتا ہے۔

غذا (Diet) لطیف وزود ہضم غذا سود مند ہوتی ہے۔

ورم دماغ (Cerebritis)

اس مرض میں نفس دماغ اور اس کے تینوں پردوں میں ورم ہوجاتا کرتا ہے۔

اسباب مرض (Causes)
دماغ کی چوٹ، صدمہ دماغ، تمازت آفتاب، شدت کی گرمی دماغ کا غیر معمولی طور پر بڑھ جانا، ناک اور کان کی ہڈیوں کے امراض کا دماغ کی طرف منتقل ہوجانا کھوپڑی کی ہڈیوں کا مردار پڑجانا سمیت خون، امراض کثرت شراب خوری اور دوسری نشہ آور چیزوں کا استعمال، پیشاب، پاخانے کا رک جانا عورتوں میں بندش حیض، کثرت تفکرات و مطالعہ وغیرہ عورتوں کی نسبت مردوں کو یہ مرض زیادہ ہوتا ہے۔

علامات مرض Clinical Features
اگر ورم دماغ کا سبب مادہ سل ہو تو سب سے پہلے علامات کو ملحوظ خاطر رکھ کر علاج شروع کیا جائے عام حالات میں اس مرض کی علامات درج ذیل ہوتی ہیں۔

درد سر رہتا ہے جس کو شور وغل سے زیادتی ہوتی ہے قے آتی ہے غنودگی طاری ہوتی ہے ہاتھ پاؤں سرد رہتے ہیں شروع میں آنکھوں کی پتلیاں سکڑی ہوئی پھر ہلکی سی پھیلتی ہیں اور آخر میں کشادہ ہوتی ہیں تنفس بھی غیر منظم گہری اور سرد ہوتی ہے قبض ہوتی ہے اور پیشاب بھی نہیں آتا بخار ہوتا ہے مگر حرارت جسم 102 درجہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

یہی علامات مختلف مریضوں میں مختلف ہوا کرتی ہیں مثلاً بعض میں شدت درد سر اور قے بعض میں سستی اور کاہلی اور غنودگی زیادہ مگر قے کم بعض میں بار بار تشنج ہوتا ہے جس کے چوبیس گھنٹہ بعد بے ہوش اور اڑتالیس گھنٹے بعد ہاتھ پاؤں سرد ہوجایا کرتے ہیں اور مریض خاموش پڑا رہتا ہے بول نہیں سکتا حواس خمسہ میں فتور عضلات میں پھڑکن اور چہرہ بدہیئت ہوجاتا ہے۔

انجام مرض (Prognosis)
اس مرض کا انجام عموماً خراب ہوا کرتا ہے موت اس میں 90 فیصدی ہوتی ہے مریض عموماً پہلے ہفتے، کبھی دوسرے، کبھی تیسرے اور حد چوتھے ہفتے میں انتقال کر جاتا ہے کبھی یہ مرض دیوانگی میں تبدیل ہوجایا کرتا ہے۔
بہتر ہے ابتدائی مرض کی تشخیص ہوتے ہی علاج بالکل کو فوقیت دی جائے۔

⌘

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

ممانی سیدہ زاہدہ جعفر کا نام

دل ہے تو اداس آنکھوں میں آنسو اور دل میں حد درجہ غم میری پیاری ممانی سیدہ زاہدہ جعفر انتقال کر گئیں جب ماموں ہم سے ملنے آئیں گے تو ان کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ ممانی کے وجود سے خالی ہوگی انیلا جی کی رس گھولتی آواز کانوں کو سننے کو نہ ملے گی لاڈلی بیٹیوں کو تسلیاں دینے اب کون آئے گا میری ڈائری میں آج بھی فیورٹ ممانی کے آگے آپ کا نام لکھا گیا ہے میں اب کس حوصلے سے اس کے آگے مرحومہ لکھوں گی سب سے بڑی ممانی جو مجھ پہ بہت خوش تھیں دعائیں دیتے نہ تھکتیں کوئی ایسی بات نہ تھی جو ہمیں دکھ دیتی ہو مجال ہے جو ذرا بھی ہمیں نندوں کی بیٹیاں سمجھا ہو میں جب ان کے گھر گئی تو ہمی اپنے مائیکے لے گئیں حد درجہ سادہ لوح با ادب اور بہت محبت کرنے والی تھیں مائیکے میں بھی سسرال کی طرح پیری مریدی تھی والد گدی نشین تھے لوگ گھر کے کام کر جاتے ہمارے ابو کبھی ادھر ممانی کے پاس جاتے تو ممانی بہت پیار سے کپڑے دھو دیا کرتیں حالانکہ میرے ابو کسی سے کپڑے نہیں دھلواتے سوائے اپنے گھر کے لیکن ممانی اتنی اچھی تھیں کہ بیان سے باہر ہے آخری بار جب ہمارے گھر آئیں تو میری چھوٹی سسٹر زینب سے کہنے لگیں میں نے اب نیا گھر بنوانا ہے آپ کو لے کر جاؤں گی ڈیزائننگ کے لیے میرا گھر بھی ہینڈی کرافٹس اور چارٹس سے سجانا کیا معلوم تھا کہ بائیس دن اسپتال میں رہنے کے بعد چھبیس جنوری کو ہمیں چھوڑ جائیں گی جمعے کا روز آیا چہرے پر نور ہی نور آپ کی خواہش کے عین مطابق ماموں جان کے سامنے آپ کی روح پرواز ہوئی ابھی دو دن پہلے ہی تو آپ نے ڈاکٹر کو نعت سنائی تھی جو کہا سب پورا ہوا دعا ہے کہ ڈاکٹروں کے سامنے کینسر جیسی تکلیف دہ بیماری میں بھی گھونگھٹ نکال لینے والی میری باپردہ ممانی کو اللہ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

انیلا طالب......گوجرانوالہ

بچھڑے دوستوں کے نام

ہر دل عزیز پیارے حجاب اینڈ فیملی کو ملالہ اسلم کا خوب صورت سا مہکتا ہوا چاشنی میں لپٹا سلام قبول ہوا سلام علیکم امید کرتی ہوں حجاب سے وابستہ تمام لکھنے لکھانے والے دوست احباب خیر و عافیت سے ہوں گے ان شاء اللہ 6 جولائی کبھی نہ محو ہونے والا دن جس دن میں بابل کا آسرا چھوڑے بابل کی چوکھٹ پار کر کے اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کرنے کے لیے پہلا قدم سسرال میں رکھنے جا رہی تھی بہت پریشان تھی ذہن میں ایک ہی بات تھی کیا میں بابا جان کے بغیر رہ پاؤں گی؟ میری جان کے قریب میرے ابو تھے بہت سے سوالات بہت سے ابہام نہ جانے کیا کیا روتی رہی سسکتی رہی اور آنسوؤں کو پونچھتی اپنا گھر فیملی بابا جان بہن بھائی اور دوست احباب چھوڑ دیے کتنی پاگل ہوں ناں کبھی کبھی ہنسی آجاتی ہے یہ سب تو ہونا ہوتا ہے ہر لڑکی کی شادی ہوتی ہے میری بھی ایک دن ہونی تھی چاہے تھوڑا جلدی سہی زندگی میں یہ نشیب و فراز چلتے رہتے ہیں یہ تو قدرت کا تحفہ ہے جو ہر لڑکی کو قبول کرنا پڑتا ہے میں نے بھی کر لیا کاتب تقدیر نے کیا لکھا تھا میں نہیں جانتی مگر جو لکھا تھا ل گیا۔ دو مہینے مکمل ہونے میں کچھ دن باقی ہیں سب آنا فانا ہوا خود مجھے بھی نہیں پتا چلا سب کہتے ہیں یار اتنی جلدی شادی کرالی وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اتنی جلدی؟ میں کسی کو کیا بتاتی کبھی کبھی انسان اپنوں کی خوشیوں کے لیے قربانی دیتا ہے کافی لوگ ناراض ہیں جنہیں منانا چاہتی ہوں وہ لوگ جنہیں میں نے ہرٹ کیا آئی ایم سوری مجھے اپنوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے میں یہ ناراضگیاں افورڈ نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے بابا جان کو دوبارہ سے صحت دی ہے اتنی سی التجا ہے جب بھی دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھاؤ میرے بابا جان کی زندگی مانگ

لیناوہ میری کمزوری ہیں میں نہیں رہ سکتی ان کے بغیر انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی' اب ان سے دور ہوں مگر یہ تو دستور ہے ناں بیٹیاں سدا بابل کے آنگن میں تھوڑی رہتی ہیں؟ آخر کیوں دیتے ہیں ہمیں اتنا پیار کہ ہم رہ بھی نہ پائیں پاگل ہوں اس طرح سے بھی بھلا کوئی سوچتا ہے ہاہاہا اللہ تعالیٰ تمام والدین کو لمبی زندگی عطا کرے اوران کی کلیوں کو صبر عطا فرمائے آمین' سب سے اچھی بات بھائی اسد میری شادی کے بعد خود ہی مجھے ہر ماہ رسالہ لا دیتے ہیں لیکن اتنی مصروفیات ہوگئی ہے کہ تبصرہ تو نہیں کر پاتی مگر فرصت کی چند گھڑیاں نکال کر پڑھتی رہتی ہوں میرو کو کہوں گی کہ تمہیں اتنا چاہنے والا میرا بھائی ملا ہے ڈھونڈ کر دکھاؤ ذرا' تھینکس آلوٹ بروا ب خود ہی لا دیا کرنا کہنا نہ پڑے ہاہاہا ایشل' عائشہ' ریبا' یمن کیسی ہو لٹل سس؟ ثمرین مُغل تم سے تو بات بھی نہیں کرنی انوائٹ کیا مگر نہیں آئی میں تم سے پکی پکی ناراض ہوگئی ہوں اب منانے کا طریقہ ڈھونڈو زیبا امانت زیادتی ہوئی یا نہیں اس بات کو چھوڑو میں خوش ہوں تمہارے لیے اتنا جان لینا کافی ہے اچھی اچھی دعائیں دو دوستوں کے دلوں سے نکلی دعائیں اللہ تعالیٰ جلدی سن لیتے ہیں' خضریٰ دو منتھ کب گزریں گے مجھے شادی کارڈ کا بے چینی سے انتظار ہے لاریب مس یو جانی' دلاور یار کیا ہوگیا ہے میرا غم تو نہیں لے لیا' ہاہاہاہا بچے حاصل پور آجاؤ اگر مجھ سے ملنے کو دل کر رہا ہے تو آ ہم آ ہم نور اور آ کاش کیسے ہو خالہ کی جان ثریا خالہ سے عید پر ملنے آؤ گے ناں؟ سعدی' معتزم' حنان' حارث میرے ننھے منے چائلڈز کو بہت سی پاریاں' اپنی اپنی مما کو تو بہت تنگ کرتے ہوگے کوثر آنی "آپ کا پیغام پڑھتی گئی پڑھتی گئی اداس ہوتی گئی آخر میں یہ لائن "ارے ہاں ملالہ اسلم کو شادی مبارک" فلک شگاف قہقہے میں خوشی کا تاثر بھی تھا اور حیرت کا بھی چلو میں یاد تو آ گئی میری بہت بڑی غلطی ہے میں آپ کو کال نہیں کر سکتی مجھے آپ بھولی نہیں ہیں اور ویسے بھی آپ کی ذات ہی ایسی ہے کہ میں محو نہیں کر سکتی شکریہ مجھے اچھی اچھی دعاؤں اور لفظوں میں یاد رکھیں انیلا طالب مجھے کتاب مل گئی ہے بہت بہت شکریہ آپ نے اتنی محبت سے جواب دیا' صبا زرگر میں بہت مخلص انسان ہوں میں کوئی بھی کام کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی بلکہ اب تو مابدولت بھی خواتین کی لسٹ میں شامل ہوگئی ہیں ہاہاہاہا میری طرف سے دوستی پکی طاہرہ منور اب تو خانیوال چھوڑ دیا ہے ڈیئر' میرا سسرال حاصل پور ہے تو اب میں حاصل پور رہتی ہوں' البتہ ایک عرصہ کبیر والا بھی میں رہ کر آئی ہوں آپ کی محبت کا بہت شکریہ ورنہ میں اس قابل کہاں ہوں' بہت سی محبتوں کی مقروض ہوں خوش رہو' دلکش مریم' پروین آپی' انیلا طالب' طیبہ خاور' بہت شکریہ جانی مجھے یاد رکھا' شاہ زندگی بہت جلدی ساتھ چھوڑ ا یار پروین آپی بہت دکھ ہوا جان کر اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے آمین۔ والدین در حقیقت بہت انمول تحفہ ہیں جس کے بغیر بچہ نامکمل ہوتا ہے کوئی یہ تو بتائے پرانے ستارے کہاں جھلملانے گئے ہیں کسی دیس میں ٹمٹماتے پھر رہے ہیں واپس آجاؤ یار' عائشہ پرویز' سامعہ ملک' جاناں جی' پارس شاہ' انا احب' دعا قریشی' لوٹ آؤ' حرا قریشی' نور سپانس بٹ وائے؟؟ آنچل کی ملکہ نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' حریم گل کی رانی کوئی سلسلے وار ناول لکھیں مبارک پور والو ٹھیک ہو ناں' سمونا ملاف' ارم کہاں پہنچے طلعت آپی ٹیچنگ کر رہی ہیں یا نہیں آپی فوزیہ اکثر و بیشتر یاد کر رہی ہوتی ہیں طیبہ کیسی ہو ڈیئر' ملت پبلک اسکول بہت ترقی کرو میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اجازت دیں دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ حافظ۔

ملالہ اسلم...... حاصل پور

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

کچن ٹپس

اگر بے احتیاطی کے سبب مصالحہ تھوڑا سا بھی جل جائے تو پورا سالن بدمزہ ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بچا ہوا مصالحہ ایک صاف دیگچی میں منتقل کریں اور پھر فی کپ گریوی کے حساب سے ایک چائے کا چمچ بٹر پی نٹ (Butter Peanut) شامل کرکے دوبارہ پکائیں' سالن کا ذائقہ جلا ہوا محسوس نہیں ہوگا۔

کوئی بھی کچا پھل مثلاً آم وغیرہ کاغذ کے بیگ میں ایک سیب کے ساتھ رات بھر کے لیے رکھ دیں۔ سیب سے خارج ہونے والی ایتھلین گیس (Ethylene Gas) کچے پھل کو ایک رات میں پکا دے گی۔

اگر ابلے ہوئے چاول بچ جائیں تو ان سے مزید ایک اور ڈش تیار کرنے کے لیے تھوڑی سی پسی ہوئی دار چینی' مکھن' چینی اور دودھ ڈال کر کھیر بنالیں یا پھر پھینٹے ہوئے انڈوں' سویا سوس' ہری پیاز اور حسب ذائقہ نمک اور کالی مرچ کے ساتھ سوتے کریں جھٹ پٹ مزیدار فرائیڈ تیار ہو جائیں گے۔

جب بھی یخنی بنانا ہو ہمیشہ زیادہ مقدار میں پکائیں اور چھوٹے بڑے پلاسٹک کے بیگز (Bags) میں ڈال کر فریز کرلیں پھر جب بھی سوپ یا سبزی پکانی ہو تو حسب ضرورت بیگ فریزر سے نکالیں اور استعمال کریں۔

اگر براؤن شوگر کی گٹھلیاں بن جائیں تو جار میں تازہ ڈبل روٹی یا سیب کا ٹکڑا رکھ دیں گٹھلیاں نہیں بنیں گی ویسے براؤن شوگر کا جار اگر فریز میں رکھا جائے تو ابھی اس میں گٹھلیاں نہیں بنتیں۔

سوپ بناتے وقت اگر پین میں برف کی چند ڈلیاں ڈال دیں تو تمام چکنائی اکٹھی ہو کر سوپ کے اوپر آجائے گی اور اس طرح آپ بہ آسانی چمچ سے تمام چکنائی باہر نکال سکیں گی۔

مٹن یا بیف جلدی گلانے کے لیے اسے پکانے سے کم از کم دو گھنٹے پہلے سرکے لیمن جوس' اناس جوس' ٹماٹر یا پپیتے میں میرینیڈ (Marinade) ضرور کریں۔

خالص شہد قدرت کا ایسا عطیہ ہے جو کبھی خراب نہیں ہوتا۔ اگر آپ کو شہد کی رنگت کچھ دھندلی سی یا بدلی محسوس ہو تو اسے تیس سیکنڈ کے لیے مائیکروویوان میں گرم کریں وہ پھر سے شفاف ہو جائے گا۔

محنت سے پکائے گئے سوپ میں اگر نمک زیادہ ہو جائے تو اس میں کچے آلو یا سیب کا ٹکڑا ڈال کر ۱۰ منٹ تک ہلکی آنچ پر پکائیں' نمک کا اثر خاصا کم ہو جائے گا۔ بعد میں وہ ٹکڑا سوپ سے نکال دیں اس کے علاوہ اگر ایک کھانے کا چمچ چینی بھی سوپ میں ڈال کر پکالیں تو نمک کی کڑواہٹ دور ہو جاتی ہے۔

سرخ مولی' گاجر یا سلیری (Celery) نرم پڑ جائیں تو انہیں شیشے کے پیالے میں کچے آلو کے ساتھ رکھیں اور پیالہ برف کے ٹھنڈے پانی سے بھر دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے سبزیاں تر و تازہ اور کرنچی (Crunchy) ہو جائیں گی۔

پلاؤ بریانی کے لیے جب پیاز کے لچھے فرائی کریں تو اس میں تھوڑی چینی چھڑک دیں' پیاز جلدی سنہری ہو جائیں گے۔

سالن اگر پتلا رہ جائے تو اس میں ۵ تا ۶ عدد کاجو یا بادام کا پیسٹ شامل کردیں۔ سالن گاڑھا اور خوش ذائقہ ہو جائے گا۔

گریوی سے فالتو پانی خشک کرنے کے لیے' چائے کے دو چمچ خشخاش توے پر ہلکا سا بھون لیں اب اس کی پیسٹ بنا کر سالن میں شامل کریں اور ہلکی آنچ پر پکالیں' سالن گاڑھا ہو جائے گا۔

پکوڑوں کو نرم بنانے کے لیے اس کے آمیزے میں ۲ چائے کے چمچ گرم تیل شامل کریں۔

سخت پنیر کو نرم کرنے کے لیے کچھ دیر نمک ملے گرم پانی میں رکھ دیں۔

بند گوبھی پکاتے وقت اس کی بو پورے گھر میں پھیل جاتی ہے۔ اگر گوبھی پکانے کے دوران پین میں روٹی کا ایک ٹکڑا رکھ دیں تو بو نہیں پھیلے گی۔

فریج میں رکھنے سے مکھن سخت ہو جاتا ہے۔ اگر اسے استعمال سے پہلے کش کرلیا جائے تو وہ گرم ٹوسٹ پر بہ آسانی لگنے کے علاوہ میدے کی "ڈو" میں بھی اچھی طرح گندھ جاتا ہے۔

ادرک کا چھلکا چمچ سے اتار کر دیکھیں آپ چھری کا استعمال بھول جائیں گی۔

سیب' کھیرے اور آڑو کے چھلکے ضائع مت کریں انہیں تازہ دھنیے' ہری مرچوں' ادرک' ناریل' نمک اور چینی کے ساتھ ملا کر پیسنے سے لذیذ اور غذائیت سے بھرپور چٹنی بنتی ہے۔ اسے دہی میں شامل کر کے اور رائتہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

کوئی بھی دال پکاتے وقت اس میں مصالحے شامل کرنے سے پہلے اگر تھوڑی سی ہلدی اور گھی یا مکھن کا ایک چمچ ڈال کر کچھ دیر پکالیا جائے تو بالکل منفرد اور ذائقے دار دال بنتی ہے۔

سبزیاں پکاتے وقت جب تیل گرم کریں تو اس میں ایک چٹکی ہلدی ڈالنے کے بعد سبزیاں شامل کریں' سبزیوں کا قدرتی رنگ برقرار رہے گا۔

عام سبزیوں کی طرح سلاد کے پتے بھی تھوڑے سے تیل میں لہسن' نمک اور مرچ شامل کر کے پکائے جاسکتے ہیں۔

جب بھی ثابت مرغی روسٹ کرنا ہو تو مصالحہ بھرنے کے بعد اسے زیادہ دیر تک نہ رکھیں تا کہ اس کی تازگی برقرار رہے اور جراثیم کو پنپنے کا موقع بھی نہ ملے۔ مرغی کے اندر صرف تین چوتھائی حصے میں مصالحہ بھریں کیونکہ مصالحہ پکنے سے پھولتا ہے' اگر اسے پورا بھر دیں گے تو وہ باہر نکل آئے گا۔ مرغی کے اندر مصالحہ بھرنے کے بعد اس کا سینہ سوئی دھاگے سے سی کر بند کردیں پھر مرغی کی ٹانگوں کو مضبوطی سے مرغی کے ساتھ اور اس کے ونگز کو پیچھے کی طرف موڑ کر باندھ دیں۔ مرغی روسٹ کے لیے تیار ہے۔

نمکین مکھن چھ ماہ تک جبکہ پھیکا مکھن صرف تین ماہ کے لیے فریزر میں محفوظ رہتا ہے۔

چقندر کی رنگت اور ذائقہ برقرار رکھنے کے لیے اسے صرف پندرہ منٹ تک بھاپ میں پکائیں۔

آلو کا مزیدار بھرتا بنانے کے لیے سب سے پہلے آلو بیک کریں۔ اس کے بعد اس کا چھلکا اتار کر تھوڑے سے دودھ اور مکھن میں اچھی طرح میش کرنے کے بعد حسب ذائقہ مصالحے ڈال کر پکائیں۔ اس طرح ذائقہ مزید بہتر ہو جاتا ہے۔

تین پاؤ چینی شربت کی خالی بوتل میں ڈال کر اوپر سے تھوڑا سا نیم گرم پانی ڈال دیں چینی گھل کر شیرہ یعنی سیرپ بن جائے گی۔ اب یہ بوتل احتیاط سے ڈھکن لگا کر فریج میں رکھ دیں۔ مہمانوں کی اچانک آمد پر آپ اسی سیرپ سے شربت' اسکوائش یا سکنجبین تیار کرسکتی ہیں۔ اگر یہ شیرہ آپ زیادہ دنوں تک محفوظ رکھنا چاہتی ہیں تو اس میں تھوڑا سا لیموں کا رس یا ٹاٹری بھی ملادیں۔ یاد رہے کہ ایک بوتل کے لیے چٹکی بھر ٹاٹری کافی ہوگی۔

بڑے کیک کو فریز کرنے سے پہلے اس کے سلائس بنا کر ہر سلائس کے درمیان نان اسٹک پیپر رکھ دیں۔ اس کے بعد کیک کو آپس میں جوڑ دیں اور فریزر میں رکھ دیں۔ اس طرح آپ پورے کیک کی بجائے ضرورت کے مطابق سلائس نکال کر سرو کرسکتی ہیں۔

شہد یا کسی بھی طرح کا جما ہوا سیرپ بوتل سے نکالتے وقت اگر اسٹیل کا چمچ گرم پانی میں ڈپ کر کے استعمال کریں تو شہد یا سیرپ چمچ کے ساتھ نہیں چپکے گا۔